سال نو مبارک

گھر کے ہر فرد کے لئے

ماہنامہ

# پاکیزہ

کراچی

جنوری 2019

نگران اعلیٰ

معراج رسول

صفحات 306

قیمت 100 روپے

رفعت سراج کے ناول کا خوب صورت اختتام

افشاں آفریدی، سحر ساجد اور شبینہ گل کی حسین تحریریں

اداکار وہاج علی اور ان کی بیگم سے دلکش ملاقات

# انتباہ

ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی جانب سے تنبیہہ کی جاتی ہے کہ جو ویب سائٹس ہمارے ادارے کا نام لے کر ''آفیشل پیج'' کی اصطلاح استعمال کر رہی ہیں ان سائٹس سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں، اسے فوری ترک کیا جائے تاکہ ہمارے معزز قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ایسی تمام ویب سائٹس اور سوشل میڈیا گروپس کو مرتب کرنے والے منتظمین جو اپنے سطحی مفادات کی خاطر ادارے سے شائع ہونے والے ماہناموں کے مضامین، افسانے اور کہانیاں بلا اختیار اور غیر قانونی طور پر اپ لوڈ کر کے ادارے کو سنگین مالی نقصان پہنچانے کے ساتھ ادارے کی ساکھ متاثر کر رہے ہیں، انہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اس قبیح فعل کو فوری ترک کر دیں، بصورت دیگر ادارہ، سائبر کرائمز کے قانون

PREVENTION OF ELECTRONIC CRIMES ACT 2016

اور

COPYRIGHT ORDINANCE 1962/2000

کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ ایف آئی اے اور دیگر متعلقہ اداروں میں بھی ان افراد/اداروں کے خلاف شکایات درج کرائی جائیں گی۔

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

## جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز


63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

فون: 35804200-35804300


Digitized by Google

ماہنامہ

# پاکیزہ

کراچی

نگرانِ اعلیٰ : معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ : عذرا رسول

مدیرہ : نزہت اصغر

معاون : آمنہ حماد

MEMBER APNS

CPNE

[illegible]

منیجر اشتہارات

محمد شہزاد خان

0333-2256789

سرکولیشن منیجر

سید منیر حسین

0333-3285269


ماڈل: ایشا خان

فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

میک اپ: روز بیوٹی پارلر


قیمت فی پرچا (پاکستان) 100 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زرِسالانہ (اندرونِ ملک) 1200 روپے..... جلد: 46..... شمارہ 10 ..... جنوری 2019ء


Digitized by Google

## اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ 15

## سلسلے وار ناول

یہ پہلی بسنت کی رات ہے — رفعت سراج 18
ناز — سحر ساجد 104
میرا سارا زنگ اتار دو — افشاں آفریدی 206

## مکمل ناول

سایہ اور ثمر — شبینہ گل 234

## ناولٹ

محبت لفظ ہے لیکن… — حیا بخاری 56
اگلو کی چندا — شمیم فضل خالق 83
یہ رشتے دل کے رشتے ہیں — نزہت جبیں ضیا 152
حاصل لاحاصل — عقیلہ حق 179

## منی ناول

صِفَہ — دُردانہ نوشین خان 132

## افسانے

مَن میرا — خدیجہ اسحاق 47
سوچ — انعم سجیل 75
ریگ زار — اسما طاہر 128

## خصوصی مضامین

شمع ہدایت — اختر شجاعت 259
پاکیزہ کے مہمان — شائستہ زریں 263
میری خوب صورت یادیں — وزیہ ظفر 273

پبلشر و پرو پرائٹر: نیشلن رسول مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور G-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن و مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

## مستقل عنوانات


| | | |
|---|---|---|
| دین کی باتیں | ادارہ | 16 |
| گوشۂ ظرافت | ادارہ | 275 |
| بہنوں کی محفل | مدیرہ | 277 |
| پاکیزہ ڈائری | عظمیٰ آفاق سعید | 287 |
| میں اکثر گنگناتی ہوں | صغریٰ زیدی | 292 |
| منتخب غزلیں | ادارہ | 294 |
| خوش ذائقہ | شگفتہ یاسمین | 295 |
| بزم پاکیزہ | پاکیزہ بہنیں | 297 |
| روحانی مشورے | ادارہ | 299 |
| حسن نکھار کے لیے | مہ جبیں | 301 |
| ہومیو کلینک | | 302 |



Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com


Digitized by Google

# مجھے کچھ کہنا ہے.....!

قارئین عزیز.....السلام علیکم!

ہماری دعا ہے کہ یہ نیا عیسوی سال ایمان کی پختگی کے ساتھ نہایت کامیابی سے گزرے، الٰہی آمین!

ہر سال کے اختتام پر جس طرح ادارے اپنی سالانہ کارکردگی کا از سرِ نو جائزہ لیتے ہیں اور ایک سالنامہ مرتب کرتے ہیں اسی طرح ہر باشعور، سمجھدار انسان اپنی گزشتہ حیات پر ایک تنقیدی نظر ضرور ڈالتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمیں تو (الحمدللہ) پورا سال ہی ایسے مواقع میسر آتے رہتے ہیں کہ جب ہم پروردگار کے عاجز بندے کی حیثیت سے اپنے اعمال و افعال کا جائزہ لیتے رہیں.....یعنی گزشتہ غلطیوں کی تلافی کی کوشش اور آئندہ کے لیے بہترین عمل کی تگ ودو.....

ہمارے روز مرہ کے تمام امور چونکہ عیسوی سال کے حساب سے طے پاتے ہیں اسی لیے ہمیں بھی اپنی گزشتہ کارکردگی پر تنقیدی نظر اور آئندہ کی حکمت عملی ضرور طے کرنی چاہیے تاکہ مستقبل کی بہتر پیش بندی کی جاسکے۔

پیارے وطن پاکستان میں جس تیزی سے تعمیری سوچ پروان چڑھ رہی ہے اور اس سلسلے میں عملی اقدامات بھی نظر آرہے ہیں وہ نہایت خوش آئند ہے۔ ترستی، بلکتی، خوفزدہ، بنیادی سہولیات سے محروم عوام کو اب نہایت پرعزم اور پُراعتماد ہو کر اپنے حقوق کی جدوجہد میں آگے آنا ہوگا مگر حقوق کی وصولی کے ساتھ، ساتھ فرائض کی ادائیگی کا سبق بھی یاد کرنا پڑے گا تاکہ ان کی یہ کاوشیں رائگاں نہ جائیں۔ جبھی تو آنے والی نسلیں اس کے حقیقی ثمرات، بحُسن وخوبی حاصل کرسکیں گی۔

تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسی روش کو اپنا لیا جائے تو ترقی بلاشبہ ہمارا بھی نصیب ہوگی۔ ان شاءاللہ!

مدیرہ

نزہت اصغر

اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، جب میدان جنگ میں ان لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے جو کافر ہو گئے تو تم ان کو پیٹھ نہ دکھاؤ (۱۵) اور جو اس دن پیٹھ دکھائے گا سوائے اس کے کہ وہ جنگ کے لیے پہلو بدلتا یا کسی اور دستہ کی طرف جگہ پکڑتا ہو تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ (۱۶) پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں قتل کیا تھا اور تو نے مٹی نہیں پھینکی تھی جبکہ تو نے ہی پھینکی تھی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی نے پھینکی تھی۔ اور یہ اس لیے تھی کہ وہ (اللہ) اس کے ذریعے سے مومنین کی اچھی طرح آزمائش کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ (۱۷) ایک تو یہ ہوئی اور یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔ (۱۸) اگر تم نے فتح چاہی تو یقیناً تمہارے پاس فتح آ ہی گئی۔ اور اگر تم باز آ جاؤ تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے۔ اور تمہارا اگروہ خواہ وہ کتنا ہی کثیر ہو، تمہارے کسی کام نہ آئے گا۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔ (۱۹) اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو۔ (۲۰) اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا، حالانکہ وہ (کچھ بھی) نہیں سنتے ہیں۔ (۲۱) بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے ہیں، جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ (۲۲) اور اگر ان میں کسی اچھائی کے ہونے کا علم خدا کو ہوتا تو وہ انہیں ضرور سنواتا۔ اور اگر وہ ان کو سنوائے تو وہ روگردانی کرنے والے ہو کر ضرور پھر جائیں۔ (۲۳) اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، جس وقت رسول تمہیں کسی بات کی طرف بلائے تا کہ تمہیں زندگی بخشے تو اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول کا حکم مانو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا۔ اور یہ بھی کہ تم سب اسی کے حضور میں اکٹھے کیے جاؤ گے اور (۲۴) اور تم اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو خاص کر ان پر (ہی) نہ پڑے گا۔ جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا۔ اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (۲۵) اور یاد کرو (وہ وقت) جبکہ تم نہایت تھوڑے تھے۔ اس زمین میں کمزور کر دیے گئے ہوئے، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک کر نہ لے جائیں۔ پس تمہیں اس نے پناہ دی اور اپنی نصرت سے تمہاری مدد کی۔ اور تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا تا کہ تم شکر کرو۔ (۲۶) اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو تم اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول کی خیانت نہ کرو۔ اور نہ اپنی امانتوں کی خیانت کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔ (۲۷) اور جان لو کہ ماسوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا بدلہ ہے۔ (۲۸) اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے وہ تمہارے لیے ایک امتیاز قرار دے گا۔ اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا، اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ (۲۹)

(سورۂ انفال ۸، پارہ ۹۔ آیات ۱۵ تا ۲۹)

Digitized by Google

# آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

## اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُصْطَفٰی

سید کونین، ختمی مرتبت، افضل الانبیا، رحمتہ اللعالمین، رسول مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے جس کے معنی ومفہوم چنے ہوئے، منتخب کیے گئے کے ہیں۔

1۔القرآن: ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے قرآن بھیجا ہے۔ تم نہ تو کتاب جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت عطا کرتے ہیں اور بے شک (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۵۲)

2۔الحدیث: ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کیا۔ اے ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگو! پرہیز گاری اختیار کرو...... شیطان تمہیں گمراہ نہ کردے۔ میں عبداللہ کا بیٹا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول خدا نے جو مرتبہ مجھ کو بخشا ہے میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔ (مسند احمد)

3۔الرائے: الرائے! وہ سارے فضائل وکمالات جو پروردگار عالم نے متفرق طور پر حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک سارے انبیا کرام اور رسل عظام کو علیحدہ، علیحدہ عطا کیے تھے وہ یکجا کر کے دامنِ مصطفیٰؐ میں ڈال دیے۔

(سید محمود آلوسی، عظیم محقق)

۴۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا کوئی ذاتی دعویٰ نہیں تھا تبلیغ کے آغاز سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ تھا کہ یہ خدا کا مشن ہے جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب کیا گیا ہے۔

(ای...... ڈرمیگم مینگھم)

4۔الفضائل: ۱: جو شخص ہر روز ۲۰۰ مرتبہ باوضو حالت میں اس اسم پاک "سیدنا مصطفیٰؐ" کو پڑھے گا اسے اللہ کی عبادت کی توفیق حاصل ہوگی اور عبادت میں تسکین حاصل ہوگی۔

۲: اگر کسی نے خاص عہدے کے لیے امتحان دیا ہو تو اس میں کامیابی کے لیے سات یوم تا گیارہ یوم تک بلاناغہ باوضو حالت میں قبلہ رخ ۹ ۴ ۲ مرتبہ اس اسم مبارک کو پڑھ کر دعا مانگے۔ کامیابی نصیب ہوگی۔

(قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماالنبی ﷺ سے اقتباس)

Digitized by Google

# ...... یہ کہاں آ بچیں کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں۔۔۔
سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے۔۔۔
دل کو رویا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے۔۔۔
کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یا رہاں ٹوٹ جاتی ہیں۔
الزام تراشیوں کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو جاتا ہے۔
دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے۔۔۔
آج کا انسان یہ راہ سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
دل اور سونے کا بچھڑا۔۔۔
عبادات، معاملات۔۔۔
جنت گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی۔۔۔

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا، غم روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

URDU TUBE
www.urdutube1.com

**آخری قسط**

بیڈ کی درگت دیکھ کر تو گویا اسے غش پڑنے لگے...... پرانا میٹرس، پھٹی ہوئی چادر، ادھر ادھر پڑے دو تکیے، دو کشن، اوڑھنے والی کوئی شے دکھائی نہیں دی، وہ تو ہرگز اس بیڈ پر نہیں سوئے گی۔ صوفے کی کنڈیشن اچھی ہے اس پر سویا جا سکتا ہے۔

''صبح ہونے کی دیر ہے پھر دیکھنا میں کیا کرتی ہوں...... میڈم تاجور کے گھر جا کر وہ ہنگامہ کروں گی کہ پھر وہ یا تو مجھے شوٹ کر دیں گی یا پھر کسی ڈھنگ کے فرنشڈ گھر کا انتظام۔''

رات کا وقت تھا کچھ سمجھ بھی نہیں آ رہی تھی...... ''میں بھی ڈرا ہوں دن میں تو اپنا حق چھین کر دکھاؤں گی۔ ساحل کے سامنے جو میری انسلٹ کی ہے اس کا تو وہ حساب لوں گی کہ برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا۔''

وہ کسی بے گناہ معصوم لڑکی کی راہ میں کانٹے بچھانے کی کوشش پر نادم ہونے کے بجائے اپنے اوپر کیے جانے



Digitized by Google

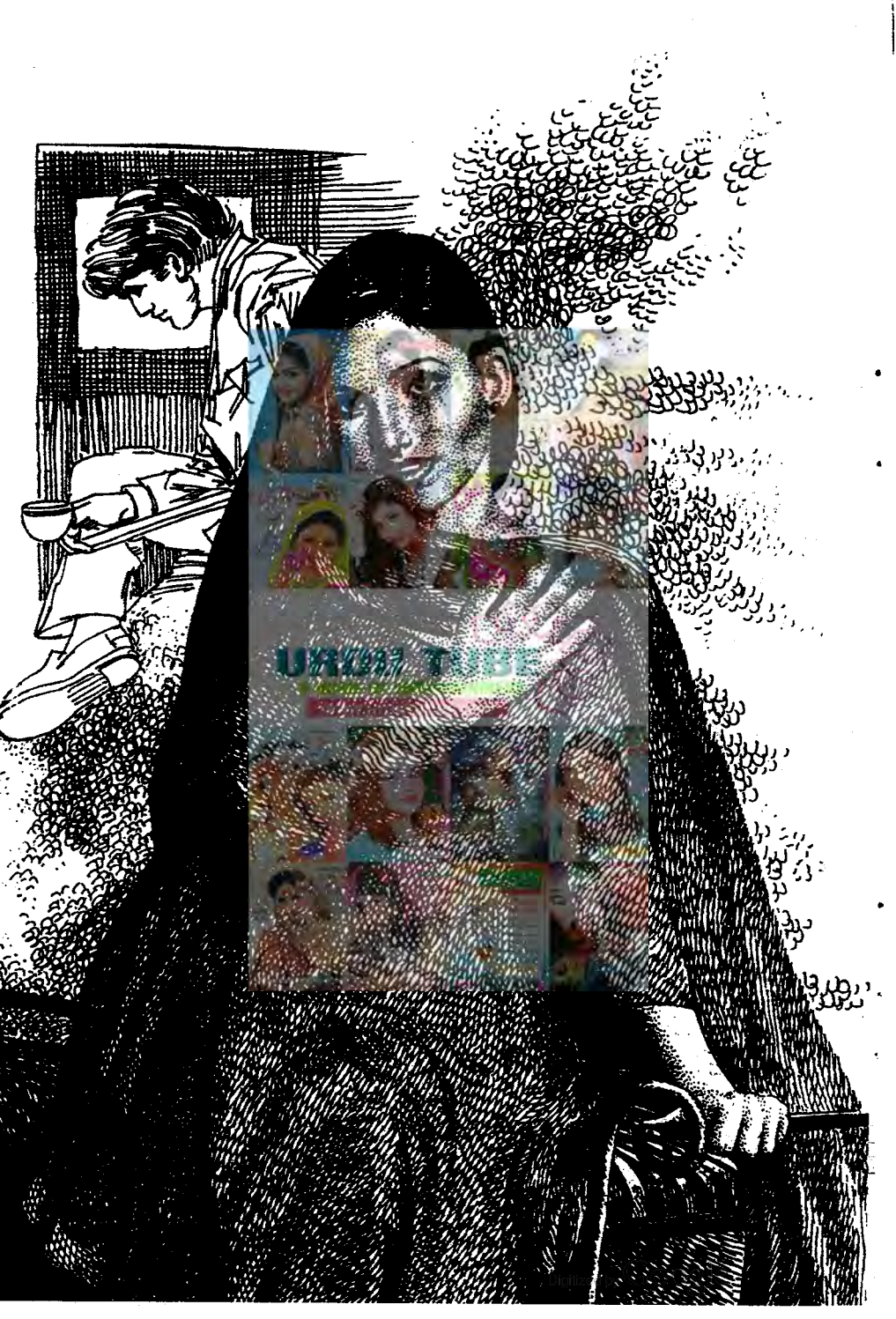
URBAN TRIBE

والے مظالم کے اعداد و شمار میں لگی ہوئی تھی۔ اس سے پیشتر کہ وہ اپنے ہی بال مٹھیوں میں جکڑ کر نوچنے لگتی ساحل ٹرے ہاتھ میں لیے آ گیا۔

''ڈنر حاضر ہے بظاہر بریک فاسٹ کا گمان ہو رہا ہے.....'' ساحل نے چھوٹی سی ٹیبل پاؤں سے سرکا کر زارا کے سامنے کی اور ٹرے رکھ دی۔

''یہ تو میں بریک فاسٹ میں بھی نہیں لیتی جو ڈنر میں سرو کر رہے ہو۔'' زارا کو بھوک لگ رہی تھی مگر غصے کی شدت سے گویا بھوک کا احساس بھی جل کر خاکستر ہونے لگا تھا۔

''آن لائن آرڈر بھی کر سکتے تھے..... تیس منٹ میں چائنیز، پزا، الفریڈو، برگر deliver ہو جاتا ہے۔ مجھے تو راتوں کو جاگنے کی عادت ہے، نوکر سو جاتے ہیں تو پھر میں یہی کرتی ہوں۔ تم روزرات کو بریڈ بٹر کھاتے ہو؟'' زارا جل بھن کر پوچھ رہی تھی۔

''جی نہیں..... take away ہوم ڈیلیوری تو کبھی کبھی راستے میں کسی ریسٹورنٹ میں ڈنر.....''

''تو مجھے کیوں بریڈ بٹر کھلا رہے ہو؟'' زارا تلملائی، آنکھوں کے سامنے ہوم ڈیلیوری کے نظارے چل رہے تھے، خوب صورت پیک، گرم، گرم کھانا، بھوک کی چمک کے دوران تو اسے بریڈ بٹر بھی من و سلویٰ محسوس ہو رہا تھا۔ مگر جیسے ہی ساحل کچن میں گیا اور چھومنتر سے کھانے کو کچھ نہ ملا تو آناً فاناً خیالات بھی تبدیل ہونے لگے بھوک پر غصہ غالب آ گیا۔

''بھئی میں نے انسانیت کے ناتے سوچا کہ پتا نہیں بیچاری کو کب سے بھوک لگ رہی ہوگی مزید انتظار برداشت کر بھی پائے گی یا نہیں..... جو ہے کم از کم وہ تو سامنے رکھ دوں..... اصل میں مجھ میں انسانیت بہت ہے ناں۔'' ساحل نے بڑی عاجزی سے سر جھکایا اور دایاں ہاتھ سینے پر رکھ لیا تھا۔

''میں صرف milk پی کر سونے کی کوشش کروں گی..... مجھ سے نہیں کھایا جائے گا یہ بریڈ اینڈ بٹر.....'' یہ کہہ کر زارا نے دودھ کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

''ارے، تم پہلی بار اپنے ہزبینڈ کے گھر آئی ہو..... تمہیں سونے کون دے گا؟'' ساحل نے سلائس اٹھا کر بٹر لگانے کے لیے نائف اٹھایا۔

زارا کا ہاتھ جہاں تک آگے بڑھا تھا وہیں رک گیا..... دماغ میں بگولے سے اٹھنے لگے۔

''میڈم تاجور نے میرے لیے ہزبینڈ خریدا ہے ایسے ہی جیسے وہ کسی بھی سپر اسٹور سے گروسری خریدتی ہیں..... زیادہ ہزبینڈ بن کر پرفارم کرنے کی کوشش مت کرنا۔'' زارا نے دانت پیس کر ساحل کو گھورا۔

''ہزبینڈ تو میں ہوں..... مجھے پرفارم کرنے سے کسی کا باپ بھی نہیں روک سکتا، اتنی خوب صورت لڑکی کو تو لوگ اٹھا کر لے جاتے ہیں اور مجھے تو load کرنے کا آرڈر دیا گیا..... کیا خیال ہے ایسے ہی چھوڑ دوں گا؟'' ساحل نے سلائس کا bite لے کر دودھ کا گلاس اٹھا کر دو تین گھونٹ بھرے۔ خود پسندی اور over confident ہونے کے باعث جیسے یہ جملہ زارا کے سر کے اوپر سے ہوا کی طرح گزر گیا..... اسے یقینِ واثق تھا کہ ساحل میں اتنا دم نہیں کہ وہ اس کے ساتھ زبردستی کر سکے۔

ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ سجائے وہ دودھ کے گلاس سے گھونٹ بھرنے لگی۔

ساحل بہت پُرسکون انداز میں بریڈ بٹر اور دودھ سے انصاف کر رہا تھا۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ جو ہونٹوں تک آنے کو بے تاب تھی بہ مشکل روک رہا تھا۔

☆☆☆



Digitized by Google

تاجور ایک شدید ذہنی اور روحانی اذیت میں مبتلا تھیں۔ آنکھوں کے سامنے زارا کے گود لینے سے لے کر آج تک کے مناظر گردش کر رہے تھے۔ وہ محسوس کر سکتی تھیں کہ نازونعم میں پلی زارا اس وقت ساحل کے گھر میں کس ذہنی عذاب میں مبتلا ہوگی، ان کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی اٹھیں اور زارا کو واپس لے آئیں اور کہیں..... بس سزا پوری ہوگئی..... آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔

مگر انہیں ذرہ برابر امید نہیں تھی کہ آج کے اس واقعے کے بعد اس کی فطرت میں کوئی تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔ عادت تبدیل ہونا ممکنات میں سے ہے مگر فطرت تبدیل کرنا اس لیے ناممکن ہے کہ قدرت نے ہر شے کو اس کی مخصوص فطرت پر تخلیق کیا ہے۔

''اس سے کچھ بعید نہیں، وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ وہیں بیٹھے، بیٹھے لیڈی صوفیہ کو ایک فون کال کر کے شر پھیلا سکتی ہے۔''

یہاں تک تو وہ پہنچ چکی تھیں کہ وہ سفینہ سے شدید ترین حسد کرتی ہے اور حسد کرنے والا ہر طرح کا خطرہ مول لینے کے لیے آمادہ رہتا ہے کیونکہ حسد انسان کی تمام مثبت خصوصیات کے لیے سم قاتل ہے۔ حاسد کے اندر کوئی خوبی نہیں ہوتی وہ ہر آن منفی خیالات سے نبرد آزما رہتا ہے جو دانش و فراست کی موت ہے۔

خود غرضی کی انتہا کا نام حسد ہے۔ شیطان، آدم سے حسد کی وجہ سے ہی راندۂ درگاہ ہوا۔ اس کی تمام عبادات



Digitized by Google

پر پانی پھر گیا۔ قیامت تک کے لیے مردود ٹھہرا..... حاسد ہمیشہ رحمتوں سے دور ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی دعائیں کبھی مستجاب نہیں ہوتیں اور آخر کار عبرت ناک انجام اس کا مقدر ہوتا ہے۔ یہ الگ بات کہ رحمٰن و رحیم اسے ہدایت بخش کر اندھیرے سے روشنی کی جانب لے آئے مگر اس کے لیے بھی دل کی زمین میں ہلکی سی نمی ہونا شرط ہے، پتھریلی زمین میں کاشت کاری نہیں ہو سکتی۔

اسی لیے کہا گیا کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ، سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ رحمتوں سے دوری ہو تو نیکی کی توفیق ہی نہیں ملتی۔

''وہ حسد کی انتہا پر کچھ بھی کر سکتی ہے۔ بہتر ہے کہ اسے کلی طور پر ساحل کا ''پراجیکٹ'' بنا دیا جائے۔'' تاجور اب خود کو بہلانے اور سونے کی کوشش کر رہی تھیں۔

☆☆☆

پرنس گہری تاریکی میں مراقبہ کرتا تھا، ٹوبان کی وجہ سے وہ بیڈ روم کی ہلکی روشنی نہیں بجھا سکتا تھا اس لیے گیسٹ روم میں مراقبہ کر رہا تھا، اس نے آدھے گھنٹے کے ذکر کے بعد ذہن کو مرتکز کرنے کی کوشش کی، سانس کی مشق کے بعد اعصاب قدرے پُرسکون ہو چکے تھے پھر وہ مراقبے کی کیفیات میں اتر گیا۔

موت ایک حقیقت ہے، اس کے ماں، باپ نہیں ہیں مگر وہ زندہ ہے۔ پیدائش پر اختیار ہے نہ موت پر، موت کے خیال سے وحشت نہیں ہونی چاہیے کہ ہم سے پہلے ہمارے بہت ہی پیارے اس عمل سے گزر چکے ہیں موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

جدائیاں اداس کرتی ہیں مگر اداسی کے ان لمحوں میں اپنی موت کو بھی یاد رکھنا چاہیے۔

ہماری شدید ترین خواہش، اضطراب و بے چینی بھی جدائی کے عمل میں خلل نہیں ڈال سکتی۔ جو زندہ ہے اسے سوچنا چاہیے کہ جدائی کے مرحلے کے بعد اب اسے کون سی ذمے داری کو ترجیح دینا ہے۔

اگر کسی کا جانا طے ہو گیا ہے تو پیچھے رہ جانے والے کو اپنا رخصت ہونا نہیں بھولنا چاہیے..... گوتم بدھ نے زندگی کی کیا کمال تشریح کی ہے۔

''ہمارا وجود خزاں کے بادلوں کی طرح ناپائدار ہے وجود کی پیدائش اور موت کو دیکھنا ایسے ہے جیسے رقص کرتے ہوئے قدموں کی حرکت، زندگی کا وقفہ آسمان پر بجلی کی چمک کے مانند ہے۔ یا پہاڑ کی سیدھی ڈھلوان پر تیز بہتی ہوئی بوچھاڑ کی طرح ہے even the darkest night will end the sun will rise.'' (سیاہ ترین رات کا انجام بالآخر سورج نکلنے پر ہی ہوگا)

مراقبے کی کیفیات سے باہر آنے کے بعد دل نے زندگی سنبھالنے والا کلام شروع کر دیا تھا۔

وہ اب خود کو پہلے سے زیادہ پُرعزم و باہمت محسوس کر رہا تھا۔ اور ہر طرح کی صورت حال کا سامنا کرنے کو تیار تھا۔ روح بہت زیادہ طاقتور ہو چکی تھی خلفشار سے نجات مل چکی تھی۔

☆☆☆

''آپ سونے سے پہلے change کرنا پسند فرمائیں گی؟'' ساحل واش روم میں ڈھیروں پانی بہا کر نائٹ سوٹ اور گیلے بالوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔ حالت یہ تھی کہ شاور جیل کے جھاگ اور بے دریغ پانی کے استعمال کے بعد یوں لگ رہا تھا جیسے ابلے ہوئے انڈے کا چھلکا اتار دیا گیا ہو۔

وہ واش روم میں گیا تو زارا باہر لاؤنج میں آ کر صوفے پر ڈھیر ہو گئی تھی اور غم و غصے کی ان گنت لہروں سے ہاتھا پائی کر چکی تھی کہ ساحل سامنے آ کھڑا ہوا۔



Digitized by Google

"mind your own business" (اپنے کام سے کام رکھو)۔ اس نے چیخ کر جواب دیا تو ساحل نے گہری سانس لے کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں اپنا بزنس ہی کر رہا ہوں، مجھے پتا ہے، میں تمہارا ہاتھ پکڑوں گا تو تم میرا ہاتھ جھٹک دو گی، میری ego ہرٹ ہوگی اور میں تم پر بہت آرام سے کنٹرول حاصل کر لوں گا۔ مگر یہ طریقہ مناسب نہیں..... تم بچی نہیں ہو، نہ میں تمہیں اٹھا کر لایا ہوں، اپنے قدموں سے چل کر میرے ساتھ آئی ہو، میری بیوی ہو، اس سے زیادہ بات نہیں کروں گا۔ چلو، بیڈروم میں چلتے ہیں۔'' ساحل نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

''وہ کباڑ خانہ..... بیڈروم ایسا ہوتا ہے؟'' زارا کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ بہت زور سے چلائی، مٹھیاں بھینچ لیں، آنکھیں بند کر لیں۔

''میڈم تاجور کا کباڑ اٹھا کر لایا ہوں..... کباڑ، کباڑ خانے میں ہی رکھا جاتا ہے۔'' ساحل نے شرٹ کی کھلی آستینیں فولڈ کرتے ہوئے بہت پُرسکون لہجے میں یوں جواب دیا گویا مدح سرائی کر رہا ہو۔

''تم، مجھے کباڑ کہہ رہے ہو؟ تمہاری اتنی ہمت..... میڈم تاجور نے جو ظلم کیا ہے وہ میں معاف کرنے والی نہیں..... سمجھے؟ کھیل ختم نہیں ہوا، شروع ہوا ہے۔'' وہ اٹھ کر تن کر ساحل کے مقابل کھڑی ہوگئی۔

''وہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں کہ کھیل شروع ہو چکا ہے، اب تمہارا غرور میرے رحم و کرم پر ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے زارا کا بازو دبوچ لیا۔

''آئی ہو ناں قابو میں، لوگوں کو ذلیل کرنے کا ٹھیکا ملا ہوا تھا، اب تمہیں تمہاری جگہ پر بٹھانا ہے۔'' یہ کہہ کر ساحل اسے کھینچتا ہوا بیڈروم کی طرف بڑھا۔ زارا نے بھرپور مزاحمت کی۔

''مجھے تم پر قابو پانے کی جلدی نہیں..... مگر تم پر قابو پانے کی اشد ضرورت ہے۔ تم نے اپنی حماقتوں سے سب کو عاجز کر دیا ہے، تم نے میری ego ہرٹ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مرد بچہ ہوں، تم بیچتی کیا ہو میرے سامنے..... میں امیر الدین ساحل نہیں ہوں، تمہارا شوہر ہوں..... کھڑے، کھڑے ایک گالی منہ سے نکال دوں تو بھی کافی ہے، کہیں کی نہیں رہو گی..... مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ اللہ کا نام لے کر گواہوں کے سامنے تمہیں اپنی بیوی بنایا ہے۔'' ساحل کے ہاتھ کا شکنجہ بہت مضبوط تھا۔ ''برے سے برا مرد بھی بیوی کے معاملے میں بہت غیرت مند ہوتا ہے۔''

''تم میرا بازو چھوڑو، مجھے پہلے اماں اور سفینہ سے نمٹنے دو، اب تمہارے ساتھ ہی زندگی کے جہنم میں جلنا ہے۔'' زارا نے تڑپ کر ساحل کو مزید بولنے سے روکا..... اور بھرپور مزاحمت کی۔

''تم نے جو کرنا ہے کرتی رہنا، میں تمہیں نہیں روکوں گا لیکن اس وقت تمہیں میری ہر بات ماننا ہوگی۔'' ساحل نے بیڈروم میں پہنچ کر دروازہ اندر سے یوں locked کر دیا جیسے کسی کے اندر آ جانے کا اندیشہ ہو۔

''ہماری پر اپر شادی نہیں ہوئی، اماں نے punished کیا ہے۔'' زارا حلق پھاڑ کر چلائی یہ اس کے ہار ماننے کی کیفیت کا اعلان بھی تھا۔

ظالم نے اس بری طرح بازو دبوچا تھا کہ ہڈی موم سے ڈھلی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بولتے ہوئے اپنا بازو بھی سہلا رہی تھی۔

''نکاح کو شادی کہتے ہیں، باقی سب چونچلے اور فضولیات ہیں بی بی۔'' ساحل نے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''نہیں.....!'' زارا نے بے بسی سے گردن ہلائی۔



Digitized by Google

''مجھے پتا ہے تم me too'' کمپین سے متاثر ہو..... مگر بیوقوف لڑکی میں تمہیں ''ہراس'' نہیں کر رہا..... میں تمہارا ہزبینڈ ہوں..... اس شہر کے کچھ معززین اس نکاح کے گواہ ہیں۔''

''نہیں.....'' زارا نے اپنی بے بسی... چھپانے کی حتی المقدور کوشش کی۔

''آج تمہیں میری ہر بات ماننا ہوگی..... کل سے تم جس بات پر بھی انکار کرو گی میں اصرار نہیں کروں گا.....'' یہ کہہ کر ساحل نے تیز روشنی گل کر کے سائڈ ٹیبل پر رکھا ٹیبل لیمپ روشن کر دیا، کمرے میں ہلکی زرد، پُراسرار روشنی پھیل گئی..... زارا انکار میں سر ہلاتے ہوئے سامنے پڑی پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھ گئی..... ساحل نے چند ثانیے سر جھکا کر قدرے سوچ بچار کی۔

زارا کی طرف بڑھا اور اس کے بکھرے بال سمیٹ کر پشت کی طرف کرنے لگا۔ زارا یوں بیٹھی تھی جیسے اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہو اور جسم کرسی پر دھرا ہو۔

''ابھی محبت نہیں ہے..... مصلحت ہے..... آج رات کی صبح محبت کے در پر پہلی دستک ہو سکتی ہے، اب زندگی بھر کا ساتھ ہے تو دونوں ایک دوسرے کو کیوں ستائیں؟'' ساحل کی ہلکی آواز پر سرگوشی کا گمان ہو رہا تھا۔

''شادی اس طرح نہیں ہوتی..... اگر تم نے میرے ساتھ زبردستی کی تو ظلم کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔'' زارا کو پہلی بار بے بسی کے آنسو روکنے کا تجربہ بھی ہو گیا۔

''چار گواہوں کے سامنے ہم ایک دوسرے کو قبول کر چکے ہیں، اسے شادی کہتے ہیں، ورنہ کچھ بھی ہوتا تمہاری اماں رات کی تاریکی میں میرے ساتھ روانہ کیوں کرتیں..... یہ اس لیے ہوا کہ شادی کے بعد ان کی ذمے داری ختم ہو گئی اور میری ذمے داری شروع ہو گئی۔ آج سے یہ گھر تمہارا ہو چکا، میرا سب کچھ تمہارا ہو چکا، اُدھر سے اب کچھ نہیں ہو گا اور تم تیسری منزل سے چھلانگ لگا کر خودکشی نہیں کرو گی۔'' یہ کہتے ہوئے ساحل نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

زارا کو یوں محسوس ہوا جیسے سزائے موت کا مجرم کال کوٹھڑی میں آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کر روشنی کا کوئی روزن تلاش کر رہا ہو۔

☆☆☆

اپنے معمولات سے فارغ ہو کر پرنس لاؤنج میں داخل ہوا تو سامنے ٹوبان، لیڈی صوفیہ کے پہلو میں بیٹھا نظر آیا۔

''السلام علیکم.....'' پرنس نے لیڈی صوفیہ کے سامنے خود کو نارمل، معتدل اور ہشاش بشاش ظاہر کرنے کے لاشعوری کوشش کی۔

''وعلیکم السلام.....'' لیڈی صوفیہ نے پُرمسرت انداز میں سلام کا جواب دیا۔ وہ ایش گرے ساڑی میں ملبوس تھیں اور نیلم جڑے ہلکے پھلکے زیورات سے آراستہ تھیں..... ایسی تیاری جو عموماً کھاتے پیتے گھرانے کی خواتین شام کی تقریبات میں کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ انہوں نے تقریب میں شرکت کرنے کے لیے زبردست تیاری کی ہے۔

''یہ تو سرپرائز ہے۔'' لیڈی صوفیہ نے ٹوبان کی طرف دیکھتے ہوئے پُرمسرت انداز میں کہا تو پرنس نے نہ چاہتے ہوئے بھی نظروں کا رخ موڑ لیا۔

''گرینڈ مام..... ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے میڈ نے بولا آپ گرینڈ مام کے گھر جا کر ریسٹ کرو.....'' ٹوبان نے معصومیت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا اس کی ماں کو..... کیا فلو ہے؟'' لیڈی صوفیہ نے ٹوبان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوال کیا۔

''نہیں گرینڈ مام، ممی تو اسپتال میں ہیں، وہ گھر میں نہیں تھیں۔'' پرنس سے پہلے ٹوبان بے ساختگی سے بول پڑا۔

''oh good God کوئی سیریس ہیلتھ ایشو ہے۔'' لیڈی صوفیہ اب یک دم متفکر نظر آئیں..... پرنس عجب



Digitized by Google

مشکل میں تھا وہ لیڈی صوفیہ کو حقیقت نہیں بتا سکتا تھا، ان کے خوشگوار موڈ کو کوئی دھچکا پہنچا کر کسی بھی قسم کا risk نہیں لے سکتا تھا۔

معاً ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا.....

''آپ اسکول کی تیاری کریں ثوبان، ورنہ لیٹ ہو جائیں گے.....آپ کی سب چیزیں روم میں موجود ہیں۔''

''انجیلا.....؟'' پرنس نے لیڈی صوفیہ سے گویا ایک لفظ میں مکمل سوال کیا تھا۔

''وہ شاید کچن میں ہے، کافی پی رہی ہوگی۔''

''آپ روم میں جائیں، تیاری کریں۔'' اس نے ثوبان کو وہاں سے روانہ کیا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی نے چونکا کر رکھ دیا.....اس وقت فون کی گھنٹی بجنا غیر معمولی بات تھی۔ اس گھر میں صرف کسی کی ایمرجنسی کال ہی آسکتی تھی۔ ان کے تمام متعلقین اس گھر کے اصول وضوابط کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ پرنس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا اس کا انداز بہت محتاط تھا۔ لیڈی صوفیہ ٹکٹکی باندھ کر اس کی طرف متوجہ تھیں۔

''سر، رمیش چوپڑا آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں؟'' آپریٹر کی آواز اس کی سماعتوں میں سنسناہٹ سی پھیلا گئی۔

''رمیش چوپڑا، کون ہیں یہ، انہوں نے اپنا انٹروڈکشن نہیں کرایا؟'' پرنس نے کن انکھیوں سے لیڈی صوفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے دبی، دبی آواز میں پوچھا۔

''سر، وہ کہتے ہیں کہ میں ایمرجنسی سچویشن میں بات کر رہا ہوں، وہ ریکوئسٹ کر رہے ہیں کہ آپ سے بات کرائی جائے.....وہ ہولڈ پر ہیں۔''

''بات کرائیں۔'' اس کے منہ سے خود بخود نکل گیا کہ تجسس کا بہاؤ کسی خیال کو ٹھہرنے نہیں دے رہا تھا۔

چند ثانیے کی خاموشی کے بعد بہت ہلکی دبی ہوئی آواز پرنس کی سماعتوں کی نذر ہوئی۔

''میرا DNA قبائلی ہے، ہم نے صرف پچاس سال پہلے شہری زندگی شروع کی تھی، اپنے complexes چھپانے کے لیے الٹرا ماڈرن لائف اسٹائل اپنایا مگر basic چیزیں آج بھی ہمارے ساتھ ہوتی ہیں، مثلاً ہم ہمیشہ armed (مسلح) رہتے ہیں اور جس عورت پر ایک مرتبہ قابو پالیں اسے دوسرے کے لیے آزاد نہیں کرتے.....میں نے ابھی، ابھی پتا کیا ہے، وہ مر چکی ہے.....اور اس وقت میں بہت خوش ہوں.....''

اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا اور ٹوں، ٹوں کی آواز سمع خراشی کرنے لگی۔ پرنس کو خود کو کنٹرول کرنا ایک معرکہ لگ رہا تھا۔ لیڈی صوفیہ کال ختم ہونے کی بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں، وہ یک دم ان کو فیس کرنے کے قابل نہیں تھا۔ عجیب گومگو کی کیفیت تھی۔

شروع میں اسے الجھن تھی مگر جب تواتر سے الفاظ سماعتوں میں اترے تو وہ سلمان کی آواز بھی پہچان گیا۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون.....'' اس نے خود کو مرتب کرنے کی کوشش میں یہ الفاظ ادا کیے۔ لیڈی صوفیہ کو مناسب جواب دینے کے لیے خود کو تیار کر لیا اور آہستگی سے ریسیور رکھ دیا۔

لیڈی صوفیہ کو پرنس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے حواس باختہ کر دیا تھا اور وقتی طور پر جیسے قوتِ گویائی کھو بیٹھی ہوں۔

''وہ ایک پرانے بزنس پارٹنر کی death ہو گئی ہے UK سے کال تھی۔'' پرنس کو زندگی کا سب سے مشکل کام حقیقت کو چھپانا لگتا تھا مگر وہ اب رسک بھی تو نہیں لے سکتا تھا.....صبح سویرے کا وقت، لیڈی صوفیہ نے ابھی ناشتا کیا تھا نہ صبح کی میڈیسن لی تھیں۔

''ویری سیڈ کیا نام تھا؟ کیا میں اسے جانتی ہوں.....؟'' لیڈی صوفیہ نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔



Digitized by Google

''نہیں، یہ بس کچھ دن ہمارے بورڈ کا ممبر رہا تھا..... آپ کی کبھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' پرنس نے لیڈی صوفیہ کی طرف دیکھنے سے گریز کیا جو بچوں کی طرح جھوٹ سے ناواقف تھیں اور ہر بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کرنا اپنا فرضِ اولین سمجھتی تھیں..... پرنس کے جواب سے مطمئن ہوگئی تھیں۔ ثوبان اس دوران اسکول کے لیے تیار ہونے جا چکا تھا..... ایک آہِ سرد سینے میں چکرا رہی تھی اور وہ اسے باہر آنے سے روک رہا تھا۔

''اللہ تمہیں جنت کے درختوں کا ٹھنڈا سایہ نصیب کرے..... میں ہمیشہ تمہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں گا۔ تم میرے ننھے دوست کی ماں ہو، میرے نذرانے تم تک پہنچتے رہیں گے۔'' وہ سوچ رہا تھا۔

مرحومہ کی تجہیز و تکفین کی ذمے داری بھی اللہ نے اس پر ڈالی تھی۔ وہ لیڈی صوفیہ کی طرف دیکھ کر جبراً مسکرایا۔

پلک جھپکنے جیسی زندگی میں سو برس کی مائیکرو فلم کا ریکارڈ ہوتا ہے..... ایک پل میں ملنے بچھڑنے کا عمل، اسے زندگی کہتے ہیں۔

وہ کیوں ملی تھی؟

کیا ثوبان کے لیے قدرت یہ سب انتظام کر رہی تھی؟

کیا مسجد میں بہنے والے آنسو اتنے طاقتور تھے کہ فیصلے کرا کر ہی مسجد سے نکلنا تھا؟ ثوبان اب میری ذمے داری ہے، میری اور سفینہ کی..... اس کے باپ نے تو بالآخر گرفتار ہو ہی جانا ہے کہ ضمانت پر باہر تھا..... ایسے مرحلے میں ضمانتی ہی کام آتے ہیں.....

''اوہ ثوبان! ماں سے محرومی کا دکھ میں نے بھی بچپن میں اٹھایا تھا..... مجھے اللہ نے گرینڈ مام کا سہارا دیا..... اور میں تمہارے ساتھ ہوں.....''

وہ اسکول کے لیے تیار ہونے والے ثوبان کو کیسے بتاتا کہ ممی اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی ہیں؟ وہ ٹہلنے کے انداز میں اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

لیڈی صوفیہ ایک ٹک دیکھتی رہیں مگر اسے متوجہ نہیں کیا یہ سوچ کر کہ ابھی وہ دوست کی جدائی پر shocked ہے۔

☆☆☆

ساحل کروٹ کے بل کشن سینے سے لگائے یوں گہری نیند سو رہا تھا گویا برسوں، زمانوں بعد بے فکری کی نیند میسر آئی ہو اور یہ حقیقت بھی تھی کہ باپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تو گویا بے فکری کی نیند کا تصور ہی گم ہو گیا تھا۔ قریب ترین رشتوں کی سرد مہری اور خود غرضی نے مزاج میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی تھی جو کسی شدید زلزلے کے بعد زمین پر دور ہی سے دکھائی دیتی ہے۔ وہ اس بری طرح اندر کی جنگ میں مبتلا ہوا کہ ساری دنیا کو تہس نہس کر دینے کو جی چاہتا تھا..... بالآخر دل کی بھڑاس نکالنے کا ایک راستہ مل گیا تھا اور وہ تھا اس کی اوٹ پٹانگ شاعری..... جو جذبہ دماغ سے ٹکرانے کے بعد اس کے وجود کی چولیں ہلانے لگتا، وہ الفاظ کی صورت سطحِ قرطاس پر بکھر جاتا اور وہ لکھنے کے بعد یوں پُرسکون ہو جاتا جیسے پیٹ کے درد کی گولی کھانے کے بعد سکون مل جاتا ہے۔ معاشرے، ماحول، رشتوں نے اسے آسمان چھونے کے لیے پُرعزم بنا دیا، وہ سب کو پچھاڑ دینے کے جذبے سے ہر آن بوجھل رہنے لگا۔

پیرا سائیکالوجی انکشاف کرتی ہے کہ لگاتار و مسلسل گہرا تصور ایک نہ ایک دن ''ایتھر'' کو ''مادّے'' میں منتقل کر دیتا ہے یعنی خیال، حقیقت بن جاتا ہے۔ اس کے سونے کا انداز ایسا ہی تھا کہ اس نے میدان مار لیا، ہاکی کا میچ پانچ صفر سے جیت لیا یا کرکٹ کا کوئی سو سالہ ریکارڈ توڑ دیا اور اب جی بھر کر تھکن اتار رہا ہو۔



Digitized by Google

اس نے رشتوں میں سرد مہریوں کے وہ قد آور برفانی بت دیکھے تھے کہ اسے کسی کی، کسی کے جذبات کی پروا نہیں تھی۔ اس کے کسی عمل پر کسی کا کیا ردِعمل ہوگا اب یہ اس کا مسئلہ ہی نہیں رہا تھا جو اس کا جی چاہتا تھا، وہ کر گزرتا تھا، آپا نے جو اسلام آباد میں لوگوں پر دھاک بٹھائی ہوگی اور بڑے، بڑے مائز میں شاپنگ شروع کی ہوگی اور آنے جانے والوں پر اپنی شاپنگ کا رعب دکھایا ہوگا، اب وہ سب کو کس طرح فیس کریں گی اس کو اس سے بھی کوئی غرض نہیں تھی، لوگوں نے اسے خود غرض بن کر دکھایا تھا، اس نے اس شعبے میں بھی سب کو مات دے دی تھی۔

زارا ایک ٹک ساحل کی طرف دیکھے جا رہی تھی..... غم و غصہ، احساسِ شکست بلکہ عظیم ترین تذلیل پر گویا اب سر پر خون سوار تھا۔

ایک ہی رات نے اسے آسمان سے اٹھا کر پاتال میں اتار دیا تھا۔ اس کی انا، غرور اور پندار..... دھول بن کر ہوا میں اُڑ رہے تھے..... وہ ملن کے لطیف و حسین احساسات سے لاکھوں نوری سال سے دور تھی، صرف پامال کیے جانے کا تکلیف دہ احساس تھا جو سفینہ کے خلاف اٹھنے والے جذبات کو مزید بڑھاوا دے رہا تھا۔

''پرنس کے محل میں سفینہ کی پہلی صبح ایسی ہوگی؟'' اس نے یہی سوچتے ہوئے ایک زخمی نگاہ سے اپنا پامال سراپا دیکھا۔ اور پھر بکھرے ہوئے کمرے پر ایک شکست خوردہ نظر دوڑائی، واش روم جانے کے لیے اسے اتنا سوچنا پڑا کہ اتنا تو امتحان کے کمرے میں کسی مشکل سوال کا جواب لکھنے کے لیے بھی کبھی نہیں سوچا تھا۔

اگرچہ چھوٹا سا واش روم پر بہت صاف ستھرا تھا..... مگر اس کے واش روم کے سامنے تو ایسا تھا جیسے محل کے عقب میں بنا کوئی سرونٹ کوارٹر..... ذہن میں بگولے اٹھ رہے تھے، جی چاہتا تھا سوئے ہوئے ساحل کا گلا دبا دے کیونکہ اس کے سونے کا انداز تو ایسا تھا گویا دور، دور تک جاگنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔ زارا غصے سے کانپتے ہوئے اس کی پشت کی طرف گھور رہی تھی۔ پھر جانے کیا ہوا..... بے بسی کی انتہا پر وہ رو پڑی..... پہلے مرحلے میں گالوں پر آنسو لڑھکنے لگے، دوسرے مرحلے میں آواز دبانے کی کوشش کی اور تیسرے مرحلے میں زار، زار رونا شروع کر دیا جیسے بچہ کھیل کے دوران گرنے کے بعد بلند آواز سے رونا شروع کر دیتا ہے۔

ساحل کی نیند ٹوٹی..... گہری نیند سے باہر آنے کی کوشش کی جیسے اندازہ کر رہا تھا کہ وہ خواب میں کچھ سن رہا ہے یا گھر میں واقعی کچھ ہو رہا ہے..... پھر اس نے یکلخت کروٹ بدل کر رخ زارا کی طرف کر لیا..... زارا ہاتھ گود میں رکھ کر بے ہنگم انداز میں رو رہی تھی..... شکل کے زاویے تبدیل ہو رہے تھے۔

''کیا ہوا؟'' وہ اب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''تم درندے ہو..... انسانیت نام کی کوئی شے نہیں ہے تم میں..... تم اماں اور سفینہ سے زیادہ خود غرض و بے رحم ہو..... مجھے موقع ملا تو تمہیں جان سے مار دوں گی..... نہیں چھوڑوں گی۔'' زارا زور، زور سے چلّانے لگی۔

ساحل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''آہستہ آس پاس کے فلیٹوں سے لوگ نکل کر خیریت پوچھنے آ جائیں گے۔'' زارا نے اس کا ہاتھ منہ سے ہٹانے کے لیے زور آزمائی کی۔

ساحل نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں بھر کر دبوچ لیا۔

''میری جان، بھوک میں ایسا ہی ہوتا ہے، بندہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ فریش ہو کر بوٹ بیسن چلتے ہیں گرما، گرم ناشتا کریں گے..... پھر تاجور آنٹی کے پاس چلیں گے۔''

''مجھے نہیں جانا دشمنوں کے گھر۔'' زارا نے پھر زہر ہرہ شق کیا۔

''اچھا تو پھر پی سی چلیں گے۔'' ساحل کی بھرپور کوشش تھی کہ زارا اس وقت پُرسکون ہو جائے..... اس نے



Digitized by Google

کام کا پتا پھینکا اور بازی پلٹ دی۔

''پی سی.....؟ پر وہاں کیا کریں گے؟'' زارا نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ساحل کی طرف دیکھا ساتھ ہی وہ اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔

''دیکھو، رات تو ایمرجنسی سچویشن تھی.....مگر اب تو تمہیں اس مرغی کے ڈربے میں نہیں رکھوں گا ناں..... وہاں ایک سوئٹ بک.... کرائیں گے۔ جب تک تاجور آنٹی تمہارے شایانِ شان گھر کا بندوبست نہیں کریں گی تم وہیں رہو گی.....اور سارے expenses تاجور آنٹی نہیں، میں پے کروں گا، آخر تم میری بیوی ہو، تمہیں خوش رکھنے کے لیے اپنا سارا اکاؤنٹ خالی کر دوں گا۔'' وہ اس کی بات پر بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''آج کے بعد گھر ملنے تک ہم پی سی میں رہیں گے.....ایک شاندار بیڈ روم، واش روم انجوائے کریں گے.....صبح تیار ہو کر نیچے ناشتا کرنے آئیں گے، بیس پچیس آئٹم ہمارے سامنے ہوں گے.....ایسا شاندار ناشتا کہ بس سوچ ہے تمہاری.....'' ساحل اسے یوں بہلا رہا تھا جیسے بچے کو رنگ برنگ لالی پاپ دکھا، دکھا کر روتے سے چپ کراتے ہیں۔

زارا اتنی سحر زدہ ہوئی کہ مزاحمت بھول گئی.....اور بے یقینی سے ساحل کی طرف دیکھنے لگی۔

''سارے بل تاجور آنٹی ہی پے کریں گی، اب تو کہیں جا کر لائف مزیدار ہونے جا رہی ہے۔'' وہ زارا کو خواب دکھاتے، دکھاتے خود بھی نشے میں ڈوب، ڈوب گیا۔

پتا چل گیا تھا۔

''اب مجھے دوبارہ تو یہاں نہیں لاؤ گے.....؟'' اس کے لہجے میں اب بھی بے یقینی تھی، وہ ساحل کی طرف دیکھ رہی تھی۔

بڑھے ہوئے شیو کی سیاہی، گہری نیند سے جاگنے کی وجہ سے آنکھوں کی سرخی، بکھرے، بکھرے بال، باڈی اسپرے کی مسحور کن مہک اس پر قیامت ہی کی باتیں، شاندار ناشتے کا تذکرہ.....زارا جیسی دنیا پرست.... سطحی سوچ کی لڑکی کے لیے تو یہی سب کچھ تھا۔ پہلی بار سانسیں کچھ بے ترتیب ہوئیں۔

''مجبوری میں لایا تھا.....ایسی ایمرجنسی ڈکلیئر ہوئی تھی کہ ذہن نے اس وقت کام ہی نہیں کیا ورنہ رات کو ہی ہوٹل لے جاتا۔'' وہ بڑی معصوم شکل بنا کر کہہ رہا تھا.....حالانکہ سب کچھ اس کے منصوبے کا حصہ تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟ تم کیا سمجھ رہی ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے؟ اسٹوپڈ، ہماری شادی ہو چکی ہے، اتنی خوب صورت جوان بیوی کو رات بھر مندر کی دیوی بنا کر نہیں پوجا جاتا.....بیوی سے پیار کا اظہار نہیں کریں گے تو کیا روڈوں سے لڑکی اٹھا کر لائیں گے۔'' ساحل کو احساس تھا کہ وہ اسے اب مکمل کنٹرول کر چکا ہے، بہت آہستگی سے اس نے پھونک کر مار کر زارا کی پیشانی پر پڑی لٹوں کو متحرک کیا.....جس پر زارا فوراً اس کی گرفت سے مچھلی کی طرح پھسل گئی اور بڑی پھرتی سے بیڈ سے اتر گئی۔

''تم فریش ہو جاؤ تو بتا دینا.....میں ذرا تھوڑا سا اور سو جاؤں.....ساتویں آسمان کی سیر کر رہا تھا تم نے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا.....بس جلدی سے تیار ہو جاؤ، میں زیادہ ٹائم نہیں لوں گا۔'' یہ کہہ کر ساحل نے پھر کروٹ لے کر کشن دبوچ لیا۔ زارا سوٹ کیس کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''ہوٹل میں رہتے ہوئے پلان کروں گی کہ مجھے اماں سے کیا، کیا لینا ہے، اب تو مر کر ہی اس گھر میں جاؤں گی۔''

☆☆☆

تاجور نے آج معمول سے زیادہ پانی بہایا تھا.....یوں جیسے شعلوں پر پانی ڈال رہی ہوں۔ کاروبار کے جھمیلوں سے شاید پہلی بار خود کو الگ محسوس کر رہی تھیں۔ آج آنکھ کھلنے کے بعد سے ذہن مسلسل زارا کی ذات کے



Digitized by Google

ارد گرد گردش کر رہا تھا۔ انہیں زارا کے بجائے ساحل پر رحم آ رہا تھا..... جیسے کہ تاجور نے اسے سخت ترین آزمائش میں ڈال دیا ہو۔

شاور لینے کے بعد وہ سر لپیٹ کر دریچے کے قریب نیل فائلر لے کر بیٹھ گئیں۔ صبح کی نرم دھوپ ادھ کھلے دریچے سے اندر آ رہی تھی..... ان کے کان اپنے سیل فون کی طرف متوجہ تھے..... ایک دھڑکا سا تھا کسی بھی لمحے زارا کی کال آجائے گی..... اور اب تو ان کی دسترس سے دور ہے خوب دل کی بھڑاس نکالنا چاہے گی..... مگر آج وہ ساحل سے پہلے زارا کی کال ریسیو نہیں کریں گی۔ انہوں نے اپنے تئیں تہیہ کر لیا۔

ایک مضبوط جوشیلے مرد نے کسی نہ کسی طور غرور تو توڑ ہی دیا ہوگا..... ہتھے سے اکھڑی ہوئی عورت تو یوں بھی مردانہ انا پر ضرب کاری ہوتی ہے..... ساحل نے مہینوں میں اتنی ترقی یونہی نہیں پائی تھی۔ تاجور نے نوٹ کیا تھا کہ وہ ہر کام چیلنج سمجھ کر کرتا ہے..... اور ذرا سی دیر میں پورے بورڈ کو اپنے کام کی طرف متوجہ کر دیتا ہے..... فیس بک کی وجہ سے انہیں پتا تھا کہ اس کی سالگرہ 5 دسمبر کو ہوتی ہے..... اس کا تعلق برج قوس سے تھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ایڈونچر کے شوقین اور خطرات سے کھیلنے والے فطری کھلاڑی ہوتے ہیں..... اور ہدف پر نگاہ جما کر ان تھک دوڑتے چلے جاتے ہیں..... ہمیشہ خوشگوار موڈ میں نظر آتے ہیں، بستر پر لوٹنے، چارپائی توڑنے سے نفرت کرتے ہیں۔ ہمیشہ متحرک اور کچھ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ساحل کو کبھی ڈپریسڈ آف موڈ میں، پریشان، الجھا ہوا نہیں دیکھا..... حاضر دماغی و حاضر جوابی سے پہلی ملاقات میں ہی اس نے تاجور کو متوجہ کر دیا تھا۔ وہ پہلے ہی دن سے ان کی گہری نگاہ کے حصار میں تھا..... انہوں نے جان بوجھ کر اسے چھوٹی سیلری پر رکھا اور سہولتوں کا وعدہ... پرفارمنس کے بعد تھا۔ آخر کار وہ خود کو اہل ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا اور تاجور کو اپنے انتخاب پر مایوسی نہیں ہوئی۔

یہ الگ بات کہ وہ اس کی پوشیدہ نیتوں تک رسائی نہیں پا سکتی تھیں اور یہ نہیں سوچا تھا کہ جب ذہانت اپنی اور صرف اپنی غرض کے لیے استعمال کی جائے تو پیر و مرشد شیطان ہوتا ہے۔ لیکن بات پھر وہی ہے کہ انسان جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی سامنے والے کو سمجھتا ہے۔

کوئی کال نہیں آئی تو وہ مضطرب ہو گئیں..... اندیشے سر اٹھانے لگے۔

''غصے میں تو بالکل پاگل ہی ہو جاتی ہے..... ساحل کا بڑا سخت امتحان ہے مگر میں اس کے احسان کا بدلہ بہت جلد اتار دوں گی۔'' وہ اپنی پیشانی اضطرابی کیفیت میں رگڑنے لگی تھیں..... چین تو جیسے پرلگا کر اڑ چکھو ہو چکا تھا۔

☆☆☆

سفینہ رات کو بے تحاشا روئی تھی اور روتے، روتے سو گئی تھی۔ فون پاور ڈ آف کر دیا تھا۔ وہ اس کیفیت میں نہ ماہین سے بات کرنا چاہتی تھی نہ ہی پرنس سے..... آنکھ کھلی تو تکیہ آنسوؤں سے ابھی تک نم تھا۔

''میری بہن ہے آخر..... یہ کیا ہو گیا اس کے ساتھ.....؟'' آنکھ کھلتے ہی ذہن پھر زارا کی طرف چلا گیا۔

''کیوں کر رہی تھی یہ سب..... اماں نے کس شے کی کمی کی تھی.....؟ ماں اتنا کچھ کرتی ہے، غلطیوں پر روک ٹوک بھی کر سکتی ہے، کیوں اماں کو ستا رہی تھی؟'' سفینہ کی آنکھیں پھر چھلک پڑیں..... ''لوگ کتنی باتیں بنائیں گے..... اماں کس طرح فیس کریں گی؟''

کوئی ایک پریشانی تھی..... فکر مندی کی ایک لہر گزرنے نہ پاتی تھی دوسری رگیدتی ہوئی آجاتی تھی۔

''تم نے تو میری خوشیاں بھی حرام کر دی ہیں زارا..... تمہیں کیسے اگنور کر سکتی ہوں، بہن ہو میری.....''

سفینہ حقیقت سے نا آشنا تھی، اس لیے دکھ سے کمر ٹوٹی پڑتی تھی۔

''جو کچھ بھی ہوا، اچھا نہیں ہوا۔ کوئی تمہارا دشمن نہیں ہے، تم اپنی دشمن خود ہو..... جی چاہتا ہے زندگی بھر تمہاری



Digitized by Google

شکل نہ دیکھوں..... مگر..... مگر کیا کروں.....؟ بہن ہو میری، کاش تمہیں بھی احساس ہوتا کہ تم اپنی سگی بہن کے راستوں میں کانٹے بچھا رہی ہو، میں نے آخر تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ کیا چھین لیا تھا تم سے۔'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے خود کلامی کرنے لگی۔

☆☆☆

ساحل واش روم سے باہر آ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ اس کا سیل فون وائبریشن پر تھا، زارا بہت اچھی طرح ڈریس اپ تھی..... زندگی میں پہلی بار اپنا ڈریس پریس کیا تھا، میک اپ کرنے پر دل مائل نہیں تھا بس ہلکی سی پیازی چمکدار شیڈ کی لپ اسٹک ضرور لگالی تھی کہ فریش نظر آئے۔ اسے تو اس زنداں سے نکل بھاگنے کی جلدی تھی..... اگر ساحل اسے فائیو اسٹار ہوٹل لے جانے کا فیصلہ نہ کرتا تو یہ صبح بہت مختلف ہوتی، ساری رات سر پر خون سوار رہا تھا، اسے اپنی کیفیات سے خود ہی خوف محسوس ہونے لگا تھا، پہلو میں مست نیند سوئے ہوئے ساحل کی طرف جب دیکھتی جی چاہتا بس اس پر قاتلانہ حملہ کر دے..... پھر جو ہو سو ہو۔

مگر اللہ کو رحم آ گیا، وہ کچھ نہ کر سکی بس کڑھ، کڑھ کر سونے کی کوشش کرتی رہی، ساحل کے سیل فون کی اسکرین پھر روشن ہوئی اور وائبریشن کی سنسناہٹ ماحول میں چھائی خاموشی پر غالب آنے لگی۔

زارا نے اس مرتبہ بھی توجہ نہ دی مگر جب تیسری اور چوتھی بار کال آئی تو وہ سیل اٹھانے پر مجبور ہو گئی..... کہ آخر کون اتنی ایمرجنسی میں ہے، ذہن تاجور کی طرف پلٹ گیا تھا..... کہ ہو سکتا ہے اماں نے اپنی کارگزاری کی رپورٹ جاننے کے لیے ساحل کو کال کی ہو۔

مگر اسکرین پر آپا کی فوٹو بلنک ہو رہی تھی۔

زارا نے گہری سانس لے کر سیل واپس رکھ دیا..... مگر چند سیکنڈ بعد کال پھر آ گئی..... زارا کی طبیعت میں برداشت کا مادہ تو ویسے ہی نہیں تھا..... حضرت علیؓ نے متکبر کی ادنیٰ سی نشانی یہ بتائی ہے کہ ''متکبر غصہ ضبط نہیں کرتا۔'' واقعی اسے غصہ کنٹرول کرنے کی مشق نہیں تھی..... وہ دانت پیس کر سیل پاور آف کرنے لگی پھر یک دم رک گئی..... اور کچھ غور و فکر کے بغیر کال ریسیو کر لی..... اور بالکل ابتدائی والیوم پر ''ہیلو'' کہا آپا تو کال ریسیو ہونے پر اتنی خوش و جذباتی ہوئیں کہ ہیلو کی آواز کی نسوانیت پر دھیان ہی نہیں دیا۔

''یا اللہ..... کیا ہو گیا تمہیں؟ کب سے کال لگا رہی ہوں..... ارے اس وقت تو تمہارا آدھا دن ہو جاتا ہے۔ خیریت ہے، آج کیوں لمبی تان کر سو رہے ہو، دشمنوں کی طبیعت تو خراب نہیں.....؟ ارے تمہیں تو راہ چلتوں کی نظر لگتی ہو گی..... اتنا بن ٹھن کر نکلو گے تو نظر تو لگے گی..... میں تو ہر نماز کے بعد تمہارا تصور کر کے دم کرتی ہوں..... مگر کوئی کوئی نظر بہت پکی ڈھیٹ ہوتی ہے۔'' آپا اس تواتر سے شروع ہوئیں کہ سانس زارا کی پھول گئی۔

''السلام علیکم آپا..... زارا بات کر رہی ہوں۔'' اس نے مروت سے نہیں کہا بری طرح چڑ کر ٹوکا تھا۔

''ہیں.....؟'' آپا کی ''ہیں'' میں بلاسٹک میزائل کی پاور تھی..... زارا نے اپنی جگہ بیٹھے، بیٹھے محسوس کیا گویا آپا اچھل کر کہیں گری ہوں۔

''ارے میں نے تو ساحل کا نمبر لگایا تھا.....'' آپا کی آواز سے لگا کہ اس وقت ہونق ہو رہی ہیں۔

''یس..... آف کورس، ساحل کے سیل پر ہی آپ سے بات ہو رہی ہے۔'' زارا کی جانے بلا کہ مصلحت کیا ہوتی ہے، حفظِ ماتقدم کس پرندے کا نام ہے۔

''اچھا..... یہ ساحل کہاں ہے، ذرا میری بات کراؤ اس سے۔'' آپا کی حواس باختگی ان کی آواز کے اتار چڑھاؤ سے مترشح تھی۔

''جی وہ واش روم میں ہیں، شاور لے رہے ہیں، باہر آتے ہیں تو آپ کی بات کراتی ہوں۔'' زارا نے یوں جواب دیا گویا سر پر دھری ایک من وزنی بوری سر سے لڑھکائی ہو۔

''اوہ...... تو یہ تمہاری طرف آیا ہوا ہے......؟ ارے تو کیا تمہارے گھر نہانے آیا ہے، ایک تو کراچی شہر میں پانی کا بہت بڑا مسئلہ ہے، اتنا بڑا شہر مگر وہ کیا...... کہ نام بڑے درشن چھوٹے...... اور فلیٹوں میں تو پانی کا مسئلہ کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ چلو سسرال کا یہ فائدہ تو ہوا...... کم سے کم نہانے دھونے کی سہولت تو ہوگئی...... تمہاری اماں تمہیں جہیز میں گھر دینے کا بول رہی تھیں...... وہاں اچھی طرح پتا کر لینا پانی وانی بھی آتا ہے، ارے پانی کے بغیر تو محل بھی صحرا ہے۔'' آپا اب قدرے پُرسکون انداز میں بات کر رہی تھیں...... تسلی ہوگئی تھی کہ ان کا بھائی سسرال میں سہولت سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ زارا نے کال ریسیو کرتے ہی طے کر لیا تھا کہ ابھی وہ آپا کو اپنی ''آمد'' کے بارے میں مطلع نہیں کرے گی...... مگر آپا کی نان اسٹاپ چلتی زبان خالی پیٹ سنتے ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی کان میں خنجر اتار رہا ہو عادت سے مجبور ہو کر بے سوچے سمجھے پھٹ پڑی۔

''میں ساحل کی طرف ہوں، وہ اپنے ہی گھر میں ہیں۔''

آپا کی تو تعجب سے بولتی ہی بند ہوگئی...... زارا کو یہ وقفہ غنیمت لگا۔ اس نے رابطہ منقطع کر کے فون پاورڈ آف کر دیا...... اور سیل فون کو یوں گھورنے لگی جیسے اس کی تمام مشکلات کا ذمے دار یہی سیل فون ہو...... اسی آن ساحل ٹاول سے سر خشک کرتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

''خیریت...... ! کس کی کال ہے؟'' اس نے اپنا سیل فون زارا کے ہاتھ میں دیکھا تو لپک کر قریب آیا اور سیل لینے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔


فروری 2019ء کے شمارے کی ایک جھلک




خوب صورت دھوکہ
عشق کی فسوں گری اور عاشقوں کے درمیان دلچسپ معرکہ آرائی آخری صفحات پر نشور ہادی کا پرفکر انداز

اوپر کی بادشاہت
ماضی کے پوشیدہ گوشوں...... اور بند دریچوں میں پنہاں راز و نیاز...... تاریخی صفحات پر الیاس سیتا پوری کے قلم کی روانی

رنگ آسماں
زہریلے سانپوں اور گہری چالوں پر مشتمل خوفناک اور عبرت ناک واقعات کا سنگم...... اے آر راجپوت کے خیالات کی پرواز

وقت
خوشگوار مستقبل کی آس اور کربناک ماضی کی بھول بھلیوں میں گم شدہ لمحات کا احاطہ کرتے وقت کی مکاریاں۔ حسام بٹ کے قلم کا جادو

اس کے علاوہ
تنویر ریاض، شاہ زین رضوان، ثمر عباس، ڈاکٹر شیر شاہ سید، منظر امام، نادیہ نور کی خوبصورت کہانیاں




Digitized by Google

''آپا کی کال آئی تھی۔'' زارا نے جھلا کر جواب دیا۔
''مائی گاڈ..... تم..... تم نے آپا سے بات کی؟ کیا بتایا ان کو؟'' ساحل نے ٹاول اچھال کر صوفے پر پھینک دیا۔
وہ کبھی زارا کی طرف کبھی سیل فون کی طرف دیکھتا تھا..... بہت پریشان نظر آرہا تھا۔
''اُف توبہ..... کتنا کم بولتی ہیں آپا..... دوسرے بندے کو تو ''ڈرم'' بجھتی ہیں، دونوں ہاتھوں سے بجاتی رہتی ہیں۔''
ساحل کو اب واقعی کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔
''مجھے بتاؤ تو سہی آپا سے کیا بات ہوئی ہے؟ وہ تو تمہاری آواز سن کر بہت پریشان ہوگئی ہوں گی، مائی گاڈ.....'' ساحل ایک بے کلی کی سی کیفیت میں سیل آپریٹ کرنے لگا کیونکہ زارا نے جواب دینے کے بجائے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا..... بھوک سے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔
''ہیں، یہ تو پاور ڈاؤن ہے..... کیا بیٹری.....'' ابھی اس کے منہ سے چند الفاظ ہی نکلے تھے، زارا نے اس کے ہاتھ سے سیل فون جھپٹ لیا۔
''میں بھوک سے بے ہوش ہونے والی ہوں..... پہلے بریک فاسٹ کر لیتے ہیں، بعد میں آپا کو چیک کر لینا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ..... وہ ہمارے بریک فاسٹ کے بعد زندہ ملیں گی۔'' زارا یہ الفاظ حلق پھاڑ کر ہسٹریائی انداز میں کہنا چاہتی تھی، زندگی میں پہلی بار خود کو کنٹرول کر کے اور دانت پیس کر بولی۔ ساحل جیسے گہری نیند سے جاگا۔
وارڈ روب سے عجلت کے انداز میں ایک ٹی شرٹ نکالی اور پہن لی۔ اتنی پھرتی سے کہ زارا کو مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا.....
''اب یہ سیل پاور ڈاؤن ہی رہے گا..... جب تک تم اچھے موڈ میں نظر نہیں آؤ گی۔ پہلے تو جاب کی ٹینشن ہوتی تھی تمہارے قدموں کی برکت سے اب وہ بھی ختم ہوگئی۔'' یہ کہہ کر اس نے سیل جینز کی پچھلی پاکٹ میں پھنسایا..... ٹیبل سے والٹ اور key ring اٹھائی۔
"Let's go" اس نے زارا کی طرف دیکھا۔
''ایسے ہی..... ہیئر برش نہیں کرو گے.....'' زارا کی انتظار کی تباہ کُن کیفیت اب ہوا ہو چکی تھی۔
''راستے میں کر لوں گا..... جو گرز کار میں ہوتے ہیں ڈونٹ وری..... مجھے تمہیں کار میں بٹھانے کی جلدی ہے..... مجھے ڈر ہے کہ تم کہیں مجھے نہ کھا جاؤ.....'' اس نے بڑی وارفتہ رومانی ڈرامائی نظروں سے زارا کی طرف دیکھا اور اس کے چمکتے رخسار پر بے ساختہ انداز میں مہر محبت ثبت کی۔
حملہ اتنا اچانک تھا کہ زارا کوئی ردِعمل نہ دے پائی، وہ سوٹ کیس drag کرتے ہوئے دروازے سے باہر جا رہا تھا..... زارا یوں دوڑی جیسے اسے ڈر ہو کہ وہ اسے اندر locked کر کے چلا جائے گا۔
''آپا کا تو آج اس نے حشر نشر کر دیا ہے۔ کہیں وہ ائر پورٹ کی طرف نہ نکل کھڑی ہوں۔'' وہ زینہ اترتے ہوئے سوچ رہا تھا۔
زارا کو زینہ اترتے ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے نیلسن مینڈیلا نے ستائیس سال بعد سورج دیکھا ہو۔

☆☆☆

پرنس، صندل کی آخری رسومات سے فارغ ہو کر اب مسلسل سفینہ کی طرف متوجہ تھا۔ وہ اداس تھا، اپنی اداسی سفینہ کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا تھا۔ ہر چند کہ اس نے صندل کی نگاہ میں ایک پیاس و حسرت پائی تھی مگر اس کے ضمیر نے صندل پر کوئی الزام نہیں دھرا تھا۔ دلدل میں ڈوبنے والا دلدل میں گری درخت کی شاخ تک سے آس و امید لگا سکتا ہے۔ ہر ذی روح کی طرح صندل کو بھی اچھا سا جینے کی فطری آرزو ہوگی۔ اس نے دل و جان سے اس کی


Digitized by Google

مغفرت کی دعا کی..... ابھی وہ گھر کے گیٹ سے کچھ ہی فاصلے پر تھا کہ گھر سے کال آ گئی تھی۔ ایس پی زوار نے گھر پر کال کی تھی اور پرنس کو میسج دیا تھا کہ سلمان نے خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا ہے۔ پرنس پر مراقبے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ سرسوں کے پھول سے روشن کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر ثوبان جنت کے سنہری پرندوں سے کھیل رہا تھا۔

''گڈ لک مائی سن..... ثوبان میں تمہیں اچھوتا، نرالا، مہربان انسان بنانے کی کوشش کروں گا..... اور نیکی کے اس سفر میں سفینہ میرا بہترین انتخاب ہے..... میں بالکل بھی ڈبل مائنڈڈ نہیں۔ اس لیے کہ پہلی نگاہ میں میرا دل سفینہ پر ٹھہر گیا تھا۔ عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔ مگر دل کی بات اور ہے۔ یہ تو بیت المعمور کی جب چاہے سیر کر سکتا ہے، عقل کے پروں میں یہ طاقتِ پرواز کہاں۔ سفینہ تو معاملاتِ دل کا حصہ ہے، دل کا فیصلہ ہے، وہ ثوبان کو غیر مشروط محبت دے گی، مجھے پورا یقین ہے۔'' اس نے رسٹ واچ پر نگاہ کی۔ ثوبان اسکول سے آ چکا ہوگا۔

عمر پڑی ہے جینے کے لیے
بس یہی دو چار دن مرنے کے ہیں

شدید ترین احساسِ ذمے داری سے وہ بوجھل ہونے لگا۔

تدفین سے پہلے اسے بار ہا خیال آیا تھا کہ ثوبان کو اس کی ماں کا آخری دیدار کرا دے..... مگر صندل کو اتنی زیادہ بلیڈنگ ہو رہی تھی کہ کفن پر سر کی طرف خون کے بڑے، بڑے دھبے تھے۔ نگاہ کے لیے ناقابلِ برداشت منظر تھا۔ بچہ ماں کے چہرے پر خون کے دھبے کیسے برداشت کرتا؟ یہ اس معصوم کے لیے عمر بھر زخم دینے والی یاد داشت ہوتی، حادثات بچوں کو نفسیاتی مریض بھی بنا دیتے ہیں۔ وہ تو اسے ایک مشن سمجھ رہا تھا۔ معاشرے کو ایک صحت مند اور کارآمد ذہن دینا چاہتا تھا۔ بے پناہ ذہین اور حساس بچے کو ناکارہ ہونے سے بچانا تھا۔ بچے کو کس طرح سنبھالنا ہے، ایک ذہین ترین تخلیق کار اس وقت عظیم آزمائشی مرحلے سے گزر رہا تھا۔

☆☆☆

عالیشان ہوٹل کے خواب پرور بیڈ روم میں پہنچ کر زارا کو یوں لگا جیسے اسے کسی نے الاؤ سے نکال کر آبشار کے نیچے کھڑا کر دیا ہو..... وجود میں بجلیاں دوڑنے لگیں۔

ساحل بھی بیڈ پر چاروں شانے چت ہوا کر آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا..... بیڈ کے دونوں طرف سائڈ ٹیبلز پر ٹیبل لیمپ روشن تھے کیونکہ کھڑکیوں پر بھاری پردے پڑے ہوئے تھے۔

زارا نے جلدی سے سوٹ کیس کھول کر اپنے ڈریسز وارڈ روب میں ہینگ کیے، میک اپ، اسپرے، لوشن وغیرہ ڈریسنگ پر سجایا۔ ڈریسنگ کے علاوہ entrance سے متصل دیوار پر قد آدم آئینہ بھی آویزاں تھا۔ وارڈ روب سے بیڈ تک آتے جاتے وہ بار، بار خود کو آئینے میں دیکھتی تھی..... اسے خود کو دیکھ کر بہت خود ترسی کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی..... اتنی اجاڑ تو وہ زندگی میں کبھی دکھائی نہیں دی۔

''یہ اس ٹوٹے پھوٹے گھر کی منحوسیت ہے جو میری شکل پر چپک گئی ہے۔'' ذہن قدرے پُرسکون ہوا تو از سرِ نو لوگوں کے ظلم و زیادتیاں یاد آنے لگیں۔

اس نے نچلے خانے میں اپنے سینڈل، سلیپرز وغیرہ رکھتے ہوئے ساحل کی طرف دیکھا۔

''تم نے تو اپنے ڈریسز وغیرہ رکھے ہی نہیں۔'' اسے اچانک ہی دھیان آیا تھا۔

''میری فکر نہ کرو..... تمہیں یہاں سیٹ کر کے واپس گھر جاؤں گا..... گھر سے باہر آیا ہوں، گھر سے بھاگ کر نہیں آیا ہوں۔'' ساحل نے چھت کی طرف گھورتے ہوئے ٹکڑا توڑ جواب دیا۔

''اُف اس کباڑ خانے کو گھر کہتے ہوئے تمہیں کچھ فیل نہیں ہوتا۔'' زارا نے کوفت بھرے لہجے میں چیخ کر کہا۔



Digitized by Google

''محل کی ڈیکوریشن کرنے والے مزدور صبح سے شام تک محل میں رہتے ہیں.....اور سورج کی روشنی سے وقت کا اندازہ لگا کر اپنے گھر جانے کی فکر میں ہوتے ہیں.....جھونپڑی یا کچا پکا گھر انہیں اس محل سے زیادہ حسین لگتا ہے کیونکہ گھر.....گھر ہوتا ہے مگر فکر کی بات نہیں.....ایک بچے کے بعد نہ سہی دو بچوں کے بعد تمہیں بھی احساس ہو جائے گا کہ گھر کیا ہوتا ہے۔''

زارا وارڈ روب کا پٹ بند کرتے ہوئے ہونق سی ہو کر ساحل کی طرف گھورنے لگی۔

''مجھ سے آئندہ اس قسم کی فضول باتیں مت کرنا.....سمجھے۔'' اس نے بہ مشکل خود کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا اور پٹ بند کر دیا۔ ساحل ایک جھٹکے سے اٹھا، زارا اتنی دیر میں آئینے کے سامنے آ کر کھڑی ہو چکی تھی۔ ساحل نے اس کا بازو دبوچ کر رخ اپنی جانب موڑا۔

''آئندہ اسی قسم کی فضول باتیں ہوں گی.....قربتوں کی انتہا پر تم مجھے بتاؤ گی کہ مجھے کیا باتیں کرنی چاہئیں؟ یہ میرا ڈیپارٹمنٹ ہے.....none of your business'' یہ کہہ کر اس نے زارا کا بازو جھٹکے سے چھوڑ دیا.....زارا خون آشام نظروں سے گھورتے ہوئے اپنا بازو سہلانے لگی۔

''میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں، مجھے بہت شوق ہے کہ میرے کم سے کم بھی چھ بچے ہوں.....گھر بھرا، بھرا لگے گا۔ شرارتوں سے گھر میں رونق رہے گی۔ جب اللہ نے اتنا دیا ہے تو اپنے ڈھیر سارے بچوں کو انجوائے کرانا چاہیے.....اگر ہماری وجہ سے چھ، سات، آٹھ انسان بہترین زندگی گزاریں تو سوچو ہمیں کتنا ثواب ملے گا.....'' زارا کے دماغ کے پرخچے اڑ رہے تھے۔

''language!'' وہ دانت پیس کر غرائی۔

ساحل زور سے ہنس پڑا.....

''ایک گالی سے عورت میلی ہو جاتی ہے مگر مجھے گالی دینے کی عادت نہیں ہے۔ شوہر کو language نہیں سکھاتے ورنہ وہ سبق سکھا دیتا ہے۔'' ساحل اس کے قریب آ کر شریر مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا.....پھر انگلی سے اس کا گال چھو کر اس کی پیشانی پر بکھری لٹوں پر پھونک ماری۔

''تم یہ مت سمجھنا کہ تم مجھے تنگ کرو گے تو میں برداشت کرتے ہوئے تمہارے ساتھ زندگی گزار لوں گی۔'' اس نے آگے بڑھ کر واش روم کا دروازہ کھولتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''مجھ سے بنا کر رکھو زارا بیگم، تمہارے اکاؤنٹ میں اتنے پیسے نہیں ہوں گے کہ پی سی کا بل بھگتا سکو۔ کریڈٹ کارڈ use کرتی رہو گی تو بینک والے راستے میں گاڑی روک لیں گے۔ پولیس ساتھ ہوتی ہے فوراً گرفتاری ہو جاتی ہے۔''

ساحل کا موڈ بہت خوشگوار تھا، وہ زارا کی کسی بات کو سیریس نہیں لے رہا تھا۔ یہ سنتے ہی زارا کے تو سارے کس بل نکل گئے، اس ہوٹل سے بے عزت ہو کر نکلنے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''تمہیں تو میں اچھی طرح بتاتی ہوں.....بس ذرا اپنے گھر میں شفٹ ہو جاؤں.....'' زارا نے تلملا کر سوچا۔ پھر گہری سانس لے کر خود کو مرتب کیا۔

''تم آج ہی اماں سے گھر کی بات کرنا۔ جب گھر کا انتظام ہو سکتا ہے تو ہم ہوٹل میں کیوں پڑے رہیں۔'' اس نے اب دوستانہ انداز میں بات کی۔ ساحل کو مزید گدگدیاں ہونے لگیں۔

''آ گئی ناں راہ پر.....خالی لفافہ ہوا سے پھولا ہوا۔'' اس نے تمسخرانہ مسکراہٹ چھپانے کے لیے رخ موڑ لیا۔

''مان گئی ہوں ناں۔ اب تمہاری اماں بھی صرف میری سفارشات پر غور کریں گی۔''



Digitized by Google

''ظاہری بات ہے، مجھے تو وہ کچرا بنا چکی ہیں..... جو کچھ ہے بس سفینہ ہے، ان کی لاڈلی چہیتی.....'' یہ کہہ کر وہ غڑاپ سے واش روم میں گھس گئی اور دروازہ بند کرلیا۔

ساحل نے ایک گہری سانس لی۔

''بے شمار دولت کے لیے لوگ لانچوں میں سوار ہو کر خطرات سے کھیلتے ہیں کوسٹ گارڈ کی فائرنگ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مجھے ایک ٹیڑھی لڑکی کو ہی تو سنبھالنا ہے۔''

☆☆☆

تاجور کو واقعی حیرت تھی کہ دن چڑھ گیا مگر ساحل کی طرف سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا..... وہ آج آفس نہیں آئے گا اس کا تو انہیں اندازہ نہیں پورا یقین تھا۔ انہوں نے سب کے سکون کے لیے ایک انتہائی فیصلہ کیا تھا۔ مگر یہ تو کچھ زیادہ ہی سکون ہو گیا تھا۔

آج انہوں نے اور سفینہ نے اپنے، اپنے بیڈ روم میں ہی برائے نام ناشتا کیا تھا..... لاشعوری طور پر دونوں ہی گویا ایک دوسرے سے کترا رہی تھیں۔

وہ طوعاً و کرہاً تیار ہو کر آج معمول سے خاصی لیٹ آفس جا رہی تھیں..... جانے سے پہلے جی چاہا ایک نظر سفینہ کو دیکھ لیں اس کی خیریت تو لیں رات سے کمرے میں بند ہے۔ ابھی وہ لابی کی طرف بڑھی ہی تھیں کہ ان کے سیل فون پر رنگ ہونے لگی..... شولڈر بیگ ان کے کندھے پر ہی تھا انہوں نے فوراً سیل فون نکال کر بڑی بے تابی سے کالر کا نام دیکھنا چاہا۔

ساحل کا نام بلنک ہو رہا تھا..... ان کی بے تابی سوا ہو گئی..... فوراً کال لی۔

''ہیلو..... جی ساحل.....؟''

''السلام علیکم میم.....!'' ساحل کی دھیمی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''اب بھی میم کہو گے تو لوگ کیا کہیں گے؟'' تاجور نے اپنا موڈ اچھا ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''اوہ..... سوری..... بس وہ عادت ہو گئی ہے ناں، جاتے، جاتے ہی جائے گی۔'' ساحل نے قدرے خفت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

''سب خیریت ہے ناں؟'' تاجور اپنی بے تابی کو کنٹرول نہیں کر پا رہی تھیں۔ انداز ایسا تھا گویا کہہ رہی ہوں کہ مجھے پتا ہے خیریت نہیں ہے۔

''زنجیریں پہنا دی ہیں، فی الحال تو یوں لگتا ہے کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو بیوقوف بنا رہے ہیں..... کیونکہ وہ اتنی calm down ہے کہ یقین نہیں آرہا۔'' ساحل نے اپنی پرفارمنس کی داد لینا چاہی تھی۔

''excellent!'' تاجور کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آرہا تھا..... ساحل کے بے ترتیب اور میلے کچیلے گھر میں وہ calm down ہے..... انہیں حیرت تھی۔

''ہم صبح پی سی آگئے تھے کیونکہ رات جس طرح گزاری ہے، وہ میں ہی جانتا ہوں۔''

''پی سی کیا مطلب ہے؟'' تاجور واقعی کچھ سمجھ نہ پائیں۔

''آنٹی آپ جب تک ہمیں پراپر..... accomodate نہیں کرتیں تب تک پی سی میں ہی رہیں گے ناں۔'' ساحل نے صاف، صاف بتا دیا۔ اس نے تاجور کا پہاڑ جیسا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیا تھا۔ مروت یا مصلحت سے کیوں کام لیتا اور اصل میں تو تاجور سے تمام demands منوانے کا یہی تو سب سے بہترین موقع تھا۔ زارا ہر حال میں اس کے ساتھ ایڈجسٹ ہو جاتی تو وہ لکیر ہی پیٹتا رہ جاتا۔



Digitized by Google

''اوہ.....ایکچوئلی میرا جوسی ویو پر بنگلا ہے وہ rent پر دیا ہوا ہے۔ کرایے دار کو ایک ماہ پہلے نوٹس دینا ہوتا ہے.....ان کو دو دن میں خالی کرنے کا نہیں کہا جاسکتا.....مگر اس دوران میں بنگلے کے پیپرز زارا کے نام سے بنوانے کا process مکمل کرلوں گی۔ میں نے اسے گھر دینے کا وعدہ کیا ہے جو کار تمہارے use میں ہے وہ اب تمہاری ہے۔ زارا کی کار کی ڈلیوری ایک مہینے تک ہوجائے گی۔ مگر تم ہوٹل کے بجائے کسی گیسٹ ہاؤس میں شفٹ ہوجاؤ۔ ایک مہینے میں وہاں کا بل لاکھوں میں بنے گا۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ میں اتنا کیش زارا کے اکاؤنٹ میں ڈال دوں، یہ تو پیسہ ضائع کرنے والی بات ہوئی۔ غور کرنا، زارا سے بھی ڈسکس کرنا۔ پھر مجھے بتانا۔'' تاجور نے اپنائیت بھرے لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔

''وہ نہیں مانے گی۔ مجھ سے زیادہ آپ کو پتا ہے، پی سی کی وجہ سے تو اس کا موڈ کچھ بہتر ہوا ہے۔'' ساحل نے بہت مؤدبانہ انداز میں درحقیقت ''لگا'' سا جواب دیا تھا۔

''ہوں.....ٹھیک ہے، بہرحال اب تمہیں سنبھالنا ہے.....جیسے ہی وہ کنٹرول میں آئے گی میں تمہاری طرف سے ولیمہ ریسیپشن بھی دوں گی.....ساری دنیا جانتی ہے وہ میری بیٹی ہے، اپنی عزت کے لیے اتنا تو کرنا پڑے گا۔'' تاجور گہری سوچ کے دوران ایک تواتر سے بولتی چلی گئیں۔

''او کے آنٹی.....پھر جب تک بنگلا خالی نہیں ہوجاتا ہم پی سی میں رہیں گے۔'' ساحل نے پھر اپنی تسلی چاہی۔

''مجبوری ہے، ایک نئے بنگلے کے لیے میں فوراً چھ سات کروڑ تو اپنے اکاؤنٹ سے نہیں نکلوا سکتی.....اتنا پھیلا ہوا بزنس ہو تو کوئی بزنس مین اتنے capital کو touch نہیں کرتا۔ یہ تو تم بھی سمجھتے ہو۔'' تاجور بات کرتے ہوئے پورے مہینے کا اس ہوٹل کا کرایہ بھی شمار کرتی جارہی تھیں۔ بائیس ہزار per day بھی ہو تو تیس سے ملٹی پلائی کرکے بات ساڑھے چھ لاکھ تک پہنچ ہی رہی تھی۔

مفت کے فضول راستے میں ضائع ہونے والے ساڑھے چھ لاکھ.....وہ بخیل نہیں تھیں مگر بزنس پرسن تو تھیں اعداد و شمار ان کی مجبوری تھی۔

''تم نے ایڈوانس دیا ہوگا، وہ آج اکاؤنٹ سے لے لینا۔'' انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر پھر ایک کڑوا گھونٹ پیا۔

گرین سگنل کا اشارہ ملتے ہی ساحل کی رومانی حس پوری توفیق، توانائی، استطاعت کے ساتھ پھڑکنے لگی۔ وہ ہوٹل کی راہداری میں ٹہلتے ہوئے بات کررہا تھا۔ زارا کے سامنے تو وہ کھل کر بات کر ہی نہیں سکتا تھا۔ تاجور کے پاس اس کے الفاظ جارہے تھے.....اگر زارا کے سامنے بات کرتا تو وہ تاثرات بھی دیکھتی۔

''سی ویو پر بنگلا، شام ڈھلے چھت پر جاکر سمندر کا نظارہ.....کبھی ڈوبتا ہوا سورج کبھی ابھرتا ہوا چڑھتا چاند.....مگر بنگلا تو زارا کے نام ہوگا، کل کو وہ گھر سے نکال دے تو؟ اسے بوجھ ڈھونے کی اجرت کیا ملے گی۔'' رومان کے چاند پر ہلکے بادل روشنی دھندلانے لگے۔

''یہ بات تو میں ہر صورت کلیئر کروں گا.....ورنہ یہ گاڑی نہیں چلے گی.....اس قربانی کے بکرے کے گلے میں صرف پھولوں کے ہار، نہ بابا نہ.....ایک دو دن بعد آنٹی سے صاف، صاف بات کروں گا.....اسے کون سا وراثت میں حصہ ملنا ہے۔ سب کچھ تو سفینہ کے ہاتھ لگ جائے گا۔'' ساحل کی روحانی مسرتیں تفکرات میں ڈھلنے لگیں۔

☆☆☆

شام ڈھل کر رات سے ہم آغوش ہونے لگی.....مگر سفینہ کا سیل فون آن نہ ہوا۔ ایک مرتبہ land line نمبر پر ٹرائی کیا، نوکر نے بتایا بی بی سو رہی ہیں.....اس نے شفق پر نظر جما کر حیرت سے سوچا تھا کہ اس وقت سو رہی ہے؟



Digitized by Google

اب اس کا دل بے چین ہو کر مواصلاتی نظام پر چار حرف بھیجنے لگا۔
''کہیں ناراض تو نہیں......؟'' اس نے اپنے دل کی طرف توجہ کی۔ دل کی طرف سے ''امن'' کی کیفیات وصول ہوئیں۔
لیڈی صوفیہ مغرب کی نماز کے لیے اپنے بیڈ روم میں جا چکی تھیں۔ وہ ان سے کسی ایسے موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جس سے وہ متفکر ہو جائیں، جھوٹ بولتا نہیں تھا، کافی سوچ بچار کے بعد وہ انجیلا کے پاس چلا آیا جو لاؤنج میں نٹنگ کرنے میں مصروف تھی۔
پرنس کو دیکھتے ہی اون سلائیاں رکھ کر کھڑی ہو گئی۔
''پلیز، پلیز۔'' پرنس نے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ انجیلا نے تعمیل کی اور بیٹھ گئی۔
''انجیلا، گرینڈ مام ڈنر ٹائم پر ہی روم سے باہر آئیں گی۔ میں سفینہ کی طرف جا رہا ہوں شاید اس کی طبیعت خراب ہے، اس کا سیل بھی آف ہے۔''
''پھر طبیعت خراب ہو گئی سر؟'' انجیلا بے ساختگی سے بول پڑی۔
''پھر...... پھر کیا مطلب؟'' پرنس کو حیرت ہوئی۔
''اس دن وہ آئی نہیں تو suddenly ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور وہ واپس سویٹ ہوم چلی گئی تھیں۔''
''اوہ یس، یہی پتا کرنا چاہ رہا تھا کہ کیا پرابلم چل رہی ہے۔ آئیڈیل فٹ اور healthy لڑکی ہے۔''
پرنس نے آخری الفاظ خود کلامی کے انداز میں ادا کیے۔
انجیلا کے وجود میں ایک لاوا سا پک رہا تھا۔ اسے اب سفینہ اور اس کی فیملی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ پرنس کو چیٹ کر رہے تھے۔
''if you don't mind...... آپ سے ایک بات کر سکتی ہوں سر؟'' انجیلا نے ہچکچاتے ہوئے اجازت چاہی۔
''اوہ شیور!'' پرنس کو اب جانے کی جلدی تھی...... اس نے رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈال کر بڑی شائستگی سے انجیلا کو اجازت دی۔
''kindly سر، آپ میم کی میڈیکل رپورٹس ضرور چیک کیجیے گا تاکہ پتا چلے کہ آخر پرابلم کیا چل رہی ہے۔''
''ارے، کوئی ایسا سیریس ایشو نہیں ہے، وہ لاہور سے آئی ہے ناں...... کلائمیٹ چینج ہونے کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔'' پرنس نے مسکرا کر کہا تھا بلکہ اسے انجیلا کی تشویش اچھی لگی تھی۔ وہ اس کی سفینہ کے لیے کتنی فکر مند تھی۔
''سر تو اتنا لائٹ لے رہے ہیں، یہ تو کبھی رپورٹس نہیں دیکھیں گے۔'' انجیلا متفکر ہو کر سوچنے لگی۔
''سر، پلیز میری ریکوئسٹ پر آپ رپورٹس ضرور دیکھیے گا۔'' انجیلا عجب مشکل میں تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ چند الفاظ منہ سے پھسل گئے۔
اب پرنس چونک پڑا تھا۔ انجیلا کے تاثرات و لہجہ دونوں غیر معمولی تھے۔
''ریئلی...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ آپ رپورٹس کو اتنی امپورٹنس کیوں دے رہی ہیں؟ کبھی، کبھی انسان بیمار بھی ہو جاتا ہے، یہ تو روٹین کی باتیں ہیں۔''
''سر، ایکچوئلی، ان کی سسٹر نے بتایا تھا کہ by birth ان کے ساتھ کچھ health ایشوز ہیں، ان کے برین میں کچھ پرابلم ہے، کسی بھی وقت fits پڑ جاتے ہیں۔'' انجیلا نے اپنی ساری ذہنی اذیت گویا پرنس کو منتقل کر دی کیونکہ جب سے اس کو یہ بات پتا چلی تھی وہ رات کو ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی۔ بار، بار یہی خیال آتا تھا کہ پرنس کی بے تحاشا دولت کی وجہ سے لوگوں نے ان کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے، اپنا سوشل اسٹیٹس مزید ہائی

URDU TUBE
www.urdutube.com



Digitized by Google

کرنے کے لیے..... یہ بیماری اکثر تمام دولت مندوں میں پائی جاتی ہے۔
پرنس نے چند ثانیے دم بخود ہو کر انجیلا کی طرف دیکھا مگر اس کی قوتِ ارادی بہت مضبوط تھی فوراً سنبھل گیا۔
''سسٹر، میم زارا نے بتایا تھا؟''
پرنس کے دماغ سے زیادہ حسیات کام کر رہی تھیں۔
انجیلا جو بول کر ہلکی ہونے کے بجائے قدرے پچھتا بھی رہی تھی۔ سر ہلا کر رہ گئی۔
''سر اگر میم کو پتا چلا honestly سر، مجھے میم کی فکر ہے۔ I am so worried'' بولتے ہوئے انجیلا کی آواز بھرا گئی..... پرنس نے ایک منٹ میں دس مرتبہ انجیلا کی طرف دیکھا..... آنکھوں میں گہری سوچ کا پرتو تھا۔
''this is not my concern کہ سفینہ بیمار ہے یا صحت مند only my concern is, you are informed by Zara...ok'' انجیلا نے حیرت سے پرنس کی طرف دیکھتے ہوئے پھر سر ہلا دیا۔
پرنس چند سیکنڈ گہری سوچ میں رہا پھر مسکرا دیا۔ ''میں سفینہ سے لو میرج کرنے جا رہا ہوں، وہ میرا بالکل درست انتخاب ہے، اس لیے کہ اس انتخاب کے بعد میرا دل کبھی بے چین نہیں ہوا۔ میں اس کی روح سے محبت کرتا ہوں اور اللہ سے کبھی نا امید نہیں ہوتا، اگر وہ بیمار ہے خدانخواستہ تو میں اس کا بہترین علاج کرا سکتا ہوں، دنیا میں کہیں بھی جا سکتا ہوں..... رہی موت، تو موت سے کیا ڈرنا، ہم دونوں کسی حادثے میں ایک ساتھ بھی مر سکتے ہیں۔ اس ایک پل کی زندگی میں ہم محبت کرنے کا حق تو ادا کر دیں۔'' پرنس یہ کہہ کر بڑے دل نشیں انداز میں مسکرایا۔
''تھینک یو مس انجیلا..... کہ آپ نے یہ سب کچھ گرینڈ مام سے شیئر نہیں کیا..... آپ کی سینس آف ڈیوٹی کی داد بھی دوں گا اور آپ کی اس فیملی کے لیے جو خدمات ہیں ہمیشہ appreciate کرتا رہوں گا۔ میں سفینہ سے ملنے جا رہا ہوں مگر اب اس کی رپورٹس نہیں دیکھوں گا..... بلکہ میں تو پوری لائف میں اس ٹاپک پر کبھی زارا سے بھی بات نہیں کروں گا اور آپ بھی بھول جائیں کہ زارا نے آپ سے کوئی ''راز'' شیئر کیا تھا۔'' وہ پورچ کی طرف بڑھ گیا جہاں اس کا PA اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اور شوفر بھی..... اٹینشن حالت میں کھڑا تھا۔ انجیلا سینے پر کراس بنا رہی تھی۔

☆☆☆

خواب آگیں ماحول، اشتہا انگیز انواع و اقسام کے کھانے، سوئٹ ڈشز، آئس کریم، کیک جو سنز زارا وقتی طور پر سب کچھ بھلا کر ڈنر کرنے میں مگن تھی۔ رات کا بٹر بریڈ کا ڈنر بھی ذہن سے نکل گیا تھا۔
''واہ کیا شاندار زندگی ہے، اچھا سا تیار ہو کر نیچے آؤ، مزے، مزے کے کھانے کھاؤ، گھومو پھرو سو جاؤ۔ بس اس ساحل کے دم چھلے سے بھی ایک دو مہینوں میں جان چھڑا لوں گی، گھر کے پیپرز میرے نام بن جائیں گے تو پھر مجھے ''مڈل کلاسیے'' کی سپورٹ کی کیا ضرورت؟'' اس نے فاصلے پر کھڑے سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس ساحل کی طرف دیکھا جو بچی کے پیس پلیٹ میں ڈال رہا تھا۔ آدھا گھنٹا پہلے ہی وہ گھر سے تیار ہو کر آیا تھا اور بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔
دوپہر کو وہ گھر چلا گیا تھا اور زارا نے شام تک سو کر نیندیں پوری کی تھیں۔ بیڈ روم ہی اتنا خوابناک تھا کہ پلکیں خود بخود مُندی جاتی تھیں..... روک ٹوک سے پاک آزاد زندگی کی سرخوشی میں گزری شب میں ساحل کا کیا گیا ''ظلم'' بھی بھول بیٹھی تھی..... آزادی کا احساس اور سفینہ کے خواب جھلسانے کی بے رحم سوچ..... ایسا ہی تھا جیسے کوئی نشانہ باندھ کر درمیان میں پڑی چیزوں سے توجہ ہٹا لیتا ہے۔
''اس سے پہلے میری فرینڈز کو پتا چلے کہ میں نے ایک لوئر مڈل کلاس بندے سے شادی کر لی ہے، میں ساحل سے الگ ہو جاؤں گی..... اور اپنی مرضی کی زندگی گزاروں گی۔ کم از کم دو مہینے تو اس غریب، مسکین کو برداشت کرنا


Digitized by Google

پڑے گا..... بن ٹھن کر کیسے رہتا ہے جیسے اس کے fore fathers کی شپنگ کمپنیاں تھیں۔"

اس نے ایک شاندار سے کپل کی طرف ایک نگاہ ڈال کر حقارت سے ساحل کی طرف دیکھا تھا، ایک سے بڑھ کر ایک کپل نظر آ رہا تھا اچھی خاصی تعداد فارنرز کی بھی تھی۔

زارا کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ ساحل پلیٹ ہاتھ میں لیے اس کے قریب چلا آیا..... زارا نے جلدی سے خود کو مرتب کیا اور زبردستی مسکرائی۔ ابھی ساحل سے بہت کام پڑے تھے۔

"تھینک گاڈ، تم مسکرائیں تو..... کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟"

"بہت رو چکی ہوں..... اب صرف مسکراؤں گی مائی ڈیئر ہزبینڈ۔" زارا نے مکارانہ مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بڑی ادا سے کہا۔

"ارے یہ ادائیں سنبھال کر رکھو، رات کو زیادہ اچھی لگیں گی۔" ساحل نے بھی شوخی سے جواب دیا۔

"یہ رات نہیں تو کیا دن ہے؟" زارا نے ناز و ادا کے تیر چلائے۔

"ارے بھئی..... میں اس رات کی بات کر رہا ہوں۔"

"اچھا، بس..... بس۔" زارا نے پلیٹ سمیت ہاتھ اونچا کیا اور تیز، تیز چلتی ایک ٹیبل کی طرف بڑھ گئی..... ساحل پھر پلیٹ بھرنے چل پڑا۔

☆☆☆

"مائی گاڈ، یہ آپ لوگوں نے کیا، کیا سفینہ..... کاش کہ تم مجھ سے شیئر کر لیتیں..... یہ تو کچھ زیادہ ہی سخت سزا ملی ہے زارا کو۔" پرنس اپنی نرم طبع کے باعث بہت روحانی اذیت میں مبتلا نظر آیا۔

"وہ اب اماں کے کنٹرول میں بھی نہیں رہی تھی پرنس..... ورنہ کوئی اتنے extreme پر نہیں جا سکتا۔ میں آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی..... آپ نے اصرار کیا تو مجھے بتانا پڑا۔" بولتے، بولتے سفینہ پھر بچوں کی طرح بلک، بلک کر رو پڑی۔ پرنس کی آمد کے وقت وہ لان میں ہی ٹہل رہی تھی۔ تاجور ایک بزنس ڈنر میں مدعو تھیں..... شام کو گھر آ کر ایک گھنٹے بعد دوبارہ چلی گئی تھیں۔ سفینہ کمرے میں بند تھی انہوں نے اسے ڈسٹرب نہیں کیا بس نوکروں سے ساری رپورٹ لے کر تیار ہو کر چلی گئیں۔ سفینہ کو بھی نوکر سے پتا چلا تھا کہ تاجور ڈنر میں گئی ہیں..... گھر میں تنہا ہونے کے احساس کے ساتھ ہی طبیعت گھبرائی تو وہ لان میں آ گئی۔ ماہین کو وہ جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھی۔ عزیز ترین دوست کو بھی زارا کے بارے میں بتاتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ ڈر کے مارے سیل ہی آف کیا ہوا تھا کہ کہیں ماہین کا یا پرنس کا فون نہ آ جائے..... دونوں کی کالز اٹینڈ نہ کرنے کی صورت میں کال بیک کرنا بنتا تھا۔

فون سے گھبرا رہی تھی یہ نہ سوچا کہ پرنس نفسِ نفیس خود چل کر بھی آ سکتا ہے۔

"پلیز سفینہ روئیں نہیں، حادثہ ہو جاتا ہے پھر خود کو سنبھالنا ہوتا ہے۔"

"بہن ہے میری..... دکھ تو ہو گا ناں....." سفینہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"آف کورس..... مگر وہ تنہا نہیں ہے، اپنے ہزبینڈ کے ساتھ ہے۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ زارا کا نکاح ہو چکا ہے، وہ گرینڈ مام سے بھی ملی ہے مگر ان کو بھی نہیں بتایا ورنہ وہ مجھ سے ضرور شیئر کرتیں۔"

"بہت کم لوگوں کو بتایا تھا، اماں نے سوچا تھا کہ رخصتی بہت اچھی طرح کریں گے مگر..." سفینہ کا جملہ پھر ادھورا رہ گیا وہ ہونٹ دبا کر آنسو روکنے لگی۔ پرنس چند ثانیے سفینہ کی طرف دیکھتا رہا۔ جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

"چلیں، زارا سے مل کر آتے ہیں۔" اس نے بہت پُرسکون انداز میں پیشکش کی۔



Digitized by Google

سفینہ کے آنسو تھم گئے، حیرت سے پرنس کی طرف دیکھا۔ اور لاشعوری طور پر نفی میں گردن ہلانے لگی۔
''مجھے ساحل کا گھر نہیں پتا..... زارا میری کال ریسیو نہیں کرے گی۔'' اس کے انداز میں مایوسی تھی۔
''ساحل سے تو کانٹیکٹ ہوسکتا ہے، ہم زارا سے ملنے جائیں گے تو اسے بہت اچھا لگے گا۔'' پرنس نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا جیسے سفینہ کو ہم قدم ہونے کا یقین دلا رہا ہو۔
''پلیز سفینہ، یہ ملاقات آپ کی پراپر میڈیسن ہوگی۔'' پرنس کے انداز میں بات منوانے کی طاقت اور اعتماد دونوں جھلک رہے تھے۔
سفینہ نے بے بسی سے دیکھا۔
''ٹھیک ہے میں ساحل سے بات کرتی ہوں مگر کہیں اماں.....'' سفینہ بولتے، بولتے پھر رک گئی۔
''میں ہوں ناں..... وہ میری بھی تو اماں ہیں۔'' وہ مسکرایا۔
پرنس کے ذہن میں ضرور کچھ ایسا تھا کہ وہ زارا سے ملنے کے لیے مضبوط ارادہ کر چکا تھا۔
نوکر جوس کے گلاس لے کر آرہا تھا، سفینہ نے اسے اپنا سیل فون لانے کو کہا اور گلاس اٹھا کر پرنس کو پیش کیا۔

☆☆☆

زارا کھا، کھا کر تھک گئی تھی..... بیڈ روم میں داخل ہوتے ہی بیڈ پر اوندھ گئی۔ ساحل کا ابھی بیڈ روم میں قید ہونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ چینج کر کے نیچے واک کے لیے جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس کے سیل پر وائبریشن ہونے لگی۔ زارا تو بے دم سی لیٹی تھی، پوٹی ہی بند تھی، ساحل نے سیل اٹھا کر دیکھا تو نمبر blink ہو رہا تھا، ایگزیکٹو سیل نمبر تھا یعنی اس دور کا نمبر جب پاکستان میں سیل فون متعارف ہوا تھا۔ اس بات کی سمجھ رکھنے والا بھی ایسے نمبر سے آئی کال کو اگنور نہیں کرسکتا۔ نمبر بھی الگ ہی تھا..... اس نے پُرشوق انداز میں کال ریسیو کی۔
''ہیلو.....؟''
''سفینہ بات کر رہی ہوں، میں زارا سے ملنا چاہتی ہوں، پلیز آپ مجھے pin سینڈ کر دیجیے۔ ڈرائیور فالو کرلے گا، اس کے پاس اسپرٹ فون ہے۔'' سفینہ بول رہی تھی اور ساحل حیران پریشان، ہکا بکا زارا کی طرف دیکھ رہا تھا پھر اچانک کوئی خیال آیا اور ایک دم واش روم میں چلا گیا۔ اور شاور کھولتے ہوئے سفینہ سے پوچھنے لگا۔
''اس وقت..... خیریت ہے ناں؟''
''میں زیادہ وقت نہیں لوں گی، بس دو چار منٹ زارا سے بات کروں گی۔'' سفینہ کی سُریلی مدھر موسیقیت کے رچاؤ والی آواز کے اثرات اتنی شدت سے غالب آئے کہ وہ کوئی بات نہ کرسکا۔ سفینہ آنا چاہ رہی تھی، میڈم تاجور بزنس ٹائیکون کی بیٹی..... وہ کیسے کہتا کہ نہ آئیں۔
''جی، بات یہ ہے کہ ہم پی سی میں ہیں، آپ روم نمبر 502 میں آجائیں۔''
''اوکے۔'' سفینہ کی طرف سے رابطہ منقطع ہوگیا۔
''اس نے تو تاجور کو بتایا تھا کہ وہ پی سی میں ہیں۔ تو سفینہ گھر کا ایڈریس کیوں مانگ رہی تھی؟'' وہ شاور بند کرتے ہوئے سوچ رہا تھا ساتھ ہی شکر کر رہا تھا کہ اچھا ہوا اس نے زارا کے سامنے سفینہ سے بات نہیں کی۔ پتا نہیں کس طرح ری ایکٹ کرتی۔
دوسری جانب زارا ''خمارِ گندم''..... میں سر شار اوندھی پڑی تھی۔ اس کی بلا سے ساحل کے پاس صبح تک کالز آتی رہیں۔ وہ واک کی نیت سے باہر آگیا تھا۔

☆☆☆


Digitized by Google

پرنس نے گھر سے روانہ ہونے سے پہلے تاجور سے خود بات کی تھی اور ان کو قائل کرلیا تھا کہ سفینہ کو زارا سے ملنے کی اجازت یہ سوچ کر دیں کہ اس سے سفینہ کے ذہن پر بہت مثبت اثر پڑے گا وگرنہ وہ بند کمرے میں اسی طرح روتی رہے گی، تاجور نے اجازت تو دے دی مگر تشویش میں بھی مبتلا ہوگئیں کہ نہ جانے زارا کس طرح، کس انداز میں ملے؟

ساحل نے فاصلے کا اندازہ لگا کر واک مختصر کردی تھی۔ جیسے ہی وہ روم میں واپس پہنچا اس کے تھوڑی دیر بعد ہی پرنس اور سفینہ آگئے تھے۔ اس نے دروازہ... کھولنے سے پہلے زارا کو اٹھا کر بٹھایا کہ گیسٹ آئے ہیں۔ زارا گیسٹ کا سن کر بوکھلا گئی اور جلدی، جلدی اپنا حلیہ ٹھیک کرتی بیڈ سے اتر گئی۔ ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھا پھر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ ساحل دروازہ کھول رہا تھا۔

دروازے کے فریم میں پہلے پرنس کا چہرہ نمودار ہوا پھر عقب میں کھڑی سفینہ نظر آئی۔

زارا تو اپنی جگہ بھونچکا ہو کر پتھر کی بن گئی اور آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کر دیکھنے لگی۔

''السلام علیکم.....'' پرنس کی دھیمی آواز پر اس نے پلکیں جھپکی تھیں۔ ساحل نے گرم جوشی سے ہاتھ ضرور ملایا مگر حیران پریشان وہ بھی تھا۔

''سفینہ، زارا کو بہت یاد کررہی تھیں، ہم نے سوچا چلو مل کر آتے ہیں۔'' زارا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ بس ٹکر، ٹکر دیکھے جارہی تھی۔

''پلیز تشریف رکھیے۔'' ساحل نے مہمانوں کے لیے بچی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سفینہ بیٹھنے کے بجائے زارا کے قریب گئی اور گلے سے لگالیا۔ مگر زارا برف، برف تاثرات کے ساتھ جوں کی توں کھڑی رہی۔ ساحل، زارا کے انداز پر خاصی شرمندگی محسوس کررہا تھا، اس نے زارا کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے دبایا..... زارا نے چونک کر ساحل کی طرف دیکھا پھر اس کی آنکھوں کا اشارہ سمجھ کر بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

''میں آپ کو اچھی سی چائے پلواتا ہوں.....'' وہ انٹر کام کی طرف بڑھا۔

''پلیز، کوئی تکلف نہیں، ہم دونوں ہی رات کو چائے کافی نہیں پیتے۔'' پرنس نے اسے روکا۔

''اور کیا، کیا کچھ کامن ہے آپ دونوں میں؟'' ساحل نے زارا کی طرف سے ان کی توجہ ہٹانے کی شعوری کوشش کرتے ہوئے قدرے شوخ انداز میں پوچھا۔

''یہی کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے سچ مچ محبت کرتے ہیں۔'' پرنس نے بھی جوابی شوخی کا مظاہرہ کیا۔

''کیا محبت جھوٹ موٹ بھی ہوتی ہے؟'' ساحل قدرے کھسیا کر بولا تھا اور سفینہ کی طرف دیکھا تھا جو زارا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ہاں، ایک محبت کا دھوکا ہوتا ہے اور ایک واقعی محبت ہوتی ہے جو ہر طرح کے give n take سے آزاد ہوتی ہے..... کوئی شرط، کوئی سودے بازی نہیں ہوتی۔ سفینہ رو رہی تھی مجھ سے اس کے آنسو برداشت نہیں ہورہے تھے زارا کو بہت مس کررہی تھی۔ میں نے خود آفر کی کہ چلو زارا سے مل کر آتے ہیں۔'' زارا کی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ اسے یہ بات کھائے جارہی تھی کہ سفینہ اور تاجور نے اس کے بارے میں پرنس کو کیا بتایا ہے..... وہ بہت ذلت محسوس کررہی تھی۔

''ساحل..... زارا کا بہت خیال رکھیے گا۔'' سفینہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ زارا کے وجود میں انگارے سلگنے لگے۔

''میرا تماشا دیکھنے آئی ہے۔'' اب وہ اندر ہی اندر دانت پیسنے لگی۔



Digitized by Google

''میرا خیال ہے سفینہ ہمیں اس خوب صورت کپل کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہیے، ہمیں اجازت دیں، ان شاءاللہ .... پھر ملاقات ہوگی۔'' زارا کی خاموشی سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کو پرنس نے بہت خوب صورتی سے سنبھالا۔

ساحل بھی خاصی شرمندگی محسوس کر رہا تھا، جلدی سے کھڑا ہو گیا جیسے دونوں کو رخصت کرنے کی جلدی ہو۔

سفینہ نے آگے بڑھ کر زارا کا سر اپنے سینے سے لگایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا مگر زارا نے اس سے مس نہ ہوئی۔

ساحل لفٹ تک خدا حافظ کہنے ان کے ہمراہ آیا تھا۔

☆☆☆

تاجور نے ساحل کو بورڈ آف ڈائریکٹرز کی ممبر شپ دے دی تھی۔ زارا گھر سے رخصت ہونے کے ایک ماہ بعد ہی پریگننٹ ہو گئی تھی۔ پرنس اور سفینہ کی لازوال محبت نے اس کے پر کاٹ کر رکھ دیے تھے۔

اسے کچھ ہی عرصے میں احساس ہو گیا تھا کہ وہ تمام منفی طاقتوں کو بروئے کار لا کر بھی پُرخلوص محبت کے ستونوں کو جنبش نہیں دے سکتی۔

تاجور نے کمالِ ذہانت سے اس کے پر باندھے تھے، جو گھر انہوں نے زارا کو دیا اس کے ساتھ ایک قانونی بندش بھی رکھی کہ خلع لینے کی صورت میں اسے اس گھر سے دست بردار ہونا ہوگا اور اگر ساحل نے طلاق دی تو گھر ٹرسٹ کو مل جائے گا گھر کی ملکیت دونوں کے ساتھ رہنے سے مشروط ہے۔

خود غرض و حاسد مرتے دم تک سکون کی تلاش میں رہتے ہیں..... بے تحاشا نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کے باوجود مستقل بے کلی، ناشکری کی دائمی سزا ہے اگر پہلے پاؤں میں بیڑیاں تھیں تو اب گلے میں طوق بھی پڑ گئے تھے۔

☆☆☆

''گرینڈ مام، گریٹ مام، آپ کچھ دن تو میرے ساتھ رہتیں..... مجھے تو آپ سے ڈھیروں باتیں کرنا تھیں۔'' سفینہ منقش فریم میں جڑی لیڈی صوفیہ کی بڑی سی تصویر اپنے دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''مام، آپ کہیں جا رہی ہیں؟'' عقب سے ثوبان کی آواز آئی۔

''yes..... بلائنڈ اسکول میں چیریٹی شو ہے، پرنس وہاں چیف گیسٹ ہیں۔''

سفینہ نے پلٹ کر ثوبان کی طرف دیکھا..... اور دونوں بازو پھیلا دیے ثوبان اس کے سینے سے لگ گیا۔

''آپ لوگ لیٹ آئیں گے میں بور ہو جاؤں گا۔'' ثوبان کے انداز میں محبت بھری ضد تھی۔

''اسٹوڈنٹ کو سر کھجانے کی فرصت نہیں ہونی چاہیے..... تمہارے پاس بور ہونے کا ٹائم ہے؟'' پرنس نے اندر آتے ہوئے ثوبان کی بات سن کر برجستہ کہا تھا۔

سفینہ نے پرنس کی طرف دیکھا۔

''دل نے جو کہا..... سچ کہا۔''

''بابا، دل بھی کہتا ہے؟'' ثوبان نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

''دل ہی تو کہتا ہے۔'' پرنس نے شرارت سے سفینہ کی طرف دیکھا وہ شرما کر مسکرا پڑی۔

''میرا دل تو کچھ نہیں کہتا..... آپ سنیں..... بس ہارٹ بیٹ ہوتی رہتی ہے۔'' ثوبان، پرنس کے سامنے آ کر اپنے سینے کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ پرنس نے جھک کر ثوبان کا رخسار چوم لیا۔ سفینہ ہنس رہی تھی۔

(ختم شد)



Digitized by Google

# مَن میرا

خدیجہ اسحاق

''السلام علیکم......!'' اس نے آفس میں داخل ہو کر سلام کرتے ہوئے فائل ٹیبل پر رکھی اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔

''وعلیکم السلام......'' میز کے دوسری جانب بیٹھی لڑکی نے اس کی طرف دیکھے بنا جواب دیا اور فائل اٹھا کر پڑھنے لگی۔ کچھ دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی۔ اس دوران صائم نے اس لڑکی کا اوپر سے نیچے تک تنقیدی جائزہ لیا۔ ریڈ ٹاپ، بلیک پینٹ کے ساتھ



URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube4.com
Digitized by Google

بلیک اسٹالر کو گلے میں پہنے اور بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنائے وہ صاف رنگت والی ایک خوش شکل لڑکی تھی۔

''سو مسٹر صائم اس سی وی کے علاوہ اپنے بارے میں کچھ اور بتائیں۔'' اس لڑکی نے فائل بند کر کے ٹیبل پر رکھی اور اپنی نظریں صائم خان پر مرکوز کر لیں۔

''پہلے آپ اپنا نام تو بتائیں۔'' صائم یہ بات کہتے ہوئے شاید یہ بھول گیا تھا کہ اس این جی او میں وہ جاب کے لیے آیا ہی نا کہ وہ لڑکی.....

''ویسے انٹرویو آپ کا ہے میرا نہیں..... ویل اگر آپ ذرا سا دھیان دیتے تو آپ کو میرے نام کی یہ پلیٹ نظر آجاتی.....'' اس لڑکی نے سپاٹ انداز میں کہتے ہوئے ٹیبل پر موجود اپنے نام کی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا تو صائم نے شرمندہ ہوئے بغیر اس کا نام پڑھا۔

''سو ایشہ افتخار ویسے سوال تو پرسنل ہے لیکن چونکہ آپ مجھے جاننے میں انٹرسٹڈ ہیں تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ مجھے پارٹیز کا بہت شوق ہے اس کے علاوہ مجھے میرے فرینڈ زبدتمیز، بیہودہ، خبیث کہہ کر بلاتے ہیں اور سب سے مزے کی بات میں اپنے گھر کے کک سے زیادہ اچھا کھانا بنا لیتا ہوں۔'' وہ اپنی ہی بات پر کھل کر ہنس دیا گویا سب باتیں بہت فخریہ ہوں۔

''ایشہ افتخار.....!'' اس کی پوری بات سن کر اس لڑکی نے بس یہ دو لفظ ہی دُہرائے۔

''اب میں آپ کو آنٹی تو کہہ نہیں سکتا کیونکہ آپ ایج میں مجھ سے دو تین سال تو چھوٹی ہوں گی۔'' اس بات کی پروا کیے بغیر کہ اتنی اچھی جاب اس کے ہاتھوں سے نکل بھی سکتی ہے وہ ڈھیٹ بنا جواب دے رہا تھا۔

ایشہ نے ایک طویل سانس لی۔

''مسٹر صائم خان اکارڈنگ ٹو یو کہ میں آپ کو جاننے میں انٹرسٹڈ ہوں تو کائنڈلی آپ مجھے یہ بھی بتا دیں کہ اگر آپ کے پاس سے کوئی اندھا شخص گزر رہا ہو تو آپ کیا کریں گے؟'' ایشہ نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''میں..... میں کچھ بھی نہیں کروں گا، اسے چپ چاپ گزرنے دوں گا' میں کیوں کسی کی لائف میں انٹرفیئر کروں اس نے کون سا میرے پیسے دینے ہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔

''اور اگر اس نے آپ کے پیسے دینے ہوئے تو؟'' ایشہ نے ایک اور سوال کیا۔

''پہلی بات تو یہ کہ میں کسی کو ادھار نہیں دیتا کیونکہ مجھے اس دنیا میں اپنے علاوہ کسی پر اعتبار نہیں اور اگر بالفرض میں دے بھی دوں اور وہ مجھے واپس نہ کرے تو میں اس کا ایک گردہ بیچنے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔'' وہ نان اسٹاپ بولے جا رہا تھا۔

''آپ کو معلوم ہے کہ یہ این جی او اپاہج، معذور لوگوں کی مدد کے لیے کام کرتی ہے؟'' ایشہ نے آگے بڑھ کر پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔

''جی.....!'' صائم خان نے سر کو خم دیا۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ یہ جاب آپ کو ملنی چاہیے..... مطلب آپ میں ایسا کیا ہے کہ میں یہ جاب آپ کو دے دوں؟'' وہ ابرو اچکائے خشک لہجے میں بولی۔

''فرسٹ آف آل مجھے اس جاب کی ضرورت نہیں ہے، آئی تھنک باہر بیٹھے لڑکوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہے اینڈ سیکنڈلی مجھے یہ جاب اس لیے ملنی چاہیے کیونکہ میں گڈ لکنگ اور پریزنٹیبل ہوں۔'' وہ مسلسل اسے زچ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ اس میں بہت حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ اسے یہ جاب کسی قیمت پر نہیں چاہیے تھی۔

''اب آپ جا سکتے ہیں۔'' ایشہ نے مزید کوئی سوال کیے بغیر فائل اس کی طرف ایسے بڑھائی جیسے کہہ رہی ہو۔ ''اب دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔'' صائم نے اس فائل کو فوراً تھام لیا۔

''امید ہے اب ہم دوبارہ نہیں ملیں گے۔'' صائم اٹھتے ہوئے بولا۔

''lets see'' ایشہ نے کہتے ہوئے بے پروائی



Digitized by Google

سے کندھے اچکا دیے۔ صائم مزید کچھ کہے بنا موبائل جیب سے نکالتا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

''ہیلو..... ہاں فیضان؟ یار اتنا اچھا انٹرویو دیا ہے، مجھے سو فیصد امید ہے کہ مجھے یہ جاب نہیں ملے گی۔'' باہر نکلتے ہوئے اس کی چہکتی آواز بخوبی ابیشہ کے کانوں تک پہنچی تھی۔ وہ بس سر جھٹک کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''گڈ مارننگ ایوری ون.....'' صائم خان نے کھانے کی میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کتنی بار کہا ہے کہ السلام علیکم کہا کرو.....'' غزالہ بیگم اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔

''ماما یہاں کون سا میلاد ہو رہا ہے۔'' صائم نے فریش جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

''میلاد کا تو پتا نہیں ہاں لیکن دو پہر ضرور ہوگی ہے۔'' صائم کے والد مبشر خان نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو دن کے دو بجا رہی تھی۔

''تمہارا انٹرویو کیسا رہا؟'' انہوں نے فروٹ ٹرائفل اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے سرسری سا استفسار کیا۔

''بس ٹھیک تھا۔'' ملازمہ اب صائم کو ناشتا سرو کر رہی تھی۔

''بس ٹھیک.....؟'' مبشر خان نے ابرو اچکائے۔

''آئی مین بہت اچھا رہا ان فیکٹ ہنڈرڈ اینڈ ٹین پرسنٹ چانسز ہیں کہ یہ جاب مجھے ہی ملے گی۔'' صائم اتنے کانفیڈنس سے بولا کہ غزالہ بیگم تو کیا مبشر خان کو بھی اس پر ذرہ برابر شک نہیں ہوا تھا۔

''اور اگر تمہیں یہ جاب نہ ملی تو تم کل سے میرے آفس آ رہے ہو۔'' مبشر خان نے کئی بار کہا جملہ ایک بار پھر دُہرایا تو صائم کچھ بھی کہے بنا ناشتا کرنے لگا۔

''صاحب جی یہ ڈاکیا دے گیا تھا کہہ رہا تھا کہ صائم خان کو دینا ہے۔'' ملازمہ نے ایک خاکی رنگ کا پیکٹ صائم کو پکڑایا جسے اس نے ایک نظر دیکھنے کے بعد کھولے بغیر ہی بے پروائی سے ٹیبل پر رکھ دیا۔

## عرفانِ ربّ

اس کی چاہ میں خود کو کھویا ڈھونڈ ڈھونڈ پھر روئی
روح کے اندر جھانک کے دیکھا اندر تھا پس وہ ہی

دشتِ جنوں کو پار کیا تو سب غائب وہ حاضر
ایک پس اس کی ذات ہی باقی اور نہ باقی کوئی

جھیل، سمندر، دریا سارے تہ ان کی سب جانیں
من جیسا گہرا دنیا میں بحر نہ دیکھا کوئی

ایک فریبی ساتھی دنیا، دوجا ہے دل میرا
دھوکے باز ہو ان سے بڑھ کر ڈھونڈ سکا نہ کوئی

دکھ پہ سب ہی رو، روئے اشک بھی میرے تھامے
ایک خوشی پر ہنستا لیکن دیکھ سکا نہ کوئی

دوست ہو ایسا مجھ سے زیادہ میری ذات کو چاہے
ساری دیکھی دنیا میں نے، اس جیسا نہ کوئی

آگ سے بچ کر نکل گئے اور بال ہوا نہ بیکا
عشق کا آتش جل اٹھا تو خاک رہا نہ کوئی

ہم دنیا کو مانگنے والے ہیں کمزور، بھکاری
ایک گدا گر کہہ لو بھائی، ہم سا فقیر نہ کوئی

اپنے مصائب پر سب حیراں، فکر سے روتے جائیں
کوتاہی پہ اپنی روتے آنکھ نہ دیکھی کوئی

ہیرے موتی سے بھی زیادہ قیمتی اور چمکیلے
خوف و شکر سے نکلے آنسو ان جیسا نہ کوئی

از: خولہ عرفان، کراچی



Digitized by Google

''بیٹا ایک بار چیک تو کرلو......'' غزالہ بیگم پیکٹ کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''آپ دیکھ لیں ناں، میں ناشتا کررہا ہوں۔'' صائم نے بیزاری سے کہتے ہوئے گلاس لبوں کو لگالیا۔ غزالہ بیگم نے لفافہ کھولا اور اندر موجود پیپر کو پڑھ کر ان کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

''مائی گاڈ......''

''کیا ہوا سب خیریت تو ہے؟'' مبشر خان پریشانی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''صائم کو جاب مل گئی ہے، یہ اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر ہے۔'' غزالہ بیگم کے الفاظ سن کر صائم کو اچھو لگ گیا، شیشے کا گلاس اس کے ہاتھوں سے گرتے، گرتے بچا تھا۔

''مبشر صاحب میں آپ کو کہتی تھی ناں کہ ایک دن اسے بہت اچھی جاب ملے گی اور دیکھ لیں میرے بیٹے کو کتنی اچھی جاب ملی ہے۔'' غزالہ بیگم خوشی سے نہال ہورہی تھیں جبکہ صائم پھٹی، پھٹی نگاہوں سے اپائنٹمنٹ لیٹر کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' بے یقینی کے عالم میں اس کے منہ سے بس یہی الفاظ نکلے۔

''میں بھی اب تک حیران ہوں کہ اس پاگل کو کس نے جاب دے دی، چلو خیر بہت، بہت مبارک ہو برخوردار......'' مبشر خان اس کے چہرے کے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔

جبکہ غزالہ بیگم نے پیار کرتے ہوئے اس کے بگڑے بالوں کو مزید بگاڑ دیا۔

''تمہیں اللہ پوچھے ایشہ افتخار......'' صائم بس غصے میں بڑبڑا تا رہ گیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کی کچھ دیر پہلے مذاق میں کہی جانے والی بات پوری ہونے والی تھی۔

☆☆☆

''کم اِن......'' ایشہ اپنے فون پر مصروف تھی جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

''ویسے مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ مجھ میں اتنی انٹرسٹڈ ہیں کہ مجھے دیکھنے کی خاطر آپ یہ جاب مجھے دے دیں گی۔'' صائم اندر آتے ہی طنز کے تیر چلانا شروع ہوگیا۔

''کیا کروں، آپ ہیں ہی اتنے گڈ لکنگ اور پریزینٹیبل کہ میں آپ کو یہ جاب دینے پر مجبور ہوگئی۔'' ایشہ نے موبائل ٹیبل پر رکھا اور استہزائیہ مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

''وہ تو میں ہوں، خیر دیکھیے گا آپ کی یہ مجبوری آپ پر بہت بھاری پڑے گی۔'' وہ آف موڈ کے ساتھ بولا۔ اسے صبح، صبح صرف اور صرف اس لڑکی کی وجہ سے اٹھنا پڑا تھا۔

''یہ تو وقت بتائے گا فی الحال آپ قمرالدین کے پاس جا کر ان سے گائیڈ لائن لے لیں۔'' ایشہ نے دوبارہ اپنا فون اٹھالیا۔

''ان سے جا کر کیا کہوں؟'' صائم نے کوفت سے استفسار کیا۔

''ان سے کہیں کہ آپ کے لیے بریک فاسٹ ریڈی کردیں۔ آفٹر آل آپ اتنے گڈ لکنگ ہیں کہ آپ کے لیے اتنا تو بنتا ہے۔'' ایشہ اسے مسلسل زچ کررہی تھی۔

''جی بہت بہتر......'' وہ لفظ چبا کر بولا۔

ایشہ فون کی طرف متوجہ ہوگئی جب کافی دیر بعد بھی وہ باہر نہ گیا تو ایشہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب کیا آپ کے لیے شاہی سواری منگواؤں؟''

''اس کی ضرورت نہیں......'' وہ جل کر بولا۔

''تو پھر یہاں کیوں کھڑے ہیں؟''

''آپ ایک بار پھر سوچ لیں، میں گارنٹی سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے جاب دے کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کررہی ہیں۔'' وہ ہر ممکنہ طریقے سے اسے ڈرانے کی کوشش کررہا تھا۔

''آپ کو سچ میں ایسا لگتا ہے؟'' وہ اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی۔



Digitized by Google

''جی بالکل.....'' صائم پُرجوش سا ہو کر بولا اسے لگا کہ وہ اس کی باتوں میں آکر ابھی اسے جاب سے نکال دے گی۔

''وہ کیا ہے کہ.....'' ایشہ نے اپنا گلا کھنکھارا۔ ''انسان اپنی غلطیوں سے ہی سیکھتا ہے اور مجھے خوشی ہوگی اگر میں آپ کی وجہ سے کچھ سیکھ پائی۔'' وہ اطمینان سے کہتے ہوئے اس کو بے سکون کر گئی۔

''آپ سے اللہ پوچھے گا۔'' وہ ضبط کرتے ہوئے فقط اتنا ہی بولا اور باہر چلا گیا اس کو اس طرح غصہ کرتا دیکھ کر وہ بے اختیار مسکرا اٹھی۔

☆☆☆

''میم آپ نے بلایا تھا؟'' ایشہ فائلوں میں سر دیے بیٹھی تھی جب قمرالدین اس کے پاس آئے۔

''جی، آپ بیٹھیں مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' اس نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فائل بند کر دی۔

''پچھلے مہینے ہم نے تقریباً چار لوگوں کو جاب پر رکھا تھا۔'' قمرالدین کے بیٹھتے ہی ایشہ نے بات کا آغاز کیا۔

''یس میم.....!'' قمرالدین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ان سب کی پروگریس کیسی ہے؟ وہ ٹھیک سے کام کر رہے ہیں یا نہیں.....؟''

''ویسے تو سب ٹھیک کام کر رہے ہیں لیکن صرف ایک عائشہ بشیر ہیں جو بہت چھٹیاں کرتی ہیں۔'' انہوں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''آپ نے انہیں وارن نہیں کیا؟'' اس نے استفسار کیا۔

''دو بار کر چکا ہوں لیکن وہ ہر بار کوئی نہ کوئی ریزن دے کر پھر چھٹی کر لیتی ہیں۔''

''آپ آج ہی ان کا ٹرمینیشن لیٹر بنوائیں اور ان کے ڈیوز کلیئر کر کے انہیں فارغ کریں۔'' وہ سپاٹ انداز میں بولی۔ قمرالدین صاحب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ ایسے بے پروا لوگوں کو جاب پر نہیں رکھتی۔

''اور آج شام میری میٹنگ ہے شکیل سنز کے ساتھ، آپ فیضان سے کہیے گا کہ وہ اپنی پوری تیاری رکھے۔'' مصروف سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے دوبارہ فائل کھول لی۔

''میم فیضان تو تین دن کی leave پر ہے اس کی بہن کی شادی تھی۔ اس نے آپ کو نہیں بتایا....؟'' قمرالدین صاحب نے حیرت سے ایشہ کو دیکھا۔

''اوہ..... ہاں بتایا تھا لیکن میرے ذہن سے نکل گیا آپ اس کی جگہ کسی اور اکاؤنٹنٹ کو بھیج دیں۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''میں صائم خان کو کہتا ہوں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے۔

''یہ صائم خان آپ کو تنگ تو نہیں کرتا؟'' اس نے سرسری سا استفسار کیا۔

''نو میم..... ان فیکٹ وہ بہت اچھا کام کر رہا ہے بس ذرا بے پرواسا ہے۔''

''اوکے.....'' ایشہ نے سر کو خم دیا تو قمرالدین دروازے کی جانب بڑھ گئے، تقریباً پانچ بجے وہ ایک ریسٹورنٹ میں صائم خان کے ساتھ آفیشل میٹنگ کے لیے آئی تھی۔ ان کی میٹنگ پچھلے ایک گھنٹے سے جاری تھی۔

''آپ کی آفر تو بہت اچھی ہے لیکن اس سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟'' سامنے موجود تیمور حیدر نے معنی خیز نظروں سے ایشہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ ڈیل فائنل ہو جاتی تو..... 60 پرسنٹ پرافٹ آپ کا ہوگا..... اور 40 پرسنٹ ہمارا ہوگا اور مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ کام کر کے خوش ہوں گے۔'' ایشہ نے سپاٹ انداز میں کہتے ہوئے اپنی نظریں اس شخص کے چہرے سے ہٹالیں۔

''اُف اس کی یہ گندی نظریں.....'' ایشہ بس سوچ کر رہ گئی۔

''خوش تو ہم آپ کو دیکھ کر ہی ہو گئے ہیں۔''



Digitized by Google

تیمور چوہدری ارد گرد کا لحاظ کیے بغیر بولا تو صائم نے پہلی بار نظریں اٹھا کر اس شخص کا بغور جائزہ لیا۔ بلیک جینٹ کوٹ میں ملبوس، ایک کان میں ٹاپس پہنے اور آنکھوں میں خباثت لیے وہ ستائیس، اٹھائیس سال کا ایک بگڑا ہوا نوجوان لگتا تھا۔ ایشہ کو امید تھی کہ صائم ضرور جواب دے گا مگر جب وہ کچھ نہیں بولا تو ایشہ نے ایسا تاثر دیا جیسے اس نے سنا ہی نہیں ہو۔

''سوری.....؟''

''کچھ نہیں جی آپ بس سمجھیں ڈیل فائنل ہوگئی۔'' اندر تک اترتی اپنی کالی آنکھیں ایشہ پر جمائے اس نے اپنا دایاں ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا۔

''بہت، بہت مبارک ہو۔'' ایشہ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ وہ ہاتھ ملائے یا نہ.....؟ تبھی صائم خان نے اس کے بڑھے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ تیمور چوہدری کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات بڑے واضح تھے جبکہ ایشہ نے سکھ کی سانس لی تھی۔

''تھینکس.....'' میٹنگ سے فارغ ہو کر ایشہ کار میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

''کس لیے.....؟'' صائم نے ناسمجھی سے ایشہ کو دیکھا۔

''تم نے بہت اچھے سے ڈیل کیا۔'' ایشہ جانتی تھی کہ وہ جان بوجھ کر ہاتھ ملانے والی بات کا ذکر نہیں کر رہا اس لیے اس نے بھی بات بدل دی۔

''ویلکم، ویسے مجھے لگ رہا ہے آپ آہستہ، آہستہ میری فین بھی ہونے لگی ہیں۔'' اس نے اتنے ہلکے پھلکے انداز میں کہا ایشہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی۔ صائم بے اختیار اس کے شفاف خوب صورت چہرے کو دیکھے گیا۔ پنک سوٹ، بالوں کی ڈھیلی سی پونی بنائے دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ صائم کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

''بالکل، ان فیکٹ میں تو تم سے آٹو گراف بھی لینے والی تھی۔'' ایشہ نے برا مانے بغیر جواب دیا تو وہ اپنی حالت پر حیران ہوتے ہوئے بس مسکرا کر کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر کو دیکھنے لگا۔

☆☆☆

صائم جو دو مہینے بعد ہی نوکری چھوڑنے کا ارادہ رکھتا تھا، اسے اس این جی او میں کام کرتے چھ ماہ ہو گئے تھے۔ اور اس کا آگے بھی اس جاب کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس جاب کو نہیں بلکہ ایشہ افتخار کو پسند کرنے لگا تھا اور وہ یہ بات اپنے آپ سے بھی چھپا رہا تھا، اسے یقین تھا کہ اگر وہ یہ بات ایشہ کو بتاتا تو وہ اسے کبھی مثبت جواب نہ دیتی اس لیے اس نے خاموشی کو بہتر جانا، آج اس این جی او نے بہت بڑی پارٹی ارینج کی تھی اور اس میں ایسے بہت سے لوگوں کو بلایا گیا تھا جن سے امید تھی کہ وہ ضرور فنڈ دیں گے۔ پارٹی ایک ہوٹل میں ارینج کی گئی تھی۔ صائم بھی پارٹی میں موجود تھا مگر اس کی نظریں بار، بار کسی ایک چہرے کی تلاش میں تھیں جو اسے پوری پارٹی میں کہیں نظر نہیں آرہا تھا لیکن کچھ ہی دیر بعد اسے ایشہ ہوٹل کے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ بلیو اور گولڈن کلر کے امتزاج کا لانگ ڈریس پہنے، کھلے خوب صورت بالوں کے ساتھ پنک کلر کی لپ اسٹک اور بڑی، بڑی آنکھوں میں کاجل لگائے وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ صائم اسے دیکھ کر کتنی ہی دیر کچھ بولنے کے قابل نہ رہا تھا۔ مختلف لوگوں سے ملتے ہوئے اس نے بس ایک بار دور سے نظر اٹھا کر صائم کو دیکھا تھا۔ اور مسکرا کر پھر سے باتوں میں مصروف ہو گئی تھی۔

''ایشہ ادھر آئیں، مجھے آپ کو کسی سے ملوانا ہے۔'' وہ اپنی ہی عمر کی ایک لڑکی سے باتوں میں مصروف تھی جب صائم اسے زبردستی اپنے ساتھ لے آیا۔

''ان سے ملیے.....'' وہ جوش سے کہتے ہوئے اسے... ایک ایجڈ کپل کے پاس لے آیا۔

''ارے مسٹر اینڈ مسز مبشر کیسے ہیں آپ؟'' اس سے پہلے کہ صائم ان کا تعارف کرواتا ایشہ ان دونوں سے خوش دلی سے ملی۔

''فائن، تم کیسی ہو بیٹا.....؟'' مسز مبشر بھی اسے



Digitized by Google

دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

''آپ ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہیں؟'' صائم کا سارا جوش ماند پڑ چکا تھا۔

''ہاں..... بلکہ میں ان کو پچھلے تین سال سے جانتی ہوں مسٹر مبشر ہر سال ہماری این جی او کو فنڈز دیتے ہیں۔'' ابیشہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویسے تم ان کو کیسے جانتے ہو؟'' ابیشہ نے صائم سے استفسار کیا۔

''یہ میرے پیرنٹس ہیں۔'' صائم نے تعارف کروایا تو ابیشہ کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

''اوہ، ویٹس گریٹ.....'' ابیشہ فقط اتنا ہی بولی۔

''ویسے جہاں تک میری معلومات ہے آپ کا تو اپنا بزنس ہے پھر بھی صائم کہیں اور جاب کیوں کرتا ہے؟'' ابیشہ نے کچھ جھجکتے ہوئے مبشر خان سے پوچھا۔

''میرے بیٹے کو بہت شوق تھا کہ وہ کہیں اور جاب کرے، میں نے بھی کہا کہ کچھ عرصہ جاب کرلو لیکن پھر بعد میں اپنا بزنس ہی سنبھالنا ہے۔'' انہوں نے پیار سے صائم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''گڈ..... ایکسکیوزمی مجھے ایک بہت ضروری کال کرنی ہے۔'' ابیشہ ان سے معذرت کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

''کتنی پیاری بچی ہے؟'' غزالہ بیگم اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''اور خوب صورت بھی.....'' صائم کے منہ سے بے اختیار نکلا تو مبشر خان نے گلا کھنکھارا۔

''آئی مین بس ٹھیک ہے۔'' صائم نے فوراً پینترا بدلا تو وہ دونوں کھل کر ہنس دیے۔

''اُف یہ سگنلز کیوں نہیں آرہے؟'' ابیشہ کوفت سے کہتے ہوئے لان سے پول (سائٹ پر) آگئی۔ جہاں چند ایک ہی لوگ تھے، وہ کوئی نمبر ڈائل کررہی تھی جب اسے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا اس نے پلٹ کر دیکھا اور بدک کے پیچھے ہوئی۔ سامنے تیمور چوہدری اپنی گندی نظریں ابیشہ پر جمائے کھڑا تھا۔

''آپ..... آپ یہاں؟'' دھڑکتے دل کو بمشکل قابو کرتی وہ بولی تھی۔

''آپ جہاں..... ہم وہاں.....'' وہ معنی خیز نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ ابیشہ نے بے اختیار اپنا اسٹالر سیٹ کیا۔

''ایکسکیوزمی؟'' ابیشہ نے وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے جاتی تیمور چوہدری نے آگے بڑھ کر اس کی نازک کلائی اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' ابیشہ غصے سے بولی۔

''بے بی کو غصہ آرہا ہے؟'' وہ مصنوعی پریشانی سے گویا ہوا۔

''آپ فوراً میرا ہاتھ چھوڑیں۔'' ابیشہ اس کی گندی نظریں اپنے وجود پر مزید برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

''اور اگر نہ چھوڑوں تو.....؟'' تیمور نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''تو میں چلا کر لوگوں کو اکٹھا کرلوں گی۔'' ابیشہ کا بازو ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

''چلو اپنا یہ شوق بھی پورا کرلو.....'' تمسخرانہ ہنسی چہرے پر سجائے وہ اس کے تاثرات سے محظوظ ہورہا تھا ابیشہ نے تھوک نگلا۔

''یا اللہ مدد فرما.....'' اس نے آنکھیں بند کرکے پوری شدت سے دعا کی تھی، اس سے پہلے کہ وہ آنکھیں کھولتی اسے اپنے ہاتھ پر کسی کا لمس محسوس ہوا تھا اس نے فوراً آنکھیں کھولیں، سامنے صائم خان موجود تھا۔ اس نے اپنا پورا زور لگا کر تیمور کے ہاتھوں سے ابیشہ کا بازو چھڑوایا، ابیشہ کو اس وقت صائم کسی فرشتے سے کم نہیں لگا تھا۔ وہ فوراً صائم کے پیچھے چھپ گئی تھی اور اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔

''تیری اتنی ہمت.....'' تیمور چوہدری غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

''ابھی تم نے میری ہمت دیکھی ہی کہاں ہے..... اگر آئندہ تم مجھے ابیشہ کے آس پاس بھٹکتے بھی



Digitized by Google

نظر آئے ناں تو میں تمہاری جان لے لوں گا.....'' صائم غضب ناک آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

''کیوں' بیوی لگتی ہے تیری.....؟'' تیمور نے آگے بڑھ کر ایشہ کا بازو پکڑنا چاہا تو صائم نے ایک زور دار مکا اس کے منہ پر دے مارا۔ تیمور اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا سو لڑکھڑا کر نیچے گر گیا۔ صائم اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔

''وہ محبت ہے میری سمجھا، محبت ہے وہ میری.....'' صائم اسے مارتے ہوئے بلند آواز میں چیخا۔

''صائم.....'' وہ اسے مسلسل مار رہا تھا جب اسے اپنے پیچھے ایشہ کی آواز سنائی دی اس کا ہاتھ وہیں ساکت ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر ایشہ کو دیکھا، وہ بہت بے یقینی کے عالم میں اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''ایشہ وہ.....'' اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہے، ایشہ کی آنکھوں میں نمی تیرتے دیکھ کر اس کے دل کو بہت تکلیف ہوئی تھی، وہ اپنے آنسو چھپاتی تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں سے گئی تھی اور وہ اسے چپ چاپ وہاں سے جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆

''ایشہ تم میری فیلنگز کو غلط سمجھ رہی ہو۔'' صائم آج پورے ایک ہفتے بعد ایشہ کے روبرو کھڑا تھا۔ اس ایک ہفتے میں اس نے ایشہ سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا تھا۔

''میں غلط سمجھ رہی ہوں؟ یو نو واٹ تم میں اور اس تیمور چوہدری میں کوئی فرق نہیں ہے تم دونوں ایک جیسے ہی ہو.....'' ایشہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولی۔

''میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن اپنی محبت کی تذلیل برداشت نہیں کر سکتا اور تمہیں پتا ہے کہ ہم دونوں میں کیا فرق ہے؟'' صائم پل بھر کو خاموش ہوا۔

''وہ تمہاری عزت کی دھجیاں اڑانا چاہتا تھا جبکہ میں تمہیں اپنے گھر کی عزت بنانا چاہتا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایک، ایک لفظ چبا کر بولا۔ اس کے لہجے کی سنگینی نے ایشہ کو پل بھر کو ساکت کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی سچائی تھی۔

''اپنی ہاؤ میں نے تمہیں یہاں اس لیے بلایا ہے کہ تم جا کر قمر الدین سے اپنا ٹرمینیشن لیٹر لے لو اور ان سے کہو کہ تمہارے سارے ڈیوز کلیئر کر دیں۔'' وہ اس سے نظریں چرائے سپاٹ انداز میں سچ بولی۔

''واؤ.....'' صائم تمسخرانہ ہنسی ہنس دیا۔ ''تمہیں سچ میں لگتا ہے کہ ایسے فائر کر دینے سے تم مجھ سے چھٹکارا پا لو گی.....؟'' صائم نے ابرو اچکائے.....

''ایشہ افتخار تم سب کچھ کر کے دیکھ لو لیکن یاد رکھنا صائم خان کی محبت اتنی آسانی سے نہیں مر سکتی، ایک نہ ایک دن تمہیں بھی مجھ سے محبت ہو گی اور اس دن..... اس دن بھی تم مجھے اپنا منتظر پاؤ گی.....'' وہ ایشہ کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اس کی باتوں نے ایشہ کے دل میں عجیب سی اودھم مچا دی تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ صائم اس سے اس قدر محبت کرتا ہے وہ اس سے ہمیشہ ایک حد میں رہ کر بات کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ اس کے ساتھ کافی ایزی فیل کرتی تھی۔

''دیکھو صائم یہ محبت وحبت بچوں کا کھیل نہیں ہے۔'' ایشہ نے اپنے لہجے کو نرم کیا۔

''میں جانتا ہوں، آپ بس ایک بار اپنی آنکھیں بند کر کے اپنے دل سے پوچھیں کیا وہ بھی میرے حق میں گواہی نہیں دیتا.....'' وہ مدھم بھرے لہجے میں بولا۔

''صائم تم کیا.....'' اس سے پہلے کہ ایشہ اپنی بات پوری کرتی صائم نے اسے ٹوک دیا۔

''صرف ایک بار میرے لیے اپنے دل سے پوچھیں اگر آپ کا دل پھر بھی راضی نہ ہوا تو میں وعدہ کرتا ہوں آپ کے راستے میں پھر کبھی نہیں آؤں گا۔'' وہ پُریقین لہجے میں گویا ہوا تو ایشہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور صائم کی طرف دیکھا۔

''اب آپ جا سکتے ہیں۔'' اس کی بات سن کر صائم کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ لہرایا تھا، اس کا دل کیا وہ اپنا سر پیٹ لے مگر ضبط کرتے ہوئے کچھ بھی



Digitized by Google

بولے بنا دروازے کی طرف چل دیا۔

''امید ہے اب ہماری ملاقات ہم دونوں کے پیرنٹس کے ساتھ ہی ہوگی۔'' وہ شکستہ قدموں کے ساتھ چہرہ جھکائے جارہا تھا جب اسے اپنے پیچھے ایشہ کی زندگی سے بھرپور آواز سنائی دی اس نے بے یقینی سے ایشہ کو پلٹ کر دیکھا جہاں وہ آنکھوں میں محبت کے جگنو لیے مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

صائم کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو کلیوں اور گلابوں کی خوب صورت مہکتی خوشگوار خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی اس نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے دروازہ بند کیا اور بیڈ کی طرف آگیا جہاں ایشہ دلہن بنی بیٹھی اس کی منتظر تھی۔ پورا کمرا گلاب کے پھولوں سے سجایا گیا تھا اور بیڈ پر بیٹھی ایشہ بھی ان گلابوں میں سے ایک گلاب لگ رہی تھی۔

''مجھے تو ابھی تک لگ رہا ہے جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔'' صائم نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا تو ایشہ نے پہلی بار سر اٹھا کر صائم کو دیکھا وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایشہ نے فوراً چہرہ جھکا لیا اس کی اس ادا پر صائم کھل کر مسکرا دیا۔ ''ویسے مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم مجھ میں اس قدر انٹرسٹڈ ہو کہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے فوراً راضی ہو جاؤ گی۔'' ایشہ کے حنائی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے وہ شرارت آمیز لہجے میں بولا تو ایشہ نے آنکھیں نکال کر اسے دیکھا۔

''فوراً؟'' اس نے ابرو اچکائے۔

''آئی مین چھ مہینے بعد...'' صائم نے فوراً تصحیح کی۔

''ویسے تم مجھے ایک بات تو بتاؤ.....'' وہ اب اس کی چوڑیوں سے کھیل رہا تھا۔

''تم نے مجھے وہ جاب کیوں دی تھی؟''

''تم اتنے گڈ لکنگ اور پریزینٹیبل.....''

''دیکھا میں نے تم سے کہا تھا کہ ناں کہ تمہیں مجھ سے پہلی نظر کی محبت ہوئی تھی.....'' صائم اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''پوری بات تو سن لو.....'' ایشہ نے خفگی سے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی جس میں وہ بری طرح ناکام رہی۔

''سوری بابا سوری.....'' صائم نے فوراً کانوں کو چھوا۔

''ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ تم اتنے گڈ لکنگ اور پریزینٹیبل presentable بالکل بھی نہیں تھے کہ میں تمہیں وہ جاب دیتی۔'' ایشہ نے پھر سے بات کا آغاز کیا۔

''تو پھر کیوں دی؟'' صائم کی زبان پھر پھسلی تھی۔

''وہ اس لیے کہ جس دن انٹرویو تھا اور میں آفس آرہی تھی تو راستے میں، میں نے ایک سگنل پر تمہیں ایک اندھے شخص کی مدد کرتے دیکھا تھا اور میں بہت امپریس ہوئی تھی لیکن جب بعد میں تم نے مجھے انٹرویو میں الٹے سیدھے جواب دیے تو میں سمجھ گئی تھی کہ تم وہ نہیں ہو جو سب کو show off کرواتے ہو.....'' دھیمے لہجے میں بولتے ہوئے ایشہ نے اپنی بات مکمل کی۔

''اوہ.....اور میں سمجھا تم میری پرسنالٹی سے متاثر ہوئی تھیں۔'' صائم نے برا سا منہ بنایا تو ایشہ کھل کر مسکرا دی صائم کتنی ہی دیر اس کو یوں مسکراتا دیکھتا رہا پھر اس نے ایک خوب صورت سی رنگ ایشہ کی انگلی میں پہنائی اور اس کے ہاتھوں کو اپنے لبوں سے لگا لیا۔ ایشہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی اس نے صائم کی جانب دیکھا۔ اس کی نظریں اسی کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ اس کی نظروں کے ارتکاز سے ایشہ پزل ہو رہی تھی، اس کے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے صائم ہنس دیا تھا اور اپنی حالت پر حیران ہوتے ہوئے ایشہ بھی مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی زندگی میں محبت اب ہمیشہ اس کے اردگرد رہے گی کیونکہ ایک مقدس رشتے میں بندھ ہو کر ان دونوں نے اپنی محبت کو پالیا تھا بالآخر خوشیاں ان کا مقدر ٹھہری تھیں۔



Digitized by Google

آخری حصہ

# محبت لفظ ہے لیکن.....

"ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کے بولا کرو کیونکہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہوجاتا ہے۔"

خوب صورت جذبوں کی باریکیاں بیان کرتی حیا بخاری کی ایک دل نشیں تحریر

الیکشن کے بالکل آخری دنوں میں ضیا علی خان ان کے ساتھ آملا تھا۔ ان کی الیکشن کمپین میں اس نے اتنے زبردست طریقے سے سب مینج کیا تھا آخری دنوں میں کہ حریف انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔

اس نے نہ صرف اردگرد کے تقریباً سبھی قصبوں کے بڑے بزرگوں سے ملاقات کی تھی۔ بلکہ اپنے علاقے کے لوگوں کو بھی بیٹھک میں کھلی دعوت دی تھی۔ اُن کے مسائل اور ان کی شکایات سنی تھیں۔ کھلے دل سے باہ کی غلطیوں کو قبول کیا تھا اور ان سے وعدہ کیا تھا کہ نہ صرف ان غلطیوں کا ازالہ کیا جائے گا بلکہ ان شاءاللہ ....ان کی ترقی کے لیے خاطر خواہ کام بھی کیا جائے گا۔

بیچارے عوام نوجوان قیادت اور اس کے دوستانہ طرزِ عمل سے بے حد خوش تھے۔ اور ان میں اِک نئی امید سی بیدار ہونے لگی تھی۔

"یہ کہاں لکھا ہے کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔ کبھی نہیں بدلیں گے۔ امیر ہمیشہ امیر رہے گا



Digitized by Google

Digitized by Google

اور غریب ہمیشہ غریب.....'' ضیا علی خان آج اپنے علاقے کے لوگوں سے باہ کی جگہ مخاطب تھا۔ صحن میں بچھی چارپائیوں پر بیٹھے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ کالے رنگ کی شلوار قمیص اور کندھے پہ سفید روایتی چادر ڈالے وہ ان سب کی سراہتی نظروں کا مرکز تھا۔

''تاریخ گواہ ہے بادشاہ گداگر بن کے گلیوں کی خاک چھانتے نظر آئے اور گداتخت نشین..... پلٹ زندگی کی ریت ہے..... وقت پہیا ہے، گھومتا رہتا ہے۔ کبھی زوال کبھی عروج..... ایک وقت نہیں رکتا..... بدلنا ہوتا ہے۔ بدلنا ہی اچھا ہوتا ہے اور آپ لوگ یقین رکھیں۔ وقت ایک بار پھر بدلنے لگا ہے۔ وقت بہت لگا۔ اچھے وقت کو پلٹا کھاتے' کھاتے لیکن وقت آگیا ہے اب بہت قریب..... ان شاء اللہ اب آپ لوگ دیکھیں گے۔ آپ کے سب درد ختم ہو جائیں گے۔ صرف خوشحالی آپ کا اور اس علاقے کا مقدر ہوگی۔'' اس نے کہتے ہوئے سامنے بڑی سی رنگین کرسی پہ بیٹھے سہراب علی خان کو دیکھا تھا۔

''مقدار کو اس کا حق ملنے کا وقت آگیا ہے، وقت کی پلٹ کبھی غلط نہیں ہوتی۔ سب ٹھیک کر دیتی ہے۔'' اس نے باہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر فخر سے مسکرا دیے تھے۔ ضیا خاموش ہوا تھا اور حویلی کی بیٹھک تالیوں کے شور سے گونج اٹھی تھی۔

''اتنا نامور تو میں اتنے سالوں میں نہیں ہوا جتنا ان چند دنوں میں تم نے مجھے کر دیا۔'' لوگوں کے جاتے ہی سہراب علی خان نے اسے خود سے لگاتے ہوئے رشک سے کہا تھا۔

''کیونکہ شاید یہ آپ کا حق نہیں تھا۔'' اس کی خوب صورت آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھری۔ سہراب علی خان اس کے اندر کی بات نہیں سمجھ سکتے تھے۔ کبھی مسکرا دیے تھے۔

''واقعی بچیا! حق تو یہ سب تمہارا ہی ہے..... اور تم نے آج ثابت بھی کر دیا کہ تم ہی اس سب کے اصلی وارث ہو۔'' انہوں نے ضیا کا شانہ تھپتھپایا۔

''لیکن اب میری جیت یقینی ہے۔ تم نے خاصا نامور کر دیا ہے اپنے ساتھ مجھے بھی۔''

''کرنا پڑتا ہے باہ' بدنام ہونے کے لیے نامور ہونا بھی تو ضروری ہوتا ہے ناں.....''

ضیا علی خان نے مسکراتے ہوئے چبھتے لہجے میں کہا تھا۔ سہراب چونکے تھے۔ لیکن ضیا کے لبوں پہ مسکراہٹ دیکھ کے سر جھٹک گئے۔

''سب کے اعتماد کا خون کرنے والے کس قدر آسانی سے خود اعتماد کر لیتے ہیں۔'' ضیا علی خان نے وہاں سے جاتے ہوئے حیرت سے سوچا تھا۔ اسے اب اپنے باپ کی کم عقلی پہ افسوس ہو رہا تھا۔

''آپ ایک اچھے پلیئر نہیں ہو باہ۔'' درمیانی باری (کھڑکی نما دروازہ) کراس کرتے ہوئے اس نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔

☆☆☆

جب سے اس نے سنا تھا' اس کی حالت خراب تھی۔ رو، رو کے اس نے حلیہ بگاڑ لیا تھا۔ اوپر سے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ اوزگل ابھی خود کو نہیں سنبھال پا رہی تھی کہاں اب گل مینہ کی یہ حالت.....

''باہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں گل۔ میں مینہ..... ان کی سب سے لاڈلی بیٹی۔ اور وہ یوں بنا مجھ سے پوچھے کسی کے ساتھ بھی میرا رشتہ طے کر دیں گے؟'' وہ روتے ہوئے اوزگل سے بولی تھی۔ جو مسلسل پیر کے انگوٹھے سے قالین کی نہ جانے کون سی نادیدہ میل کھرچ، کھرچ کے اتارنے کی کوشش میں لگی تھی۔

''پھر لڑکا بھی اتنا بڑا ہے عمر میں مجھ سے۔''

''اتنے امیر ہیں وہ۔ باہ سے بھی زیادہ شاید۔'' اوزگل اٹھ کے کھڑکی کی طرف آگئی۔ باہر بارش ہونے والی تھی۔ اس نے پردہ ہٹا کے کھڑکی کھول دی۔

''ہاں تو کیا ہوا۔ ہمارے پاس بھی تو سب کچھ ہے اور پھر دولت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی ناں زندگی میں۔'' مینہ منہ بسورے دلیل دینے لگی۔

''ہمارے لیے نہ سہی... باہ کے لیے تو ہے



Digitized by Google

ناں..... دولت ہی سب کچھ ہے ان کے لیے۔'' دور بادلوں میں گم آسمان کو گھورتے ہوئے وہ کھوئے، کھوئے لہجے میں بولی تھی۔

''باء ایسے نہیں ہیں۔'' مینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''گل آپ میرے لیے بات کریں ناں باء سے۔ آپ تو جانتی ہیں ناں سب کچھ۔'' وہ اس کے بازو کے ساتھ لپٹ گئی۔ اوزگل کے دل میں درد سا ہونے لگا۔ دور لان کے اس کونے پہ نظر جم گئی۔

جہاں پرانے درخت پہ جھولا بندھا تھا۔

دو پریاں تھیں..... جو ایک دوسرے میں مگن تھیں۔

بارش ہو رہی تھی۔

''میں ابراہیم سے محبت کرتی ہوں گل۔'' مینہ نے اس کے کندھے پہ سر رکھے سرگوشی کی تھی۔

''عیسی لالا کتنا خوش قسمت ہے..... کسی نے پیار کیا ہے انہیں۔'' ایک پری شرارت سے قہقہے لگاتے ہوئے بولی تھی۔

''سین پٹوگی مجھ سے۔'' دوسری پری شرمائی تھی اور اس نے دیکھا تھا..... ہر سو بارش غائب ہونے لگی تھی۔ بہاری چھانے لگی۔ سماں پھول، پھول ہوا تھا۔ منظر تک خوش تھے۔ خوشی سے نہال تھے، اوزگل کے خشک ہونٹ خود بخود مسکرا دیے تھے اور تبھی اس کی نظر درخت کی سب سے اوپر والی شاخ پہ پڑی تھی۔ یکلخت اس کی آنکھیں خوف سے پھٹنے لگی تھیں۔ اس نے دیکھا دونوں پریاں اب بھی بڑے مزے سے شرارتوں میں مگن تھیں۔ اوزگل نے بولنے کی کوشش کی۔ چلا کر انہیں خبردار کرنا چاہا لیکن آواز جیسے دم ہی توڑ گئی..... وہ چلا نہ سکی۔

درخت کے اوپر بیٹھی اس چیل کی شکل والی چڑیل نے اپنے دونوں پر پھیلائے اور زور سے چیخ مار کر زور سے پر جھٹک دیے۔ سواہ (راکھ) سی اڑی تھی۔ اور ہر طرف دھواں سا چھا گیا تھا۔

''اوزگل!'' مینے نے اس کا کندھا ہلایا۔

''ہاں''۔ وہ بری طرح چونکی۔

''بتائیں ناں کریں گی باء سے میرے لیے بات؟''

مینے کے لہجے میں التجا تھی۔

''نہ بھی کر سکی تب بھی مینے اب تمہیں اور ابراہیم کو کوئی جدا نہیں کر سکتا..... اس حویلی کی بیٹی کی خوشیاں اگر اس لال حویلی کے... خون آشوب دامن سے دور ہی لکھی گئی..... ہیں تو ایسا ہی سہی۔ نگین اور اوزگل کی کہانی ایک سہی..... سین اور مینے خوش رہیں۔ یہ بھی کافی ہے.....'' اس نے مطمئن لہجے میں کہتے ہوئے بہن کو خود میں سمیٹ لیا تھا۔ اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ گل مینہ کے اندر بھی اطمینان دوڑ گیا تھا۔

☆☆☆

گاڑی پارک کرتے ہوئے اس نے کال ملائی۔

دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ اس نے مطلوبہ جگہ پہ گاڑی پارک کی اور باہر نکل آیا۔

''ہیلو.....'' وہ آفس کی سیڑھیوں پہ قدم رکھ رہا تھا۔ جب ضیا کی بھاری آواز سنائی دی تھی۔ وہ شاید نیند سے جاگا تھا۔

''کہاں ہو ضیا؟'' باریال نے پوچھا۔

''گاؤں میں ہوں باء کے پاس۔ ان کو الیکشن کمپین میں ضرورت تھی میری۔'' باریال کی آواز سنتے ہی ضیا کے لہجے میں عجیب سی خوشی اور اپنائیت سرایت کر گئی تھی۔

''اچھا، کب تک ہو وہاں؟'' باریال کا لہجہ واضح طور پہ دھیما پڑا تھا۔

''ایک ہفتے تک تو ہوں اِدھر۔ آپ بتائیں، کام ہے کوئی؟'' وہ فوراً بولا۔

''کام تو تھا لیکن.....'' باریال سوچ میں پڑ گیا۔

''آپ بتائیں ناں۔ یہاں رہنا اتنا بھی ضروری نہیں۔'' وہ اصرار کرتے ہوئے بولا تھا۔

''نہیں، بس چھوٹا سا کام ہے۔ میں خود مینج کر لوں گا۔ تم بس ایک کام کرنا فون آن رکھنا اپنا اور جیسے ہی فری ہو شہر آفس آ جانا..... ایک میٹنگ ہے ارجنٹ ایک بڑے بزنس مین ہیں مجھے ان سے ملنے آؤٹ آف کنٹری جانا ہوگا۔ انہیں ہمارے یونیک آئیڈیاز



Digitized by Google

کافی پسند ہیں اور وہ اسی سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں۔ تم یہاں ہوگے تو میں گھر کی طرف سے بے فکر رہوں گا۔''
اس نے تفصیل بتاتے ہوئے اپنی چیئر سنبھالی تھی۔
''چلیں ٹھیک ہو گیا۔ آپ دیدے کو میرا نمبر دے دینا۔ میں جلد ہی ان شاء اللہ واپسی کی کوشش کرتا ہوں.....''
''گڈ بوائے۔''
''آپ بے فکر ہو کے جائیں۔ میں پیچھے سب سنبھال لوں گا۔'' اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔ باریال نے مطمئن ہو کر اِدھر، اُدھر کی باتوں کے بعد کال بند کر دی تھی۔ اور ضیا کتنی دیر اس کے جانے کے بعد لالہ سے کسی طرح ملنے اور اسے ساری سچائی بتانے کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ کچھ بھی تھا لیکن بہر حال اسے لالہ کی نظروں میں پھر سے اپنا ایک اچھا عکس دیکھنے کی شدید خواہش تھی۔

☆☆☆

دائی سکینہ نے نیلے کمبل میں لپٹا وہ سفید گلابی سا وجود اس کے حوالے کیا تو نہ جانے کیوں اس کے ہاتھ کپکپا سے گئے۔ اس نے کانپتے ہاتھ آگے بڑھائے اور وہ ننھا سا وجود سنبھال لیا۔ نظریں اس کے دائیں گال پہ بنے نیل پہ جم گئیں۔ ہلکا سا نیلا داغ..... جیسے چوٹ کا ہوتا ہے۔
اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔
کل رات کا منظر پوری شان سے آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔
اسے دیر ہو گئی تھی اور گھر واپسی پہ اسے دروازہ کھلا ملا تھا اور اوپر سے کمبل میں چھپی اقرا باہر چارپائی پہ ہی بیٹھے، بیٹھے سو گئی تھی۔ شک کی چنگاری سی تن من میں جاگی تھی۔ اسے لگا وہ ضرور کسی اور کے لیے یہاں بیٹھی تھی۔ کسی اور کے لیے خوار ہو رہی تھی۔
شیطانی سوچ انسانیت پہ ایک دم اتنا حاوی ہوئی کہ وہ یہ بھی بھول بیٹھا کہ وہ پریگننٹ تھی اور اس کی صحت بھی اچھی نہ تھی..... غصے سے تن فن کرتا وہ اس کے سر پہ پہنچا تھا اور نیند میں گم کمزور سے وجود کو دھکے سے دہلا دیا تھا۔
''آ..... آ..... غ.....ا'' وہ کپکپا سی گئی۔
آنکھیں ایک دم سے ہی نیند سے عاری ہو گئیں۔
''بے شرم، کس یار کے لیے بیٹھی ہے یہاں۔''
اس نے آؤ دیکھا تھا نہ تاؤ۔ تھپڑوں اور مکوں کی بارش کر دی تھی اس ناتواں وجود پہ۔ وہ اس بار نہ چیخی نہ چلائی۔ ہر شکوہ دم توڑ گیا۔ آغا کی لغویات سن کر اماں کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے آغا پہ سو لعنتیں بھیج کر اسے چھڑایا اور اپنے کمرے میں لے گئیں۔ لیکن کچھ دیر بعد ہی انہیں دوبارہ آغا کو جگانا پڑ گیا تھا۔ اقرا کی طبیعت شدید خراب ہو گئی تھی۔
وہ فوراً قریبی دائی کو بلا لایا تھا اور فجر کے کچھ دیر بعد ہی وہ ننھی پری اس کے ہاتھوں میں چلی آئی تھی۔ بچی وقت سے پہلے پیدا ہوئی تھی پھر بھی کافی صحت مند تھی۔
''کتنی بار منع کرتی تھی۔ بیوی کی قدر کر پھر اقرا جیسی بیوی جو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے تیرے ساتھ ہو لی۔ تھا کیا تیرے پاس۔ اب ہو جا خوش۔ مل گئی آزمائش تجھے بھی۔ اب اسے مارنا..... اس پہ نظر رکھنا۔'' اماں نے کمرے سے نکلتے ہوئے اسے مبارک دی نہ ہی خوش ہوئیں۔ طعنے مارتی کچن کی طرف چلی گئیں۔
''اقرا کیسی ہے؟'' دائی اماں باہر آئیں تو اس نے تیزی سے پوچھا۔
''ٹھیک ہو گی؟'' انہوں نے الٹا سوال کیا۔ ''تم نے بیچاری کا کیا حال کر رکھا ہے۔ چہرہ نیل و نیل ہے اس پھول جیسی لڑکی کا۔ حیوان ہوتے ہیں تم جیسے مرد۔ اللہ پوچھے تم جیسوں کو اور اب دن نکلتے ہی اسپتال لے جاؤ یا چاہو تو یہیں مار دو اچھا ہے جان چھوٹے تم جیسے حیوان سے۔'' وہ بھی غصے میں بڑبڑاتی باہر نکل گئیں تو وہ ننھا وجود سنبھالے مرے، مرے قدموں سے اندر چلا آیا۔
سامنے ہی اقرا نڈھال سی آنکھیں موندے پڑی تھی۔ وہ ساری رات نہیں سو پائی تھی۔ اس کی آنکھیں اور چہرہ سوج چکا تھا۔ اور گال پہ ویسا ہی نیل کا داغ تھا



Digitized by Google

جیسا بچی کے گال پہ۔ بس اس کا داغ بہت بڑا تھا۔ ہونٹ ایک سائڈ سے پھٹ گیا تھا۔ وہ دھیرے، دھیرے چلتا اس کے قریب آ کے بیٹھ گیا۔ آہٹ پہ اقرا نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اور پھر آہستگی سے واپس بند کر لی تھیں۔ مدت ہوئی اس نے کسی بھی قسم کا گلہ، شکایت کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اب بھی بس ایک آنسو ضبط کی حد توڑتا بند آنکھوں سے پھسلتا تکیے میں جذب ہو گیا تھا۔ آغا کی آنکھیں جلنے لگیں۔

''اقرا.....'' اس نے دھیرے سے اس کا کمزور سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

اقرا نے آنکھیں نہ کھولیں۔

اس نے آہستگی سے لب اس کے ہاتھ پہ دھر دیے۔ آنسو ٹپ، ٹپ اس کے ہاتھ کی پشت پہ گرنے لگے۔ اقرا نے کپکپاتی پلکیں اٹھائیں۔

''آئی ایم سوری..... مجھے معاف کر دو۔'' بچی کو ایک طرف لٹاتا وہ دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بچوں کی طرح بلک اٹھا تھا۔

اقرا نے تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اٹھ نہ سکی۔ آغا نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔

''میں نے کبھی آپ سے شکایت کی آغا؟''

''کاش تم کرتیں اقرا۔''

''نہیں آغا، رشتوں میں جب اعتماد کی جگہ شک لے لے تو لفظ تو کیا احساس بھی معنی کھو دیتے ہیں۔ میں نے آپ کو کھو دیا تھا۔ اور شاید بہت جلد آپ مجھے بھی کھو دیتے۔ جہاں شک آ جائے وہاں رشتے کہاں باقی بچتے ہیں۔'' اسے بولنے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی۔

''ہمارا رشتہ تو باقی ہے ناں ابھی اقرا۔ مجھے دیر نہیں ہوئی۔'' آغا کے لہجے میں یقین کی جوت تھی۔

''کمزور تو ہو گیا ناں آغا۔'' اقرا کے لہجے میں تاسف تھا، دکھ تھا۔

''رشتے کمزور ہو جائیں تو انہیں مضبوط کیا جا سکتا ہے۔ بس ٹوٹنے سے بچ جائیں تو کوئی مشکل نہیں۔'' آغا دل سے مسکرا دیا تھا۔

''باقی باتیں بعد میں کریں گے ابھی تم دونوں کو اسپتال لے کے جانا ہے۔ میں اماں کو بھیجتا ہوں تمہارے پاس۔ ذرا گاڑی کا بندوبست کر لوں۔'' اس کے گال تھپتھپاتا وہ باہر نکل گیا تھا۔ اقرا نے اس کے اس روپ کی واپسی پہ دل ہی دل میں رب کا شکر ادا کیا تھا اور اس ننھی پری کا بھی جو کم از کم اس کے لیے بہت نیک ثابت ہوئی تھی۔

☆☆☆

''اقرا کی بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ ہم اسپتال میں ہیں۔'' کل رات سے دل میں عجیب سے وہم اٹھ رہے تھے۔ عجیب سی اداسی قلب و روح پہ سوار ہو رہی تھی۔ بالآخر اس نے ان کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف کال اٹھاتے ہی پھپھو نے اسے خوشخبری سنائی تھی۔ خوشی کے ساتھ، ساتھ اسے حیرت بھی ہوئی تھی۔

''کب پھپھو؟''

''آج صبح ہی۔ ڈیلیوری گھر پہ ہی ہوئی لیکن کمزوری بہت تھی اقرا کو تو آغا اسپتال لے آیا۔''

''لیکن ابھی تو کافی وقت تھا ناں اقرا کی ڈیلیوری میں، بے بی ٹھیک ہے؟'' اس نے بے اختیار ہی پوچھا تھا۔ دوسری طرف محسوس کی جانے والی خاموشی چھا گئی تھی۔

''پھپھو..... اقرا اور بچی ٹھیک ہے ناں؟'' وہ پریشان ہوئی۔

''بیٹا آغا نے کل بہت بری طرح مارا اقرا کو اور اسی وجہ سے وقت سے پہلے.....'' پھپھو کا لہجہ بھیگنے لگا۔

''لیکن وہ دونوں ٹھیک ہیں۔ تم آؤ گی ملنے؟''

''ہاں، میں شام میں ہی آتی ہوں ولی کے ساتھ۔'' اس نے ایک پل سوچ بنا فوراً ہامی بھر لی تھی۔ صاف دل والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ گلہ کرنا یا دلوں میں میل رکھنا انہیں آتا ہی نہیں۔ وہ بس محبت کرنا جانتے ہیں اور لالہ ایسی ہی تھی.....

☆☆☆

ہاریال شام کو دیر سے گھر لوٹا تھا لیکن اقرا کی بیٹی



Digitized by Google

کا سن کر اس نے فوراً لالہ سے چلنے کے لیے کہا تھا۔

''اس وقت..... ابھی تو آپ اتنا تھکے ہوئے ہو۔'' لالہ متذبذب تھی۔

''لو تھکا کیوں ہوں۔ سارا کام تو بولنے اور سوچنے کا ہوتا ہے۔ چائے کا ایک کپ پلا دو۔ فریش ہو جاؤں گا.....''

''سچ میں!''

''ہاں یار جاؤ..... جلدی سے چائے بنے آؤ۔ میں تب تک فریش ہولوں۔'' اس کے کہنے پہ وہ سر ہلا کے باہر چلی گئی۔

صرف آدھے گھنٹے بعد ہی وہ اقرا کے سرہانے کھڑی اس ننھی پری کو واری ہوتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت پیاری تھی۔ اس نے کچھ، کچھ لالہ کے ہی رنگ چرائے تھے۔

''لالہ یہ تمہاری طرح لگتی ہے۔'' باریال نے بھی اسے دیکھتے ہی کہا۔

''ہاں واقعی..... مجھے بھی بالکل ایسا لگا اسے دیکھتے ہی جیسے لالہ کا بچپن سامنے آگیا ہو۔'' پھپھو نے مسکراتے ہوئے تائید کی۔

''شاید اس لیے کہ میں نے اس سارے وقت کے دوران لالہ کو دل سے سوچا۔'' اقرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے اتنا سوچا تھا مجھے۔'' لالہ کو عجیب سی خوشی محسوس ہوئی۔ ''تو ملنے آجاتی ناں۔'' وہ بے اختیار ہی کہہ گئی۔ اقرا کی نظر بے اختیار آغا کی طرف اٹھی وہ شرمندگی سے نظریں چرا گیا۔

''کس منہ سے ملنے آتی؟ ہر وقت تمہیں یاد کر کے تم سے کی گئی ہر ایک زیادتی کی دل ہی دل میں تم سے اور اپنے رب سے معافی مانگتی رہی۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ لالہ نے اسے خود سے لگا لیا۔

''تم نے تو ہمیشہ میرا ساتھ دیا تھا اقرا..... خدا گواہ ہے تم سے تو مجھے کبھی کوئی شکایت نہیں رہی۔'' وہ پیار سے اس کے بال سہلا رہی تھی۔

''لیکن امی نے تو.....'' اقرا بولنے لگی۔

''پھپھو اور میری بات کلیئر ہو چکی ہے۔ پلیز بھول جاؤ پرانی باتوں سے۔'' لالہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں نے لالہ سے معافی مانگ لی ہے اقرا۔'' پھپھو نے بڑے دل سے بیٹی کے سامنے اعتراف کیا تھا۔ اور تب اقرا نے حیرت سے آغا کی طرف دیکھا تھا جو محبت بھری نظروں سے ایک بار پھر اسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔ اسے خدا کے انصاف پہ ایک مرتبہ پھر سچے دل سے یقین آگیا تھا۔ کچھ حساب دنیا میں ہی ہوتے ہیں اور بڑے زبردست ہوتے ہیں۔ وہ تھک گئی تھی بھی کسی سے مزید بات کیے بنا ہی لالہ کے پہلو میں سر چھپا کے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سب ایک بار پھر ننھی پری کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

☆☆☆

سفید شلوار قمیص کے اوپر سرمئی رنگ کی شال اوڑھتے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نظر سے سامنے قدآور آئینے میں اپنا سراپا جانچا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے کچھ خاص محسوس نہیں ہوا تھا۔ اتنا صاف ستھرا سراپا بھی غلاظت کا ڈھیر محسوس ہوا۔

''ضیا علی خان..... ایک زانی، ایک ریپسٹ.....'' اس نے طنزیہ کہہ کر گویا اپنے خوب صورت وجود پر پہ لعنت سی بھیجی تھی۔ پھر لب کچلتا بیڈ پہ بیٹھ کے چپل بند کرنے لگا کہ دروازہ کھلا اور وزگل اندر آئی۔

''لگتا ہے باہ اس دفعہ اور شان سے جیتیں گے۔'' اس نے اندر آتے ہی چبتے لہجے میں کہا تھا۔

''شاید.....'' ضیا نے اس کی طرف دیکھے بغیر مختصر جواب دیا۔

''شاید نہیں یقیناً..... آخر اس بار دو شیطان مل کر کمپین چلا رہے ہیں۔'' اس کی بات پہ ضیا کے ہاتھ ایک پل کے لیے رکے۔ لیکن سر و لیے ہی جھکا رہا پھر اس نے اپنا کام مکمل کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''کئی دفعہ جیت، ہار سے زیادہ بھاری پڑتی ہے۔ آپ اپنا دل مت جلایا کریں سوچ، سوچ کے۔''



Digitized by Google

وہ اب بھی اس کی طرف دیکھے بنا اپنے اوپر پرفیوم چھڑکتے ہوئے بولا۔

''تم موورے اور اللہ لوک سے......''

''ہشششش۔'' ضیا نے تیزی سے مڑ کر اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

''یہاں بولتے وقت یہ مت بھولا کرو کہ یہ وہی لال حویلی ہے۔ ہر راز پنہاں کر لینے والی اور وقت آنے پہ ہر راز عیاں کرنے والی...... وقت کا انتظار کرو۔ باقی رہے دو شیطان...... تو شیطان کہاں باقی رہتے ہیں۔ اللہ پاک خیر کرے گا۔'' خوب صورت لہجے میں کہتا بہن کے گال تھپتھپاتا وہ باہر نکل گیا تھا اور اوزگل کو لگا اس کی سانسیں بھائی کے ہم قدم ہوئی تھیں۔ اس نے فوراً اپنے خوب صورت بھائی کی لمبی زندگی کی دعا مانگی تھی۔

☆☆☆

واپسی پہ وہ واقعی بے حد خوش تھی۔ اس کا کھلا کھلا چہرہ دیکھ کے بارہا ل بھی مسکرا اٹھا تھا۔ رشتوں سے پیار کرنے والی اس لڑکی نے کتنی آزمائش دیکھی تھی اور اب قدرت مہربان ہوئی تھی تو ایک، ایک کر کے سب رشتے پلٹنے لگے تھے۔

''کاش کسی دن سیین آنٹی بھی پلٹ آئیں۔ وہ تو بالکل بھول ہی گئی ہیں لالہ کو۔'' اس نے موڑ کاٹتے ہوئے دعا کی تھی۔

''ولی......'' لالہ نے پکارا تو وہ چونکا۔

''ہاں۔''

''کیا آپ میری ایک ہیلپ کر سکتے ہیں۔''

''کیا......؟'' اس کے سوال پہ وہ حیران ہوا۔

''آغا بہت لائق لڑکا ہے۔ اقرا سے ایک دو بار تفصیلی بات میں اس کے کیریئر کے بارے میں پتا چلا تھا مجھے۔ کافی شاندار رہا تھا اس اکیڈمک ریکارڈ...... آپ اسے اپنے ساتھ کر لیں۔ اس طرح آپ کو بھی اچھا ہیلپر مل جائے گا اور آغا کو بھی اچھی کمپنی...... اقرا بتا رہی تھی وہ بدل رہا ہے۔ پھر سے پہلے والا ہو رہا ہے۔


مقرہ

معاشرے کے نفسیاتی مریضوں کا معصوم انسانوں پر ستم
آخری صفحات پر اسما قادری کا پرفکر انداز

مہم جو

ماضی کے پوشیدہ گوشوں کی فسوں گری اور بند دریچوں میں پنہاں رازو نیاز...... تاریخی صفحات پر ابراہیم نجم کے قلم کی روانی

رنگ آسماں

زہریلے سانپوں اور گہری چالوں پر مشتمل خوفناک اور عبرت ناک واقعات کا سنگم...... اے آر راجپوت کے خیالات کی پرواز

وقت

خوشگوار مستقبل کی آس اور کربناک ماضی کی بھول بھلیوں میں گم شدہ لمحات کا احاطہ کرتے وقت کی مکاریاں۔ حسام بٹ کے قلم کا جادو

2019ء کے پہلے شمارے کی ایک جھلک




مزید

محفل شعر و سخن، خطوط کی محفل اور مرزا امجد بیگ کا دلنشین انداز

اس کے علاوہ

تنویر ریاض، شاہ زین رضوان ثمر عباس، آصفہ ضیا احمد، ظفر اقبال ظفر اعتزاز سلیم وصلی کی خوبصورت کہانیاں




Digitized by Google

ایسے میں آپ کے ساتھ رہے گا تو اور سدھر جائے گا۔''
اس کی بات پہ باریال کا قہقہہ جاندار تھا۔
''توبہ ہے..... تم بھی ناں لالہ..... بھلا وہ مجھ سے کیا سیکھے گا؟''
''بس سیکھ جائے گا..... میں کہہ رہی ہوں ناں.....'' اس نے کہا۔
''چلو ٹھیک ہے۔ کل ہی کرتا ہوں کچھ اور کوئی حکم.....؟'' وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا گئی۔
''اچھا ایک دو دن میں مجھے لندن جانا ہے.....'' اس نے اچانک بتایا۔
''لندن..... وہ کیوں؟'' لالہ کا دل ڈوب سا گیا۔
''کچھ میٹنگز ہیں آفیشل..... دعا کرنا اگر یہ میٹنگز کامیاب رہیں تو ان شاء اللہ ملک سے باہر بھی ہمارا بزنس پھیلے گا۔''
''لیکن کیا ضرورت ہے ولی..... یہ سب کچھ ہے ناں ہمارے پاس..... بہت ہے۔'' وہ اداس ہوئی۔
''نہیں لالہ، پیسے کی بات نہیں ہے۔ بس یہ میرا جنون ہے۔ اور اللہ پاک جب راستہ بنا رہا ہے تو میں اس کا فائدہ کیوں نہ اٹھاوں۔''
''لیکن آپ جانتے ہیں مجھے اب آپ کی عادت ہو گئی ہے۔'' وہ تیزی میں کہہ گئی۔ خوب صورت مسکراہٹ نے باریال کے لبوں کا حصار کیا تھا۔
''سچ میں.....'' شرارت لہجے سے عیاں تھی۔
''میں جھوٹ نہیں بولتی آپ جانتے ہیں۔''
''مطلب تمہیں مجھ سے محبت ہونے لگی ہے۔''
اس کے لفظوں اور لہجے میں خوشی تھی۔
''آپ ہیں ہی محبت کے قابل۔''
''یار پاگل کرو گی کیا آج..... گاڑی نہ ٹکرا بیٹھوں کہیں۔'' وہ شریر سا اس کے اوپر جھکا۔
''ولی، پلیز آگے دیکھیں۔'' وہ اسے دھکا دیتے ہوئے آہستگی سے چلائی۔
''لو۔ اِدھر اتنے اونچے خواب دکھاتی ہو اور اُدھر قریب آنے کی کوشش کرو تو.....'' وہ منہ بنا کر سیدھا ہو بیٹھا۔
''جی..... کیونکہ محبت کے قابل آپ ہیں۔ میرا یہ غلیظ وجود نہیں۔'' وہ باہر دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ سب کچھ یاد آنے لگا تھا۔ دکھ ایک بار پھر روح کے زخم کریدنے لگا تھا۔
''لالہ..... پھر وہی بات..... تم جانتی ہو میں اپنی ہر حد جانتا ہوں اور تمہیں بھی..... تم ایک امانت ہو میرے پاس۔ جب تک تم خود مکمل طور پہ میرے ساتھ کے لیے تیار نہیں ہو میں زبردستی نہیں کروں گا۔ لیکن یہ بات تو طے ہے کہ ہم سفر تمہی ہو۔ میری دوستی، میری محبت میں تم کوئی کمی کبھی نہیں پاؤ گی۔'' وہ اب گھر کی گلی میں مڑنے لگا تھا۔
''باقی رہا میرا ٹور تو صرف تین دن ہیں۔ اتنا ٹائم ہے ہمارے پاس۔ ورنہ پیچھے ضیا ہے تو فکر کی کوئی بات نہیں۔'' اس نے بے فکر لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی گھر کی طرف موڑتے ہوئے ہارن بجایا تھا۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس کی بات پہ لالہ کی کھلتی رنگت ایک دم زرد پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

باریال لندن کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ اس نے سہ پہر سے پہلے، پہلے سارے کام نبٹائے تھے اور باقی باہ کے ذمے لگا کے اجازت لی تھی۔ باہ اس طرح اس کے اچانک جانے پہ پریشان تو تھے لیکن پھر اس کی خوشی کے لیے اجازت دے دی۔ سہ پہر سے پہلے، پہلے اسے شہر کے لیے نکلنا تھا۔ اسے کسی بھی طرح لالہ سے ملنا تھا۔ اسے سب کلیئر کرنا تھا۔ ہر غلطی کی معافی مانگنا تھی اور اسے بتانا تھا کہ وہ گمراہ تھا۔ اپنی اصلیت سے ناواقف تھا لیکن یہ بات اٹل تھی کہ وہ اسے بے حد پیار کرتا تھا اور کرتا ہے۔ ضیا علی خان کو بس وہ مکمل کرتی تھی..... اور کوئی نہیں تھی۔ اور اگر وہ نہیں تھی تو زندگی کہاں تھی..... سب کچھ بے معنی تھا۔
سہ پہر سے کچھ پہلے باہ ایک قصبے کی طرف نکلے تھے تو وہ حویلی کی پچھلی طرف آ گیا۔ جانے سے پہلے اس نے باہ کے کمرے سے چابیاں اٹھائی تھیں۔ اس کے


Digitized by Google

پاس چابی تھی سوا سے اوزگل کی طرح خفیہ راستہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اس نے زنگ آلود تالے پہ اِک نگاہ ڈالی اور اس کے موافق چابی دیکھنے لگا۔ دل نہ جانے کیوں بے طرح دھڑکنے لگا تھا۔ اس نے ایک چابی کو منتخب کرتے ہوئے تالے کے اندر گھمایا تھا۔ ذرا سے تردّد کے بعد کھٹاک کی زوردار آواز سے تالا کھل گیا تھا۔ اس نے لکڑی کے بوسیدہ سے دروازے کو زور سے دھکا لگایا تو وہ بھی زوردار چرچراہٹ کرتا کھل گیا۔ اندر کا منظر ایک دم روشنی سے نہا گیا۔ یہ زیرِ زمین زندان تھا۔ اور ابھی نیچے سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے قدم اندر رکھ دیے۔

''مہلت مک گئی..... مہلت ٹول شوے۔''

اور اس کی سانس رک گئی۔ اللہ لوک کی آواز..... وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتا گیا۔ آواز اور قریب آتی گئی۔

''تمہارا کیا ہوگا..... رسی کھنچ گئی۔ حساب شروع ہوگیا۔'' وہ پشتو میں کہتے ہوئے قہقہے لگائے جا رہی تھی۔ اور ضیا کے سامنے اب زندان کے تنگ و تاریک کمرے تھے۔ انسان کے قد سے بھی چھوٹی چھتوں اور انسان کے جسم کی لمبائی سے تنگ کوٹھڑیاں..... وہ پاگلوں کی طرح اس کمرے کو ڈھونڈنے لگا جہاں سے اللہ لوک کی آواز آ رہی تھی۔ تبھی کسی رسی سے اس کا پیر الجھا تھا اور وہ درمیانی کھلی گلی میں منہ کے بل گرا تھا۔

''بسم اللہ۔'' لمبے الجھے بالوں والی وہ دراز قد خوب صورت عورت مچل کے سلاخوں کے قریب آئی تھی۔ ضیا نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور اس نے ضیا کو۔ دو خوب صورت نیلی آنکھیں جیسے پتھری ہوئی تھیں۔ ضیا روشنی میں تھا اور اس کا ایک، ایک نقش بہت واضح تھا۔

''گلو.....'' وہ عورت بلند آواز میں بڑبڑائی۔

''ضیا علی خان۔'' اور دوسرا جملہ مکمل اور واضح تھا۔

''کون ہو تم؟'' وہ نہیں پہچان پایا تھا۔ تبھی فوراً پوچھا تھا۔ اس عورت کے لبوں پہ مسکان بکھرتی چلی گئی تھی۔

''اللہ لوک..... ضیا..... ضیا آیا ہے۔'' وہ چلّائی تھی اور سارا زندان لڑکیوں کی جھنکار سے گونج اٹھا تھا۔ سب مریل گلے سڑے وجود اُن کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''ہاں، میں ہوں ضیا علی خان..... لیکن آپ کون ہیں؟'' وہ اب پریشان ہوا تھا۔

''ماں ہے ناں سبھی تجھے فوراً پہچان گئی۔ اولاد کیا جانے ممتا کے رنگ۔ یہ تو ماں ہوتی ہے اولاد کو ہر رنگ میں پہچان جاتی ہے۔'' سامنے ہی ایک زندان سے اللہ لوک کی آواز آئی تھی اور ضیا علی خان وہیں دوبارہ ڈھے سا گیا تھا۔ جہاں سے ابھی بہ مشکل اٹھا تھا۔ اور اس وقت وہ کڑیل جواں مرد، ماں کے ہاتھوں پہ سر رکھ کے زار، زار رویا تھا۔ کہ وہ ان کے ہر درد سے واقف تھا۔ پڑھ کے اپنے دل پہ تحریر کر چکا تھا ان کا ہر کرب.....

''بس تھوڑا سا انتظار کرلیں مورے اور اللہ لوک..... میں رہوں نہ رہوں آپ سب کو اپنا مقام دلوا کر رہوں گا۔''

اور وہاں سے جاتے وقت اس نے ان دونوں کو وعدہ سونپا تھا۔ نہ جانے کیوں اللہ لوک کو لگا وہ اسے آخری بار دیکھ رہی ہیں۔

''تمہیں اسے روک لینا چاہیے تھا۔''

''وہ کہاں رکتا..... پھر واپس ہی آئے گا تو کیوں روک لیتی۔''

''مجھے اس کے پیچھے سفید سایہ نظر آیا..... مجھے نہیں لگتا وہ واپس آئے گا۔''

''اللہ نہ کرے اللہ لوک.....'' وہ کانپ گئیں۔

''حساب ہوتا ہے ناں پگلی حق باہ..... حساب شروع ہوگیا..... حساب شروع ہوگیا۔'' وہ دوبارہ اپنے اسی وجد میں گم ہوگئی تھیں۔

''یا اللہ پاک میرے بیٹے کی حفاظت کرنا۔'' صنوبر نے دل سے دعا شروع کی تھی.....

☆☆☆

شام کے قریب وہ شہر پہنچا تھا۔ اور گھر آتے ہی سو گیا تھا۔ ابھی تھکن بھی نہیں اتری تھی جب اسے دیدے کی کال موصول ہوئی تھی۔

''ضیا بچے، لالہ کی طبیعت خراب ہوگئی ہے



Digitized by Google

اچانک سے۔'' وہ پریشان سا اٹھ بیٹھا۔

''کیا ہوا دیدے؟ لالہ ٹھیک تو ہے؟'' اس نے تیزی سے بیڈ سے اترتے ہوئے پاؤں جوتوں کے اندر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''بس ایک چیخ ماری ہے اور بالکل بے سدھ ہوگئی ہے تم پلیز جلدی آؤ۔ میں اکیلے اس کی جان کیسے سنبھالوں۔'' دیدے کی آواز پریشانی سے بھرا رہی تھی۔

''میں شہر میں ہی ہوں دیدے آپ فکر نہ کریں۔ بس دس منٹ میں آرہا ہوں۔'' اس نے فوراً کال بند کی۔ اور والٹ اٹھاتا تقریباً بھاگتے ہوئے باہر آیا تھا۔ ابراہیم دور سے ہی اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے اس کے قریب آنے تک گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

''پاریال کے گھر چلو۔'' بیٹھتے ہی کہا اور واقعی صرف دس منٹوں کے اندر ہی ریش ڈرائیو کرتے وہ وہاں موجود تھے۔ لالہ اب ہوش میں تھی لیکن درد سے بے حال تھی۔ کمزوری دیدے اسے سنبھال نہیں پا رہی تھیں۔

''دیدے آپ سامان لیں جو کچھ بھی ضرورت ہے۔ میں لالہ کو سنبھالتا ہوں۔'' اس نے دیدے سے کہتے ہوئے لالہ کا کومل سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لیا..... دیدے تو فوراً اندر بڑھ گئیں لیکن لالہ جھٹکے سے اس سے ہاتھ چھڑانے لگی۔ لیکن یہ کوشش ناکام تھی ضیا کی گرفت مضبوط تھی..... ابراہیم اس کی مدد کے لیے آگے آیا لیکن ضیا نے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

''تم گاڑی اسٹارٹ رکھو، میں اسے لے کر آتا ہوں۔'' وہ سر ہلاتا باہر نکل گیا۔

''لالہ..... ضد نہ کرو۔ تم ٹھیک ہو جاؤ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔'' اس نے ایک احترام سے اسے سہارا دیا تھا۔ یوں کہ لالہ سے اس کا فاصلہ کافی تھا لیکن پھر بھی وہ اسے ایک بازو سے مکمل سہارا دیے ہوئے تھا۔

''مجھے..... کچھ نہیں جاننا..... تم سے کچھ نہیں سننا۔ دور ہٹ..... ہٹو..... مجھ سے۔'' وہ درد سے یہ مشکل بول پائی۔

''لالہ، فار گاڈ سیک لالہ.....''

''ضیا.....''

''ہمشش.....'' اسے سختی کرنا پڑی تھی۔ اس نے تیزی سے اس کی کمر کے گرد ہاتھ بڑھا کر اسے تقریباً سنبھال لیا تھا۔ اور تیزی سے اپنے ساتھ لیے باہر گاڑی کی طرف لے آیا تھا۔

''ضیا چھوڑو مجھے۔'' وہ تڑپی لیکن ضیا کی گرفت کمزور نہیں ہوئی تھی۔ اس نے لالہ کو گاڑی میں بٹھا کے ہی دم لیا تھا۔ دیدے بھی دروازے کو لاک لگاتی پیچھے لالہ کے ساتھ بیٹھ گئیں تو ابراہیم نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ضیا کی نظریں بیک ویو مرر میں بھی لالہ پہ جمی تھیں۔ ایک مرتبہ پھر وہ درد سے سر پٹخ رہی تھی۔

☆☆☆

لالہ کی ضد پہ ضیا نے پاریال کو بھی خبر کر دی تھی۔ اس نے بھی فوراً واپسی کی ٹکٹ کی کوشش شروع کر دی تھی۔ کچھ بھی تھا وہ جلد از جلد لالہ کے پاس پہنچنا چاہتا تھا اور اُدھر لالہ، ضیا کے ساتھ دیدے کے ہوتے ہوئے مکمل محفوظ ہوتے ہوئے بھی خود کو بالکل غیر محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ درد سوا ہوتا جا رہا تھا اور ساتھ اس رات والا خوف بھی۔

''دیدے، یہ مجھے مار دے گا دیدے میں مر جاؤں گی۔ یہ میرا جسم نوچ کھائے گا۔'' اچانک ہی اس کی حالت بذیانی ہونے لگی تھی۔

''ابراہیم بی فاسٹ۔'' وہ رات کسی کالے آسیب کی طرح ضیا کے سامنے بھی ناچنے لگی تھی۔ دو نرم کومل ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں میں کسمساتے اسے اب بھی محسوس ہو رہے تھے۔ خود سے نفرت پھر سے بڑھنے لگی تھی۔

''ابراہیم تیز چلاؤ۔'' اس نے دوبارہ کہا تھا۔ ابراہیم نے اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

گاڑی سے اسٹریچر پر لٹانے اور پھر ایمرجنسی تک لانے میں اسے ضیا نے ہی سنبھالا تھا۔ دیدے مسلسل اس پہ پڑھ پڑھ کے پھونک رہی تھیں۔ ابراہیم گاڑی پارک کر کے وہیں ٹھہر گیا تھا۔ ڈاکٹر نے ضیا کو

باہر جانے کے لیے کہا۔ دیدے بھی وہیں رک گئیں۔ کچھ دیر بعد ہی ڈاکٹر باہر آئی تھی۔

''آپ کی مسز کی کنڈیشن ٹھیک نہیں ہے۔ ہمیں فوری طور پہ آپریٹ کرنا پڑے گا۔ لیکن.....''

''لیکن کیا..... کیا ڈاکٹر.....؟'' وہ جو ''آپ کی مسز'' کے لفظوں کے سحر میں کھو سا گیا تھا۔ ایک دم چونکا۔

''ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن بچہ..... میرا مطلب ہے بچے کے لیے کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہو سکتا ہے..... مجھے لگتا ہے۔ ہم شاید ہی اسے بچا پائیں۔''

''آپ جلدی سے آپریشن شروع کریں۔ میرے لیے لالہ کی زندگی زیادہ اہم ہے اس بچے سے۔'' اس نے فوراً فیصلہ سنایا تھا۔ ڈاکٹر اسے مزید ہدایات دینے لگی۔

☆☆☆

وہ قدرت کی ستم ظریفی پہ حیران تھا..... لالہ اس کے بے حد قریب آ کے اس سے ہمیشہ کے لیے دور چلی گئی تھی۔ وہ اس کا حاصل لا حاصل نہ تھی کہ ملتا تو واہ شد نہ ملتا تو آہ شد..... وہ تو اس کا سب کچھ تھی..... اس کی ذات..... اس کا من.....

اس کی سانس لالہ کے نام سے چلتی تھی۔

وہ تو لازم تھی.....

اس کے ہونے سے ضیا علی خان کا ہونا تھا۔

وہ نہیں تھی تو ضیا علی خان کی کوئی جگہ نہیں بچتی تھی۔

لیکن قدرت نے اسے نواز کے چھین لیا تھا اور یہ سب اس کے باء کی وجہ سے ہی ہوا تھا۔ وہ جنہیں وہ سب سے زیادہ اپنے قریب مانتا تھا۔ نہ جانے کیسی فطرت لے کے پیدا ہوئے تھے۔ سب کی خوشیاں نگل جاتے تھے۔ اور اسے اب قدرت کی فیاضی پہ بھی حیرت تھی۔ وہ بچہ اس کا تھا۔ لالہ اس کے حق میں نہ ہوتے ہوئے بھی اس کا حصہ جننے جا رہی تھی۔ یہاں سب لالہ کو اس کی بیوی سمجھ رہے تھے۔ کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی سب کچھ کتنا مکمل ہو گیا تھا.....

فارم پہ دستخط بھی اسی کے لیے گئے تھے۔ لالہ کی زندگی کے بدلے اس نے بچے کی زندگی لکھ دی۔

''مجھے لالہ زیادہ عزیز ہے اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔'' اس نے بار بار ڈاکٹر کو تاکید کی تھی۔

کئی بار اس خادم کو دیکھ کے اپنے اور لالہ کے نہ ہوئے رشتے کو محسوس کیا تھا۔ روح تک وجد میں آئی تھی۔ عشق کے گھنگرو تن من میں چھنک سے اٹھے تھے۔

''خدا گواہ ہے، میں پاک تھا۔ میرا عشق پاک تھا۔ کبھی جو ایک پل کے لیے لالہ کے بارے میں کچھ غلط سوچا ہو۔ بس باء کے لیے جو کیا سو کیا۔ لیکن خدا گواہ ہے میں نے حد سے گزرنا نہیں سوچا اور چاہا بھی نہیں تھا۔ لیکن زمرے نے کہا تھا۔ کچھ حسن اور شرابیں ایسا نشہ دیتے ہیں کچھ یاد نہیں رہتا۔ اور لالہ..... میں تم سے ہار گیا..... یا تمہیں ہار گیا.....'' وہ بکھرا، بکھرا سا اندر آیا تھا۔ دیدے کاریڈور میں جائے نماز بچھائے دعا میں مصروف تھیں۔

''آپ کی وائف ابھی ریکوری میں ہیں اگر چاہیں تو مل سکتے ہیں.....'' نرس نے گویا اسے زندگی کا سندیسہ سنایا تھا۔ وہ تیزی سے لالہ کے پاس آیا تھا۔ اس کی حالت کچھ بہتر تھی لیکن اب بھی بار بار دایاں ہاتھ بیڈ کی سائڈ پہ مار دیتی۔ ضیا نے آگے بڑھ کر اس کا وہ ہاتھ تھام لیا۔ لاشعوری طور پہ درد کو ضبط کرنے کی کوشش میں لالہ نے اس کے ہاتھ میں سخت دباؤ ڈالا تھا۔

''ولی..... بہت درد ہو رہا ہے۔'' لالہ کی پکار پہ اس کی آنکھیں جل اٹھی تھیں۔

''مجھے معاف کر دو لالہ.....'' اس کی آواز پر آنکھیں کھول کر لالہ نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑوانا چاہا تھا۔

''کچھ دیر تک میں تمہارے درد بانٹ سکتا ہوں۔ میرے ہاتھ میں رہنے دو اپنا ہاتھ۔'' اس نے منت کی تھی۔

''میں ہمیشہ دھوکے سے تمہارے ہاتھ آتی ہوں۔'' وہ بہ مشکل بول پائی تھی۔

''تمہارے ہر درد کے لیے میں شرمندہ ہوں لالہ۔'' اس کا لہجہ بھیگنے لگا تھا اور ہتھیلی بھی۔ لالہ کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔



Digitized by Google

''ضیا پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

''میں ایسا نہیں ہوں لالہ۔ وقت میری گواہی دے گا۔ تم بس ایک بار مجھے معاف کردو۔''

''کیوں؟ تمہیں کیا لگتا ہے میں مرجاؤں گی کہ جاتے، جاتے تمہیں معاف کردوں؟''

''اللہ نہ کرے۔'' وہ بے اختیار تڑپا۔

''میرے پاس، وقت نہیں ہے لالہ۔ پھر قسمت ایسا موقع دے نہ دے۔ میں تم سے بات کر پاؤں نہ کر پاؤں۔ میں نے ہر خواہش چھوڑ دی ہے۔ تمہاری چاہ تک لالہ..... بس ایک خواہش..... تم مجھے معاف کردو۔ شاید کہ میں وہ رات بھول سکوں۔ شاید کہ میں تمہارا یہ درد بھول سکوں۔ ورنہ تو آج کے بعد یہ رہا سہا سکون بھی جاتا رہے گا۔'' اس کا لہجہ بکھرا ہوا تھا۔ ہاتھ میں اب بھی لالہ کا ہاتھ تھا۔ جس پہ کبھی اس کا دباؤ بڑھتا کبھی ڈھیلا پڑ جاتا۔ اس لمس سے وہ بہ آسانی لالہ کے درد کا اندازہ کرسکتا تھا۔

''خدا کی قسم لالہ..... ضیا کا اعتبار کرو لالہ..... ضیا علی خان کو اگر ساری عمر کسی چیز کی سب سے زیادہ پروا رہی ہے تو وہ اس کا کردار ہے..... ضیا علی خان ایسا نہیں ہے لالہ۔''

''میرے اعتبار سے کیا ہوگا ضیا۔ تم میرا مان، میرا کردار، میری ان چھوئی حرمت واپس کر سکتے ہو۔ میرے اتنے اعلیٰ کردار کے مالک شوہر کے سامنے میری آنکھیں اٹھا سکتے ہو۔ میرا فخر واپس لا سکتے ہو؟ لالہ ہر مرد کو معاف کرسکتی ہے لیکن تمہیں نہیں..... کبھی نہیں.....''

''کیوں..... اتنا غصہ صرف میرے لیے کیوں..... تو اس بچے کو کیوں جنم دے رہی ہو، یہ تمہیں لمحہ، لمحہ میری یاد دلائے گا اسے بھی ختم کردیتیں۔''

''ولی نے وعدہ کیا ہے ہم اسے کسی بے اولاد جوڑے کو دے دیں گے، اسے جنم دینا میری مجبوری ہے لیکن اسے پالنا نہیں..... ضیا علی خان کا کوئی بھی روپ ہو، مجھے اس سے نفرت ہے ضیا..... نفرت..... آئی ہیٹ یو تم مر کیوں نہیں جاتے ضیا..... جاؤ مر جاؤ..... جاؤ ضیا مر جاؤ تم۔'' وہ ہانپ گئی تھی۔ درد کی شدت میں اضافہ ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔

''ڈاکٹر۔'' وہ چلایا۔

نرسیں دوڑتی ہوئی ان کے پاس آئی تھیں۔ انہوں نے ضیا کو باہر جانے کو کہا اور لالہ کو دیکھنے لگی تھیں۔ ضیا، لالہ کو تکتا الٹے قدم واپس ہوا تھا۔

☆☆☆

لالہ کے بیٹا ہوا تھا۔ ننھا سا وجود سب سے پہلے اسی کے ہاتھ آیا تھا۔ آسمانی رنگ کے خوب صورت کمبل میں لپٹا وہ روئی کے گال جیسا سفید، نرم وجود بالکل اس کا روپ چرا کے لایا تھا۔ اس کے ہاتھ میں آتے ہی اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ بہت بڑی اور خوب صورت آنکھیں۔ بالکل لالہ کی آنکھیں..... کٹورا..... اور اس کے نچلے لب پر تل بھی تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ بچہ کافی صحت مند تھا اور ہوشیار بھی۔ پوری آنکھیں کھولے وہ بھی ضیا کو یوں دیکھے جا رہا تھا جیسے اسی کام کے لیے دنیا میں آیا ہو۔

''کیا ہوا ضیا؟'' دیدے نے سجدے سے سر اٹھایا تو اسے یوں ٹھہرا دیکھ کے پوچھا۔ ان کی آواز پہ ضیا مڑ کر ان کی طرف آ گیا۔

''بیٹا ہے ماشاء اللہ۔'' دیدے نے محبت سے وہ ننھا وجود تھام لیا۔

''لالہ.....؟'' انہوں نے پیار سے بچے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پتا نہیں..... اور تو کچھ نہیں بتایا۔'' وہ واپس آپریشن تھیٹر کے دروازے پہ آ گیا۔ تبھی نرس باہر آ گئی تھی۔

''مریضہ کو خون کی اشد ضرورت ہے۔ آپ کو جلد از جلد خون کا انتظام کرنا ہوگا اور ان دواؤں کا بھی۔'' نرس نے ایک چٹ اسے پکڑائی تھی۔ وہ تیزی سے باہر لپکا تھا۔ لالہ کا خون کا گروپ + B تھا اور اس کا خوش قسمتی سے + AB وہ تیزی سے دوائیں لے کر واپس آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی اس کی رگوں کا خون قطرہ، قطرہ


Digitized by Google

لالہ کے اندر جا رہا تھا اور ضیا علی خان ایک مرتبہ پھر قدرت کے نوازنے پہ حیران تھا۔ کم تھا لیکن اس کے لیے بہت تھا۔ اس نے جیسے ان چند گھنٹوں میں ساری زندگی جی لی تھی۔

☆☆☆

باریال واپس آ چکا تھا۔ لالہ کو دو دن گزرنے کے باوجود بھی ہوش نہیں آیا تھا۔ باریال، لالہ کی وجہ سے جس قدر پریشان تھا اسی قدر ضیا کا بھی چین گم تھا۔

باریال کے واپس آتے ہی ایک تو سب جان چکے تھے کہ باریال، لالہ کے ہزبینڈ ہیں۔ دوسرا، اب وہ اس کے اتنا قریب نہیں جا سکتا تھا۔ باریال یا کوئی نرس واحد ذریعہ تھے لالہ کی خیریت جاننے کا۔ دیدے گھر جا چکی تھیں۔ بچہ ان کے ساتھ ہی تھا۔ باریال ہر وقت لالہ کے ساتھ رہتا تھا۔

لالہ کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو وہ آرام سے خود کو کہیں اور بزی کر لیتا لیکن ابھی وہ لالہ کو چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتا تھا۔

زرینہ اور اقرا بھی آ گئے تھے اور ساتھ سبین کو بھی لائے تھے۔ ضیا، سبین پھپھو کی سادہ اور پُروقار شخصیت دیکھ کر باپ سے اور متنفر ہوا تھا۔ کس قدر محبت سے... بھرپور لوگ کس قدر تکلیف اور ظلم کا شکار ہوئے تھے۔

اور آج لالہ کی یہ حالت کے ذمے دار وہی تھے۔ کوئی خون کے رشتوں سے ایسا انتقام کیسے لے سکتا ہے؟

دیدے کے ساتھ گزرے ان چند دنوں میں اسے ماں کا پیار ملا تھا اور سبین...... کس قدر محبت سے انہوں نے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ اسے خود پر اپنے خون پہ شرمندگی ہونے لگی تھی۔ دل چاہتا تھا بتا دے سب لیکن ابھی اسے کچھ داؤ کھیلنے تھے۔ سہراب علی خان کو جنگ کے معنی بتانے تھے۔ جنگ تبھی مزہ کرتی ہے جب دونوں شاہ سوار مقابلے کے ہوں۔ اور وار بھی سامنے کے ہوں۔ اسے سامنے سے وار کر کے باپ کو لڑائی کے اصل معنی بتانا تھے۔ پلان تیار تھا۔ بس اسے پہلا اور آخری داؤ چلنا تھا۔ بنی بنائی بساط الٹ جاتی تھی۔

دوسرے دن شام کے بعد لالہ کو ہوش آ گیا تھا۔ وہ سب باری، باری ان سے ملے تھے سوائے سبین کے۔ باریال نے انہیں کچھ دیر صبر کرنے کے لیے کہا تھا۔

''وہ جذباتی ہو جائے گی آنٹی اور آپ کو دیکھ کے رو پڑے گی۔ تو آپ تھوڑا سا ویٹ کر لیں۔'' سبین خود بھی سمجھتی تھیں۔ تبھی رک گئیں۔ لالہ نے بچے کے بارے میں سوال تک نہ کیا تھا۔ باریال سمجھ گیا تھا وہ اپنے فیصلے پہ قائم تھی۔ رات ہوتے ہی سبین اندر آئی تھیں۔ لالہ آنکھوں پہ ہاتھ دھرے لیٹی تھی۔ وہ دھیرے، دھیرے چل کر اس کے پاس آ رکیں۔

''لالہ......'' بہت مشکل سے انہوں نے یہ نام پکارا اور دوسری طرف گویا کرنٹ سا دوڑا تھا۔ گردن جھٹکے سے اس طرف مڑی تھی۔ وہ تو پہلے سے رو رہی تھی۔

''امی......'' اور سبین نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اسے خود میں سمو لیا۔ یوں کہ وہ لیٹے، لیٹے ان کی گود میں سر چھپا گئی۔

''کیوں امی...... آپ نے ایسا کیوں کیا امی میرے ساتھ؟ آپ کو ہمیشہ سے شاویز عزیز تھا۔ مجھ سے زیادہ۔ بیٹا چاہیے تھا نہ آپ کو۔ اور بیٹی چاہیے بھی کیوں...... میں نے تو آپ کی عزت خاک میں ملا دی ناں۔'' وہ روتے ہوئے گلہ کرتی جا رہی تھی۔ سبین خود رو رہی تھیں اور نفی میں سر ہلائے جا رہی تھیں۔

''میں نے سنا تھا بیٹیاں، ماں کی پرچھائی ہوتی ہیں۔ بیٹی کی بات ماں اور ماں کی بات بیٹی بنا کہے سمجھ جاتی ہے۔ لیکن تم تو بیٹی ہو کے بھی مجھے کبھی سمجھ ہی نہیں سکیں لالہ۔ ساری عمر تم نے مجھے غلط ہی سمجھا لالہ...... باریال بہت اچھا سہی۔ مشکل وقت میں آگے آنے والا سہی لیکن تھا تو ایک مرد ہی نہ...... ایک مرد میری بیٹی کو سہارا دے رہا تھا کافی تھا۔ میں خود بھی اس پہ بوجھ بن جاتی۔ کیا یہ ٹھیک تھا؟ پھر شاویز کا رویہ...... اماں کے انتقال کی خبر تک تمہیں نہ دینے دی اور جب پتا چلا کہ اماں نے مکان بھی تمہارے نام کر رکھا ہے تو وہ



Digitized by Google

اپنے باپ کے پاس چلا گیا۔ مجھے وہاں کن حالات کا سامنا رہا کاش تم سمجھ سکتیں بیٹی۔ اس ایک، ایک پل میری، آنکھ میرے لب میرے دل میں تم دعا کی صورت رہی ہو۔ ایک پل بھی میں تمہیں نہیں بھولی۔ میرے آنگن میں تو بس ایک ہی پھول کھلا تھا لالہ..... میں اسے کیسے بھول سکتی تھی۔'' وہ اس کی پیشانی پر لب رکھ کے سسک اٹھی تھیں۔

''سین.....'' بھاری پشتون لہجے پر وہ دونوں بری طرح چونکی تھیں۔ سین نے بے ساختہ اس طرف مڑ کر دیکھا اور سکتے میں آگئیں۔

''جنت بی بی.....'' وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی تھیں۔ دیدے نے آگے بڑھ کر انہیں سینے سے لگا لیا تھا۔ دونوں ایک بار پھر سے سسک اٹھی تھیں۔ لالہ اور باریال خود حیران تھے۔ ضیا کے چہرے پہ البتہ اطمینان تھا۔ جیسے وہ اس سب سے پہلے سے واقف ہو.....

''لالہ.....'' دیدے تو خوشی سے بول نہیں پا رہی تھیں۔

''جی بی بی..... لالہ میری ہی بیٹی ہے۔''

''دیدے یہ.....؟'' باریال ماں کے پاس آیا۔

''یہ تمہاری پھپھو ہیں باری..... چھوٹی پھپھو، سین ..... بتایا تو تھا تمہیں.....'' اور سین نے پہلی بار اسے خود سے لگایا تھا۔ زریاب لالا کی واحد نشانی..... ان کے خاندان کا اکلوتا چشم و چراغ.....

سب کچھ ایک دم سے کتنا مکمل ہو گیا تھا۔ وہ سب مسکرا رہے تھے اب..... اور ضیا علی خان کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ اس کا ملیت میں ان کی شراکت بھی ہو سکتی تھی اگر ان کے باء نے محبت کا بیج بویا ہوتا۔ لیکن انہوں نے تو خار بوئے تھے..... جو اب ان سب کو کاٹنے تھے کہ یہی مکافاتِ عمل ہے۔ ان سب کو مسکراتا چھوڑ کر وہ باہر نکل آیا تھا۔

☆☆☆

سہراب علی خان نے جیت حاصل کی تھی اور شاندار جیت حاصل کی تھی۔ کتنے ہی علاقے فائرنگ اور ضیا علی خان کے نام سے گونج اٹھے تھے۔

سہراب علی خان بے حد خوش تھے۔ وہ بار، بار ضیا کا نمبر ملاتے رہے تھے لیکن ضیا ہر بار..... ''باء ابھی بہت بزی ہوں بعد میں کال کرتا ہوں۔'' کہہ کر کال کاٹ دیتا۔ زندگی کی اتنی بڑی خوشی سہراب علی خان نے اکیلے منائی تھی۔ صرف غیر بدرگوں کے ساتھ.....

☆☆☆

سفید رنگ کے سادہ سے کپڑوں میں ملبوس وہ عورت بے حد نفیس اور خوب صورت تھی۔ اس کا شوہر بھی اس کی طرح ہی باوقار شخصیت کا حامل تھا۔

''حال ہی میں ہم یہاں فارم ہاؤس میں شفٹ ہوئے ہیں اور ڈاکٹرز کے مطابق میں ماں نہیں بن سکتی تبھی ہم نے بچہ ایڈاپٹ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ڈاکٹر رابعہ ہمیں اچھی طرح جانتی ہیں تبھی انہوں نے ہمیں بتایا آپ کے بارے میں تو ہم ان کے تھرو ہی آپ سے ملنے آگئے۔''

وہ بولتی بھی بہت پیارے سے انداز میں تھی۔

باریال کو وہ بچے کے لیے پرفیکٹ کپل لگا تھا۔ لالہ نے بچے کو دیکھا تک نہیں تھا۔ سو اب بچے کو رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اچھا تھا لالہ کے لیے بھی اور باریال بھی اب اسے زندگی کی طرف آسانی سے واپس لا سکتا تھا۔ یہ بچہ ساتھ رہتا تو شاید لالہ اس حادثے کے حصار میں رہتی۔ اس نے ڈاکٹر رابعہ کی تسلی کے بعد بچہ ان کے حوالے کر دیا تھا۔

اسپتال سے باہر آتے ہی وہ بلیک شیشوں والی کرولا میں سوار ہوئے اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

''لالہ نے تو بچے کو دیکھا تک نہیں ضیا۔'' زمرمہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے تاسف سے کہا۔

''وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے اور اسے بھی میرے وجود کا حصہ سمجھو زمرمہ۔'' اس نے لب کچلتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''تم دونوں پر کسی کو شک تو نہیں ہوا؟'' ضیا نے اب ابراہیم سے پوچھا۔



Digitized by Google

''ڈاکٹر رابعہ کی تسلی کافی تھی۔ وہ ہمارے کپل کو جانتی ہیں، یہ بات باریال کے لیے تسلی بخش تھی۔'' ابراہیم نے جواب دیا۔

''زمزمہ اب یہ بچہ تمہارے پاس میری اور لالہ کی امانت ہے۔ اسے باریال کی طرح بنانا، ضیا کی طرح نہیں...... تاکہ کوئی لالہ اس سے نفرت نہ کرسکے۔''... دائیں ہاتھ سے آنکھیں صاف کرتے اس نے سائڈ پہ گاڑی روکی اور نیچے اتر گیا۔

''انہیں فارم ہاؤس پہنچا دینا۔ میں خود آجاؤں گا۔''

ابراہیم نے اس کی حالت کے پیشِ نظر چپ چاپ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ ضیا علی خان کو اس وقت تنہائی چاہیے تھی۔ وہ گاڑی بڑھا لے گیا تھا......

☆☆☆

بچے کے ننھے سے ہاتھ تھامے وہ کتنی دیر ان پہ لب جمائے بیٹھا رہا۔

''کیا نام رکھو گے اس کا؟''

''ابدال...... ابدال ولی خان۔''

''ولی خان۔'' وہ چونکی۔

''ہاں ولی خان...... کیونکہ اسے لالہ نے جنم دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ولی خان کی نسل جیسا ہی صاف ستھرا نکلے یہ۔''

''خون تو تمہارا ہے...... پاگل۔'' زمزمہ مسکرائی۔

''کوکھ تو لالہ کی تھی...... پھر میں بھی اتنا برا نہیں ہوں۔'' اس کی نم آنکھیں اب ننھے سے ہاتھ پہ رکھی تھیں۔ جیسے وہ آنسو چھپا رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں خان......''

''کاش لالہ جانتی......'' وہ آنکھیں صاف کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''خیر...... میں نے یہ فارم ہاؤس اور شہر کی ایک دو اچھی دکانیں تمہارے نام کردی ہیں۔ ابراہیم باقی سب بھی تمہیں سمجھا دے گا۔''

''ابراہیم...... مطلب......؟'' زمزمہ تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس آئی۔ ''آپ کہیں جارہے ہیں؟''

# حکمت کے نسخے

## دانتوں کے کیڑے

چنبیلی کے پتوں کو چبائیں روزانہ آپ کے دانتوں میں درد یا کیڑا نہیں ہوگا۔

## ذیابیطس (شوگر)

1۔ کریلا، ایک تولہ۔ نیم کی کونپلیں، ایک تولہ، جامن کی گٹھلی، ایک تولہ کا سفوف بنائیں اور رات کو بھگو دیں صبح نہار منہ پی لیں اور دعا کریں۔

روزانہ پالک کثرت سے کھائیں۔ تین عدد چکوتروں کا رس روزانہ پئیں۔ ہرگ لسوڑہ 8 عدد بھگو دیں صبح چھان کر پی لیں۔ صبح بھگوئیں شام کو پی لیں 20 سے 30 دن کریں شوگر نارمل ہوگی......

ان شاءاللہ

2۔ کلونجی 10 تولہ، برگ سنا کی 10 تولہ تخم میتھی 10 تولہ سب کو باریک پیس کر رکھیں صبح شام پانی کے ساتھ ایک ٹی سپون لیں، آپ کی شوگر کنٹرول ہوگی۔

## دمہ کے مریض

آج کل یہ مرض عروج پر ہے۔

بانس کے سبز پتے 2 کلو لیں اور 4 کلو پانی میں ملا کر (2 کلو چینی ڈالیں) جب پانی 1 کلو رہ جائے تو چھان لیں۔ اس طرح شربت تیار کرلیں۔ صبح شام ایک کپ لیں، دمہ سے نجات ہوگی۔

از: بیگم کاظمی، راولپنڈی



Digitized by Google

وہ کچھ بولا نہیں۔ بس کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر آہستگی سے بڑے وقار سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور خود سے لگالیا۔

''اپنا خیال رکھنا زمرمہ..... اور یاد رکھنا، تم لالہ کی طرح ہی ہو۔ بس تم بھٹک گئیں وہ بھٹکی نہیں۔ میں تم سب کو اللہ پاک کے حوالے کرتا ہوں۔'' ضبط سے کہتا وہ باہر نکل گیا تھا۔ زمرمہ پکارتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

سہراب علی خان جیت کے بعد پہلی بار کسی بڑے مجمع سے خطاب کر رہے تھے کہ دوران خان کی کال موصول ہوئی۔ دوران چونکہ ضیا کے حوالے سے ہر خبر دیتا تھا تو انہوں نے مائیک منشی کے حوالے کر کے فوراً کال پک کی تھی۔

''خان..... چھوٹے خان نے پریس کانفرنس رکھی ہے کچھ دیر بعد۔''

''کیا مطلب؟'' انہیں سمجھ ہی نہیں آئی۔

''پورے ملک کے چینلز اور نیوز پیپرز کو دعوت ہے خان، مجھے تو گڑبڑ لگتی ہے کچھ۔'' دوران فکرمند تھا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ بہت سمجھدار ہے میرا بیٹا۔''

''لیکن خان.....؟''

''تم بس اس پہ نظر رکھو۔ اور مجھ سے رابطے میں رہنا۔''

''جی خان۔'' انہوں نے کال بند کر دی تھی لیکن اب چہرے پر اطمینان کی جگہ سوچ کی گہری چھاپ تھی۔

☆☆☆

یہ نیویارک کی ایک تنگ گلی کے تنگ ہوٹل کا بیسمنٹ تھا۔ جہاں ہر سنڈے شباب و شراب میں لوگ اپنے درد گم کرنے آتے۔ وہ اکثر یہاں اپنا غم بھلانے آیا کرتا تھا لیکن حیرت انگیز طور پہ نہ تو اسے کبھی شراب کی طلب ہوتی تھی نہ ہی شباب کی۔ وہ خود ان دونوں میں کھو جانا چاہتا تھا۔ لیکن ایسا کیوں نہیں ہوتا تھا وہ نہیں جان پاتا تھا۔ بس جوس آرڈر کرتا ساری رات گزارتا وہاں کے لوگوں کو دیکھتا اور صبح ہوتے ہی نکل جاتا.....

آج بھی وہ یہی کر رہا تھا۔ جب اس کی نظر اس لڑکی پہ پڑی۔ جسے دو غیر ملکی لڑکے نشے کی حالت میں زچ کر رہے تھے۔ وہ بے حد خوب صورت تھی اور پاکستانی تھی وہ پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا۔ وہ اکیلی تھی اور نشے سے اس کی حالت بھی غیر تھی..... شاید تبھی وہ دونوں اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اسے بس چند سیکنڈز لگے تھے۔

وہ اٹھا اور اس لڑکی کے قریب جا کے اس کی کمر کے گرد بازو پھیلا دیے۔

''کیا یار کہاں چلی گئی تھیں تم۔ کب سے ویٹ کر رہا ہوں۔'' اس نے اس قدر مضبوطی سے اسے خود سے لگایا تھا کہ نہ تو وہ مزاحمت کر سکتی تھی نہ ہی کسی کو بتا سکتی تھی کہ وہ اسے نہیں جانتی۔ وہ اوباش لڑکے فوراً سائڈ پہ ہو گئے تھے۔

اس نے لیمن جوس آرڈر کیا اور اسے اپنے قریب بٹھالیا۔ لیمن جوس لینے کے بعد وہ کچھ سنبھل گئی تھی۔

''مجھے گھر چھوڑ دیں۔'' کافی دیر بعد وہ ہی بولی تھی۔

''چلیں۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ کا نام؟'' راستے میں اس نے پوچھا

''عبداللہ..... اور آپ کا.....؟''

''امن..... امن سکندر خان..... آپ اکیلے ہیں؟'' اس نے اپنا نام بتا کر فوری سوال کیا

''جی۔'' سادہ سا جواب آیا۔

''آپ بھی اکیلی ہیں اور شاید بکھری ہوئی بھی۔''

''جی.....'' امن نے بھی مختصر جواب دیا۔

''دوسروں کے لیے خود کو ضائع نہیں کرتے۔ سمیٹ لیں خود کو۔'' عبداللہ نے مشورہ دیا۔

''دوست ہوتا کوئی تو سمیٹ لیتا۔ بندہ خود کہاں خود کو سمیٹ سکتا ہے۔'' امن مایوس تھی۔

''دوستی کریں گی مجھ سے؟'' عبداللہ نے کچھ پل سوچا اور بولا۔

''آپ سے..... رئیلی؟''

''جی۔'' وہ مسکرایا..... سادہ سا مضبوط مرد اور ویسا ہی سادہ مگر مضبوط لہجہ.....



Digitized by Google

"بالکل۔" امن انکار نہیں کر سکی تھی۔ اسے محسوس ہوا تھا۔ وہ اس کے ساتھ خود کو محفوظ تصور کر رہی تھی۔ جیسے باری کے ساتھ کرتی تھی۔ اور یہ اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اور اس بار وہ دیر نہیں کرنا چاہتی تھی اب وہ دونوں اپنی، اپنی زندگی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے...... سارے سچ...... انہیں ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپانا تھا۔ کیونکہ وہ بہترین دوست بننے جا رہے تھے...... وقت مسکرایا تھا۔ کہ وہ یہ سب پہلے سے جانتا تھا۔

☆☆☆

ضیا علی خان کی شام کی پریس کانفرنس نے قیامت مچادی تھی۔ اس نے نہ صرف اپنے جرم کا اعتراف کیا تھا۔ بنا لڑکی کا نام ظاہر کیے بلکہ باپ کے سارے گناہ اور ان کے خلاف ٹھوس ثبوت بھی پیش کر دیے تھے۔ اس نے نہ صرف خود کو قانون کے حوالے کرنے کا اعلان کیا تھا بلکہ عدالتِ عظمیٰ سے اپیل کی تھی کہ اس کے باپ کے خلاف بھی کارروائی کر کے انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس لڑکی کا ریپ اس سے نشے میں سرزد ہوا۔ ورنہ وہ قابلِ احترام تھی اور رہے گی۔ ہر طرف جیسے کہرام برپا ہو گیا تھا۔

لالہ...... باریال اپنے آفس میں...... ویدے، سیبن، اوز گل، باہ، مینہ، زمزمہ سب سکتے میں تھے۔ باریال فوراً آفس سے نکلا تھا۔ لالہ نے اس کا اپنا نام چھپا جانے پر اور ساری حقیقت سننے کے بعد اسے دل سے معاف کیا تھا۔

اس نے چپکے سے باریال کے موبائل سے ضیا کا نمبر نکالا تھا۔ اسے ایک مجرم کو اس کے اعتراف پہ مبارک باد دینی تھی اور جو جرم اس سے کروایا گیا تھا بنا خواہش کے اس کی معافی دینی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی ضیا کے نمبر پہ رنگ جا رہی تھی۔

☆☆☆

رات تاریک تھی اور سرد بھی۔ ابراہیم اور مینہ ہاتھ تھامے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ کچھ سال پہلے والا ہی منظر تھا لیکن اب ان کے پیچھے آنے والا کوئی نہیں تھا۔

عظیم الشان اسٹڈی کی جھولتی چیئر پہ بیٹھا حیران پریشان مرد بار، بار کسی کو فون ملا رہا تھا لیکن کوئی اس کا فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ تبھی بھاری دروازہ شور سے کھلا اور اوز گل اندر آتی دکھائی دی۔

☆☆☆

ضیا علی خان کی کرولا فارم ہاؤس کی طرف رواں دواں تھی۔ اسے سب سے ایک بار ملنا تھا کہ تبھی موبائل بجا۔ اس نے ایک نظر ڈالی۔ نیا نمبر تھا۔ اس نے کال پک کر لی۔

"میں نے تمہیں معاف کیا ضیا...... کاش تمہارا باپ تمہیں ہی بخش دیتا......"

"لالہ......" وہ بے اختیار پکار اٹھا تھا۔ تبھی اچانک دو بڑی سی وین سامنے آئے تھے۔ ضیا کے پاؤں بریک پہ پڑے تھے۔ ٹائر چرچرائے تھے۔ گاڑی جھولتی ہوئی فٹ پاتھ پہ چڑھ گئی تھی۔ اس کی سائڈ والا دروازہ کھل گیا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو ضیا۔" لالہ نے پریشانی سے پوچھا۔ مسکرایا۔

"اب تو موت بھی آجائے تو غم نہیں لالہ......"

اور تبھی تیز گرم سلاخ سی اسے سینے میں گھستی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ وہ دوران اور اس کے وہی بدرگے تھے۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"خوش رہو لالہ۔"

"ضیا......" وہ چلائی تھی۔ دوران نے دوبارہ ٹریگر دبایا تھا۔

"اوئے۔" پیچھے باریال کی گاڑی آئی تھی۔ اس نے آواز دیتے ہی فائر کھول دیا تھا۔ اسے اسی کی امید تھی۔ وہ تیزی سے گاڑی میں سوار ہوئے بھاگ گئے تھے۔ باریال تیزی سے ضیا کی طرف آیا۔ اور اسے اٹھا کے اپنی گاڑی کی طرف لے جانے لگا......

☆☆☆



Digitized by Google

''کس کا نمبر ملا رہے ہیں باء؟'' وہ آکر ان کی گود میں سر رکھ کے زمین پہ بیٹھ گئی۔

''دوران کا..... مینے کا..... ابراہیم کا..... آج کوئی بھی فون نہیں اٹھائے گا۔''

''بس دوران اٹھالے... وہ ضیا کو کچھ نہ کہے۔'' وہ تڑپے۔

''کیوں باء..... آپ تو بڑے اونچے کھلاڑی ہیں ناں..... تو آج یہ گھبراہٹ کیوں۔ آج آپ کا مقابلہ قدرت سے ہوگیا اس لیے؟'' وہ عجیب سا مسکرائی... باء خاموش رہے۔

''ویسے باء میں نے آج حساب لگایا..... اور میں حیران رہ گئی۔ آپ کے حساب سے تو آپ نے گیم کھیل لی۔ پہلے زریاب..... پھر سبین اور پھر نگین..... کتنا مکمل کھیل تھا ناں۔ لیکن وقت کا حساب دیکھیں باء۔'' وہ لمحے کو رکی ''اب کس کو چنا ہے قدرت نے..... آپ کو نہیں باء..... ضیا کو..... گل مینہ کو..... اوزگل کو..... اٹھیں باء..... حکم دیں..... جاؤ مینہ اور ابراہیم کو ڈھونڈ کے قتل کردو.....'' وہ ہنسنے لگی۔

''زریاب..... ضیا..... سبین..... مینہ..... اللہ لوک..... اوزگل..... کتنی زبردست رہی ناں یہ داستان..... ہاہاہا انصاف ہوگیا..... اتنا مکمل..... ہاہاہا تیری حد تک گئی..... تیری حد تک گئی.....'' وہ قہقہے لگانے لگی۔ اس کے خوب صورت گلابی ہونٹوں سے رال بہنے لگی اور موٹی، موٹی آنکھیں عجیب وحشت زدہ سی ہوگئیں۔ وہ تالیاں بجاتی اٹھی اور باہر بھاگ گئی۔

''حد تک گی..... حد تک گئی۔''

سہراب علی خان کا فون مسلسل بجنے لگا تھا۔ انہوں نے مری مری سی نگاہ ڈالی۔ دوران تھا۔ انہوں نے فوراً کال پک کی۔

''آپ سے غداری صرف موت ہے خان۔ چھوٹے خان کو سزا مل گئی ہے۔''

فون ان کے ہاتھ سے زمین پہ جا گرا تھا۔

انہوں نے گود میں رکھا ریوالور اٹھایا اور کنپٹی پہ رکھ کر ٹریگر دبا دیا..... اس فائر کی آواز سے لال حویلی کی چھت پہ بیٹھے سارے کالے گدھ اور چیلیں اڑ گئے تھے۔

☆☆☆

قدرت کا انصاف مکمل تھا۔ سب کچھ حق داروں کو لوٹا دیا گیا تھا۔ لال حویلی ابراہیم، اوزگل، مینہ کو سونپ دی گئی تھی۔ سبین، صنوبر اور اللہ لوک بھی ان کے ساتھ تھیں۔ باقی سب قیدیوں کو بھی زندگی کی ہر سہولت دے دی گئی تھی۔ باریال، ضیا کو نہیں بچا سکا تھا اور اسے پہلی بار پتا چلا تھا کہ ضیا ہی اس کا بھائی تھا جسے وہ واقعی بچانا چاہتا تھا لیکن بچا نہیں سکا تھا..... اور یہ ملال اب ساری عمر ساتھ رہنا تھا۔

زمزمہ نے سب کو بتایا تھا کہ وہ ضیا کی بیوہ ہے۔ باریال اسے ضیا کے حوالے سے جان کر اور بھی خوش ہوا تھا۔ اور لالہ سے یہ بات چھپالی گئی تھی کہ وہ بچہ لالہ کا ہی بیٹا ہے۔ اسے ضیا اور زمزمہ کا بیٹا بتایا گیا تھا۔

باریال نے لالہ اور دیدے کے ساتھ اپنے گھر میں رہنا ہی پسند کیا۔

ضیا کی قبر اس کی وصیت کے مطابق فارم ہاؤس میں ہی بنائی گئی تھی اور واقعی اس کی قبر خوش قسمت تھی اس سے زیادہ کہ وہاں لالہ ہر جمعرات نہ صرف دیا جلاتی بلکہ اس کے لیے دعا بھی کرتی تھی.....

محبت لفظ ہے لیکن..... کبھی کبھی یہ ساری قسمت کو حصار میں لے لیتی ہے، جکڑ لیتی ہے..... اور آخری دم لے کے ہی ہمیں محبت کے قابل بنا دیتی ہے..... ضیا علی خان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا..... وہ اب لالہ کی نظروں میں سرخرو تھا..... جب نہ سانسیں رہی تھیں نہ زندگی..... ہاں مگر وہ اِک لفظ باقی تھا.....

وہی ہے ناں ایک لفظ ''محبت''

ختم شد.....

''آلو لے لو، پیاز لے لو، ٹماٹر لے لو بھنڈی لے لو، اورک لے لو، مرچیں لے لو، دھنیا لے لو..... سستے دام میں آجاؤ باجی سبزی لے لو۔ سبزی ہے تازہ، ساری کی ساری لے لو.....''

سبزی والے کی آواز پر سارہ باہر نکلی تو سامنے والی اس کی ہمسائی افشاں بھی سبزی والے کے پاس کھڑی نظر آئی۔

''بھائی! دو کلو آلو، ایک کلو پیاز اور آدھا کلو کریلے اور ٹماٹر۔'' افشاں نے سبزی کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے سبزی والے سے کہا۔

''اور دیکھو صاف ستھری سبزی ڈالنا، گلی سڑی نہ ڈال دینا..... کریلے بھی درمیانے سائز کے ہوں، زیادہ بڑے نہ بالکل چھوٹے، چھوٹے.....'' افشاں

Digitized by Google

مزید ہدایات دیتے ہوئے بولی۔

''باجی! آپ فکر نہ کریں۔ کوئی شکایت نہیں ہوگی آپ کو۔ آپ کی مرضی کے مطابق ہی ہوگی ساری سبزی۔ روز ہی جی تازہ سبزی لاتا ہوں۔''

سبزی والا افشاں کو تسلی دے کر جلدی، جلدی اس کی مطلوبہ سبزی تولنے لگا۔ باقی گاہک کھڑے انتظار کررہے تھے۔

''اچھا ذرا دھنیا اور ہری مرچیں بھی ڈال دینا تھوڑی سی۔'' افشاں اسے سبزی شاپر میں ڈالتے دیکھ کر بولی۔

''جی اچھا باجی.....!'' اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔

''کتنے پیسے ہوگئے؟'' افشاں نے شاپر ہاتھ میں پکڑ لینے کے بعد پوچھا۔

''دوسو چالیس روپے ہوگئے جی آپ کے۔''

اس نے حساب لگا کر بتایا۔

''ارے بھائی میں نے لیا ہی کیا ہے۔ جو اتنے زیادہ پیسے بنا دیے تم نے؟'' وہ حیران ہوئی۔ اور ساتھ ہی اپنے شاپر میں موجود سبزی کا جائزہ لینے لگی۔

''باجی! بالکل جائز اور مناسب قیمتیں لگائی ہیں۔ سبزی بھی تو دیکھیں کتنی تازہ ہے۔'' سبزی والا منمنایا۔

''ارے جانے دو! میں جیسے جانتی نہیں، یہی سبزی، منڈی سے لینے جاؤ تو آدھی قیمت پر مل جائے۔ دھنیے اور سبز مرچ کے پیسے تو ہرگز نہیں دوں گی میں۔ اتنے مہنگے ریٹ لگائے ہیں سب چیزوں کے، اب کچھ تو بچت کرنے دو ہمیں بھی۔''

افشاں اونچی آواز میں اس سے ریٹ کم کرانے کے لیے بحث کرنے لگی۔

''یہ پکڑو پیسے اور اب بس اور بحث نہ کرنا۔''

افشاں نے سو کے دو مڑے تڑے سے نوٹ سبزی والے کو تھمائے اور شاپر اٹھائے جانے لگی۔ سبزی والا بھی اس کی کج بحثی کی عادت سے واقف تھا، اس لیے خاموش ہوگیا۔

جاتے، جاتے افشاں کی نظر سارہ پر پڑی تو اچانک سے جیسے اسے کچھ یاد آگیا۔

''سارہ! عصر کے بعد تیار رہنا، شاپنگ کے لیے چلیں گے، بڑی زبردست کلیکشن آئی ہوئی۔''

اس نے ایک مشہور برانڈ کا نام لیتے ہوئے سارہ کو یاد دہانی کرائی۔

سارہ نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا اور سبزی لینے لگی۔

گھر کے باقی کام تو وہ کرہی چکی تھی، بس ہنڈیا بنانی تھی۔ بچے دو بجے تک اسکول سے آجاتے تھے۔ ان کو کھانا دے کر وہ سلا دیتی تھی، اس لیے عصر کے وقت عموماً فارغ ہی ہوتی تھی کہ پھر بچے ٹیوشن چلے جاتے۔

☆☆☆

شام سے کچھ پہلے وہ دونوں شاپنگ کے لیے نکلیں..... سڑک پر آکر سارہ نے ایک رکشے والے کو روکا کہ پیدل جانے میں کافی دیر ہوجاتی۔

''فلاں مارکیٹ تک جانا ہے۔ کتنے پیسے لو گے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''دوسو روپے لوں گا باجی.....'' رکشے والے نے عجلت بھرے انداز میں جواب دیا۔

''کیا؟ دوسو روپے؟ یہ تو بہت زیادہ ہیں بھائی۔ یہ سامنے تو مارکیٹ ہے، ہم پیدل بھی جاسکتے ہیں۔'' افشاں تو چلا ہی اٹھی۔

''تو باجی پیدل ہی چلی جائیں، کس نے روکا ہے؟'' رکشے والا بھی جلا بھنا بیٹھا تھا شاید تبھی بدلحاظی سے بولا۔

''نہیں جانا تو صاف کہو، ہم کوئی اور رکشا دیکھ لیتے ہیں۔'' افشاں کو بھی ایک دم غصہ آگیا۔

اسی اثنا میں ایک اور رکشے والا آگیا۔ سارہ نے اس کو ہاتھ دے کر روکا۔

مطلوبہ جگہ کا بتا کر ایک بار پھر سے افشاں اپنی عادت کے مطابق اس سے کرایہ کم کرنے کا تقاضا کرنے لگی۔ بہت مشکل سے سارہ نے بحث سے جان چھڑائی اور رکشے والے کو مطلوبہ دکان کے سامنے اتارنے کا کہا۔

''تم تو بات بھی نہیں کرنے دیتی ہو۔ ابھی اور بحث کرتی تو سو روپے پر بھی مان جانا تھا اس نے۔''


Digitized by Google

افشاں کو لگ رہا تھا کہ رکشے والے نے ان سے بہت زیادہ پیسے لے لیے ہیں، اتنا کرایہ بنتا نہیں تھا۔

''بس بھی کردو افشاں..... اور کتنی بحث کرتے اس سے۔ آدھا ٹائم تو تم نے اِدھر ہی ضائع کردیا۔ اب جلدی سے چلو اندر تاکہ کچھ خریداری بھی ہو سکے۔'' سارہ شدید جھلاہٹ کا شکار تھی۔

آؤٹ لیٹ میں داخل ہوتے ہی اے سی کی ٹھنڈی ہوا وجود سے ٹکرائی تو مزاج کی گرمی یکلخت ہوا ہوگئی۔ افشاں تو جلدی جلدی سوٹ دیکھنے میں مگن ہو گئی۔ جبکہ سارہ اپنے اطراف کا جائزہ لینے لگی۔ ونٹر سیزن کا آغاز تھا لیکن آؤٹ لیٹ پر بہت رش تھا۔ ایسے جیسے یہاں کپڑے مفت بٹ رہے ہوں۔

''جانے لوگ کیوں مہنگائی کا رونا روتے رہتے ہیں..... یہ ہمارے جیسے مڈل کلاس لوگ ہی ہیں جو یہاں شاپنگ کرنے آئے ہیں۔ شاید ہم نے اپنا طرزِ زندگی بدل لیا ہے۔ بہت سی آسائشات کو ہم نے اپنی ضروریات میں شامل کرلیا ہے..... اب ہمیں عام سی لوکل چیزیں اٹریکٹ نہیں کرتیں۔ ہمیں ہر چیز اعلیٰ پائے کی چاہیے۔ مہنگے کپڑے، مہنگے جوتے، مہنگے کھانے اور اس طرزِ زندگی کی یہ تبدیلی ہماری آنکھوں کو تو ضرور بھلی لگتی ہے لیکن ہماری جیب پر بہت بھاری اثر ڈالتی ہے..... صرف اپنی انا کی تسکین کی خاطر ہم خود کو خوار کرتے پھرتے ہیں۔ برانڈڈ کپڑے، برانڈڈ جوتے ہر معاملے میں اتنے برانڈ کانشس ہو چکے ہیں کہ کبھی، کبھی تو لگتا ہے کہ ہم خود بھی ایک چلتا پھرتا برانڈ ہی بن کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے قیمتی ہونے کا تعین ہمارے اخلاق اور کردار سے نہیں بلکہ ہمارے تن پر موجود کپڑوں اور پیروں میں پہنے جوتوں اور ہاتھ میں لیے بیگز سے کیا جاتا ہے۔'' سارہ کا ذہن منتشر سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔

''یہ دیکھو سارہ.....! کلر کتنا فریش ہے ناں۔ مجھے یہ اچھا لگ رہا ہے۔'' افشاں نے سارہ کو ٹہوکا دیتے ہوئے ایک سوٹ کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی۔

''ہاں پیارا ہے۔'' سارہ غائب دماغی سے بولی۔

''لے لوں پھر؟'' افشاں نے جیسے آخری فیصلہ کرنے سے پہلے پوچھا۔

سارہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سیلز مین کو فریش پیس نکالنے کا کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی اور ایمبرائڈ کلیکشن دیکھنے لگی۔ ایک سوٹ وہاں بھی پسند آ گیا اس کو۔ وہ اپنی شاپنگ سے مطمئن نظر آ رہی تھی۔

''تم کچھ نہیں لو گی؟'' افشاں نے سارہ سے استفسار کیا جو خاموشی سے اس کے ساتھ، ساتھ چل رہی تھی۔

''نہیں، میرا ارادہ نہیں تھا شاپنگ کا۔ صرف تمہارے لیے آ گئی۔'' اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

''شکریہ تمہارا..... چلو پھر بل بنوالیں۔ شام ہو رہی ہے۔ زیادہ دیر نہ ہو جائے۔'' افشاں سارہ سے کہتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی جہاں پہلے سے ہی

## پیانو

ایک شادی شدہ جوڑا ہنی مون پر جانے کے لیے ائرپورٹ پر پہنچا تو دلہن نے اپنے شوہر سے کہا۔

''کاش ہم اپنا پیانو بھی ساتھ لے آتے۔''

''پیانو.....؟'' شوہر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''بھلا پیانو ساتھ لانے کی کیا تک ہے۔''

''وہ دراصل جہاز کے ٹکٹ پیانو پر رکھے ہوئے تھے۔'' دلہن نے جواب دیا۔

از: صبا سجاد، دبئی

## مشورہ

ایک خاتون نے گلوگیر آواز میں اپنی پڑوسن کو بتایا۔

''میرا شوہر مجھ سے زیادہ اپنی ماں سے محبت کرتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اگر میں اور میری ساس دونوں ڈوب رہی ہوں تو وہ پہلے کسے بچائے گا تو اس نے جواب دیا کہ وہ اپنی ماں کو پہلے بچائے گا کیونکہ اس کا زیادہ حق بنتا ہے۔ بتاؤ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''تمہیں تیراکی کیمپ جوائن کرلینی چاہیے۔'' پڑوسن نے جواب دیا۔

از: صبا نور، لیہ



Digitized by Google

ایک لمبی لائن لگی ہوئی تھی۔

کاؤنٹر پر افشاں کو دس ہزار سے زائد کا بل مسکراتے ہوئے اور بغیر کسی بحث کے جمع کراتے دیکھ کر سارہ حق دق رہ گئی۔

واپسی پر سارہ نے حیرت سے پوچھا۔

''افشاں! ویسے تو تم اتنا بھاؤ تاؤ کرتی ہو، دس ہزار کے سوٹ لیتے وقت کیوں کچھ نہیں بولیں؟''

''ہاں تو یہ تو برانڈڈ سوٹ ہیں ناں! انٹرنیشنل لیول کی کوالٹی ہے تو ریٹ بھی ویسا ہوگا۔ ویسے بھی یہاں ریٹ فکسڈ ہوتے ہیں، بحث کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ لوکل مارکیٹ میں ایسا کپڑا کہاں ملتا ہے۔ اور ایسے پرنٹس بھی۔ جہاں تک بات ہے ان چھوٹے دکانداروں کی تو یہ طبقہ تو لوٹنے بیٹھا ہے۔ اپنی مرضی کا ریٹ لگاتے ہیں اور ان کو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔ اسی لیے تو ان سے بحث کرنی پڑتی ہے۔''

افشاں نے نخوت سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''لیکن افشاں سوچو تو سہی، اپنی انا کی تسکین اور واہ، واہ کے لیے ہم ہزاروں خرچ کر سکتے ہیں لیکن کسی محنت کش کی جیب میں دس روپے بھی فالتو چلے جائیں تو ہمیں یہ گوارا نہیں۔ کیا یہ مختلف برانڈز کے مالکان اپنا منافع نہیں لیتے ہوں گے؟ وہ بھی مارکیٹ میں بزنس کرنے بیٹھے ہیں۔ مفت تو ہمیں کچھ نہیں دیتے ناں، وہ سرمایہ زیادہ لگاتے ہیں تو منافع بھی دُگنا یا تین گنا ہی حاصل کرتے ہیں..... جبکہ اس کے برعکس یہ غریب مزدور طبقہ سارا دن محنت کر کے ہی اس قابل ہوتا ہے کہ اپنے خاندان کی بنیادی ضروریات پوری کر سکے۔ بعض اوقات تو دو وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی ان بیچاروں کو۔ سارا دن دھوپ میں جلتے ہیں... تاکہ حق حلال کی کمائی کر سکیں..... ضروریاتِ زندگی پوری ہو جائیں، اسی پر شاکر رہتے ہیں، مہنگی آسائشوں کا تو سوچ بھی نہیں سکتے یہ لوگ..... کہیں یہ ہم ہی تو نہیں ہیں کہ جن کے اس روپے کی وجہ سے امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ کبھی سوچا تم نے اس بارے میں۔''

سارہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔ افشاں اچھی طرح جانتی تھی کہ سارہ ایک سگھڑ اور کفایت شعار عورت ہے مگر برے حالوں سے کبھی باہر نہیں نکلی..... جو بھی اوڑھتی، پہنتی اس پر خوب جچتا تھا جبکہ افشاں ایک سے ایک برانڈڈ جوڑے پہن کر بھی غیر مطمئن ہی رہتی ہے۔

''لیکن ایک ہماری سوچ سے کیا ہوگا؟'' افشاں اس کی باتوں سے بیزاریت کا شکار ہوئی۔

''بھئی ہماری یہ سوچ بدلے گی تو معاشرہ بھی بدلے گا..... کیونکہ یہ ہم ہی تو ہیں جو مل کر معاشرے کو بناتے یا بگاڑتے ہیں۔ ہمیں معاشرے کی بہتری کے لیے اپنی، اپنی سوچ کو بدلنا ہوگا..... کیوں ہم اندھا دھند بھاگ رہے ہیں۔''

سارہ نے مزید کہا تو افشاں نے سر ہلا دیا۔

اب اس کو افسوس ہو رہا تھا۔ سارہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی.....

''یہ مہنگے سوٹ خریدنے کا مقصد یہی تھا کہ جاننے والوں میں واہ، واہ ہو رشتے داروں پر پیسے کا رعب پڑے وغیرہ، وغیرہ۔''

''چند تعریفی جملے سننے کے لیے ہم کیا کچھ کر نہیں گزرتے ہیں..... اپنی جیب کا بھی خیال نہیں کرتے۔''

افشاں کو کسی سوچ میں غلطاں دیکھ کر وہ مزید بولی۔ ''یہی پیسے اگر ہم کسی غریب کی مدد کرنے میں خرچ کر دیں ناں تو نہ صرف ہمارے حصے میں دعائیں آئیں گی بلکہ ذہنی سکون بھی حاصل ہوگا۔''

سارہ کی باتوں نے افشاں کی سوچ کو ایک نیا رخ دے دیا تھا۔

وہ یہی سوچتے، سوچتے گھر میں داخل ہوئی تھی کہ سبزی والے کے بیس روپے بچا کر یار رکشے والے سے لڑ مر کر اس نے آخر کتنا بچا لیا جبکہ یہ ہزاروں کے سوٹ بھی وہ محض ایک سیزن ہی پہنتی کیونکہ اگلے سیزن میں تو یہ پرانے ہو جاتے ناں.....



Digitized by Google

ناولٹ

# گلو کی چندا

شمیم فضل خالق

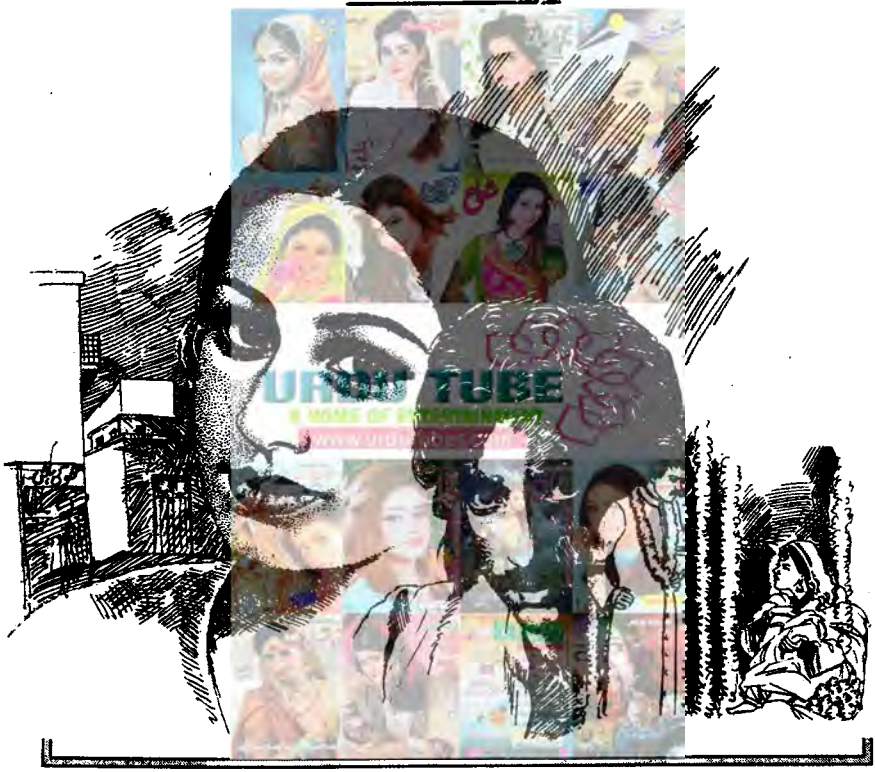

گلو بادشاہ کی آوارہ گردیاں جب زیادہ ہونے لگیں تو باپ نے سوچا کہ اسے کسی کام کاج میں پھنسا دیا جائے لیکن جو بھی کام شروع کرانے کا سوچتے تو بات پیسوں پر آن ٹوٹتی' پلے کچھ تھا ہی نہیں..... تین مرلوں کا مکان تھا جس میں ایک کمرا اندر کی طرف اور ایک باہر کی طرف تھا۔ باہر والے کمرے کے دو دروازے تھے ایک گھر کی طرف کھلتا تھا اور دوسرا باہر گلی میں..... کوئی ایسا مہمان آتا جس سے پردہ کیا جاتا تو گھر والا دروازہ بند کر دیا جاتا ورنہ اکثر باہر والا دروازہ بند رہتا..... بہت سوچنے کے باوجود جب باپ سے کچھ نہ بن پڑا تو انہوں نے گلو سے کہا کہ وہ کمرے کے باہر والے دروازے کے سامنے ایک میز رکھ دے اور اس پر چپس کے



Digitized by Google

پیکٹ..... ٹافیاں اور ایسا ہی کچھ سامان رکھ دے جو بچے پسند کرتے ہیں تو کچھ نہ کچھ تو کمائی ہوگی اور اس پر زیادہ پیسہ بھی نہیں لگے گا..... گلو کو اپنا یہ روزگار بہت پسند آیا۔ اس میں کہیں دور جانے کا سیاپا بھی نہیں تھا اور گلی میں بیٹھ کر آنے جانے والوں کا نظارہ بھی کیا جاسکتا تھا..... سو اگلے دن وہ اور ابا بڑے بازار گئے جہاں چیزیں تھوک کے بھاؤ ملتی تھیں، دونوں خوش، خوش واپس لوٹے کہ تھوک میں چیزوں کی قیمتیں بہت کم تھیں۔ ابا نے گلو کو سمجھایا کہ اسے یہ سب کس دام بیچنی ہیں اور اگلے دن اس نے میز پر اماں کے جہیز کا ریشمی میز پوش بچھا دیا اور ایک طرف ساری چیزیں سیٹ کر دیں، ایک کونے میں سرخ پھولوں کا گلدستہ بھی رکھ دیا..... اس دن تو برائے نام بکری ہوئی..... اگلے دن اس سے زیادہ..... پھر اس سے زیادہ، زیادہ کمائی چھٹی کے دن ہوتی تھی۔ تب بچے گھروں میں ہوتے تھے تو دوڑ، دوڑ کر آتے اور اپنی پسند کی چیزیں خرید کر لے جاتے..... اماں ایک ڈبے میں اس کی کمائی جمع کرتی رہتیں، ابا کے پوچھنے پر کہتیں۔

''میرے بیٹے کی کمائی ہے کیوں اسے ڈال دیے پر خرچ کروں.....''

اب تو گلو اور ابا کے بڑے بازار کے چکر بھی زیادہ لگنے لگے تھے۔ بکری جو زیادہ ہونے لگی تھی..... اماں اسے چیزیں احتیاط سے دیتیں..... باقی اشیا اپنی چارپائی کے نیچے چھپا کر رکھتیں، میز پر اشیا کم ہونے لگتیں تو وہ آواز لگاتا۔

''اماں، ٹافیوں کے پیکٹ دے جانا.....'' اماں لپک کر اسے ٹافیوں کے پیکٹ پکڑا دیتیں..... رحیم صاحب اور حلیمہ بیگم کی یہی تو دو اولادیں تھیں۔ گلو کا اصل نام گلاب دین تھا جو بگڑ کر گلورہ گیا تھا..... اماں پیار سے اسے بادشاہ کہتی تھی سو اس کا نام گلو بادشاہ پڑ گیا..... دوسرے بیٹے کا نام عامر خان تھا اماں نے ایک اداکار کے نام پر اس کا نام رکھا تھا اور اس کا نام بگڑنے نہیں دیا تھا۔ دوسرا بیٹا گلو سے پورے پانچ سال چھوٹا تھا۔ گلو نے ماں، باپ کی انتہائی کوششوں کے باوجود پڑھ کر نہیں دیا..... پڑھائی سے اس کی جان جاتی تھی لیکن عامر خان باقاعدگی سے اسکول جاتا تھا۔ اب وہ چھٹی جماعت کا طالب علم تھا..... اماں اور ابا کو گلو کے نہ پڑھنے کا بہت قلق تھا لیکن وہ اب کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ گلو کی پڑھائی سے جان جاتی تھی اب وہ اپنی دکان میں مست تھا..... رات کو پیسے اماں کی ہتھیلی پر رکھتا تو سینہ پھلائے رہتا..... اماں اسے میرا کماؤ بیٹا کہہ کر بار، بار سینے سے لگاتیں۔

روشنی اسی محلے کی لڑکی تھی..... ان کا بھی تین مرلوں کا گھر تھا..... روشنی کو پڑھائی کا بہت شوق تھا..... وہ صبح اسکول جاتی تو گلو کے گھر کے سامنے سے گزرتی تب گلو کی کوشش ہوتی کہ اس کے اسکول جانے سے پہلے دکان پر بیٹھ جائے..... وہ روشنی کی دید سے اپنی آنکھیں سینکتا رہتا..... حالانکہ روشنی بہت باحیا لڑکی تھی کبھی آنکھ اٹھا کر بھی گلو کی طرف نہیں دیکھا۔ گلو کو اس بات کی پروا نہیں تھی کہ وہ اس کی طرف دیکھتی ہے یا نہیں دیکھتی..... بلکہ ایک طرح سے وہ اسی لیے اسے پسند کرتا تھا وہ خوب صورت ہونے کے ساتھ، ساتھ باحیا بھی تھی۔ نظریں نیچی کیے وہ اسکول آتی جاتی رہتی..... اسے اردگرد کے ماحول سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

وقت کے ساتھ، ساتھ اس کا عشق فزوں تر ہوتا گیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ گلو کا سینہ عشق کی آگ میں جلنے لگا اب وہ مزید روشنی کی دوری برداشت نہیں کر سکتا تھا..... اس کی دکان اب خوب چل رہی تھی۔

اس رات گھر کے چاروں فرد کھانے پر بیٹھے تھے..... آج گلو کے گاہک بچے ہمیشہ سے بھی زیادہ آئے تھے..... تین بار اس نے اماں سے چیزیں منگوائی تھیں جو پل بھر میں ختم ہو جاتی تھیں۔ اسی خوشی میں اماں نے آج مٹر پلاؤ بنایا تھا..... اب سب مل کر کھا رہے تھے..... ابا کو مرزا کے گھر جانے کی جلدی تھی جہاں رات کے کھانے کے بعد سارے دوست اکٹھے ہوتے تھے سو وہ تو جلدی، جلدی کھانا کھا کر مرزا کے گھر چلتے بنے..... عامر خان کا کل میتھس کا ٹیسٹ تھا سو وہ بھی کھانا کھا کر کتابیں لے کر بیٹھ گیا..... گلو کو یہی موقع چاہیے تھا سو وہ اماں کے قریب آیا۔

''اماں، جب بیٹے باروزگار ہو جائیں تو ماؤں کے دلوں میں کیا خواہش ہوتی ہے؟''

''کیا بیٹے.....؟'' اماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''یہی تو میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔'' وہ شرارت سے بولا..... اماں کا دل دھک، دھک کرنے لگا..... جو



Digitized by Google

وہ سن رہی تھیں، اسے سمجھنا نہیں چاہ رہی تھیں کہ ان کی نظر میں گلو ابھی بچہ تھا..... وہ نظریں چرانے لگیں تو گلو محبت سے ان کے ہاتھ تھام کر بولا۔

''اماں، آپ گھر میں اکیلی ہوتی ہیں، اتنا سارا کام اکیلے کرتی ہیں، کیا اچھا نہیں ہوگا کہ آپ کی ایک عدد بہو آجائے جو آپ کا ہاتھ بٹایا کرے۔'' اماں نے ایک بار چونک کر اسے دیکھا اور تب انہیں احساس ہوا کہ گلو اب بچہ نہیں رہا..... گھنی مونچھوں تلے مسکراتا ہوا گلو گھنگرالے بال..... صحت مند جسم، اونچا لمبا قد، جانے وہ کب جوان ہوا تھا۔ اوپر سے اس قدر وجاہت اماں نے جلدی سے نظریں نیچے کیں مبادا نظر ہی لگ جائے..... لیکن ایک بات ضرور ہوئی کہ جو بات آج تک دل کے آس پاس سے بھی نہیں گزری تھی یعنی گلو کی شادی کی..... ایک بہو کی اہمیت اور ضرورت، وہ جیسے خواہش بن کر دل کی دیواروں سے لپٹ گئی..... گلو تو سونے کے لیے چلا گیا لیکن اماں ساری رات سوچتی رہیں اور تصور ہی تصور میں اپنے چھوٹے سے آنگن میں بہو کو چھم، چھم اِدھر سے اُدھر چلتے پھرتے دیکھتی رہیں..... یہی نہیں بلکہ وہ تو اپنی گود میں پوتے، پوتیوں کا لمس تک محسوس کرتی رہی..... صبح ناشتے پر انہوں نے میاں سے پہلی بات یہی کی..... انہیں حیرانی تو ہوئی لیکن پھر مسکرا کر بولے۔

''جو بات ہمارے سوچنے کی تھی بھاگوان..... وہ اس نے سوچ لی تو کیا برا کیا..... چلو آج سے لڑکی ڈھونڈنا شروع کردو.....؟''

''مجھے تو لگتا ہے میاں جی..... کہ شاید گلو نے لڑکی پسند کی ہے تبھی تو شادی کی بات کی ہے۔''

''ہوں.....'' ابا نے لمبا سا ہنکارا ابھرا..... ''تیری بات میں وزن ہے، چل تو اس سے پوچھ لے پھر کوئی اور قدم اٹھائیں گے۔'' جب اماں نے اس سے بات کی تو اس نے جھٹ سے روشنی کا نام لے دیا۔ روشنی کے رشتے میں بظاہر کوئی قباحت نہیں تھی، اسی محلے کے لوگ تھے ایک جیسی حیثیت تھی دونوں گھرانوں کی..... اچھا آنا جانا تھا بلکہ ابا کی تو روشنی کے والد سے اچھی خاصی دوستی تھی۔ اماں کو خوشی ہوئی کہ گلو نے ایسی لڑکی پسند کی ہے جو اپنے محلے کی ہے، اپنی حیثیت کے لوگ ہیں، انکار کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی لیکن جب اماں رشتہ مانگنے گئیں اور اپنا مدعا روشنی کی ماں کے سامنے پیش کیا تو روشنی کی ماں تو سن کر ہی بھڑک اٹھی۔

''کیا کہہ رہی ہو بہن..... کہاں گلو اور کہاں میری روشنی؟''

''کیوں، ایسا کیا مختلف ہے دونوں میں؟'' اماں نے حیرت سے پوچھا۔

''ارے..... روشنی خیر سے آٹھویں جماعت میں پڑھ رہی ہے جبکہ تیرے گلو نے اسکول کا گیٹ تک نہیں دیکھا..... اس سے بڑا فرق دونوں کے بیچ اور کیا ہوگا؟'' وہ آنکھیں پٹپٹاتی..... ہاتھ ہلاتی ہوئی بولی۔

''تو اس سے کیا ہوتا ہے..... میرا گلو خیر سے کماؤ پوت ہے، رات کو گھر آتا ہے تو جیبیں بھری ہوتی ہیں پیسوں سے..... مرد کا تو ڈیل ڈول دیکھا جاتا ہے یا شرافت دیکھی جاتی ہے یا پھر اس کا روزگار دیکھا جاتا ہے اور ماشاء اللہ میرے گلو میں یہ تینوں خوبیاں موجود ہیں۔''

''رہنے دو بہن..... روزگار کی بھی تم نے خوب کہی..... گھر کے سامنے گلی میں میز رکھ کر چند چیزیں رکھ دیں، یہ اچھا روزگار ہے لیکن مجھے اس پر اعتراض نہیں..... اعتراض اس کے نہ پڑھنے پر ہے..... روشنی میری بہت لائق بچی ہے، ہر سال میڈل جیت کر لاتی ہے، اول یا دوئم نمبر آتی ہے اپنی جماعت میں..... میں اسے کسی پڑھے لکھے بندے سے بیاہوں گی..... اول تو شادی کے نام سے اس کی جان جاتی ہے کہتی ہے میں ڈاکٹر نی بنوں گی.....''

''چل تو پھر تو اسے ڈاکٹر نی بنا۔'' اماں نے برقع اٹھا کر سر پر جماتے ہوئے کہا۔ ''میرے گلو کے لیے لڑکیاں ہزار.....'' اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں..... تیر کی طرح ان کے گھر سے نکلیں اور اپنے گھر آگئیں۔ گھر میں گلو ان کا بہت بے چینی سے انتظار کر رہا تھا لیکن اسے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ اماں دروازے سے ہی بولتی چلی آرہی تھیں۔

''لو جی..... بیٹی کو ڈاکٹر نی بنائے گی، واہ بھئی واہ..... شکل دیکھی ہے اپنی، تین مرلوں میں رہنے والوں کی اوقات ہوتی ہے ڈاکٹر بننے کی اور کیسے منہ بھر کر کہہ رہی تھی کہ تیرے بیٹے نے تو اسکول کا دروازہ تک نہیں دیکھا..... اور تیرے روزگار کو بھی برا کہہ رہی



Digitized by Google

تھی.....تو نے وہاں بھیج کر بہت بے عزتی کرائی ہے میری.....'' بیٹے کو اپنے سامنے دیکھ کر انہوں نے مزید اپنے جلے دل کے پھپھولے توڑے.....اور اسی طرح بولتے ہوئے اپنا برقع اتار کر الگنی پر لٹکا دیا.....گلو بادشاہ کا دل ڈوب کر رہ گیا۔ سانسیں رکنے لگیں..... کیسے، کیسے خواب دیکھے تھے روشنی کے حوالے سے.....اسے پہلی بار احساس ہوا کہ نہ پڑھ کر اس نے کتنی بڑی غلطی کی ہے.....وہ گم صم، افسردہ ایک چارپائی پر ٹک کر بیٹھ گیا اور آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا.....اس دوران بولتے، بولتے اماں کی نظر اس پر پڑی تو جیسے ان کے کلیجے پر ہاتھ پڑا.....لپک کر اس کے پاس آئیں.....اسے سینے میں سمیٹ کر اس کے بوسے لیے اور محبت سے بولیں۔

''اے لو.....تم کیوں یہ بات دل پر لیتے ہو..... میرے گبرو جوان بیٹے کو لڑکیوں کی کمی ہے کیا.....دیکھ لینا، یہ لوگ خود ہی پچھتائیں گے ایک دن.....ہمیں تو کوئی پچھتاوا نہیں ہے.....ہمارے لیے لڑکیاں ہزار..... ہاں اس روشنی کے لیے تیرے جیسا لڑکا نہیں ملے گا۔''

''بھائی، بچے سودا لینے آئے ہیں۔'' عامر خان نے اندر آکر اطلاع دی تو وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر باہر چل دیا.....اس دوران ابا بھی آگئے.....اماں وہی کچھ سنانے لگیں جو ابھی ابھی بولی تھیں۔

''کہتے تو ٹھیک ہیں..... پڑھائی کی آج کل بہت اہمیت ہے.....اسی لیے تو اس نانجہار سے کہتا تھا کہ پڑھائی میں دل لگائے پر اسے میری بات کہاں سمجھ میں آتی تھی..... پڑھ کر نہیں دیا.....اب بھگتے.....'' اماں کو ابا کی یہ بات جی بھر کر بری لگی۔

''لو.....تو ساری دنیا میں کیا یہی روشنی رہ گئی ہے میرے بیٹے کے لیے.....ارے ایسی، ایسی روشنیاں اپنے بیٹے کے لیے لاؤں گی کہ سارا محلہ حیران رہ جائے گا۔''

اماں کو بولتا چھوڑ کر ابا باہر چلے گئے تھے۔

افسردگی کا یہ غبار گلو بادشاہ پر ہفتہ دو ہفتہ چھایا رہا.....بعد میں خود ہی اتر گیا۔ وہ کون سا روشنی پر عاشق تھا۔ بس ایک پسندیدگی ہی تھی.....اماں کی بات سچ ہے دنیا میں ہزاروں لڑکیاں ہیں کوئی تو اس کے نصیب کی بھی ہوگی لیکن اماں کو ابا نے سمجھا دیا تھا کہ کچھ عرصے تک گلو کی منگنی، شادی کا فیصلہ ملتوی کر کے رکھیں.....ہاں کسی اچھی لڑکی کی تلاش جاری رکھیں لیکن اس فعل میں جلدی نہیں ہونی چاہیے کہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے، پہلے بھی جلدی کی تھی اس لیے انجام اچھا نہیں ہوا جبکہ گلو کو اب شادی سے دلچسپی ہی نہیں رہی تھی.....سو وہ اس موضوع پر بات نہیں کرتا تھا لیکن اب تو اماں کے دل میں گلو کی شادی کرنے کی خواہش نیچے جھاڑ کر بیٹھ گئی تھی سو وہ محلے کے جس شادی یا غمی میں جاتی تھیں تو ان کی نظریں لڑکیاں ڈھونڈنے میں لگ جاتیں لیکن ابھی تک انہیں اپنا گوہرِ مقصود نظر نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

سہ پہر کا وقت تھا، اماں نے چائے کا پانی چولہے پر رکھ دیا تھا.....گھر میں کوئی نہیں تھا، ابا تو ہر وقت مرزا کی بیٹھک میں پائے جاتے، عامر خان گلی کے لڑکوں سے کھیلنے چلا گیا تھا، گلو اپنی دکان میں مشغول تھا کہ ایک طرف سے دو لڑکیاں آتی نظر آئیں.....ایک لڑکی کی غالباً طبیعت خراب لگ رہی تھی کیونکہ دوسری لڑکی نے اسے سہارا دے کر تھاما ہوا تھا اور وہ سخت گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ گلو کے قریب آکر وہ اسی گھبراہٹ میں بولی۔

''بھائی آپ کے پاس تھوڑا سا پانی ہوگا.....'' گلو نے چونک کر اسے دیکھا اور کہا۔

''نہیں، یہاں تو میرے پاس پانی موجود نہیں ہے لیکن آپ اسے اندر لے کر چلی جائیں، گھر میں میری اماں ہیں، آپ وہاں ان کو پانی بھی پلا دیجیے اور یہ آرام بھی کر لیں گی۔'' گلو نے دروازے کے آگے سے میز ہٹا کر اُن کا جواب سنے بغیر ان کو راستہ دیا.....لڑکی نے بھی مزید نہیں سوچا اور اس دوسری لڑکی کو سہارا دے کر اندر چلی گئی۔ گلو نے دروازے سے ہی اماں کو آوازیں دینی شروع کیں۔ اماں کچن سے نمودار ہوئیں تو گلو نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اماں، ان کی طبیعت خراب ہے، ان کو پانی وغیرہ دے دیں۔''

''ارے سوبسم اللہ.....'' اماں نے لپک کر چارپائی سے الم غلم ہٹا کر جگہ بنائی.....اندر سے تکیہ اٹھا کر اس بیمار



Digitized by Google

لڑکی کے پیچھے رکھ دیا..... اپنے دوپٹے سے اس کے ماتھے کا پسینہ خشک کیا..... پھر گھڑے سے گلاس میں پانی انڈیل کر اسے سہارا دیا اور پانی پلایا..... دوسری لڑکی کے مارے پریشانی کے ہاتھ پاؤں، پاؤں پھول رہے تھے۔ اس نے اماں کو مشکور انداز میں دیکھا..... پنکھے کی ہوا اور پُرسکون ماحول نے بیمار لڑکی پر خاطر خواہ اثر کیا..... اس کے چہرے کا رنگ بھی بحال ہو گیا اس نے آنکھیں کھول کر اماں کا شفیق اور محبت بھرا چہرہ دیکھا۔

''کیسی ہو چندا.....؟'' اس دوسری لڑکی نے بے چینی سے اس سے پوچھا۔ طبیعت کچھ بہتر ہوئی۔

چندا نے اثبات میں سر ہلایا تو اماں نے محبت سے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔

''اب جلد ہی ان شاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی..... بس میں گرم دودھ لاتی ہوں اس کے لیے..... ابھی اس میں طاقت آجائے گی۔'' اماں کچن کی طرف چلی گئیں۔ دودھ کا گلاس لا کر سہارا دے کر اسے اٹھایا اور دودھ کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

''اس کا نام تو چندا ہے بیٹی..... یہ تو پتا چل گیا۔ لیکن بچے تمہارا کیا نام ہے اور تم دونوں کہاں سے آئی ہو..... پہلے کبھی تم دونوں کو اس محلے میں نہیں دیکھا۔''

''وہ خالہ..... میرا نام مینا ہے۔ میں اور چندا بچپن کی سہیلیاں ہیں میرا گھر تو بہت دور بڑے بازار کی ایک گلی میں ہے لیکن چندا تو آپ کے قریب ہی رہتی ہے۔''

''قریب ہی رہتی ہے؟'' اماں کو حیرت ہوئی۔ ''پر کہاں؟''

''وہ پیلی کوٹھی ہے نا خالہ..... آپ کے محلے سے تین محلے آگے ہے۔ وہ بڑا سا مکان ہے..... وہی مکان چندا کے والد کا ہے یعنی چندا کا.....''

''اچھا.....'' اماں کے ہاتھ سے تو مارے حیرانی کے گلاس گرنے لگا تھا، وہ اپنی پوری آنکھیں کھول کر چندا کو دیکھ رہی تھیں..... سیدھی سادی سی شفاف چہرے والی چندا قطعاً اتنے بڑے گھر کی باسی نہیں لگ رہی تھی۔ پیلی کوٹھی تو ان تین، تین مرلوں والے مکان کے لیے ایک ایسی جگہ تھی جہاں رسائی ممکن نہیں تھی۔ اماں سمیت ساری عورتوں کے دلوں میں پیلی کوٹھی کو اندر سے دیکھنے اور اس کے مکینوں سے ملنے کی خواہش اندر ہی اندر پنپ رہی تھی لیکن وہاں جاتے ہوئے ڈر بھی لگ رہا تھا۔ جانے اس کے مکین کیسے ہوں..... وہ دھتکار ہی نہیں دیں..... کہاں یہ تین، تین مرلے کے مکانات اور کہاں کئی کنالوں پر محیط تمکنت سے سر اٹھائے پیلی کوٹھی..... جب اس کوٹھی کی بیگم وفات پا گئی تھیں تو اماں کا بڑا دل تھا کہ وہ غم کے اس موقع پر وہاں جائیں اس طرح اس کوٹھی کو اندر سے دیکھنے کا موقع بھی مل جائے گا لیکن محلے والی عورتوں نے ان کی اس تجویز کو رد کر دیا بلکہ ساتھ والی ہمسائی کریمہ بی بی نے تو یہ کہہ کر ان سب کو ڈرا دیا کہ ''بڑے لوگوں کی فوتگیاں ہماری طرح نہیں ہوتیں کہ دھکم پیل ہے..... رونا دھونا ہے، وہ تو بس آرام سے کرسیوں پر زبردستی کی اداسی چہرے پر طاری کر کے بیٹھے ہوتے ہیں اور ہر آنے جانے والوں پر نظریں رکھتے ہیں..... اگر کسی نے ہمیں ہاتھ سے پکڑ کر نکال باہر کیا تو کیا عزت رہ جائے گی ہماری.....'' اماں کا دل دہل کر رہ گیا۔

''لو جی..... ہمیں جا کر کیا کرنا ہے۔'' وہ اپنا برقع تہ کر کے اندر رکھتے ہوئے بولیں۔ ہاں محلے کے سارے مرد ابا سمیت چلے گئے تھے۔

''چندا بی کی ماں..... میرا مطلب ہے، کچھ عرصے پہلے پیلی کوٹھی میں میت ہو گئی تھی ناں.....'' اماں مینا سے پوچھنے لگیں۔

''ہاں خالہ.....'' مینا اداسی سے بولی۔ ''وہ چندا کی ہی امی تھیں..... پھر انکل نے دوسری شادی کر لی..... اب گھر میں وہی ہوتی ہیں، چندا کی بڑی دو بہنیں ماں کی زندگی میں بیاہی گئی تھیں، بس اب ایک چندا ہی رہتی ہے۔'' اماں نے ترحم آمیز نظروں سے چندا کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر مینا کی باتوں سے اذیت امڈ آئی تھی اس نے آنے کے بعد ابھی تک ایک بات بھی نہیں کی تھی لیکن اب وہ مینا سے کہہ رہی تھی۔

''مینا، میں اب ٹھیک ہوں، گھر چلیں۔''

''ارے نہیں بیٹی.....'' اماں جلدی سے بولیں۔ ''تمہارا چہرہ پیلا پھٹک ہو رہا ہے، کچھ دیر آرام کرو..... یا پھر میں گلو کو تمہارے گھر بھیج دیتی ہوں..... وہاں سے موٹر آجائے گی تو تم آرام سے چلی جاؤ گی۔''

''نہیں، نہیں.....'' مینا جلدی سے بولی۔



Digitized by Google

''انہیں تو کچھ بھی معلوم نہیں اور نہ ہی ہم ان کو اس کی طبیعت کے بارے میں بتائیں گے ورنہ انکل ناراض ہوں گے کہ کار کے بغیر کیوں گئی تھیں۔ وہ دراصل میں چندا کے گھر آئی تو اس سے کہا کہ چلو پیدل ہی ساتھ والے بازار چلتے ہیں، گھوم پھر لیں گے..... وہی بھلے کھالیں گے املی اور آلو بخارے کا شربت پی لیں گے۔ اسی ایڈونچر میں باہر نکل آئے گھر سے..... حالانکہ یہ مجھے کہہ رہی تھی کہ رات سے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے لیکن میں نہ مانی، آپ کی گلی کے قریب آئے تو اس کی طبیعت اتنی خراب ہوگئی کہ یہ گرنے لگی تھی..... بڑی مشکل سے یہاں تک لائی ہوں۔'' باتونی مینا پٹر پٹر بول رہی تھی۔ اتنی دیر میں چندا جانے کے لیے تیار ہوگئی..... اماں نے محبت سے دونوں کو رخصت کیا۔

''کبھی، کبھی آجایا کرو..... مجھے بہت خوشی ہوگی بچیوں.....! اماں بڑی ایکسائٹڈ تھیں..... بڑے فخر سے سارے محلے والوں کو بتادیا کہ ہمارے گھر پہلی کوٹھی والی لڑکی آئی تھی..... اماں نے ایک عقلمندی یہ بھی کی تھی کہ گلو بادشاہ کو یہ کہہ کر ان کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ ان کے پیچھے، پیچھے چلتا رہے کہ کہیں آگے جاکر پتی کی طبیعت پھر سے خراب نہ ہوجائے اور جب وہ اپنے گھر میں گھس جائیں تو تب واپس پلٹ کر آئے۔ گلو نے ایسا ہی کیا حالانکہ مینا نے بہت کہا کہ وہ یہ تکلیف نہیں کریں، وہ خود چلی جائیں گی لیکن اماں نے دو جوان بچیوں کو اکیلے بھیجنا مناسب نہ سمجھا اماں کی داستان کسی الف لیلوی داستان سے کم نہیں تھی محلے والیاں بہت شوق سے سنتی رہیں بلکہ ایک دو نے تو خواہش بھی ظاہر کی کہ ہمیں بلالیتیں ہم دیکھ تو لیتے کہ پہلی کوٹھی کی مالکن کیسی ہے۔

''اے مجھے تو آخیر میں پتا چلا کہ یہ پہلی کوٹھی کی مالکن ہے..... میں تو اچھے سے خاطر تواضع بھی نہیں کر پائی۔'' اماں کی آواز سے افسوس جھلک رہا تھا۔ اماں نے ساری باتیں ابا کو بھی بتادی تھیں۔

''اتنی سیدھی سادی، نہ لباس کا نخرہ..... نہ باتوں میں غرور..... ذرا جو لگتا ہو کہ اتنے بڑے گھرانے کی ہے..... سچ کہوں گلو کے ابا..... میں تو سمجھی تھی یہی دوسری، تیسری گلی کی بچیاں ہوں گی..... یہ کیا پتا تھا کہ اتنے بڑے گھر کی ہیں۔''

''خاندانی لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں بھاگوان..... جانتی ہو پہلی کوٹھی والے یہاں کے مالدار ترین لوگ ہیں۔''

اماں کافی دنوں تک اس واقعے کے زیر اثر رہیں..... ہر آئے گئے سے یہی بحث چھیڑ دیتیں لیکن آہستہ، آہستہ وہ یہ بات بھولنے لگیں اور ایک دن آیا کہ وہ یہ واقعہ بھول کر اپنے روزمرہ کے کاموں میں گم ہوگئیں۔ انہیں ابھی تک گلو کے لیے لڑکی پسند نہیں آئی تھی اور اسی بات کی پریشانی تھی کہ حالانکہ گلو کو جب سے روشنی کے گھر والوں نے ریجکٹ کیا تھا اس کے بعد اس نے کبھی اماں سے شادی کی بات نہیں کی تھی لیکن اب اماں کی خود کی یہ خواہش اتنی منہ زور ہوچکی تھی کہ انہیں ہر وقت گھر میں اپنی بہو چلتی پھرتی نظر آتی..... کبھی، کبھی وہ نماز کے بعد دعا میں کہتیں۔

''اے خدا..... سنا ہے ہر کسی کا جوڑا آسمانوں میں بنا ہوتا ہے تو میرے بچے کا بھی یقیناً جوڑا بنا ہوگا..... بس تو اسے میرے سامنے لادے کہ میرے بیٹے کا گھر بس جائے.....''

☆☆☆

شام کے اندھیارے پھیل رہے تھے..... آج ہانڈی کو دیر ہوگئی تھی، اماں نے آلو کی بھجیا بنانے کا سوچا اور ٹوکری سے آلو اور چھری لے کر بیٹھ گئیں کہ دروازے پر دستک ہوئی عامر خان کھیلنے کے لیے نکل گیا تھا..... ابا مرزا کی طرف گئے ہوئے تھے انہوں نے عشا کے بعد ہی آنا تھا گلو اپنی دکانداری میں الجھا تھا..... اماں خود ہی دروازہ کھولنے گئیں اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ دروازے پر مینا کھڑی تھی۔

''ارے بٹی تم.....؟'' وہ حد درجہ حیران ہوئیں کہ امید نہیں تھی کہ وہ لوگ دوبارہ بھی آسکتے ہیں، انہوں نے اس کے پیچھے اس آس پر دیکھا کہ اس کے پیچھے چندا بھی ہوگی لیکن اس کے پیچھے کوئی نہیں تھا..... مینا اکیلی تھی۔ مینا ان کی نظروں کا سوال بھانپ گئی..... اور اندر آتے ہوئے بولی۔

''میں اکیلی آئی ہوں خالہ..... مجھے اصل میں آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' اماں کو دل ہی دل میں شدید حیرانی ہوتے کہ آخر ان سے اس لڑکی کو کیا ضروری کام ہوسکتا ہے جس سے آج ان کی دوسری ملاقات ہے لیکن انہوں نے اپنی حیرت ظاہر نہیں کی اور



Digitized by Google

خوش دلی سے اسے اندر لا کر بیٹھایا..... اس کے لاکھ نہ، نہ کے باوجود اسے گھر کا بنا ہوا شربت پلایا..... پھر اس کے پاس بیٹھ کر بولیں۔

''ہاں بیٹی..... اب بتاؤ کیا ضروری کام آن پڑا ہے مجھ سے۔''

''خالہ..... وہ۔'' وہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں پھنساتے ہوئے پریشانی سے بولی..... ''سمجھ میں نہیں آتا بات کا سرا کہاں سے ڈھونڈوں..... کہاں سے شروع کروں.....؟''

''دیکھو بیٹی.....'' اماں کے دل میں بھی..... عجیب انداز کے جھکڑ سے چلنے لگے تھے لیکن اپنی اندرونی حالت چھپا کر نرمی سے بولیں۔ ''تم بے فکر ہو کر ساری بات کرو.....'' اماں کے نرم اور محبت بھرے لہجے نے مینا کو ہمت دی اور وہ اپنا گلا صاف کرتے ہوئے بولی۔

''خالہ..... جب سے چندا کے گھر میں اس کی سوتیلی ماں آئی ہے چندا کا جینا اجیرن ہو کر رہ گیا ہے..... چندا کی سوتیلی ماں کا سلوک بہت برا ہے اس کے ساتھ..... وہ بیچاری اپنی ماں کی بہت لاڈلی تھی..... لیکن اب تو وہ روز جیتی ہے اور روز مرتی ہے۔'' اماں کے دل پر جیسے کسی نے خنجر سے وار کیا..... ان کے تصور میں چندا کی بھولی، بھالی صورت آ گئی..... تبھی تو بچی اتنی سہمی ہوئی اور چپ چاپ تھی..... اماں نے بے چینی سے پہلو بدل کر مینا کو دیکھا۔

''ماں سوتیلی ہے پر باپ تو اپنا ہے ناں..... کیا اسے کچھ نظر نہیں آتا.....'' انہوں نے تھوڑی ناگواری سے کہا۔

''نہیں خالہ.....'' مینا اداسی سے بولی۔ ''شادی کیا ہوئی اس کا تو باپ بھی سوتیلا بن گیا..... وہ تو اب بیوی کے دماغ سے ہی سوچتا ہے..... اور اس کے اشاروں پر چلتا ہے..... چندا کے لیے تو اب اس گھر کی زمین ہی تنگ ہو گئی ہے.....''

اماں کو حد درجہ افسوس ہوا منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

''بیچاری بچی..... کیسی نیک اور سلجھی ہوئی بچی ہے۔''

''خالہ.....'' مینا جلدی سے بولی۔ ''اسے بھی آپ بہت پسند آئی تھیں..... کہہ رہی تھی کاش..... خالہ میری بھی خالہ ہوتیں.....''

''ارے بیٹی.....'' اماں بے اختیار ہنس پڑیں۔


ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ

خوشگوار بوندوں کا ساز اور نئے سال کا آغاز
جنوری، جاسوسی کی دل گداز کہانیوں کا ایک انداز

**اولین صفحات**

اُمنگوں کی شدت اور آگے بڑھنے کی زبردست خواہش بالآخر منزل تک پہنچا دیتی ہے، جرم کا رجحان، ایمان اور امید کے مختلف اطوار۔ **زویا اعجاز** کے قلم سے.....

**انگارے**

دشمنوں کے شکنجے میں آہنی اعصاب کے مالک چیمپئن کا امتحان۔ محبت اور جنگ کی فضا میں آگے بڑھتا **طاہر جاوید مغل** کے یادگار سلسلے کی ایک اور کڑی

**آوارہ گرد**

چلچلاتی دھوپ میں ہر دم ایک نئی مصیبت سے برسرِ پیکار نوجوان کی سرگزشت.....
**عبدالرب بھٹی** کی سلسلے وار کہانی

**سرورق کے رنگ**

سال نو پر ابھرتی آس و امید کی نئی امنگ و ترنگ..... سرورق کا تیکھا رنگ

موسم سرما کی اٹکھیلیوں کے سنگ پُرفریب سرورق کی رنگینی

**چٹی نکتہ چینی**

آپ کے تبصرے... مشورے... محبتیں... شکایتیں... اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کتھائیں




Digitized by Google

"مائیں تو سانجھی ہوتی ہیں، میں اب بھی اس کی ماں جیسی ہی ہوں..... وہ جب چاہے..... جس وقت چاہے مجھ سے ملنے آسکتی ہیں....."

"وہ..... آپ....." مینا قدرے جھجک کر بولی۔

"آپ اس کی اصلی والی ماں بن جائیں ناں....." اماں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب بچی..... میں سمجھی نہیں؟"

"میں آپ کو سمجھاتی ہوں۔" مینا جلدی سے بولی۔

اور پھر جب مینا نے انہیں سمجھایا تو خالہ کی سمجھ میں آتا گیا۔ چندا کی سوتیلی ماں اس کی جلد سے جلد شادی کروانا چاہ رہی تھیں یہاں تک تو ٹھیک تھا مگر وہ تو اس کے باپ کی عمر کے آدمی سے اس کی شادی کروا رہی تھیں جو اس شخص کی تیسری شادی ہوتی۔ دل ہی دل میں وہ حیران بھی ہو رہی تھیں کہ اس مسئلے کا بھلا اُن سے کیا تعلق ہے جو مینا یہ سب کہنے کے لیے ان کے پاس آگئی..... وہ خاموش بیٹھی یہی سوچ رہی تھیں کہ مینا ان کے ہاتھ محبت سے تھام کر بولی۔

"خالہ..... اب آپ ہی ہماری مدد کرسکتی ہیں..... آپ ہی چندا کو اس دلدل سے نکال سکتی ہیں۔"

"مم..... میں....." وہ ایسے اچھلیں جیسے انہیں کرنٹ لگ گیا ہو، ان کا دل اتنے زور سے دھڑکنے لگا جیسے سینے کی دیواروں کو توڑ کر باہر نکل آئے گا..... وہ حیران پریشان ٹکر ٹکر مینا کا چہرہ تکنے لگیں..... کافی دیر تک تو اُن سے بات ہی نہیں ہو پا رہی تھی..... کافی دیر بعد وہ کمزور اور مردہ آواز میں بولیں۔

"مینا بیٹا، مذاق مت کرو میرے ساتھ..... بھلا کہاں وہ اونچے لوگ اور کہاں ہم..... میں..... بھلا میں کیا کرسکتی ہوں۔" وہ بھی کچھ، کچھ سمجھ کر بھی ناسمجھ بنی رہیں۔

"اس دن جب ہم آپ کے گھر آئے تھے اور واپسی پر آپ نے اپنے بیٹے گلو بادشاہ کو ہمارے ساتھ بھیجا تھا ناں تو راستے میں، میں نے گلو سے باتیں کیں..... اس نے اپنی پڑھائی اور حیثیت کے بارے میں بھی کچھ نہیں چھپایا اور سب کچھ بتا دیا..... اور اس کی یہی بات چندا کو بھا گئی آپ بھی اسے بہت پسند آئی تھیں سو چندا نے مجھ سے کہا مینا یہ میرا آئیڈیل گھرانا ہے، یہاں سچے اور کھرے لوگ رہتے ہیں، دولت تو آنی جانی شے ہے بس بندے میں شرافت ہونی چاہیے اور وہ مجھے اسی گھرانے میں نظر آئی ہے..... لیکن خالہ..... خدا گواہ ہے اس وقت چندا کی شادی کا کوئی سلسلہ نہیں تھا لیکن اب..... جب یہ سلسلہ شروع ہوا اور چندا کے والد نے یہ شرط رکھی تو چندا کو اس مشکل وقت میں آپ لوگ ہی یاد آئے..... خالہ میں یقین دلاتی ہوں چندا بہت اچھی لڑکی ہے، آپ پلیز گلو سے اس کی شادی کرا دیجیے....." اماں کا تو سارا جسم رعشے کے مریض کی طرح کانپنے لگا تھا۔ ان میں بولنے کی طاقت رہی تھی نہ ہلنے جلنے کی ہمت رہی تھی۔ وہ منہ پھاڑے مینا کو یک ٹک دیکھ رہی تھیں۔

"لیکن خالہ..... ایک بات اور بھی ہے۔" مینا سر جھکا کر دھیمی آواز میں بولی۔ "انکل چندا کو اسی صورت میں جہیز وغیرہ دیں گے جب وہ ان کا طے کیا ہوا رشتہ قبول کرلے..... لیکن اگر رشتہ چندا کی پسند کا ہوا تو چندا کو کچھ نہیں ملے گا..... ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں..... نہ جہیز کی صورت میں نہ کسی اور صورت میں..... بلکہ وہ اس کی شادی پر بھی خرچہ نہیں کریں گے۔ بس چند لوگوں کی موجودگی میں نکاح ہوگا اور اس کے بعد وہ چندا سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔" مینا نے بات ختم کی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا خالہ..... میں اب جاتی ہوں، آپ سوچ لیجیے، گلو سے اور چاچا سے بھی بات کرلیں..... میں دو دن بعد آکر آپ سے جواب لوں گی۔"

وہ سلام کر کے چلی گئی..... لیکن اماں نے تو اسے سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ وہ تو اسی حالت میں گم صم کسی سنگی مجسمے کی طرح بیٹھی رہیں..... کافی دیر بعد وہ بے دلی سے اٹھیں۔ سوچوں نے ان کا دماغ شل کر کے رکھ دیا تھا اور ان کے ہاتھ پیروں میں جیسے دم نہیں تھا۔ جیسے تیسے انہوں نے کھانا رکھا تو خود تو کچھ نہ کھایا لیکن باقی سب کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہیں..... اور جب سب کھانے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے وہ دھماکا کر ہی دیا جس نے واقعی سب کو بری طرح حیرت زدہ کر دیا۔

"بھاگوان..... تجھے اسی وقت انکار کر دینا چاہیے تھا..... بھلا کہاں وہ، اور کہاں ہم..... آسمان اور زمین کا فرق ہے....." ابا نے فوراً سے کہا۔

"اماں، اتنے بڑے گھر کی بیٹی، کنالوں کے گھر میں



Digitized by Google

بسنے والی بھلا تین مرلوں کے گھر میں گزارہ کرسکے گی۔" گلو بھی باپ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولا۔ "ایک چٹے ان پڑھ اور بے روزگار شخص کے ساتھ، نہیں..... اماں..... ظاہری چیزوں سے متاثر مت ہوں اماں..... خود ہی جا کر انکار کردیں۔ پتا نہیں وہ لڑکی کب آئے..... ہمیں اس معاملے کو دیر تک لٹکانا نہیں چاہیے۔"

"تم لوگ میری پوری بات تو سنو....." اماں عاجز آ کر بولیں۔ "پھر انکار و اقرار کا فیصلہ کرنا....." پھر اماں نے ساری کہانی ان کے گوش گزار کردی..... جسے سنتے ہی گلو بولا۔

"چھوڑیں اماں..... یہ کہانیاں شہانیاں..... جانے سچ بھی ہیں کہ نہیں اور اگر سچ بھی ہوں تو ہمیں کیا، یہ ان کے مسئلے ہیں، وہ جانیں اور ان کا کام..... ہمیں کیا لینا دینا ان سے اور ان کے مسئلوں سے..... بس..... ابا، اماں کل خود ہی جا کر انکار کر کے آجائیے۔"

ابا بالکل خاموش..... کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے، اماں ان کے بولنے کا انتظار کر رہی تھیں لیکن وہ تو گویا بولنا ہی بھول گئے تھے۔

"ابا..... ہمیں ان بڑے لوگوں کے پھڈوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اس کا باپ بڑا آدمی ہے، ہمارے سارے خاندان کو ختم کرنا کون سا ان کے لیے مشکل کام ہے..... کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا اور ہمارا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔"

"ارے چل..... بزدل کا بچہ نہ ہو تو..... ارے موت اور زندگی اللہ کے کام ہیں..... وہی مارتا ہے اور وہی زندہ بھی رکھتا ہے، اب موت کے ڈر سے کیا ہم ایک مظلوم لڑکی کی مدد نہ کریں....." ابا کو اس کی بات پر ٹھیک ٹھاک غصہ آگیا۔

"لیکن ابا....." گلو نے کچھ کہنا چاہا تو ابا نے اسے جھڑک دیا۔

"بس..... اب کوئی اپنی رائے نہ دے..... میں اس گھر کا بڑا ہوں اور آخری فیصلہ میرا ہی مانا جائے گا..... اور فیصلہ ہو چکا۔ سنو بھاگوان..... وہ لڑکی جواب لینے آئے تو اسے جواب ہاں میں دینا اور بس..... باقی معاملات بھی اس کے ساتھ طے کرلینا....." ابا چادر کندھے پر ڈال کر مرزا کے ہاں جانے لگے، گلو شرمندہ سا کھڑا تھا۔ ابا نے جاتے، جاتے دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا..... جب ایک مظلوم لڑکی نے ساری دنیا چھوڑ کر ہماری طرف رجوع کیا ہے تو اسے مایوس کر کے ہم کیا اچھا کام کریں گے۔ اور پھر سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ کوئی جہیز وغیرہ نہیں لا رہی ورنہ محلے والے یہی سوچتے کہ ہم نے لالچ میں آکر یہ قدم اٹھایا ہے۔"

ابا تو یہ کہہ کر چلے گئے، گلو کے تصور میں وہ خاموش سی معصوم لڑکی آگئی اور اس کے لب خود بخود مسکرا اٹھے، اماں کچن میں ہراساں سی بیٹھی تھیں، سارا کام بکھرا ہوا تھا۔ برتن بھی دھونے تھے، کچن بھی صاف کرنا تھا لیکن ان کے تو ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے چندا کی معصوم صورت بار، بار خیالوں میں آرہی تھی..... اور بار، باران کے لب آپ ہی آپ مسکرا رہے تھے۔

"تو کیا چند دن بعد بہو اُن کے آنگن میں پھدکتی پھرے گی۔" ان کے دل نے انہیں ٹوکا۔ "کیا وہ چڑیا ہے جو پھدکتی پھرے گی..... ارے وہ چھم، چھم کرتی اِدھر سے اُدھر جائے گی....." وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں..... انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ ان کی خواہش اس طرح اتنی جلدی پوری ہو جائے گی۔

گھر کے سب لوگوں حتیٰ کہ گلو بادشاہ کو بھی مینا کے آنے کا شدت سے انتظار تھا اماں کو تو ہر آہٹ پر مینا کے آنے کا گمان ہوتا اور اچانک وہ اسی طرح شام کے وقت آگئی..... اماں تو اسے دیکھ کر بولنا ہی بھول گئیں۔ لیکن اچھا تھا کہ ابا اس وقت گھر پر تھے..... انہوں نے بڑے رسان سے تفصیلی طور پر مینا سے بات کی۔ جواب اثبات میں سن کر مینا کے تو خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"چاچا..... آپ لوگوں نے چندا پر بہت بڑا احسان کیا ہے..... آپ نہیں جانتے تھے کہ وہ کتنی بڑی مشکل میں تھی۔" وہ بھرائی آواز میں بولی۔

"بیٹا سب کچھ اللہ کرتا ہے، جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے اسی رب کی رضا پر ہو رہا ہے۔"

"بے شک چاچا....." ابا کی بات پر مینا بولی۔

"لیکن....." وہ جھجک کر چپ ہوگئی تو ابا بولے۔



Digitized by Google

''کہو بیٹی..... کچھ کہنا ہے تمہیں؟''

''چاچا..... میں خالہ کو بتا چکی ہوں کہ جہیز وغیرہ یا نقد رقم یا زمین، جائداد کچھ بھی انکل، چندا کو نہیں دے رہے..... چندا بالکل خالی ہاتھ آپ کے گھر آئے گی۔''

''ارے بیٹا..... ہمیں کسی چیز کی یا زمین جائداد کی ضرورت نہیں ہے..... ہم غریب ضرور ہیں لیکن لالچی ہرگز نہیں..... بس ہمیں ایک عدد بہو چاہیے..... اور کچھ نہیں۔''

''یہ آپ کا بڑا پن ہے چاچا..... لیکن انکل کی ایک یہ بھی شرط ہے کہ بارات میں صرف آپ کے گھر والے آئیں گے اور کوئی نہیں..... اور بارات کی کوئی تواضع نہیں کی جائے گی.....'' مینا نے دھیمی آواز میں کہا۔

''بالکل منظور ہے بیٹا..... ہم اپنی بہو کو گھر لے آئیں گے تو اپنی خوشی اپنے گھر میں منالیں گے.....'' ابا خوش دلی سے بولے۔ مینا نے اماں کو دیکھا تو وہ ان سے پوری طرح متفق نظر آرہی تھیں..... اب کے مینا نے اطمینان کی ایک لمبی سانس لی اور شکر گزاری کے انداز میں اماں اور ابا کو دیکھا اور ان کا ڈھیروں شکریہ ادا کر کے دوبارہ جلدی آنے کا کہہ کر چلی گئی۔

☆☆☆

اماں کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں شادی کی تیاری کیسے ہوگی..... ابا ان کی بے چینی پر مسکرا رہے تھے۔

''تیاری کیا کرنی ہے بھاگوان..... جو تاریخ انہوں نے دی ہے اس پر جا کر اپنی بہو کو لے آئیں گے..... نہ کسی کو ساتھ لے کر جانا ہے نہ کسی کو نیوتا دینا ہے۔''

''پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کریں گے ناں..... بہو کا استقبال تو اچھے سے کریں گے ناں..... اس کے کپڑوں کا بندوبست کرنا ہوگا..... اور میری ایک بات سن لیجیے..... میں اپنے بیٹے کا ولیمہ خوب دھوم دھام سے کروں گی ہاں.....''

''ارے ہاں، ہاں..... ولیمہ تو سنت ہے، کریں گے ان شاء اللہ..... سارے محلے والوں کو بلائیں گے، تم فکر نہیں کرو۔'' ابا کی باتوں پر ان کی تسلی ہو جاتی..... لیکن کچھ دیر بعد پھر سے مختلف فکریں شروع ہو جاتیں..... مینا آئی اور اس نے ڈیٹ کنفرم ہونے کی اطلاع دی..... اماں کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے..... وہ مینا سے کہنے لگیں۔

''مینا، بیٹے شادی کا جوڑا بھی خریدنا ہوگا اور دوسرے لوازمات بھی..... کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم میرے ساتھ چلو..... اور اپنی سہیلی کی پسند کی ساری چیزیں خرید لو.....'' اماں کے لہجے میں منت تھی۔

''ارے خالہ.....'' مینا بے اختیار ہنس پڑی اور خوش دلی سے بولی۔ ''آپ بالکل بھی فکر نہیں کریں..... میں نے چندا کے لیے کافی شاپنگ کر لی ہے اس کے لیے شادی کا جوڑا بھی لے لیا ہے..... اس کے اپنے کپڑے بھی بہت ہیں، سب کچھ موجود ہے، بس اب آپ اپنی بہو کو گھر لانے کی تیاری کریں.....'' لیکن نہ، نہ کرتے ہوئے بھی کچھ تیاری انہیں کرنی ہی پڑی۔

وقتِ مقررہ پر گھر کے چاروں نفوس تیار ہو کر دل میں خوشیوں کا سمندر چھپائے پیلی کوٹھی کی طرف چل پڑے..... اماں اور ابا دونوں یہ سوچ رہے تھے کہ شیخ بدر الدین صاحب (کوٹھی کے مالک) لاکھ بیٹی سے ناراض سہی لیکن اس کے باراتیوں کو اچھے سے خوش آمدید کہیں گے، گلو بادشاہ بھی پوری تیاری سے آیا تھا۔ شیروانی کے ساتھ اس نے سر پر دولھا والا صافہ بھی باندھ رکھا تھا اور اس قدر بانکا، سجیلا لگ رہا تھا کہ اس پر نظر نہیں ٹھہر رہی تھی۔ ابا اور گلو مردانے میں رک گئے جبکہ اماں اور عامر زنانے میں چلے گئے۔ مردانے میں ابا اور گلو کا استقبال نوکروں نے کیا..... وہ بڑی عزت سے دونوں کو اندر لے گئے، ابا جب آرام سے بیٹھے تو انہوں نے نوکروں کی فوج کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''شیخ صاحب کہاں ہیں؟ کیا انہیں ہمارے آنے کی اطلاع ہوگئی ہے۔''

''جی..... وہ دراصل اچانک ہی کسی ضروری کام سے چلے گئے ہیں، وہ ہمارا آدمی ابھی مولوی کو لے کر آتا ہی ہوگا..... آپ فکر نہیں کریں.....'' ابا نے سر جھکا لیا..... گویا صورتِ حال ان کی سوچوں سے زیادہ گمبھیر تھی۔ اماں کو بھی اندر اسی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا استقبال کرنے والی مینا تھی اور دوسری خادمائیں..... چندا کو صوفے پر دلہن بنا کر بٹھایا گیا تھا..... سرخ رنگ کے جوڑے میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اماں تو اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں۔ چندا تو آج کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔



Digitized by Google

''ہائے میری بہو اس قدر پیاری ہے.....'' وہ اتنی خوش تھیں کہ انہیں یہ غم بھی بھول گیا کہ کتنے ٹھنڈے ٹھار طریقے سے ان کا سواگت کیا گیا ہے.....تھوڑی دیر بعد ابا، مولوی اور گلو اندر آگئے.....ان کے ساتھ ایک پختہ عمر کا آدمی بھی تھا جو مینا کا باپ تھا.....اس کے دو شادی شدہ بھائی بھی تھے، گلو کو چندا کے ساتھ بٹھایا گیا۔ نکاح ہوا، مبارک سلامت کا شور ہوا.....اماں اپنے ساتھ مٹھائی کا ٹوکرا اور چھوہارے بھی لائی تھیں۔ جو بڑی فراخدلی سے انہوں نے سارے نوکروں میں تقسیم کردیے.....ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا..... مینا نے انہیں بتایا کہ چندا کو اس بات کا بہت افسوس ہے کہ آپ کی کوئی تواضع نہ ہوسکے گی کہ اس کے والد اور والدہ نے نوکروں کو سختی سے تاکید کی ہے کہ بارات کو پانی تک نہیں پلایا جائے گا.....اماں کو دکھ تو ہوا لیکن چندا پر نظر پڑی تو جیسے سارا دکھ ہوا میں تحلیل ہوگیا۔ وہ بولیں۔

''کوئی بات نہیں بیٹا.....ہمارے ساتھ کون سے مہمان ہیں جن کے سامنے تمہیں شرمندگی ہوگی.....بس گھر کے ہی لوگ ہیں۔'' ابا نے کسی دوست سے موٹر کار مانگ لی تھی اور اسے پھولوں سے سجا رکھا تھا، جوں ہی کار اپنے محلے میں گھسی.....بات کھل چلی گئی۔ ایک نے دوسرے کو اور دوسرے نے تیسرے کو بتایا۔ گھروں سے لوگ نکلتے چلے گئے.....اور جب تک چندا کو کار سے اتار کر گھر کے اندر لے گئے، گھر عورتوں سے بھر چکا تھا، گلی میں مرد بھی ابا کو گھیرے میں لیے کھڑے تھے، تمام عورتیں اماں سے گلہ کررہی تھیں کہ ہمیں شادی میں کیوں نہیں بلایا.....اماں سب سے معذرت کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اصل میں شادی بالکل اچانک طے پا گئی۔''

''لیکن ایسی بھی کیا ایمرجنسی آگئی تھی۔'' دوسری پڑوسن بولی۔

''وہ دراصل.....'' اماں جلدی سے بولیں۔ ''دراصل دلہن کے ماں باپ ملک سے باہر جارہے تھے تو اس لیے.....''

''ارے کیا کہہ رہی ہو.....'' ایک محلے والی بولی۔ ''ملک سے باہر تو بڑے لوگ جاتے ہیں.....ہم جیسوں کو کہاں ملک سے باہر جانا نصیب ہوتا ہے۔''

''اور سنو.....'' کریمہ بیگم محلے کی سب سے تیز طرار عورت تھی سامنے آکر بولی۔ ''یاد ہے میں نے اپنے بیٹے علی کی شادی میں تمہیں تین دن بلایا تھا اور تم اکیلی بارات لے کر چلی گئیں۔''

''وہ دراصل بہن جی.....اب ولیمہ کروں گی تو ان شاء اللہ آپ سب شریک ہوں گی.....بس وہ جلدی تھی ناں دلہن کے ماں، باپ کو دراصل بہت ضروری کام کی وجہ سے باہر جانا تھا ملک سے.....'' اماں کو پہلے سے اس ساری سچویشن کا پتا تھا سو انہوں نے اس بارے میں ساری باتیں سوچ رکھی تھیں۔

''یہ بتاؤ بہو کہاں سے لائی ہو؟'' بات کرنے والی روشنی کی ماں تھی جو آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کر چندا کو دیکھ رہی تھی۔

''شیخ صاحب کی بیٹی ہے۔'' اماں فخریہ بولیں۔

''پیلی کوٹھی والے شیخ صاحب کی.....''

''کیا.....؟'' بھانت، بھانت کی بولیاں بولنے والی تمام عورتوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ وہ ٹکر، ٹکر اماں کا منہ دیکھنے لگیں۔ سارے گلے شکوے بھول گئیں۔ وہ.... بے یقینی سے کبھی چندا کو دیکھتیں، کبھی اماں کو.....خاص کر روشنی کی ماں تو عجیب سی بے یقینی سے سرخ کپڑوں میں ملبوس سونی سی چندا کو مسلسل دیکھ رہی تھی۔

''لیکن حلیہ.....اتنے بڑے لوگوں کی بیٹی تھی تو انہیں کسی بڑے ہوٹل میں شادی کا انتظام کرنا چاہیے تھا۔'' ایک عورت بڑی دیر بعد تعجب خیز لہجے میں بولی۔

''وہی تو.....'' اماں مصروف انداز میں بولیں۔ ''وہ لوگ تو کہہ رہے تھے کہ باہر سے واپس آجائیں گے تو دھوم دھام سے شادی کرلیں گے لیکن میں نہ مانی..... بس ہتھیلی پر سرسوں جمائی تو ظاہر ہے پھر جلدی میں ایسی ہی شادی ہوتی ہے ناں.....''

''تمہیں شاید ڈر تھا کہ وہ لوگ اپنی بات سے پھر نہ جائیں.....ہاں بھئی کہاں وہ کہاں تم.....زمین آسمان کا فرق ہے.....'' ایک اور عورت طنز سے بولی۔

اماں نے بات ہنسی میں اڑادی.....بات لمبی نہیں ہونے دی۔

گھونگٹ میں بیٹھی چندا سوچ رہی تھی کیسے کھرے اور سچے لوگ ہیں، اماں نے کیسے اس کی عزت سنبھال لی..... اس کے آنسو گھونگٹ کے اندر بے آواز بہنے



Digitized by Google

لگے..... اماں محلے والیوں کو مٹھائی کھلا رہی تھیں..... اب تو جیسے ساری محلے والیاں ان سے مرعوب سی ہوگئی تھیں سو کوئی گلہ شکوہ نہیں ہو رہا تھا۔ بس مبارک بادیں دی جا رہی تھیں..... گھر عورتوں سے خالی ہوگیا تو اماں لپک کر چندا کے پاس آئیں اور معذرت خواہانہ انداز میں بولیں۔

''تم تھک گئی ہوگی بیٹی..... کیا کروں..... محلے والوں نے ایسا دھاوا بولا کہ تمہاری طرف سے دھیان ہی ہٹ گیا۔ چلو آؤ تمہیں کمرے میں لے جاؤں..... تم کچھ دیر آرام کرلو.....''

گھر میں دو ہی کمرے تھے دوسرا کمرا جس کے باہر گلو میز لگا کر دوکانداری کرتا تھا وہی اماں نے بہو کے لیے ٹھیک کردیا تھا..... ابا ایک ڈبل بیڈ بھی خرید لائے تھے اماں نے کمرا خوب صاف ستھرا کر رکھا تھا، ڈبل بیڈ پر انہوں نے اپنے جہیز کی چادر نکال کر بچھا دی تھی..... کمرے میں عامر خان نے پھولوں کی لڑیاں بھی آرائش کے لیے لٹکا دی تھی باہر کی طرف والا دروازہ اماں نے تالا لگا کر مستقل بند کردیا تھا..... چندا کو بٹھاتے ہوئے اماں نے چھوٹے بیٹے کو آواز دے کر کہا۔

''بیٹا عامر خان اپنی بھابی کے لیے دودھ کا ایک گلاس لے آؤ۔'' وہی دراصل اماں کا بایاں ہاتھ تھا۔

''بیٹا..... اب تم آرام کرو..... دودھ پی لیا۔'' اماں نے اسے بٹھاتے ہوئے محبت سے کہا۔ ''میں جا کر کچن دیکھتی ہوں..... تب تک تم آرام کرلو.....'' جب اماں مڑ کر جانے لگیں تو چندا نے لپک کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''اماں.....'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ''کیا میں آپ کے احسانوں کا بوجھ اتار سکوں گی۔''

''ارے نہیں بیٹا..... احسان کیسا، میں تمہیں بہو بنا کر نہیں لائی، بیٹی بنا کر لائی ہوں اور بیٹی پر کوئی احسان نہیں کیا جاتا.....'' اماں محبت بھرے لہجے میں بولیں تو وہ بے اختیار رو پڑی۔

''آپ کے دل میں اپنے بیٹے کی شادی کے کیا، کیا ارمان ہوں گے..... لیکن آپ کا کوئی بھی ارمان پورا نہیں ہوا..... حتیٰ کہ آپ بیٹے کی بارات لے کر گئیں تو آپ کو ایک گلاس شربت کا بھی نہیں پلایا گیا..... اس کے باوجود آپ نے محلے والوں کے سامنے میری عزت رکھی..... کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میں اتنے سچے اور کھرے لوگوں میں آئی ہوں۔'' روتے، روتے اس کی ہچکی بندھ گئی اماں نے اسے سینے سے لگالیا۔

''بس بیٹا..... تمہارے یہ آنسو اب آخری آنسو ہونے چاہئیں۔'' وہ اس کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے کہنے لگیں۔ ''اب یہ تمہارا گھر ہے، میں تمہاری ماں ہوں..... چلو شاباش اب آرام کرو۔'' اماں نے اسے کمبل اوڑھا دیا اس دوران عامر خان دودھ کا گلاس لا چکا تھا..... اماں نے اسے دودھ پلایا اور کمرے سے باہر آگئیں۔ وہ کچن میں کھانے کی تیاری کے دوران باہر نکلیں تو گلو کو بے چینی سے اندر باہر ہوتا دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑیں۔

''کیا بات ہے بادشاہ..... ملکہ کے پاس جانے کی بہت جلدی ہے۔'' اماں نے شرارت آمیز لہجے میں کہا تو گلو شرما سا گیا۔

''نہیں اماں..... تھکن ہو رہی ہے ناں..... تو اب آرام کرنے کو دل چاہتا ہے، آج دوکانداری بھی بہت ہوئی ہے۔'' وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔

''اچھا، اچھا اب بہانے نہ تراش..... چل کمرے میں۔'' اماں مسکراتے ہوئے بولیں تو گلو شرما کر جلدی سے کمرے میں گھس گیا۔ اس اثنا میں چندا کی آنکھ لگ گئی تھی جو گلو کے اندر آنے پر کھل گئی۔ تھوڑی سی نیند نے کافی فریش کردیا تھا۔ گلو کی نظر جیسے ہی اس پڑی، وہ تو دوسری سانس لینی بھول گیا تھا۔ کیا غضب ڈھا رہی تھی وہ..... سرخ لباس میں وہ سچ مچ گلاب کا پھول لگ رہی تھی..... مٹا، مٹا سا میک اپ اس کے حسن کو مزید بڑھا رہا تھا..... گلو کو جیسے سکتہ سا ہوگیا کتنی اچھی تھی اس کی قسمت..... ورنہ تو جب سے روشنی کے گھر سے اس کا رشتہ ریجکٹ ہوا تھا وہ سمجھا تھا اس کہ قسمت میں گھر بسانا نہیں تھا..... احساسِ کمتری نے اسے اپنے حال میں ایسے جکڑا تھا کہ وہ نظریں اٹھا..... کر لڑکیوں کی طرف دیکھتا ہی نہیں تھا..... لیکن اچانک جیسے قسمت نے پلٹا کھایا۔ اللہ کو اس کی یہ مایوسی پسند نہیں آئی اور اس کی قسمت کا پانسا دیکھتے ہی دیکھتے پلٹ گیا۔ اسے نہ صرف ایک خوب صورت اور خوب سیرت بیوی مل گئی تھی بلکہ ایک ایسے متمول گھرانے میں اس کی شادی ہوگئی جس کا رعب



Digitized by Google

سارے محلے پر چھایا ہوا تھا۔

''واہ رے میرے اللہ..... تیری ذات نرالی، تیری شان ہی کچھ اور ہے..... جو تو کرتا ہے وہ کوئی اور نہیں کر سکتا.....'' اس کے ہاتھ بے اختیار دعا کے لیے اٹھ گئے، چندا نے شاید کافی دیر اس کے بولنے کا انتظار کیا لیکن جب وہ کچھ نہ بولا تو وہ اپنا گلا صاف کرتے ہوئے خود ہی بولی۔

''آپ اتنے خاموش کیوں ہیں؟'' گلو نے ایک پیار کی نظر اس پر ڈالتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

''سوچ رہا ہوں، تم یہاں..... اس گھر میں..... اس محلے میں کیسے وقت گزاروں گی..... جبکہ تم اتنے بڑے گھر سے آئی ہو۔ اس لحاظ سے یہ گھر تو تمہارے لیے ایک قید خانے جیسا ہوگا۔''

''نہیں.....'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''قید خانہ تو وہ تھا جہاں مجھے نفرتوں کی مار سہنی ہوتی تھی..... جہاں طعنوں اور تلخیوں سے میرے وجود کو چھلنی کیا جاتا تھا۔ میرے لیے تو یہ گھر جنت سے کم نہیں جہاں میں محبت کی پھوار میں سرتاپا ڈوبی ہوئی ہوں، یادر کھیے، عمارتیں کچھ نہیں ہوتیں، لوگ اہم ہوتے ہیں، گھر مکینوں سے بنتے ہیں اگر مکیں اچھے ہوں تو گھر جنت بن جاتے ہیں ورنہ دوزخ.....'' گلو کے اندر تک سکون پھیل گیا۔

''چندا..... تمہیں یہاں محبت وافر مقدار میں ملے گی۔'' وہ مطمئن لہجے میں بولا۔ ''ہم سب کے لیے تم بہت اہم ہو..... اماں، ابا کی تم لاڈلی بہو ہو۔''

''اور آپ کی.....؟'' شرمیلے انداز میں سوال کیا گیا۔

''میری تو تم کائنات کی سب سے بڑی دولت ہو۔ میں تو خدا کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔'' گلو نے اس کا نازک سا سفید ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا پھر جیب سے انگوٹھی نکال کر بڑے پیار سے، چاؤ سے اسے پہنا دی اور اپنی فطری سادگی سے بولا۔ ''اماں نے کہا تھا کہ سہاگ رات کو دولھا دلہن کو منہ دکھائی دیتا ہے..... تو میں نکڑ کے سنار سے یہ لے آیا..... اب پتا نہیں تمہیں پسند آتی ہے یا نہیں۔''

''آپ پیتل کی انگوٹھی بھی پہناتے ناں تو بھی مجھے پسند آتی کہ کسی چیز کی قیمت اور ساخت نہیں..... اس کے پس پردہ وہ جذبہ دیکھا جاتا ہے جس کے تحت کسی کو کوئی چیز دی جاتی ہے۔''

''شکریہ چندا.....'' گلو متاثر سا ہو کر بولا۔ کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی رہی..... پھر وہ قدرے جھجک کر بولا۔

''چندا..... تمہیں غالباً اس بات کا علم نہیں ہوگا کہ میں چٹا ان پڑھ ہوں..... میں نے تھوڑا بہت بھی نہیں پڑھا.....'' اس کی آواز دکھ سے بھاری ہونے لگی.....

''اماں، ابا نے بڑی کوشش کی کہ... میں تھوڑا بہت پڑھ سکوں لیکن میں نے پڑھ کر نہیں دیا۔''

''مجھے علم ہے گلو ..... تعلیم ضروری ہے لیکن اس کی کو اپنے لیے سزا نہیں بنانا چاہیے..... آپ میں جو اتنے سارے گن ہیں، اس نے اس کی کو دھندلا دیا ہے..... اور پھر اب میں آئی ہوں ناں، میں آپ کو پڑھاؤں گی۔''

''سچ.....! سچ کہہ رہی ہو ناں چندا.....'' گلو کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اس نے بے اختیار ہو کر چندا کو اپنے قریب کر لیا اور پھر اس کی وارفتگیاں بڑھنے لگیں اور رات بھیگتی چلی گئی۔

☆☆☆

ابا کب سے ناشتا لانے کے لیے تیار کھڑے تھے لیکن اماں انہیں روکے جا رہی تھیں۔

''تھوڑا سا ٹھہر جائیں، چندا اٹھ جائے تو ناشتا اس کی پسند کا لے آیئے گا..... ابھی لائیں گے تو ان کے اٹھنے تک ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

اس دوران چندا فریش ہو کر آ گئی، سبز رنگ کے لباس میں وہ دل میں اتر جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔ اس نے آتے ہی اماں، ابا کو سلام کیا..... اماں نے اسے سینے سے لگا کر ڈھیروں دعائیں دی۔ اماں ہنس کر اسے بتانے لگیں۔

''بڑی مشکل سے روکا ہے تیرے ابا کو..... ناشتا لینے جا رہے تھے، میں نے سوچا، تم اپنی پسند بتا دو..... دراصل آج تمہاری اس گھر میں پہلی صبح ہے تو سب مل کر اچھا سا ناشتا کریں گے ورنہ تو روز ہی ناشتا میں بناتی ہوں۔''

''میں تو ہر چیز کھا لیتی ہوں اماں..... آپ جو بھی منگوا لیں گی، میں شوق سے کھا لوں گی۔'' ساتھ، ساتھ ہی اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ ''غریب سے غریب لڑکی کے گھر سے بھی شادی کی صبح کو ناشتا میکے سے آتا ہے جبکہ میں اتنی بدنصیب ہوں کہ ان فرشتہ صفت لوگوں کو کوئی ذرا



Digitized by Google

سی بھی خوشی نہیں دے سکی۔"

اماں اب ابا کو تفصیلی طور پر بتا رہی تھیں کہ کیا، کیا لانا ہے ابھی یہ باتیں چل رہی تھیں کہ کھلے دروازے سے مینا اندر داخل ہوئی، مینا کو دیکھ کر چندا خوشی سے پاگل سی ہونے لگی اور آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی۔ اماں نے بڑے پیار سے اسے خوش آمدید کہا اس دوران گلو بھی تیار ہو کر آ چکا تھا..... مینا نے کئی بڑے، بڑے لفافے اماں کو تھماتے ہوئے کہا۔

"خالہ..... میں چندا کے لیے ناشتا لائی ہوں..... کہیں مجھے دیر تو نہیں ہوگئی..... آپ لوگوں نے ناشتا تو نہیں کیا ناں.....؟" اماں ہنس پڑیں اور مصنوعی خفگی سے بولیں۔

"ابھی تمہارے چاچا ناشتا لینے جا ہی رہے تھے لیکن پتر تم نے کیوں زحمت کی۔"

"زحمت کیسی خالہ..... چندا کا مجھ پر بھی کچھ حق ہے ناں۔"

"چلو جی..... میں تو فارغ ہو گیا۔" ابا ہاتھ جھاڑ کر بولے۔ "اب لگاؤ ناشتا، بھوک لگی ہے زوروں کی۔"

اماں برآمدے میں دری بچھانے چلی گئیں..... چندا، مینا کے گلے لگ کر رندھے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"مینا..... میں تمہارا کون، کون سا احسان اتاروں گی..... تم نے میرے ساتھ جو کیا ہے وہ تو کوئی بھی دوست دوسرے دوست کے ساتھ نہیں کر سکتا۔"

"چل ہٹ..... میں نے وہی کیا ہے جو مجھے ایک دوست ہونے کے ناتے کرنا چاہیے تھا..... اور یہ کوئی احسان نہیں ہے۔" سب نے مل بیٹھ کر ناشتا کیا..... ناشتے پر ہلکی، پھلکی گفتگو جاری رہی، چندا کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا اور سب کے ساتھ چندا نے بھی خوب ڈٹ کر ناشتا کیا۔

رات کو ولیمے کے بارے میں مشاورت ہوئی.....

اماں نے ابا کو کہہ دیا۔

"میں کہے دیتی ہوں گلو کے ابا..... کہ چاولوں میں گوشت ضرور ڈالنا ہے..... صرف میدہ چنا سے کام نہیں چلے گا۔"

"ہاں..... ہاں بھاگوان، چاول میں گوشت ڈال دیں گے ساتھ ہی مرغ کا سالن ہوگا اور میٹھے میں زردہ ہوگا اب خوش....."

"ہاں.....!" اماں سچ مچ خوش ہوگئیں۔

"ابا..... بوتلیں بھی رکھ دیں۔ ٹھنڈی ٹھار بوتلیں ہوں گی ناں تو کھانے کا حزہ آجائے گا....." عامر خان نے بھی اپنا مشورہ دیا۔

"نہیں پتر، اس طرح خرچہ بڑھ جائے گا۔" ابا سنجیدگی سے بولے۔ "ہاں ٹھنڈا پانی رکھ لیں گے اور کرایے پر دریاں اور دسترخوان بھی لانے ہوں گے، اس پر بھی خرچہ آئے گا۔"

"گلو کے ابا..... دریاں صاف ستھری لے آنا..... عورتوں نے نئے کپڑے پہنے ہوتے ہیں ناں تو گندی دریوں پر نہیں بیٹھتیں....." اماں بولیں..... چندا کو خاموش بیٹھنا اچھا نہیں لگا تو وہ بھی بولی۔

"ابا..... ولیمے میں مرد بھی ہوں گے؟"

"نہیں پتر..... جگہ چھوٹی ہے ناں..... ولیمہ صرف عورتوں کا کر لیتے ہیں..... مردوں کو میں کسی اور دن کھانا مرزا کے گھر میں دے دوں گا..... اس میں گلو کے دوستوں کو بھی بلا لوں گا....." پھر اماں، چندا سے کہنے لگیں۔

"پتر چندا..... اگر تو کسی کو بلانا چاہے..... کسی سہیلی کو....."

"نہیں اماں..... ایک مینا کو ہی بلاؤں گی....." وہ سر جھکا کر بولی۔

"چل ٹھیک ہے تیری مرضی....." اماں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ابا بات بدلتے ہوئے بولے۔

"دیکھ بھاگوان..... تو ابھی جا کر سارے محلے والوں کو نیوتہ دے آ..... کوئی گھر چھوڑ نہ دینا..... اور میں جاتا ہوں بڑے بازار میں جو چند رشتے دار ہیں انہیں دعوت دے دیتا ہوں....." ولیمے کے دن صبح، صبح مینا آ گئی تھی۔ اس نے چندا کو آسمانی کلر کا بنارسی سوٹ پہنایا اور خوب اچھا میک اپ کر دیا۔

"واہ چندا..... تو، تو بہت خوب صورت لگ رہی ہے، سچ بتا یہ گلو بھائی کی رفاقت کا نتیجہ تو نہیں....." جب چندا تیار ہوئی تو اسے ستائشی نظروں سے دیکھتی ہوئے مینا بولی۔

"چل ہٹ۔" وہ شرما کر بولی۔ اس دوران گلو کسی کام سے اندر آیا تو چندا کو دیکھ کر ڈگمگا سا گیا اور ایک ٹک اسے ہی دیکھنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو گلو بھائی.....؟" مینا گم صم کھڑے گلو کے سامنے ہاتھ لہرا کر شرارت سے بولی۔

"وہ..... نہیں کچھ بھی نہیں....." وہ بوکھلا سا گیا۔

"کیا قتل ہونے کا ارادہ ہے....." مینا شرارت سے



Digitized by Google

ہنس کر بولی۔ ”ہماری چندا کے حسن کے تیروں سے۔“

”قتل تو میں ہو چکا ہوں بہنا..... مرے ہوئے کو کیا مارنا.....“ وہ بھی شرارت سے کہہ کر چندا کو میٹھی میٹھی نظروں سے تاکتا ہوا باہر چل دیا۔ مینا کھلکھلا کر ہنس پڑی جبکہ چندا کے چہرے پر گلاب کھل اٹھے چندا تیار ہوئی تو مینا نے اسے برآمدے میں صوفے پر بٹھا دیا اس دوران عامر خان اور گلو بادشاہ محلے والوں سے مانگ، مانگ کر چارپائیاں لاتے رہے..... چندا نے قریب آتے عامر خان سے پوچھا۔

”عامر بھائی، اگر چارپائیوں کے بجائے کرسیاں آجاتیں تو گنجائش زیادہ لوگوں کے بیٹھنے کی نکل سکتی تھی۔“

”ہاں بھابی.....“ وہ معروف انداز میں بولا۔ ”لیکن کرسیوں کا تو کرایہ دینا پڑتا جبکہ یہ مفت آجاتی ہیں..... یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔“ مقررہ وقت پر مہمان آنا شروع ہو گئے سب عورتیں سیدھی چندا کے پاس آتیں اسے ستائشی نظروں سے دیکھتیں اور اس کے ہاتھ میں کچھ نوٹ سلامی کے طور پر دے دیتیں اور واپس جا کر چارپائیوں پر بیٹھ جاتیں..... پل بھر میں صحن عورتوں سے بھر گیا، کھانے کا غلغلہ اٹھا..... تو گلو اور عامر خان نے چارپائیاں ایک سائڈ پر کھڑی کیں اور وہاں دریاں بچھا کر ان کے بیچ دسترخوان بچھا دیے۔ سب عورتوں نے شوق سے کھانا کھایا، چندا نے سنا ایک عورت دوسری عورت سے کہہ رہی تھی۔

”کھانا بہت مزیدار ہے اور گلو کے ابا نے تو بڑے لوگوں جیسا ولیمہ کیا ہے ورنہ یہاں تو کھانے میں صرف چاول ہوتے ہیں۔“

”تو بہو بھی تو زبردست ملی ہے انہیں..... اتنے بڑے گھر کی لڑکی..... اوپر سے اتنی پیاری..... ایسا کھانا تو دینا ہی چاہیے تھا۔“ کھانے کے بعد عورتیں ایک، ایک کر کے جانے لگیں..... تب گھر کے تمام لوگوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا، سب خوش تھے کہ ولیمہ بہت اچھے سے ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وقت دھیمی رفتار سے گزر رہا تھا..... چندا گھر والوں میں ایسے گھل مل گئی جیسے سدا سے یہاں رہتی آئی ہو..... اماں کے ہاتھ سے کام لیتی..... ایک بار وہ جھاڑو دے رہی تھیں تو زبردستی اُن کے ہاتھ سے جھاڑو لے لی اور اس بری طرح جھاڑو دینے لگی کہ اماں ہنس، ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئیں۔

”چل ہٹ، یہ تیرے کرنے والے کام نہیں ہیں۔“

”پر مجھے سیکھنے ہیں اماں.....“ وہ بے بسی سے بولی۔

”جب تک میں زندہ ہوں تجھے نہیں کرنے دوں گی..... چل جا اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ جا کر.....“

اماں نے بھی اس کے سامنے یہ بحث نہیں چھیڑی تھی کہ اس کا میکا چھوٹ گیا تو اسے تکلیف ہوتی ہے یا نہیں..... لیکن یہ سچ تھا کہ اماں دل میں اس کے لیے درد محسوس کرتی تھیں لیکن نہ کبھی اماں نے کچھ پوچھا نہ اس نے کچھ بتایا..... اس دن مینا اس سے ملنے آئی تھی، اماں نے دونوں کو کمرے میں جانے کا کہا اور خود اُن کے لیے چائے بنانے چل دیں..... کوئی بات کہنے وہ کچن سے دوبارہ کمرے میں آئیں تو مینا کی آواز نے ان کے قدم روک دیے..... مینا، چندا سے پوچھ رہی تھی۔

”چندا..... تو ادھر سیٹ ہو گئی ہے ناں.....؟“

”ہاں مینا، بڑی اچھی طرح سیٹ ہو گئی ہوں۔ مجھے جو محبت درکار تھی وہ مجھے یہاں سے وافر مقدار میں مل گئی ہے..... یہاں کے لوگ سچے اور کھرے ہیں اور تو اچھی طرح جانتی ہے مجھے غلط رویوں نے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔“

”اچھا..... یہ بتا..... تجھے اپنا گھر..... اپنا میکا یاد آتا ہے؟“ مینا نے پوچھا تو اماں کا سارا جسم کان بن گیا..... یہی تو وہ سننا چاہتی تھی..... چندا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور گلوگیر آواز میں بولی۔

”مینا..... کون سی ایسی لڑکی ہو گی جو اپنے میکے کو بھلا سکے چاہے وہ جیسا بھی ہو..... لیکن شاید یہ سب کچھ جو ہوا وہ میرے نصیب میں لکھا تھا..... ہو سکتا ہے بابا کے دل میں میری یاد ابھر آئے اور وہ اچانک مجھ سے ملنے آجائیں یا بہنیں آجائیں.....“ اماں کے دل پر جیسے کسی نے گھونسا مار دیا ہو وہ آنسو پیتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں۔

”اچھا یہ بتا..... گلو تجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔“ مینا نے جلدی سے بات بدلی۔

”ہاں.....“ چندا کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

”میں اس کے ساتھ اور وہ میرے ساتھ بہت خوش



Digitized by Google

ہیں..... تم جانتی ہو مینا..... میں نے کبھی دولت سے، آسائشوں سے پیار نہیں کیا، میں محبت کی بھوکی تھی..... بس دعا کرو..... میری یہ جنت ہمیشہ قائم رہے۔''

''الٰہی آمین.....!'' مینا نے کہا۔

رات کے کھانے پر سب اکٹھے ہوتے ابا بھی مرزا کے گھر سے آجاتے۔ (یہ اور بات تھی کہ کھانے کے بعد بھی ایک چکر مرزا کی بیٹھک کا لگتا تھا۔) گلو بھی دکان بند کر لیتا..... سب جمع ہو جاتے تو اماں برآمدے میں دری بچھا کر اوپر دسترخوان بچھا دیتیں اور کھانا کھانے سب دسترخوان کے اردگرد بیٹھ جاتے..... اسی دوران اگر کوئی ضروری بات ڈسکس کرنا ہوتی تو وہ بھی ہو جاتی..... اس دن جوں ہی سب کھانا کھانے بیٹھے تو چندا ابا سے کہنے لگی۔

''ابا..... میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

گلو سمیت سب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ابا..... اگر ہم گلو کی یہ دکان بڑھا دیں..... تو کیسا رہے گا؟''

''پر کیسے پتر.....'' ابا نے اور باقی تمام افراد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ہم گلو کے لیے ایک جنرل اسٹور کھول دیتے ہیں۔ میں نے غور کیا ہے کہ محلے میں کوئی جنرل اسٹور نہیں ہے..... محلے والوں کو دوسرے محلوں سے جا کر ضرورت کی اشیا خریدنی پڑتی ہیں۔''

سب کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے، کتنی دیر تو کسی سے کچھ بولا ہی نہیں گیا..... پھر ابا قدرے محتاط الفاظ میں کہنے لگے۔

''تیری بات تو صحیح ہے پتر..... پر ہمارے پلے کیا ہے جو اتنی بڑی بات سوچ بھی سکیں..... جنرل اسٹور پر کتنا خرچہ آتا ہے بیٹا..... کچھ معلوم بھی ہے۔'' ابا نے سوچا شاید چندا اس سلسلے میں بالکل اناڑی ہے اس لیے اتنی بڑی بات کر رہی ہے۔

''ابا!'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''اگر ایک اچھے کام کا آغاز کیا جائے تو خدا بھی بندے کی مدد کرتا ہے..... ہم ہمت کریں گے تو اللہ ہمارا مددگار ہوگا۔''

''بے شک بیٹی.....'' اماں بولیں۔ ''لیکن اس کے لیے کوئی وسیلہ کوئی ذریعہ بھی تو ہونا چاہیے..... اس طرح کی سوچ تو تبھی کی جاتی ہے جب پلے کچھ نقدی ہو..... اور ہمارا حال تو تمہارے سامنے ہے..... نقدی نہ زمین نہ پلاٹ..... کس آسرے پر اتنا بڑا قدم اٹھائیں۔'' اماں کے لہجے میں اداسیاں گھل گئیں۔

''چندا..... تو ہمارے لیول پر بات کر..... اپنے لیول پر نہ کر..... تم لوگوں کے لیے تو یہ بہت آسان ہے..... رات کو سوچا اور صبح جنرل اسٹور کھول لیا..... لیکن ہماری چادر بہت چھوٹی ہے چندا..... چادر سر تک کھینچتے ہیں تو پاؤں ننگے ہو جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتے ہیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے.....'' گلو نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ اس نے گلو کی بات کا تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن خاموش بیٹھے ابا سے کہنے لگی۔

''ابا..... پہلے میری پوری بات تو سن لیں..... قابلِ قبول نہ ہو تو نہ کریں عمل اس پر.....''

''ہاں بیٹا..... سننے میں کوئی حرج نہیں..... سناؤ..... کیا پلان بنایا ہے تم نے۔''

''ابا جس کمرے میں ہم دونوں ہوتے ہیں اگر اسے جنرل اسٹور بنا لیا جائے اور آپ بڑے بازار میں جو تھوک کی دکانیں ہوتی ہیں ان سے سودا لا دیا کریں..... کچھ نقد پر کچھ ادھار پر..... تو سچ بتائیں کتنا خرچہ آئے گا اس انویسٹمنٹ پر.....''

''ارے.....'' گلو نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تو کیا ہم خلا میں رہیں گے..... کہ اور تو گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔''

اماں، ابا بھی اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھنے لگے..... چندا ہنس پڑی۔

''اچھے کام کے لیے بندے کو کچھ قربانی دینی پڑتی ہے گلو.....''

''وہ تو ٹھیک ہے چندا..... لیکن خلا میں رہنے کا انتظام بھی تم ہی کرو گی کہ آئیڈیا تمہارا ہے.....'' گلو بولا تو چندا بشاش لہجے میں بولی۔

''خلا میں بھلا کیوں..... ہم اس اسٹور میں رہیں گے۔'' چندا نے گھر کے کونے میں بنے اس اسٹور کو دیکھتے ہوئے جس میں گھر کا سارا الم غلم سامان کھپایا گیا تھا اور جو چھوٹا ضرور تھا لیکن اس گھر کے لحاظ سے اتنا چھوٹا نہیں تھا..... سب نے حیرت سے اسے دیکھا..... اماں تو....


Digitized by Google

بے ہوش ہونے کے قریب تھیں..... آخر کار اس گمبھیر خاموشی کو اماں توڑتے ہوئے بولیں۔

''نہ مار چندا..... میرے دل پر ہاتھ نہ مار..... مجھے تو کمرا بھی تیرے قابل نہیں لگتا اور اب تو اسٹور میں رہنے کی بات کرتی ہے..... میرے بس میں ہوتا تو میں تیرے لیے محل بناتی..... تجھے ملکہ بنا کر رکھتی.....'' اماں کی آواز بھرا گئی تو چندا نے اپنے بازو اماں کے گلے میں حمائل کرتے ہوئے کہا۔

''اماں یہ میرا گھر ہے..... اس کا ہر کونہ میرا ہے، میں جہاں بھی رہوں خوش رہوں گی..... لیکن اماں ہم اگر آج تھوڑی سی منصوبہ بندی کرلیں گے تو ہمارا، میرا، گلو کا، عامر خان کا، آپ کا اور ابا کا سب کا مستقبل تابناک ہوگا اگر گلو سارا دن بچوں کے چپس وغیرہ بیچ کر دن گزارتا ہے تو یہی دن وہ کاروبار بڑھا کر بھی گزارے گا لیکن نفع زیادہ ملے گا۔''

ابا نے حیرت کے ساتھ، ساتھ ستائش بھری نظروں سے اسے دیکھا..... گلو کی بھی بولتی بند ہوگئی۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ ''چندا صرف حسین ہی نہیں..... ذہین بھی ہے۔'' اس وقت تو بات شروع ہوگئی لیکن چندا نے یہ بات ختم نہ ہونے دی..... وہ تب تک پیچھے پڑی رہی جب تک ابا کو بڑے بازار بھیج نہ دیا۔ ابا کے وہاں کئی دوست تھے۔ سب نے ابا کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور انہیں اپنے تعاون کا یقین دلایا..... ویسے بھی تھوک کا کاروبار قرض کے سہارے ہی زیادہ تر چلتا ہے اور ابا کی ساکھ تو ویسے اچھی بہت اچھی تھی..... ابا گھر آئے تو بہت خوش تھے سب کو ساری باتیں بتائیں..... چندا کے لیے ان کی رضامندی ہی بہت تھی۔ اگلے دن اس نے گلو اور عامر خان کو ساتھ لگا کر اسٹور صاف کیا..... کباڑیے کو بلوا کر سارا کچرا سامان بیچ دیا..... اماں چندا کے اس فیصلے سے خوش نہیں تھیں۔ خاموش، خاموش پھرتی رہیں..... چپکے، چپکے آنسو بھی صاف کرتیں..... خود سے بڑبڑاتیں۔

''کیا قسمت ہے بچی کی..... محل سے جھونپڑے میں آگئی ہے۔'' چندا نے فی الحال اماں کی ناراضی کو اگنور کر رکھا تھا..... وہ کام میں لگی تھی، ابا سامان لینے گئے ہوئے تھے۔ اسٹور صاف ستھرا ہوا تو اچھا لگنے لگا..... وہ اماں کو سنانے کے لیے عامر خان سے کہنے لگی۔

''دیکھو عامر خان..... اسٹور کے ماتھے پر تھوڑی لکھا ہوتا ہے کہ یہ اسٹور ہے..... بس ایک کمرا ہی تو ہے..... تھوڑا چھوٹا ہے تو کیا ہوا..... ہم دو ہی تو بندے ہیں۔'' عامر خان نے جلدی، جلدی چونا لا کر اس میں سفیدی بھی کردی پھر اگلے دن تینوں نے گھسیٹ گھساٹ کر ڈبل بیڈ اس میں ڈال ہی دیا..... حالانکہ گلو کا پکا خیال تھا کہ یہ بیڈ اس میں نہیں آئے گا..... مشکل سے ہی سہی لیکن اس میں سما گیا..... اسٹور کمرا بنا تو اچھا خاصا نکھر آیا۔ چونے نے بھی شکل بدل دی۔ بعد میں بیٹھک کا نمبر آیا..... وہاں پر ایک تخت ہی بھاری سامان تھا، ایک دو پرانے طرز کی بید کی کرسیاں تھیں ایک ٹیڑھی میڑھی ٹانگوں والی میز تھی..... وہ سب نکال دی گئیں اب اماں بھی میدان میں آگئیں۔ چندا دو دن میں کافی تھک چکی تھی..... اسے ایک طرف کر کے اماں نے سارا بیٹھک صاف کیا..... کام ختم ہی ہوا تھا کہ ابا سامان لے کر آگئے، اماں اور چندا گھر کے اندر چلی گئیں۔ ابا نے محلے والوں کے ساتھ مل کر سامان نیچے اتارا گلو اور عامر خان نے سارا سامان اندر رکھ دیا..... چندا نے ایک بڑا بورڈ بنایا جس پر خوش خط لکھ دیا۔ ''گلو کی ہٹی'' گلو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ رات کو پور، پور درد کر رہا تھا لیکن اسے اس تھکن کی پروا نہیں تھی وہ چندا کے دونوں ہاتھ محبت سے تھام کر کہہ رہا تھا۔

''تیرا شکریہ چندا..... تو سچ مچ مہان ہے..... تو نے میری زندگی بنادی.....'' وہ مسکرادی۔ یہ اس کی پہلی جیت تھی جنرل اسٹور تو چلنے نہیں بلکہ بھاگنے لگا تھا۔ محلے بھر کے سارے لوگ سودا سلف لینے آیا کرتے، بیٹھک کے اندر کا دروازہ مستقل طور پر بند کردیا گیا تھا۔ دکان میں ہر وقت بھیڑ ہوتی..... اب تو ابا بھی فارغ ہوتے تو ساتھ بیٹھ جایا کرتے..... باہر والی میز سے سامان دکان میں منتقل کردیا گیا تھا..... اب تو اماں بھی خوش تھیں..... بہو کی ذہانت تو اس کی خوب صورتی سے بھی زیادہ تھی۔

☆☆☆

شام کا جھٹپٹا چھا رہا تھا کہ اس روز ساتھ والی کشور خالہ آگئیں..... کشور خالہ اور اماں کے گھروں کے بیچ ایک دیوار تھی..... اماں کی سب سے نزدیکی پڑوسن یہی تھیں..... دونوں میں ایکا بھی بہت تھا..... اماں کشور خالہ



Digitized by Google

کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

''ارے کشور، تم تو عید کا چاند بن گئی ہو..... یہاں آنا جانا ہی چھوڑ دیا ہے۔''

''نہیں حلیمہ، ایسی بات نہیں ہے..... بس پچھلے دنوں ایک مسئلہ آن پڑا تھا۔'' برقع اتار کر رکھتے ہوئے وہ بولیں۔

''خیر تو ہے ناں..... کیا ہوگیا تھا.....؟'' اماں حیرت سے پوچھنے لگیں۔

''میری بیٹی جو کراچی میں ہوتی ہے..... اس نے ہمارے لیے وہیں گھر دیکھ لیا ہے..... کہہ رہی تھی کہ یہ گھر بیچ کر یہاں آجائیں اور ہمارے ساتھ رہیں۔

''ارے تو کیا تم چلی جاؤ گی کشور؟'' اماں دکھ سے بولیں۔

''ہم دونوں میاں، بیوی اسی کشمکش میں تھے کہ جائیں کہ نہ جائیں..... لیکن آخر کار فیصلہ کرلیا جانے کا۔''

''کیا کہہ رہی ہو کشور.....؟'' اماں ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گمبھیر سی آواز میں بولیں۔ ''اب اس عمر میں کیوں در بدر ہو رہی ہو..... ہمیشہ سے یہیں رہتی آئی ہو۔ اب بڑھاپے میں کیوں خوار ہونا چاہتی ہو۔''

''بچی بہت ضد کر رہی ہے..... تمہارے بھائی صاحب نے سمجھایا کہ بیٹا تو ہمارا کوئی ہے نہیں..... جو آخری عمر میں خدمت کرے گا..... بیمار پڑے تو کوئی دو گھونٹ پانی پلانے والا بھی نہیں ہوگا۔ رشتے دار بھی قریب نہیں ہیں۔ وہاں بیٹی ہے، داماد ہے۔ نواسا، نواسی ہیں..... بیمار پڑیں گے تو کوئی دیکھ بھال کرنے والا تو ہوگا۔'' کشور ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں تو اماں بھی آبدیدہ ہوگئیں۔

''تو گویا تم نے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔''

''ہاں..... اور اسی سلسلے میں پہلے تمہارے گھر آئی ہوں یہ بتانے کے لیے یہ گھر ہم بیچ رہے ہیں اور اس سلسلے میں پہلا حق تمہارا بنتا ہے کہ بیچ میں ایک ہی دیوار ہے اور سب سے زیادہ یہ گھر تم لوگوں کو سوٹ کرے گا..... لیکن اگر کوئی مجبوری ہے میرا مطلب ہے پیسوں وغیرہ کی تو پھر ہم پراپرٹی ڈیلر سے کہہ دیں گے..... وہ بکوا دے گا۔''

''کشور بہن.....'' اماں ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔ ''ہم نے ابھی، ابھی گلو کے کاروبار کو وسیع کرنے کے لیے رقم لگائی ہے..... اور پھر تم سے ہمارے حالات ڈھکے چھپے تو ہیں نہیں..... ورنہ..... ایسا موقع کہاں ہاتھ آتا ہے کہ گھر کے ساتھ والا گھر بکے.....'' ابھی اماں اور کشور باتیں کر رہی تھیں کہ چندا کمرے سے باہر آئی..... گھر بیچنے کی بھنک اس کے کانوں میں پڑ چکی تھی..... سو اس نے آتے ہی پوچھا۔

''خالہ..... آپ اپنا گھر بیچ رہی ہیں؟''

''ہاں بیٹی..... تمہاری ساس کو میں یہی بتانے کے لیے آئی تھی..... ویسے تو ہم سب کے حالات ایک جیسے ہی ہیں..... لیکن میں نے سوچا اگر حلیمہ کو نہ بتایا تو کل کو گلہ کرے گی ورنہ میں جانتی ہوں..... محلے میں کسی کی بھی اور نہ تم لوگوں کی اتنی استطاعت ہے کہ بیٹھے بٹھائے گھر خرید لو لیکن میرا فرض تھا بتانا.....'' وہ جانے کے لیے اٹھنے لگیں تو چندا بولی۔

''خالہ..... اگر آپ ایک دو دن پراپرٹی ڈیلر سے بات نہ کریں تو ہوسکتا ہے ہم کچھ انتظام کرلیں.....'' کشور خالہ نے جہاں بہت حیرت سے اسے دیکھا اس سے کہیں زیادہ حیرت سے اماں نے اسے دیکھا..... اور دبے الفاظ میں کہہ ہی اٹھیں۔

''کیا کہہ رہی ہو چندا..... بتانے دو انہیں پراپرٹی ڈیلر کو..... ہمارے بلے کیا ہے جو ہم اتنا اونچا اڑنے کی کوشش کریں..... ان کا راستہ کھوٹا نہ کرو.....'' پھر وہ کشور سے معذرت خواہانہ انداز میں بولیں۔

''بچی ہے..... تم اس کی بات دل پر نہ لو.....''

''ارے نہیں.....'' کشور ہنس دی..... ''میں جاتی ہوں تمہارے بھائی صاحب کو ڈیلر کے پاس جانا ہوگا۔''

''خالہ.....'' چندا نے مکمل طور پر اماں کی بات اور ان کا لہجہ نظر انداز کیا اور کشور سے کہنے لگی۔ ''پلیز آپ صرف دو دن کا وقت ہمیں دے دیں..... تیسرے دن آپ آزاد ہوں گی کسی سے بھی بات کرنے میں۔ دیکھیں خالہ..... اگر ہمارا اور آپ کا سودا طے پا گیا تو آپ کو ڈیلر کی فیس بھی نہیں دینی ہوگی۔''

''چندا..... یہ تم.....'' اماں بیچ میں دخل دیتے ہوئے گڑبڑا کر بولیں۔

''کوئی بات نہیں.....'' کشور ہنس کر چندا کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ کر بولی۔

''ہم دو دن انتظار کرلیتے ہیں..... یہ کوئی اتنا لمبا



Digitized by Google

انتظار تو نہیں ہے۔'' کشور خالہ چلی گئیں تو چندا نے دیور کو ابا اور گلو کو بلانے کے لیے بھیجا...... اماں بیچ بیچ غصے میں تھیں...... کدو کاٹتے ہوئے ایسے چھری چلا رہی تھیں کہ چندا کو خدشہ ہوا کہ کہیں اپنی انگلی ہی نہ کاٹ ڈالیں۔

ابا اور گلو گھر آئے تو چندا نے ساری بات ایک ہی سانس میں بتادی...... ابا کی تو عادت تھی کہ فوری طور پر کوئی بات نہیں کرتے تھے لیکن گلو چھوٹتے ہی بولا۔

''لیکن چندا...... کشور خالہ کے گھر بیچنے یا نہ بیچنے سے ہمارا کیا تعلق ہے یار...... اتنے فگا بک تھے اور تمہارے بلاوے پر دوڑا چلا آیا کہ پتا نہیں کیا بات ہوگئی......''

''کیا تمہیں نہیں لگتا گلو......'' چندا معصومیت سے بولی۔'' کہ کشور خالہ کا گھر اگر ہمارے گھر کے ساتھ مل جائے تو ہمارا گھر کتنا بڑا ہو جائے گا۔ عامر خان کا اپنا الگ کمرا ہوگا...... ہم اسٹور سے اٹھ کر بڑے کمرے میں آجائیں گے...... اور......''

''کیا کہہ رہی ہو چندا......'' گلو کو بڑے زور کا جھٹکا لگا......'' تمہارا ایک آئیڈیا کامیاب ہوگیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمہارا ہر خیال صحیح ہو...... ہم اگر اپنے آپ کو بیچ بھی دیں تو بھی کشور خالہ کا گھر نہیں خرید سکتے۔''

''ہاں بیٹا......'' ابا بھی حیرت کے دھچکے سے سنبھل چکے تھے...... وہ اپنے دھیمے اور نرم لہجے میں بولے۔

''گلو ٹھیک کہہ رہا ہے اور تمہاری بات بھی ایک طرح سے ٹھیک ہی ہے کہ یہ گھر محلے میں سب سے زیادہ ہمیں سوٹ کرتا ہے لیکن بیٹا خوشنما خواب دیکھنے سے کیا فائدہ...... جس کی تعبیر ہی الٹی ہو......''

''ابا......'' چندا بڑے رسان سے بولی۔'' میری مرحومہ والدہ کے زیورات تھے جو انہوں نے میرے لیے چھوڑے تھے...... والد صاحب نے مینا کے ذریعے وہ زیورات بھجوادیے ہیں۔ وہ میں نے سنبھال کر رکھے ہیں...... ان کا ڈیزائن اگرچہ پرانا ہے لیکن وہ بہت بھاری ہیں، مجھے امید ہے کہ ان کی ہمیں اچھی قیمت مل جائے گی......'' سب کو جیسے سکتہ سا ہوگیا...... گلو بھی ہراساں اس کی شکل دیکھنے لگا...... اماں، ابا شدید حیرت کی زد میں تھے اماں کو ہوش آیا تو جلدی سے بولیں۔

''بس چندا...... اب اس سے زیادہ ایک لفظ نہیں

## ہمارا مستقبل

تتلی کے رنگوں کو دیکھا
اُن کی چڑیا یاد آئی
سورج کی کرنوں کو دیکھا
پلک جھپکتے
اپنی منزل پر آئی
ساری دنیا روشن کردی
پھولوں جیسے بچے دیکھے
بھوک کے مارے حال برا تھا
کوئی نہیں تھا دیکھنے والا
ان کو گود میں لینے والا
ان کی بھوک مٹانے والا
میں نے سوچا میں ہی اٹھالوں
بچوں کو میں گھر لے آیا
مستقبل کے معمار جو تھے وہ

کلام: ممتاز نقی مصطفی
پسند: گل ناز، کراچی

## غزل

کبھی دل کو اپنے لگا کر تو دیکھو
ہمیں اپنے دل میں بسا کر تو دیکھو
مرے پیار پہ ناز کرنے لگو گے
مری شاعری گنگنا کر تو دیکھو
تمہیں بھول جائے گی ساری خدائی
ذرا میری دنیا میں آکر تو دیکھو
تمہیں اپنے دل میں بسا لیں گے جاناں
دل و جان ہم پر مٹا کر تو دیکھو
چراؤ نہ نظریں نہ دامن چھڑاؤ
ہمیں آج اپنا بنا کر تو دیکھو
کبھی تو ہمیں پیارا مکھڑا دکھاؤ
محبت کی محفل سجا کر تو دیکھو
میں مان جاؤں گی فوراً شگفتہ
مجھے پیار سے تم منا کر تو دیکھو

کلام: شگفتہ شفیق، کراچی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

کہنا..... اب تم اپنی اماں کی نشانی، اپنے زیورات سنبھالو گی..... چھوٹا ہے یا بڑا اس گھر میں رہ تو رہے ہیں..... بیٹا..... یہ زیورات سنبھال کر رکھو۔ اچھے برے وقت میں کام آجائیں گے۔''

''اماں، میں بھی فضول نہیں بیچ رہی..... یہی صحیح وقت ہے اسے کام میں لانے کے لیے..... اور اماں.....'' وہ اداسی سے بولی۔ ''جب والدہ نہیں رہیں تو ان کی نشانیاں رکھ کر کیا کروں گی۔'' پھر وہ جلدی سے اپنے موڈ پر قابو پا کر بولی۔

''ابا..... آپ یہ زیورات سنار کے پاس لے جا کر ان کی قیمت لگوائیں۔ میں نکال کر لاتی ہوں۔''

یہ تو گھر کے تمام افراد کو پتا چل گیا تھا کہ وہ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتی ہے تو کسی طرح بھی باز نہیں آتی کہ جب تک وہ کام پورا نہیں کر لے..... تینوں گم صم بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے..... تھوڑی دیر میں وہ زیورات کی پوٹلی لے کر آگئی..... زیورات اتنے زیادہ اور بھاری بھرکم تھے کہ تینوں نفوس کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔ وہ باکس باہر لاتے ہوئے بھی چندا کی سانس پھول گئی تھی لیکن اب کسی نے کوئی سوال نہیں کیا..... ابا نے ایک بار پھر اسے منع کرنا چاہا۔

''یہ تو بیٹا..... اب ہاتھ کے ہاتھ بک جائیں گے..... لیکن کل کو تجھے افسوس ہوگا کہ کیوں بیچ دیے..... تو ایک بار پھر سوچ لے، میں یہ شام کو لے جاؤں گا..... مرزا کا سالا سنار کا کام کرتا ہے..... مرزا سے بات بھی کر لوں گا یا پھر اگر تیرا ارادہ بدل جائے تو سو بسم اللہ..... اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔''

''ٹھیک ہے ابا.....'' اس نے بات مان لی تو اماں بھی خوش ہو گئیں اور گلو بھی مطمئن سا دکان پر واپس چلا گیا۔

لیکن شام کو بھی اس کا ارادہ ملتوی نہیں ہوا۔ ابا مجبوراً مرزا کو لے کر سنار کے پاس چلے گئے اور زیورات کی قیمت سن کر تو ابا بھونچکا رہ گئے۔ مرزا بھی حیرت زدہ رہ گئے، اتنی زیادہ قیمت..... یہ تو مکان کی قیمت سے بھی زیادہ تھے..... مکان خرید بھی لیا جاتا تو اس میں سے رقم بچ جاتی۔

باقی کا سارا کام آسان ہو گیا..... البتہ ابا کی ایک ہی ضد تھی کہ مکان چندا کے نام پر خریدا جائے گا..... چندا کو یہ بات منظور نہیں تھی..... لیکن ابا کا کہنا تھا کہ زیورات چندا کے تھے اس لیے مکان بھی چندا کے نام پر خریدا جائے گا اور ابا اسی بات پر اڑ گئے..... چندا کو ماننے ہی بنی..... گھر خریدا بھی گیا اور خالی بھی ہو گیا..... کشور خالہ کو جانے کی جلدی تھی سو وہ لوگ جلد ہی چلے گئے۔ ان کے جانے بعد ابا مزدوروں کو لے کر آئے اور بیچ کی دیوار گرا دی گئی..... اس دن گھر میں عید کا سا سماں تھا..... عامر خان تو باقاعدہ صحن میں دھمال ڈال رہا تھا..... اماں خوشی کے مارے کبھی اندر ہوتیں تو کبھی باہر..... بار، بار ابا سے کہتیں۔

''سو بار کشور کے گھر آئی تھی پر کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں آیا تھا کہ ایک دن یہ گھر ہمارا ہو جائے گا..... خدا کا کتنا بڑا احسان ہے ہم پر.....'' آخر میں اماں کی آواز بھرا جاتی..... پھر چندا کو سینے سے لگا کر کہتیں.....

''میری بچی..... تیرا بہت، بہت شکریہ..... اتنے بڑے، بڑے کاموں کے لیے اللہ نے تجھے وسیلہ بنایا ورنہ ہماری کیا اوقات ہے۔'' چندا کو یہ سب اچھا نہیں لگتا وہ اماں کو منع کر دیتی۔

''اماں مجھے کریڈٹ نہ دیں..... یہ سب اسی طرح ہونا تھا۔'' اب گھر اتنا کھلا لگنے لگا تھا کہ محلے میں کسی کا گھر اتنا بڑا نہیں تھا گھر میں جو سب سے بڑا کمرا تھا اسے رنگ و روغن کر کے چندا نے اپنا سامان اسٹور سے نکال کر اس میں رکھ دیا تھا۔ دوسرا کمرا عامر خان کا ہو گیا..... وہ اپنا الگ کمرا سجاتے وقت خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ الگ کمرے کا مالک بھی بن جائے گا۔ بیٹھک کو صاف کر کے اسے مہمانوں کے لیے ٹھیک کر دیا گیا تھا..... محلے کے لوگ مبارک باد دینے آرہے تھے۔ اس دن روشنی کی ماں بھی مبارک باد دینے آئی تھیں وہ حسرت اور رشک سے سارے گھر کو دیکھ رہی تھیں۔ اماں چائے بنانے کے لیے اٹھ گئیں تو وہ چندا سے کہنے لگی۔

''حلیمہ سب سے پہلے گلو کے لیے میری روشنی کا رشتہ مانگنے آئی تھیں.....'' پھر آہ بھر کر بولی۔ ''بس سمجھو..... قسمت میں ہی نہیں تھا کہ دونوں کا نجوگ ہوتا۔''

''جی خالہ.....'' چندا سر جھکا کر بولی۔ ''جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور میرا اور گلو کا جوڑا بھی یقیناً آسمانوں میں بنا ہوگا اس لیے اس کا رشتہ روشنی سے نہ ہو سکا۔''

''ہاں پتر.....'' روشنی کی ماں ٹھنڈی سانس لے کر



Digitized by Google

بولی۔ ''اب یہ سب دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ کاش..... گلو کا رشتہ قبول کر لیتی تو.....'' پھر وہ جلدی سے سنبھل کر بولی۔ ''ویسے حلیمہ اچھی عورت ہے نہ کبھی شکوہ کیا..... نہ آنا جانا ختم کیا.....''

اتنے میں اماں چائے لے کر آگئیں تو بات ختم ہوگئی..... چندا اب اپنا سارا زور گلو کو پڑھانے میں لگا رہی تھی اور گلو اتنا ذہین تھا کہ جو بھی اسے سکھایا جاتا اس کا ذہن فٹافٹ اسے کیچ کر لیتا اب وہ کاپی پر دکان کا سارا حساب کتاب لکھتا تھا اب تو محلے میں سب سے معتبر گھرانا انہی کا تھا..... جنرل اسٹور کی آمدنی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

اس دن بھی مینا آئی تھی..... وہ ایک مخلص دوست تھی جس نے چندا کے لیے وہ سب کیا جو وہ کر سکتی تھی۔ مینا جب بھی آتی اماں اسے ایسا پروٹوکول دیتیں جیسے چندا کے میکے سے کوئی آیا ہو..... وہ چندا کو مینا کے پاس سے اٹھنے نہ دیتیں اور چائے کا کھانا سب خود تیار کرتیں آج بھی چندا، مینا کو اپنے کمرے میں لے گئی..... کمرے کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ بولی۔

''واہ چندا..... کمرا تو بہت اچھا سجا رکھا ہے۔''

''ہاں!'' چندا مسکرا کر بولی۔ ''گلو ہر روز کچھ نہ کچھ کمرے کے لیے نیا لے آتا ہے.....'' دونوں باتیں کرنے لگیں کہ اچانک چندا کو متلی سی محسوس ہوئی وہ بات کرتے، کرتے گھبرا کر غسل خانے کی طرف بھاگی..... مینا نے گھبرا کر اسے دیکھا..... اماں اس وقت مینا کے لیے چائے لا رہی تھیں وہ بھی گھبرا گئیں..... چندا کے پیچھے غسل خانے میں گھس گئیں اور جب وہ فارغ ہوگئی تو اسے تھام کر باہر لے آئیں اور مینا سے کہنے لگیں۔

''مینا بچے..... تم چندا کو سنبھالو..... میں پاس والی ڈاکٹر کو بلا لاتی ہوں.....''

چندا کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا وہ بستر پر گرنے کے انداز میں لیٹ گئی۔ اماں نے برقع لیا اور تیر کی طرح گھر سے باہر نکل گئیں..... ڈاکٹر نے چندا کا معائنہ کیا تو خوشخبری سنا دی۔

''حلیمہ خالہ..... مبارک ہو آپ دادی بننے والی ہیں۔''

''کیا.....؟'' مارے خوشی کے اماں کی سانسیں رکنے لگیں۔

''کیا کہہ رہی ہو ڈاکٹر سعدیہ..... کیا یہ سچ ہے؟''

''بالکل سچ ہے.....'' ڈاکٹر سعدیہ مسکرا کر بولی۔

اس خبر سے گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی..... گلو کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ چندا جہاں قدم رکھے وہ وہاں پھول بچھا دے..... وہ میٹھی، میٹھی نظروں سے چندا کو مسلسل دیکھ رہا تھا اور چندا اپنے آپ میں سمٹی جا رہی تھی..... اماں نے چندا کو تھیلی کا چھالا بنا کر رکھ دیا تھا..... گھر کے سب لوگ اس کا اتنا خیال رکھ رہے تھے ایسا لگتا تھا جیسے چندا کے علاوہ کبھی کسی لڑکی نے بچہ نہ جنا ہو..... مینا اس کی طبیعت کے پیشِ نظر اب جلدی، جلدی آنے لگی تھی۔ اس دن مینا، چندا سے کہہ رہی تھی۔

''چندا..... خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہیں خدا نے سب کچھ دے دیا۔ اچھا اور شریف شوہر..... محبت کرنے والا گھرانا اور اب یہ بچہ..... یقیناً اب تمہاری ساری خواہشات پوری ہوگئی ہیں۔''

''ہاں مینا.....'' چندا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''یقیناً خدا نے مجھے بہت نوازا ہے لیکن وہ جو کہتے ہیں ناں کہ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے.....''

''کیا مطلب.....؟'' مینا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کیا اب بھی کوئی خواہش ہے تمہارے دل میں.....؟''

''ہاں.....'' چندا اداسی سے بولی۔ ''کاش میرے والدین کی ناراضی ختم ہو جائے اور وہ مجھے اپنا لیں..... بس اب یہی خواہش ہے۔''

اور باہر کھڑی اماں کو لگا جیسے ان کا دل کسی نے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا ہو..... کچھ دیر سوچنے کے بعد اماں نے دل ہی دل میں عزم کر لیا تھا کہ جب گلو اور چندا کا بچہ پیدا ہو جائے گا تو وہ چندا اور بچے کو خود پیلی کوٹھی لے کر جائیں گی۔ وہ زیرِ لب خود سے کہنے لگیں۔

''چندا پتر..... تو نے ہمیں ان گنت خوشیاں دی ہیں، یہ ایک خوشی میں تمہیں ضرور دوں گی..... جس طرح بھی ممکن ہو.....'' آپ بھی دعا کریں کہ گلو کی اماں، چندا کو یہ خوشی دے سکیں۔



Digitized by Google

سلسلے وار ناول

# نار

## سحر ساجد

نار کہانی ہے محبت کی مگر اس میں آپ کو محبت ہوتی نظر نہ آئے گی... سمجھ نہ آئے گی گر سمجھ آگئی تو سلجھ نہ پائے گی...

نار کہانی ہے اِک راز کی... اور راز اِک چنگاری سے کم نہیں ایسی چنگاری جو سلگی تو بھڑکے گی، گر بھڑکی تو... شاید دل بچیں گے نہ وجود...

نار کہانی ہے دو ناآسودہ لوگوں کی جو مردہ دلوں کو زندگی کی ڈور سے باندھے گھسیٹتے ہیں اور پھر خود ہی گھسٹتے چلے جاتے ہیں... زندگی کا تنفس برقرار رکھنے کی بدترین کوشش میں...

نار اک پہیلی ہے یا کسی کی سہیلی ہے مگر نار تو نار ہے... سہیلی کیسی؟

ایک چپ رہنے کے سب الزام مجھ پر ہی نہ تھے
خامشی پر بھی تو تہمت لب کشا ہونے کی تھی
میں خود اپنی آگ ہی میں جل بجھا تو یہ کھلا
شرط جلنے کی نہیں تھی کیمیا ہونے کی تھی

نار پڑھیے، الجھیے اور پھر سلجھایئے.....

Digitized by Google

گھر اس طرح سے بتیوں سے سجا ہوا تھا جیسے کوئی دلہن top to toe سجی سنوری ہوتی ہے۔ سنہری بتیوں کی وجہ سے پورا گھر جگمگ نور بنا ہوا تھا۔ لان میں موجود درخت بھی ان ہی بتیوں کی وجہ سے سبز کے بجائے سنہری زیادہ دکھتے تھے۔ تنوں کے گرد لپٹی بتیاں، شاخوں میں الجھ کر جھولتی، جلتی بجھتی بتیاں، گھر کے باہر بیرونی دروازے کے دائیں بائیں بنے ستونوں پر بتیاں، گلی میں بھی ... بتیوں اور قمقموں کی سجاوٹ نظر آتی تھی۔ رات کے وقت بھی دن کا سا گماں گزرتا تھا۔ جس طرف نگاہ کرو، بتیاں ہی بتیاں..... خوب صورت لائٹنگ اک دم شاندار.....

اس لائٹنگ کے علاوہ ایک مخصوص چہل پہل بھی نظر آتی تھی۔ اِدھر اُدھر بھاگتے بچے، آتے جاتے لوگ، مہمان اور داخلی دروازے کے پاس چہرے پر مسکراہٹ سجائے کھڑے میزبان..... اِک مخصوص سا شور، ویسا ہی کہ جیسا اس قسم کی کسی بھی تقریب میں ہوتا ہے۔ اور اگر بیرونی دروازے سے جیسے ہی اندر جاؤ اور قدم جوں، جوں اندرونی سمت بڑھتے جائیں تو ساری آوازوں پر حاوی ہوتی اِک آواز سنائی دیتی تھی۔ ڈھولک کی تھاپ..... تھاپ اِک لے میں گونجتی تھی اور گونجتے، گونجتے یک دم بے ڈھنگی سی ہوتی اور پھر چند نسوانی قہقہے بلند ہوتے ذرا سا شور اور پھر سے تھاپ اسی لے میں گونجنے لگتی۔ سریلی سی آوازیں..... ماہیے گانے لگتیں۔

آج مہندی تھی اور مزنہ کو خوب غضب کا روپ چڑھا تھا۔ نظر ٹھہرتی نہ تھی۔ گوری رنگت اور اس پر چہرہ معصوم، اس کے چہرے کے اِک، اِک نقش میں بنانے والے نے معصومیت کوٹ، کوٹ کر بھر رکھی تھی۔ پیلا جوڑا، پیلی سبز سنہری چوڑیاں، پیلے، سفید، سرخ پھولوں سے لدی ہوئی، دوپٹے کا ذرا سا گھونگٹ نکالے وہ شرم سے لال، پیلی ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی سہیلیاں اس کے کمرے میں موجود تھیں اور اسے چھیڑنے کے ساتھ، ساتھ ڈھولک بھی بجا رہی تھیں، ڈھولک پھر سے اِک لے کے ساتھ بج رہی تھی۔

''دولھا والے آگئے، دولھا والے آگئے..... اٹھو، اٹھو..... جلدی کرو، پلیٹیں پکڑو، شی، امبر۔'' ایک دم کسی نے آ کر کہا تھا اور ڈھولک بجتا بند ہوئی۔ کئی آوازیں اِک ساتھ بلند ہوئیں۔ اک افراتفری سی پھیلی اور چند منٹوں میں ہی کمرا خالی.....

مزنہ اکیلی رہ گئی تھی۔ اس نے اٹھ کر کھلا دروازہ ذرا سا بھیڑ دیا تھا اور پھر سج، سج کر قدم اٹھاتے ہوئے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ دوپٹے کو چہرے پر سے ذرا سا سرکایا، اپنا روپ دیکھا اور اِک مسکراہٹ اس کے چہرے پر روشنی کی طرح چمک کر پھیلی تھی۔ وہ شاید ابھی کچھ دیر اور آئینے کے سامنے یوں ہی کھڑی رہتی کہ دروازہ اچانک کھلا تھا، وہ بے ساختہ مڑی اور آپی کو دیکھ کر وہ بے اختیار جھینپی تھی۔

خولہ اس کے جھینپنے پر مسکرائی تھی۔ لیکن اس کی مسکراہٹ کو اِک عجیب سے تاثر نے اچانک ہی ڈھانپ لیا تھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے ٹھہر سی گئی۔ قدم بڑھا کر مزنہ تک جا نہ سکی تھی۔ اور مزنہ..... وہ وہیں سر جھکائے اسی جھینپے سے انداز میں کھڑی تھی۔ خولہ نے اِک گہری سانس بھری نرمی سے چلتے ہوئے وہ اس تک آئی۔ مزنہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے، مزنہ نے سر اٹھا کر مسکراتی مگر جھینپی نگاہوں سے خولہ کو دیکھا تھا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' خولہ نے نرم لہجے میں کہا۔ اور پھر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ کہنے کو تو اس نے کہہ دیا تھا کہ اسے کچھ بات کرنی ہے مگر اب..... وہ گونگی ہو کر رہ گئی تھی۔

''آپی.....'' مزنہ نے اس کے نہ بولنے پر آہستہ سے پکارا تھا۔

''ہمایوں بہت اچھا انسان ہے..... میں جانتی ہوں مزنہ کہ وہ تمہیں بہت اچھے سے رکھے گا لیکن..... لیکن اسے کبھی ہاں کبھی بھی یہ معلوم ہونے نہ دینا کہ تم.....'' مزنہ کے پکارنے پر جیسے اس کی قوتِ گویائی لوٹ کر آئی تھی۔

''لیکن آپی! اس میں حرج ہی کیا ہے، کیا اس بات سے کوئی فرق پڑتا ہے؟ آپ خود ہی تو کہہ رہی ہیں وہ



Digitized by Google

ایک اچھا انسان ہے تو پھر؟''

''عزنہ.....'' خولہ نے یک دم اس کی بات کاٹی۔

''فرق پڑتا ہے جبھی تو میں تمہیں منع کر رہی ہوں، ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے سوا چھائی کی بھی ہے، بہت سی نزاکتیں ہیں جنہیں تم ابھی نہیں سمجھ سکو گی۔ یہ تمہیں تب سمجھ میں آئیں گی جب تم میری عمر کو پہنچو گی، سوال مت کرو۔ جو میں کہہ رہی ہوں اسے پلو سے باندھ لو، گرہ لگا لو، گھول کر پی لو کہ اسے کبھی کسی حالت میں بھی یہ بات معلوم نہ ہونے دینا۔'' اب کہ ایک، ایک لفظ پر زور دے کر خولہ نے کہا۔

عزنہ خاموش ضرور ہو گئی تھی لیکن وہ کتنی الجھ چکی تھی۔ یہ اس کے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ خولہ چند لمحے اس کے الجھن بھرے تاثرات کو دیکھتی رہی، وہ جانتی تھی کہ یہ بات کہہ کر وہ اسے الجھا دے گی، پریشان کر دے گی مگر اس کے سوا چارہ بھی تو کچھ اور نہیں تھا۔

''عزنہ.....'' اس نے یک دم اس کے دونوں ہاتھ اپنے سرد ہوتے ہوئے ہاتھوں میں لیے تھے۔ ''یہ بات ایک راز ہے اب سے اور..... یہ راز اِک چنگاری ہے، سلگتی ہوئی چنگاری..... ایسی چنگاری جو اِک ''نار'' کو بھڑکا دے گی کہ پھر جسے تم بجھا سکو گی اور نہ میں..... یہ محض بھڑکے گی ہی نہیں بلکہ سب کچھ بھسم کر دے گی۔ اور پھر سب ختم... سب ہاں سب ختم۔''

خولہ جب یہ کہہ رہی تھی تو یوں بول رہی تھی جیسے وہ اپنے آپ میں نہ ہو اور عزنہ، وہ حیرت، الجھن اور ذرا سا ڈر کر اس کی بات سنتی تھی کہ خولہ کا لہجہ آنچ دیتا تھا، سلگتا سا تھا۔

☆☆☆

''یا میرے خدا.....''

فون سنتے ہی احمد صاحب سینے پر ہاتھ رکھ کر صوفے پر ڈھے پڑنے والے انداز میں گرے تھے۔

خولہ کچن میں تھی اور آواز اس کے کانوں تک بھی جا پہنچی تھی۔ وہ گھبرا کر تقریباً دوڑتے ہوئے کچن سے باہر آئی تھی۔

''ابو..... ابو کیا ہوا؟'' دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے بیٹھے..... احمد صاحب پریشان سے زیادہ بیمار نظر آنے لگے تھے۔

اور جب خولہ نے گھبرا کر اُن کا کندھا ہلا کر پوچھا تو یوں جیسے بچ جانے والی سکت نے بھی دم توڑ دیا تھا۔

''تمہارے پھوپا'' اور اس سے زیادہ وہ بول نہ پائے تھے..... منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے تھے۔

خولہ کے حواسوں نے بھی کام کرنا جیسے یک دم چھوڑا۔ وہ ابو کے پیروں کے پاس بیٹھی تھی۔ پھوپا ہارٹ پیشنٹ تھے اور..... اور..... وہ اس بے خیال کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی جو کہ اس کے ذہن میں منڈلانا شروع ہو چکا تھا..... عزنہ بھی ان آوازوں پر کمرے سے باہر آئی تھی۔

''ابو، ابو کیا ہوا پھوپا کو.....؟'' خولہ اب ان کا ہاتھ پکڑ کر ہتھیلی کو ملتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''اعجاز کی مارکیٹ میں آج صبح اچانک آگ بھڑک اٹھی تھی۔ سب کچھ جل کر تباہ ہو گیا اور وہ برداشت نہ کر سکا.....'' احمد صاحب نے اتنی سی بات کہی اور پھر سے رونے لگے تھے۔

خولہ کے بدن میں یک دم لرزش اتری تھی۔ عزنہ مارے گھبراہٹ کے اسی جگہ پر کھڑی مجسم ہو کر رہ گئی تھی۔

''کس..... کس اسپتال.....؟'' خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے خولہ نے پوچھا۔

''وہ..... نہیں رہا.....'' لفظ نہیں تھے..... وہ لفظوں کی صورت منوں، ٹنوں وزن تھا..... اِک بم تھا جو عین ان کے سروں پر ڈھے پڑا تھا۔ پھٹ پڑا تھا۔

خولہ ابو کے پیروں کے پاس ہی ڈھے پڑنے والے انداز میں زمین پر گری تھی۔ اور عزنہ..... اس کے منہ سے



Digitized by Google

ایک دم چیخ نکلی تھی۔ وہ تینوں نفوس ایک وقت میں ایک ہی جیسے بھاری اور پُرشدت صدمے کا شکار ہوئے تھے۔

''پھپھو، جہانگیر..... کیا گزر رہی ہوگی ان پر؟ کیا بیتا ہوگا ان دونوں پر..... کیسے سہہ پائے ہوں گے وہ یہ؟ کیسے؟'' خولہ دونوں کہنیاں گھٹنوں پر ٹکائے دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی تھی جبکہ عزنہ احمد صاحب سے لپٹ کر اونچی آواز سے روئے جا رہی تھی۔ وہ یوں بھی چھوٹی تھی اور گھبرانے میں ہمیشہ ہی عجلت کا مظاہرہ کرتی تھی۔ اور ابو..... وہ بھی عزنہ کو ساتھ لپٹائے بری طرح روئے جا رہے تھے۔ کوئی اگر شاک کی سی کیفیت میں تھا تو وہ خولہ ہی تھی..... وہ یوں بیٹھی تھی... جیسے اس ایک بات پہ اک خبر پریشین نہیں کر پائی ہو..... اعتبار نہ کر سکی ہو۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے اسی ایک حالت میں بیٹھی رہی تھی۔

☆☆☆

اعجاز صاحب کی موت کے بعد سب سے زیادہ ہولناک انکشاف یہ تھا کہ ان کا کئی کنال کا گھر گروی رکھ کر قرض لیا گیا تھا..... احمد صاحب جیسے، جیسے حالات کو ڈیل کر رہے تھے۔ ویسے، ویسے پریشان سے پریشان تر ہوئے جا رہے تھے۔

بظاہر ٹھاٹ باٹ اور اندر خانہ صورتِ حال..... اسی کوٹ جیسی کہ جس کی جیبیں اُدھڑی ہوئی، پھٹی ہوئی تھیں۔

جہانگیر اس وقت آنرز کے تیسرے سمسٹر میں تھا۔ بچہ تھا اور وہ بھی لاڈلا۔ اس کے لیے باپ کا صدمہ ہی کافی تھا۔

اعجاز صاحب تمام معاملات نمٹانے کے بعد چھوٹی بہن فرخندہ کو اپنے گھر لے آئے تھے۔ جو مارکیٹ جل کر راکھ میں تبدیل ہوئی تھی۔ اسے دوبارہ سے کھڑا کرنا ناممکن تھا، اتنا سرمایا کہاں سے آتا۔ بینک بیلنس اگر ہوتا تو اعجاز صاحب گھر ہی گروی کیوں رکھتے، وہ ان دنوں ایک اور مارکیٹ خریدنے کے چکر میں تھے، بینک سے لون نہ ملنے کی وجہ سے انہوں نے گھر گروی رکھا تھا لیکن کون جانتا تھا کہ حالات اس طرح سے پلٹا کھا جائیں گے کہ اُن کی بیوی اور اکلوتے بیٹے کو ساری عمر کے لیے مجبور کر کے رکھ دیں گے۔ اس جلی ہوئی راکھ میں بدلی ہوئی مارکیٹ کو یونہی بیچ دیا گیا..... جتنے میں بھی سہی، جیسے بھی سہی۔ احمد صاحب نے اسے بیچ کر وہ رقم جہانگیر کی تعلیم کے لیے محفوظ کر دی تھی اور جہاں تک ان دونوں کے خرچے کی بات تھی تو اتنا تو انہیں اللہ نے دے ہی رکھا تھا کہ وہ بیوہ بہن اور بھانجے کا بوجھ اٹھا سکتے۔

اسی لیے وہ فرخندہ اور جہانگیر کو اپنے گھر لے آئے تھے۔ اس سے قطع نظر کہ ان کے گھر میں گنجائش ہوتی یا نہیں ہوتی..... یہ معاملہ گھروں کا نہیں ہوتا، دلوں کا ہوتا ہے اور احمد صاحب کا دل.....

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس شخص کا دل صلۂ رحمی سے کوٹ، کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اور ان کے پاس رشتوں کے نام پر تھا ہی کیا خولہ، عزنہ، دو بیٹیاں اور ایک بہن بس..... تو جب بہن اس حال کو پہنچے تو بھائی کیسے لاتعلق ہو جاتا، وہ کوئی اور بدقسمت بھائی ہوتے ہوں گے جو بے حس و لاتعلق بن کر جی لیتے ہوں گے..... احمد ایسے نہ ہو سکتے تھے اور نہ ہی تھے۔

اس حادثے کے بعد زندگی اک تعطل کا شکار ضرور ہوئی تھی لیکن زندگی کا کام چلنا ہے اک جھٹکے کے بعد..... کچھ عرصے کے بعد کچھ وقت بیت جانے کے بعد زندگی نے اپنی ڈگر پر پاؤں رکھ دیے تھے، لڑکھڑا کر ہی سہی، وہ چل ہی پڑی تھی۔

جہانگیر اپ سیٹ تھا..... وہ ضرورت سے زیادہ خاموش ہو گیا تھا اور چڑچڑا بھی۔ اسے ماموں کے گھر رہنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہاں اپنے گھر جیسی سہولیات تھیں نہ ہی بے فکر زندگی..... ایک مکمل مختلف ماحول..... جہاں اسے گزارہ کرنا تھا۔ وہ یک دم ہی مجبوروں والی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اگرچہ زندگی پہلے جیسی نہ بھی مگر اتنی بری بھی نہیں تھی لیکن جہانگیر کو کون سمجھاتا۔ احمد صاحب احسان نہیں کرتے تھے لیکن جہانگیر اسے احسان ہی سمجھتا تھا۔ خواہ مخواہ ہی وہ خود ترسی کا شکار ہو گیا تھا۔ خولہ اور عزنہ اسے گھر کے فرد کی طرح ہی ٹریٹ کرتی تھیں۔ احمد صاحب



Digitized by Google

اسے بیٹا کہتے تھے لیکن وہ...... ہر ماہ جب اسے پاکٹ منی ملتی، ہر سمسٹر کی فیس جب ادا کی جاتی، نئے کپڑے، جوتے جب، جب خریدے جاتے جب اس سے یہ پوچھا جاتا کہ اسے کچھ چاہیے تو نہیں۔ گاڑی کی جگہ جب بائیک پر یونی جانا پڑتا، جب بھی اسے ماں سے پیسے مانگنے پڑتے تو ہر دفعہ اس کے اندر اِک احساس اپنی جڑیں کچھ اور پھیلا لیتا...... اس احساس کی جڑیں اسے جکڑنے لگتیں۔ اسے ایسی زندگی نہیں چاہیے تھی، اس نے ایسی زندگی کا کب سوچا تھا۔ کب اس نے اس طرح کا طرزِ زندگی چاہا تھا۔ اسے پڑھنا تھا، کامیاب ہونا تھا اور پھر سے وہی لائف اسٹائل ویسا ہی گھر حاصل کرنا تھا۔ کبھی حوصلہ ٹھاٹھیں مارنے لگتا تو کبھی عزم ٹوٹ کر بکھر جاتا...... اور اسی کشمکش نے اسے چڑچڑا، بدمزاج اور غصیلا بنا کر رکھ دیا۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت مسخ ہوئی تھی۔ وہ...... وہ جہانگیر نہیں تھا جیسا اس کے باپ نے چاہا تھا یا اس کی ماں کی آنکھوں نے دیکھنا چاہا تھا۔

حادثے کب سلامت چھوڑتے ہیں، بلندی سے پستی...... کہنے کو دو متضاد لفظ مگر یہ سفر شدید ترین اذیت ناک سفر...... یہ وہ ہی جانے کہ جس کے پیروں نے یہ فاصلہ طے کیا۔ مرنے والے مر جاتے ہیں اور پیچھے رہ جانے والے، وہ بس مرتے ہی تو نہیں...... باقی رہتا ہی کیا ہے؟ گو کہ جہانگیر کے لیے زندگی اتنی مشکل ثابت نہیں ہوئی جتنی کسی دوسرے کے لیے ہو سکتی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسے قدر نہیں تھی، غصہ تھا، گلے تھے، شکوے تھے، مشکل ہوتی تو جانتا ناں کہ زندگی کیسے ناک کی لکیریں بھی نکلوا کر رکھ دیتی ہے...... مشکل سر پر ٹوٹ کر پڑتی تو جانتا ناں کہ آبلہ پائی ہوتی کیا ہے، آخر کیا؟

☆☆☆

''یہ کیا ہر جمعرات کو گھر کو قبرستان بنایا ہوا ہوتا ہے تم لوگوں نے......'' ابھی، ابھی وہ یونیورسٹی سے آیا تھا اور آتے ہی اگربتی کی خوشبو سے گری پڑی تھی۔ اسے رہ کرتا وُ آیا۔

''حد ہوتی ہے جہانگیر...... ختم کا دن ہے اور ابو کو تو تم جانتے ہی ہو۔''

''کب تک یار، تم لوگوں کے ڈھکوسلوں سے قبر میں پڑے مردے کیا فیض یاب ہوتے ہیں؟ کھانے ٹھونسنے کے لیے بس ڈھونگ رچا رکھے ہیں۔'' وہ سخت بیزار نظر آتا تھا۔

''ابو تو ابھی تک دادا کا ختم دلواتے ہیں ہر جمعرات کو اور تم ہو کہ......''

''بس، بس...... مجھے نہیں سننا پھر سے وہی ہسٹری نامہ...... بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ اس خاندان میں بچوں کے نام بھی پیروں سے پوچھ، پوچھ کر رکھے جاتے تھے۔''

خولہ کی بات یک دم کاٹی گئی تھی۔ اور وہ چپ کی چپ رہ گئی تھی۔

''کھانا......؟'' اس نے موضوع بدلنا بہتر جانا تھا۔

''ظاہر ہے کھاؤں گا ہی...... لیکن اللہ کا واسطہ، اس ختم والا کھانا نہ مجھے دینا۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا تھا۔

''جہانگیر! تم بھی حد ہی کرتے ہو خواہ مخواہ کی چڑ پال رکھی ہے تم نے......'' خولہ کہتے ہوئے اٹھی تھی۔

جہانگیر نے شدید بیزاری سے سر جھٹکا تھا۔ جہانگیر اور خولہ ہم عمر تھے...... چند ماہ کے فرق سے جہانگیر، خولہ سے بڑا تھا۔ جہانگیر کی گھر میں کسی سے نہیں بنتی تھی، اسے ہر بات' ہر کام پر اعتراض ہی ہوا کرتا تھا۔ اب بھی وہ دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھے آنکھیں موندے صوفے پر نیم دراز تھا...... یقیناً کھانے کا انتظار تھا۔ اسی دوران لینڈ لائن کی بیل بجی تھی۔ جہانگیر صاحب اٹھ کر جاتے، یہ کیسے ہوتا بھلا......؟

مزنہ کمرے سے باہر آئی تھی، فون بھی اسی کا تھا۔ وہ وہیں ٹیلی فون اسٹینڈ کے پاس کھڑے ہو کر گپیں ہانکنے لگی۔ جہانگیر نے تھوڑی دیر تو برداشت کیا اور پھر......

''تمہاری باتیں ہی ختم نہیں ہوتیں، بند کرو یہ فون......'' آنکھیں کھول کر، رخ بدل کر وہ غصے سے دہاڑا۔



Digitized by Google

مزنہ چونکی..... حیرت بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔
''وہ جہانگیر بھائی میری دوست.....'' وہ منمنائی تھی۔
''میں کہہ رہا ہوں فون بند کرو.....'' جواباً اور اونچی آواز میں کہا گیا تھا۔ مزنہ نے گھبرا کر فون کریڈل پر رکھا اور اندر بھاگ گئی تھی۔
''اس گھر میں بندہ دو گھڑی سکون سے بیٹھ بھی نہیں سکتا.....'' وہ حد درجہ کوفت سے بڑبڑایا تھا۔ خولہ نے یہ منظر دیکھا تھا لیکن وہ خاموش رہی اور اسی خاموشی کے ساتھ اس نے کھانے کی ٹرے جہانگیر کے آگے لا رکھی تھی۔

☆☆☆

''جہانگیر..... پھوکا بی پی شوٹ کر گیا ہے..... جلدی آؤ۔'' جس قدر بوکھلا کر فون کیا گیا تھا، اسے سن کر وہ بھی حواس باختہ ہوا تھا۔
''ماموں کہاں ہیں؟'' لاؤڈ ہو کر پوچھا گیا۔
''وہ شہر سے باہر ہیں۔'' خولہ نے روتے ہوئے جواب دیا۔
فرخندہ کو بی پی کا مسئلہ اب کا نہیں تھا۔ یہ مرض کافی عرصے سے انہیں لاحق تھا لیکن اعجاز صاحب کی وفات کے بعد سے مرض نے جیسے شدت اختیار کر لی تھی۔
''میں بہت فاصلے پر ہوں خولہ..... گاڑی ہے گھر میں؟''
''ہے.....''
''تو لے جاؤ ناں امی کو.....'' اسے جیسے رہ کر غصہ آیا تھا۔
''میں.....؟ مجھے کہاں آتی ہے ڈرائیونگ.....''
''واٹ.....؟'' وہ چلایا اور جواباً خولہ کی سسکیاں ابھریں۔
اس نے جھنجلا کر فون بند کیا۔ ایمبولینس کو کال کی، پتا سمجھایا خولہ کو کال کرنے کے بعد اس نے... بھی اسپتال کا رخ کیا تھا۔ اور جب وہ اسپتال پہنچا تو فرخندہ کی حالت سنبھل چکی تھی۔ اس نے غصہ جانے کس لحاظ میں پی لیا تھا۔ اس وقت تو پی لیا تھا لیکن رات کو..... رات کو ماموں کے آنے پر وہ پھٹ پڑا تھا۔ تب تک فرخندہ بھی گھر آ چکی تھیں اور اب دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھیں۔ ماموں کو دیکھتے ہی اسے سخت تپ چڑھی تھی۔
''کیا سکھایا ہے آپ نے بیٹیوں کو..... انہیں یہ تک نہیں معلوم کہ ایمرجنسی میں مجھے نہیں، ایمبولینس کو کال کی جاتی ہے۔ اور آپ نے انہیں گاڑی تک چلانا نہیں سکھائی۔ کل کو آپ کو کچھ ہوا اور میں شہر سے باہر ہوا تو تب، تب یہ کیا کریں گی.....؟'' الفاظ اور لہجہ دونوں ہی نہایت گستاخ تھے۔
''تمیز سے بات کرو جہانگیر..... تمہیں کیا سکھایا گیا ہے آخر؟ کیا یہ بھی نہیں کہ بڑوں سے بات کیسے کی جاتی ہے؟'' خولہ کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ وہ کبھی غصے سے ہی بول رہی تھی اور اتنا ہی اونچا..... جتنی اونچی جہانگیر کی آواز تھی۔
''خولہ.....!'' احمد صاحب نے اسے ڈپٹا اور پھر انہوں نے رخ جہانگیر کی طرف موڑا۔
''تم ٹھیک کہتے ہو، مجھے کم از کم انہیں گاڑی چلانا سکھانی چاہیے تھی۔ اب تم ہو ناں، تم سکھا دینا.....'' نرمی سے کہتے ہوئے انہوں نے جہانگیر کا کندھا تھپتھپایا۔
''میری ذمے داری ہے کیا؟'' وہ ٹھنڈے مگر اسی بدتمیز لہجے میں بولا۔ خولہ نے بل کھا کر اسے دیکھا مگر احمد صاحب کی نظریں اسے بولنے نہیں دیتی تھیں۔
''ٹھیک ہے، تم جاؤ اب آرام کرو۔'' اسی نرم لہجے میں اس سے کہا گیا۔ وہ اک سخت نظر خولہ پہ ڈال کر چلا گیا۔
''کیا ہو گیا ہے خولہ! اسے گر کچھ نہیں سکھایا گیا تو تم کس بات کا ثبوت دے رہی ہو؟'' اس کے جاتے ہی وہ


Digitized by Google

برہم انداز میں خولہ سے مخاطب ہوئے تھے۔
''ابو، اب آپ زیادتی کررہے ہیں..... اس کا لہجہ دیکھا تھا آپ نے۔''
''پریشان ہے، اس لیے آؤٹ ہوگیا اور غلط تو نہیں کہہ رہا تھا ناں..... مجھے تم دونوں کو ڈرائیونگ سکھانی چاہیے تھی۔''
''ٹھیک ہے ضرور سکھائیں ڈرائیونگ۔ لیکن یاد رکھیے گا مجھے بھی اب اس گدھے سے ڈرائیونگ نہیں سیکھنی اور خبردار جواب آپ نے دوبارہ یہ بات کہی تو.....'' وہ ٹھیک ٹھاک تپی ہوئی تھی۔
''خولہ.....''
احمد صاحب کی ناراض آواز پر اس نے غصے سے سر جھٹکا تھا۔ اتنی بدتمیزی، وہ بھی اس کے ابو کے ساتھ اسی کے سامنے..... کاش کہ وہ ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارتی، وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

وقت کوئی آج تک پکڑ سکا..... یہ کام بھلا کبھی ہوسکا۔ کوئی روک سکا..... بند باندھ سکا نہیں ناں..... تو ان پانچ نفوس کی زندگیوں میں یہ ہوتا اور کیونکر ہوتا..... وقت گزر رہا تھا اپنی مخصوص رفتار سے۔
خولہ نے MS مکمل کیا تو جہانگیر نے بھی MBA مکمل کیا تھا اور جیسے ہی اسے جاب ملی، اس نے نیا شوشا چھوڑ دیا تھا۔
وہ اب الگ ہونا چاہتا تھا..... اپنے پیروں پر کھڑا ہو چکا تھا تو مزید اب ماموں کے احسانات تلے زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ وہ اپنا علیحدہ گھر چاہتا تھا چاہے رینٹ پر ہی کیوں نہ ہوتا۔ دیکھا جائے تو خواہش غلط تھی نہ ہی اس کا عمل لیکن مسئلہ فرخندہ تھیں۔ وہ بے حد کمزور ہو چکی تھیں اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ یہاں تو مزنہ اور خولہ تھیں گھر کی کوئی ذمے داری بھی نہیں تھی۔ اب اس عمر میں اکیلے رہنا، گھر سنبھالنا، یہ کہاں ان کے بس کا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر ان کی طبیعت.....
احمد صاحب ہرگز بھی رضامند نہیں تھے..... زندگی میں پہلی بار انہوں نے جہانگیر سے غصے میں بات کی تھی لیکن وہ..... ذرا جوش سے مس ہوا ہو۔
''تمہیں ماں کی کوئی پروا ہے یا نہیں؟''
''مجھ سے زیادہ اور کس کو ہوسکتی ہے بھلا؟''
''تو پھر اس عمر میں کیوں اسے مجبور کرتے ہو؟ وہ اب اس طبیعت کے ساتھ گھر سنبھالے گی؟ تمہارے کپڑے دھوئے گی؟ کھانے بنائے گی؟ گھر صاف کیا کرے گی.....؟'' وہ بری طرح سے تلملائے تھے۔
''جس طرح آپ کے گھر میں یہ سارے کام میڈ کرتی ہے، ہمارے گھر میں بھی میڈ کردیا کرے گی۔''
''میڈ کو بھی پیسے دینے پڑتے ہیں برخوردار۔ اور تم جن چند ہزار کے بل پہ یوں میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہو، اس سے کیا، کیا کرو گے۔ گھر چلاؤ گے، ماں کی میڈیسن کے خرچے بھرو گے یا میڈ رکھو گے؟'' جہانگیر کے چہرے نے لمحوں میں رنگ بدلا تھا۔
''آپ جتا رہے ہیں؟'' وہ بھڑک کر بولا۔
''سمجھا رہا ہوں..... اگر تم سمجھو تو.....!''
''میں نہیں آپ سمجھیں ماموں، میں اب اور یہاں نہیں رہ سکتا۔''
''تم.....''
''اس کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں احمد بھائی.....'' فرخندہ کی آواز پر وہ اپنی بات جاری نہ رکھ سکے


Digitized by Google

تھے۔ وہ چونک کر مڑے تھے۔ وہ نم آنکھیں لیے شرمندہ سے چہرے کے ساتھ کھڑی تھیں۔

''فرخندہ کیسی باتیں کرتی ہو۔'' وہ یک دم اٹھ کر بہن تک گئے..... کندھے کے گرد بازو پھیلایا اور انہیں یوں ہی بازوؤں کے حلقے میں لیے صوفے تک لائے تھے۔ اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے انہوں نے بہن کا سر تھپکا تھا۔ وہ عمر میں اُن سے چھوٹی تھیں لیکن ان سے زیادہ بوڑھی دکھائی دیتی تھیں۔

''اسے اپنی مرضی کرنے دیں احمد بھائی..... یہ جب تک یہاں رہے گا، روز آپ کے منہ کو آئے گا اور مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوگا..... جب سر پر پڑے گی عقل تب ہی آئے گی۔'' وہ رنجیدہ ہو کر بول رہی تھیں۔

''یہ تو آفس چلا جایا کرے گا، پیچھے سے تم اکیلی اوپر سے طبیعت بھی تمہاری ٹھیک نہیں رہتی۔ کچھ ہو گیا تو ذمے دار کون ہوگا؟''

''رکھ کر دے گا ایک میڈ..... جو چوبیس گھنٹے میری چوکیداری کیا کرے گی، اسے بھی تو معلوم ہو کہ کس بھاؤ بکتی ہے۔''

''کمال بات کرتی ہو تم بھی..... میڈ خاک پروا کرے گی تمہاری۔''

احمد صاحب کسی طور پر مطمئن نہیں ہو رہے تھے اور جہانگیر پیزار کھڑا یہ جذباتی مکالمہ سن رہا تھا۔

''یہ اب اڑ گیا ہے بھائی صاحب، گھر میں آئے روز بدمزگی ہوا کرے گی، آپ سب ایک نہ ایک دن تنگ آجائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتی۔ اسے کر کے دیکھ لینے دیں اپنی مرضی.....'' وہ دونوں ہاتھ بھائی کے ہاتھوں پر رکھے آزردگی سے کہہ رہی تھیں۔

اور احمد صاحب ایک گہری سانس بھر کر رہ گئے تھے وہ اس پر زبردستی نہیں کر سکتے تھے، اسے مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ وہ جوان تھا، اپنی مرضی کا مالک تھا اور اب تو خیر سے روزگار بھی مل چکا تھا۔ کہاں تک روکتے اسے.....

اور جہانگیر نے انہیں نرم پڑتا دیکھ کر اپنی کوشش مزید تیز کر دیں۔ بہت اچھا نہ سہی..... لیکن گزارے لائق ایک مکان رینٹ پر لے لیا تھا اور چند ہی ہفتوں میں وہ ماں کو لے کر وہاں شفٹ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

رات کا وقت تھا، لان میں ایک برتھ ڈے پارٹی کا ارینجمنٹ نظر آرہا تھا لیکن اس ارینجمنٹ میں نفاست کا رنگ نمایاں تھا۔ افراد اِدھر اُدھر ٹولیوں کی شکل میں کھڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ تبسم مہمانوں سے ملنے میں مصروف تھیں۔ یہ برتھ ڈے پارٹی بھی اُن ہی کے لیے تھی۔ وہ عمر عزیز کی چالیسویں بہار کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں، وہ ایک بلند قامت لیکن اسمارٹ سی خاتون تھیں۔ یہ پارٹی بھی اُن کے بھائی نے بصد اصرار ارینج کی تھی ورنہ وہ ایک سنجیدہ شخصیت کی حامل اپنی روایات کی پاسدار خاتون جانی جاتی تھیں۔ بہت سے لوگ انوائٹڈ تھے، تبسم کا حلقۂ احباب بھی وسیع تھا۔ اور وہ... بھی تو تھی سادہ سیاہ شیفون کی ساڑی میں ملبوس لمبی گردن، کانوں میں موجود لمبے، لمبے آویزوں کی وجہ سے گردن اور لمبی نظر آرہی تھی۔ آویزے اس کی واضح طور پر نظر آتیں کالرز بونز کو چھو رہے تھے۔ بال ایک جوڑے کی شکل میں گردن سے ذرا سے اوپر بندھے ہوئے۔ چند لٹیں چہرے کے اطراف میں جھول رہی تھیں اور ٹھوڑی کے پاس آکر سیدھی لٹیں گولائی کی شکل اختیار کرتی نظر آرہی تھیں۔

میک اپ اگر تھا بھی تو نظر نہیں آرہا تھا، ہاں آنکھوں کا لائنر اور کاجل بڑی، بڑی آنکھوں کو کچھ اور نمایاں کر رہا تھا۔ چہرے کی اسکن گلو کر رہی تھی۔ وہ دلکش تھی یا نہیں اس وقت دل پر وار کرنے کی پوزیشن میں ضرور تھی۔ پاؤں کالے اسٹرپس والے ہائی ہیل جوتوں میں مقید تھے۔ ایک ہاتھ سے ساڑی کا پلو تھامے..... دوسرے ہاتھ میں کیک اٹھائے آہستہ، آہستہ چلتے ہوئے اس کی آنکھیں تبسم کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ زرا دیر سے پہنچی تھیں۔ سو استقبالیہ پہ کوئی موجود نہ تھا۔ لان میں پھیلے ہجوم میں تبسم کو ڈھونڈنا تھا..... وہ تھکنے لگی تھی کہ یک دم نظروں نے تبسم کو جا لیا تھا۔ وہ



Digitized by Google

قدرے جوش سے ان کی طرف بڑھی تھی۔
"many many happy returns of the days!" ان کے پاس جا کر خوشی سے کہتے ہوئے اس نے بکے مس تبسم کی طرف بڑھایا تھا۔
"ارے..... تھینک سو مچ....." تبسم نے اس کے گال سے گال ملاتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔
"لک ایٹ یو..... ہائے گاڈ، تم کتنی خوب صورت لگ رہی ہو۔" اس کو کندھوں سے پکڑ کر خود سے ذرا سا دور کر کے دیکھتے ہوئے تبسم نے کہا تھا۔
وہ ہلکا سا ہنس دی، ہنسی کیا..... سمجھو کہ کسی نے مٹھی بھر موتی کسی نقرئی برتن میں اچھال دیے ہوں، وہ اس کی ہنسی کی آواز پر ہی تو متوجہ ہوا تھا۔ وہ آج تیسری دفعہ اسے دیکھ رہا تھا۔
پہلی بار..... پہلی بار کب دیکھا.....؟ وہ تبسم آپی کو چھوڑنے جا رہا تھا۔ انہیں ڈراپ کرنے کے بعد اسے اپنے آفس جانا تھا۔ اس روز گاڑی راستے میں خراب ہوگئی تھی اور وہ گاڑی کا بونٹ اٹھائے اس خرابی کی تلاش میں کھڑا تھا کہ اس کے پاس سے ایک رکشا پھٹ، پھٹ کرتا گزرا۔ ذرا سا آگے جا کر رکا..... پھر بیک ہو کر اُن تک آیا تھا، ان کے پاس رکنے پر دروازہ کھلا اور ایک چہرہ نظر آیا..... اور وہ ہی کاجل سے بھری دو آنکھیں.....
"خیریت.....؟" تبسم بھی اس کے ساتھ ہی کھڑی تھیں۔ جبھی تو وہ پہچان پائی تھی۔
"گاڑی خراب ہوگئی ہے؟"
"آجائیں، آپ میرے ساتھ آجائیں..... گو کہ یہ ٹیوٹا کرولا نہیں ہے۔" آخر میں اس کا لہجہ ذرا سا شرارتی ہوا تھا۔ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے، تبسم سے بات کر رہی تھی۔ تبسم ہنس دی تھیں۔
"اس وقت یہ ٹیوٹا کرولا سے بھی بڑھ کر ہے۔" پھر تبسم نے مڑ کر بھائی سے کچھ کہا اور رکشے میں بیٹھ گئی۔ رکشا ایک دفعہ پھر سے پھٹ، پھٹ کرتا چل پڑا تھا۔ اور وہ بونٹ کھولے کھڑا ذرا سا حیران ہوا تھا۔ وہ پہلی نظر کی محبت نہیں تھی۔ لیکن اس چہرے نے اسے اٹریکٹ ضرور کیا تھا۔
"کیا آنکھیں تھیں، کیا معصومیت تھی؟" بے اختیار وہ بڑبڑایا تھا۔ اور اس کے بعد آج وہ غالباً اسے تیسری بار دیکھ رہا تھا اور بات اٹریکشن تک نہ رہی تھی مگر محبت تک بھی نہیں پہنچی تھی اور اسے ابھی محبت تک جانا بھی نہیں تھا۔
اٹریکشن کے بعد اور محبت سے پہلے..... یہ پسندیدگی تھی۔ وہ اس کی ہنسی کی آواز پر متوجہ ہوتا اور پہچان نہ پاتا یہ کیسے ہوتا.....؟ اس نے مڑ کر آواز کی سمت دیکھا۔ نظروں نے اسے گرفت کیا اور قدم بے اختیار..... ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے..... دوسرے میں مشروب کا گلاس تھامے، وہ اس تک آیا تھا۔
"السلام علیکم.....!" خوش دلی سے مسکرا کر کہا گیا۔ وہ یوں مخاطب کیے جانے پر ہلکا سا حیران ہوئی، حیران کیا ہوئی..... دل کشی اور بڑھ گئی تھی۔
"وعلیکم السلام....." اسی خوش دلی کے ساتھ نہیں..... جواب کافی سنجیدگی سے آیا تھا۔
"کیسی ہیں آپ.....؟"
"اللہ کا شکر ہے....."
"اتنی بے مروتی.....؟ بندہ جواباً حال ہی پوچھ لیتا ہے۔" اس کے سنجیدہ انداز پر وہ چڑا۔
اور وہ بے نیاز بس تبسم سے ہی باتیں بگھارے جا رہی تھی۔
اور وہ ڈھیٹ..... سارے ڈھیٹوں کو مات دیتا وہیں ہلکے، ہلکے سپ بھرتا کھڑا رہا تھا اور تبسم کے گھورنے پر بدمزہ ہو کر پلٹا تھا لگتا تھا کہ بات آج پسندیدگی سے نکل کر کسی اور سمت جا رہی تھی۔ یا کہ جانے والی تھی..... یا شاید جا چکی تھی۔ اسے خود بھی اندازہ نہ تھا..... نہیں ہو پا رہا تھا..... وہ اسے اتنی اچھی کیوں لگ رہی تھی.....؟ کیوں لگ رہی تھی؟



Digitized by Google

کہ وہ بار، بار گردن موڑ کر لان میں پھیلے ہجوم میں اسے تلاشتا اور جب وہ نظر آتی تو اِک مسکراہٹ ہونٹوں پر خواہ مخواہ ہی پھیل جاتی۔ دل میں ایک خوشی کی لہر، بے وجہ ہی، ایویں ہی اٹھتی اور سرشار سی کر جاتی۔

''کیا چہرے یہ کمال بھی کرتے ہیں۔'' وہ حیران تھا۔

''کیا دل یوں بھی پابند ہوتا ہے۔'' وہ یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

''کیا محض کسی کو آنکھ بھر کر دیکھ لے تو یہ ہی کافی ہوتا ہے...... یا کافی ہو سکتا ہے۔'' اعتبار نہیں آ تا تھا۔

اور اب کی بار جب اس نے حیران، بے یقین اور بے اعتبار ہونے کے لیے نظریں اٹھائیں تو وہ پورے لان میں کہیں نہ ملی۔ نظروں کی تلاش میں شدت آئی...... اور پھر وہ اسے بیرونی راستے پر باہر کو جاتی نظر آئی تھی۔ تو وہ پارٹی ادھوری چھوڑ کر... جا رہی تھی کیوں......؟ اس نے اپنے سامنے موجود شخص سے معذرت کی، لوگوں کے بیچ میں سے اور کبھی ان سے ٹکراتے ہوئے ان سے بچتے ہوئے، تیز، تیز قدم اٹھاتے تقریباً بھاگتے ہوئے وہ اس کے پیچھے آیا تھا۔

''ایکسکیوزمی......'' اس نے ایک دم بے اختیار چڑھی ہوئی سانسوں کے ساتھ آواز دی۔ اس کے قدم اچانک تھمے اور گردن موڑ کر اس نے حیرانی سے آواز کی سمت دیکھا۔

وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس تک آیا تھا۔ اور جب اس کے عین سامنے آیا تو حواس نے اطلاع پہنچائی کہ ''ہم...... م بھائی، اسے بھلا کیوں روکا......؟'' اور جواب؟ ندارد......

''جی......؟''

اور وہ کاجل بھری آنکھوں میں حیرانی سموئے جب پوچھتی تھی تو معصومیت جان لیتی تھی۔

''وہ......'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''آپ جا رہی ہیں......؟'' اور اس کے اس سوال پر ایسی نظروں سے اسے دیکھا گیا جیسے کسی کی دماغی حالت پر شدید شبہ ہو اور یہ احساس بھی اچانک ہی ہوا ہو۔

''میرا خیال ہے......'' ٹھہر کر جواب دیا گیا اور وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اور جب وہ یوں دیکھتی تھی تو اس کا دل چاہتا تھا کہ وقت ٹھہر جائے، سمے رک جائے، پتھر ہو جائے اور کوئی ایسا احساس بھی باقی نہ رہے جو کہ اس پل، اس لمحے، اس ساعت کو دھندلا کر دور دینے کا باعث بنے...... وہ اس کے یوں دیکھنے پر سر جھکا کر مسکرایا۔ اور جیبوں میں ہاتھ ڈال کر دو قدم اور آگے آیا تھا۔

''آپ کو نہیں لگتا کہ آپ کو پارٹی یوں چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔'' اور اس کے اس سوال پر اس لڑکی کی آنکھیں قدرے پھیل سی گئی تھیں۔ ٹھیک ہے وہ تبسم کا بھائی تھا مگر یہ بے تکلفی......؟ بے اختیار اس کا بایاں ابرو اوپر کو اٹھا۔ چہرے پر اک تیکھا پن نظر آیا۔

''ایکسکیوزمی......؟'' اور وہ ابرو اٹھا کر، اسی تیکھے پن کے ساتھ پوچھتی تھی اور مسکراہٹ کو قابو کرنے کے باوجود بھی سامنے کھڑے شخص کے لب مسکراتے ہوئے سے لگے تھے اور جب اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں کچھ تھا...... کچھ ایسا کہ جس نے اس لڑکی کو بے اختیار کانشس ہونے پر مجبور کیا تھا۔

''تو آپ نہیں ٹھہریں گی؟''

''آپ کا سوال بے معنی ہے۔''

''اور میں اگر...... اک بامعنی سوال کروں تو......؟''

''جی......'' اس کا بایاں ابرو پھر سے اوپر کو اٹھا...... ریفلیکس ایکشن۔

''آپ اچھی لگتی ہیں مجھے...... پروپوز کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ اس کے سامنے سیدھا کھڑا جیبوں میں ہاتھ ڈالے براہ راست اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ اعتماد قابلِ رشک تھا۔



Digitized by Google

اس کے اس سوال پر بے ساختہ اسے دیکھا وہ بدک کر پیچھے ہٹی......اور اس کا منہ یک دم کھلا تھا مگر وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔ وہ چند لمحے اسی طرح اسے دیکھتی رہی اور پھر اس کی آنکھوں کی تہ سے کہیں بہت نیچے سے کچھ ابھرا اور ابھر کر پوری طرح سے نمایاں ہو گیا تھا۔

''میں......؟''اس کے منہ سے سرسراتا ہوا لفظ نکلا۔''میریڈ ہوں......''اور یہ جملہ اپنے اندر اتنی طاقت رکھتا تھا کہ سامنے موجود شخص کو اِک زور کا جھٹکا دے سکے، اس کا رنگ فق ہوا۔ جذبات بھک سے اڑ گئے۔

''جی......؟''اور اس نے اس انداز سے سوال کیا جیسے جواب سمجھ میں نہ آیا ہو۔

وہ اس کے بدلتی رنگت والے چہرے کو دیکھتی رہی......اس کا چہرہ لمحوں میں تاریک ہوا تھا اور اس نے جواب دوبارہ دُہرایا نہ تھا۔ وہ بس بے حس سے انداز میں اسے دیکھتی رہی اور پھر......پھر پلٹ گئی......مگر یوں پشت پھیر لینے کے باوجود اس کی نظروں کا شاک کسی کانٹے کی طرح وہ اپنی پشت پر محسوس کر سکتی تھی۔ اس نے کچھ بے آرام ہوتے ہوئے ساڑی کا پلو شانوں کے گرد مضبوطی سے کسا اور چاہا تھا کہ اس کے پیر لڑکھڑا نہ جائیں۔ وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتی تھی اور اس اک کوشش میں تھی کہ باہر کھڑا اس کا شوہر اس کے بدلے چہرے کی عبارت کو پڑھ نہ سکے۔ باہر اس کا شوہر کھڑا تھا اور پشت پر وہ مرد کہ جس کی آنکھوں سے اس کے لیے پسندیدگی بے طرح سے چھلکتی تھی اور ان دونوں کے درمیان......اِک عورت...قدم لمحہ بہ لمحہ اس رستے کو ناپ رہے تھے، فاصلہ کم کر رہے تھے جو کہ اس کے شوہر کی جانب تھا اور اس کی پشت پر اِک احساس تھا جو کہ دہکتا تھا۔

گیٹ پار کر کے دائیں جانب مڑنے سے پہلے اس نے ذرا کی ذرا اور نظریں ترچھی کر کے دیکھا اور اس کا دل دھک کر کے رہ گیا، وہ ابھی تک ہاں ابھی تک اسی ایک حالت، اسی ایک کیفیت اور اسی زبردست دھچکے کے زیرِ اثر کھڑا تھا اور بے یقینی سے اسے تکتا تھا۔

☆☆☆

سمجھ تو اسے بے حد اچھی طرح سے آگئی تھی کہ کس بھاؤ بکتی ہے لیکن یہ کہ اسے خود کو ماردینا منظور تھا مگر اپنی انا کو نہیں۔ پیسہ دانتوں سے پکڑنے کے باوجود پکڑ میں نہیں آتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ تنخواہ جب ATM سے نکلتی تھی تو ساتھ میں پر لے کر نکلتی تھی۔ یہ آئی، وہ گئی۔ کل ملا کر دو افراد......لیکن گزارہ مشکل۔ ایک حصہ رینٹ میں گیا، ایک حصہ بل کے اخراجات پر خرچ ہوا۔ پھر میڈز کی تنخواہیں، امی کی دوائیاں، ریگولر چیک اپس، ضروری گروسری اور معلوم نہیں کیا، کیا......اور گھر میں فرنیچر کی کمی کو بھی وہ اسی تنخواہ میں سے آہستہ آہستہ پورا کر رہا تھا۔ پورا گھر فرنش کرنا......بے حد مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ فرخندہ کا جو سامان تھا وہ تو احمد صاحب نے تب ہی سیل کر دیا تھا۔ وہ بہت مہنگا فرنیچر تھا اور جہازی سائز کے بیڈز تھے جنہیں ایک پہلے سے پُر گھر میں فٹ کرنا مشکل تھا......سو احمد صاحب نے زیادہ تر سامان سیل کر دیا تھا۔ تب انہیں کیا معلوم تھا کہ بھانجے صاحب کو الگ گھر میں رہنے کی خواہش ستائے گی......وہ تو یہ ہی ارادہ کیے بیٹھے تھے کہ جہانگیر کی دلہن بھی اسی گھر میں آئے گی۔ مزنہ اور خولہ نے کون سا ہمیشہ انہی کے پاس رہنا تھا۔ مگر یہ جہانگیر......سو بھگتے اب......

☆☆☆

اور اسے تو ابھی جرمنی جا کر پڑھنا تھا......اس کے لیے پیسہ جمع کرنا تھا مگر یہاں تو......خیر، ان حالات نے اسے کچھ اور چڑچڑا بنا ڈالا تھا۔

اس دن بھی جب وہ گھر آیا تو مزنہ کو وہاں موجود دیکھ کر اس کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

''امی......آپ کیوں آئے روز ان کو بلواتی رہتی ہیں، کبھی خولہ تو کبھی مزنہ......میڈ کس مرض کی دوا ہے آخر......''مزاج برہم......موڈ بگڑا ہوا۔



Digitized by Google

''تمہیں یہ بات کیوں نہیں سمجھ میں آتی جہانگیر..... مجھے میڈ کی ضرورت نہیں، میرا دل گھبراتا ہے اکیلے.....''

''امی آپ بچہ تو نہیں ہیں ناں، یہ آپ کی زندگی ہے اور یہ ایسی ہی رہے گی، آپ کو اسے ایسے ہی گزارنا ہے..... کب تک ماموں کا احسان لیتا رہتا میں۔ آپ کو اب تک کمپرومائز کر لینا چاہیے تھا لیکن آپ.....'' وہ اور چڑا تھا۔

''تم شادی کر لو جہانگیر.....''

''ہیں.....'' یہ تھا اس کا حل، ایسا شاندار حل کہ اس کے چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔

''کمال کرتی ہیں آپ بھی امی..... میں یہاں اپنے فیوچر کے لیے ہلکان ہو رہا ہوں اور آپ کو شادی کی پڑی ہے۔''

''تو شادی فیوچر نہیں ہوتی انسان کا؟'' امی نے تو آج تہیہ کر رکھا تھا..... اسے زچ کر کے رکھ دینے کا۔

''امی پلیز.....'' وہ بیزار ہوا۔

''جہانگیر..... میرے بچے..... میری زندگی کی خوشی بس اب یہ ہی ہے..... میں یونہی نہیں مرجانا چاہتی..... جس طرح کہ تمہارے بابا چلے گئے، میں تمہاری خوشیاں دیکھ کر مرنا چاہتی ہوں۔ اتنا سا تو حق ہے ناں میرا تم پر کہ نہیں.....''

وہ جذباتی نہیں تھا..... نہ ہی کسی ایموشنل بلیک میلنگ کا شکار ہوا کرتا تھا لیکن باپ کی موت، اس کی دکھتی رگ تھی۔

''امی..... مجھے تھوڑا سا وقت دے دیں پلیز..... میں اچھی طرح سے اسٹیبلش ہو جاؤں تو.....''

''اور یہ تھوڑا سا وقت گر میرے پاس ہی نہ ہوا تو.....؟'' اور وہ یک دم چپ ہوا تھا۔

فرخندہ اسے دیکھ رہی تھیں اور وہ نظریں سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔

''مزنہ کیسی لگتی ہے تمہیں؟''

اور جہانگیر کا منہ اس سوال پر بے اختیار کھلا تھا۔

''امی خدا کا خوف کریں..... میں نے کبھی ان دونوں کے بارے میں نہیں سوچا.....'' وہ بدکا تھا۔

''میری حالت کو دیکھو جہانگیر، اس گھر کو دیکھو..... خود کو دیکھو اور پھر بتاؤ کوئی غیر مجھے، تمہیں، اس گھر کو سنبھال سکے گی؟'' وہ اس کے بازو پر ہاتھ رکھے سوال کر رہی تھیں۔

اور وہ یک دم الجھ گیا تھا۔

گھر کو چھوڑو..... خود کو چھوڑو مگر امی..... ان کا جیسا خیال مزنہ خولہ رکھتی تھیں، رکھ سکتی تھیں یہ بالکل سامنے کی بات تھی..... طے شدہ بات تھی..... اس ایک کام میں کوئی دوسرا ان پر سبقت نہیں لے جا سکتا تھا۔

''میں تمہیں مجبور نہیں کرنا چاہتی کبھی۔ تم اچھی طرح سے سوچ لو پھر بتا دینا..... جیسے تمہاری مرضی ہوگی، ویسا ہی ہوگا۔'' اس کو یوں الجھا ہوا دیکھ کر فرخندہ نے مسکرا کر کہتے ہوئے اس کا گال تھپکا تھا۔

اور اس نے آہستگی سے سر ہلا کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما تھا..... ماں اس کا واحد عزیز از جان رشتہ ان کے لیے اسے گر سر کے بل بھی کھڑا ہونا پڑتا تو وہ کبھی کر گزرتا۔

☆☆☆

''ابو.....''

اخبار سامنے پھیلا تھا، نظریں بھی اخبار پر ہی تھیں لیکن پھر بھی یوں ہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ اخبار نہیں پڑھ رہے۔ وہ پریشان نظر آ رہے تھے۔ خولہ کے پکارنے پر ان کا چونکنا بنتا تھا اور وہ چونکے بھی۔

''کیا بات ہے، آپ پریشان ہیں؟'' چائے کی پیالی ان کے سامنے رکھتے ہوئے وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

احمد صاحب نے بے اختیار اک گہری سانس بھری تھی لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔ اخبار جھٹک کر تہ کیا اور چائے کی پیالی اٹھالی۔

''مزنہ کہاں ہے؟'' خولہ کو اپنے سوال کے جواب کی توقع تھی۔ اس سوال کی توقع نہ تھی۔



Digitized by Google

''اپنے کمرے میں ہے۔''

''کچھ کھایا اس نے.....؟'' جواباً خولہ نے ہونٹ بھینچ کر نفی میں سر ہلایا اور اسے یک دم ابو کی پریشانی کی وجہ بھی معلوم ہوگئی تھی۔ احمد صاحب کے چہرے پر پریشانی کچھ اور واضح ہوئی۔

''ابو، پھپھو نے رشتے کا ہی کہا ہے ناں، آپ انکار کردیں۔ جب مزنہ کی بھی مرضی نہیں ہے تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے.....'' وہ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولی تھی۔

''خولہ، مجھے کم از کم تم سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ تم سمجھدار ہو کر بھی ایسی بات کہہ رہی ہو..... فرخندہ پہ کیا بیتے گی، کیا تم نہیں جانتیں؟'' احمد صاحب ذرا سی ناراضی سے بولے۔

''مزنہ آپ کو انکار نہیں کرے گی ابو! لیکن وہ خوش بھی نہیں ہے، وہ جہانگیر سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اب آپ محض پھپھو کی خاطر، اس کی مرضی کے خلاف فیصلہ کریں گے۔ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی؟'' احمد صاحب فوری طور پر کچھ کہہ نہ سکے تھے۔

''خولہ.....'' انہوں نے چائے کی پیالی رکھی..... اور ایک دم خولہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے تھے، لہجے میں نرمی عروج پر تھی۔

''اس مسئلے کا ایک حل ہوسکتا ہے اگر تم چاہو تو..... میں تمہیں فورس نہیں کررہا بیٹے، محض اِک تجویز تمہارے سامنے رکھ رہا ہوں، مزنہ چھوٹی ہے، سختیوں کی عادی نہیں ہے اور جہانگیر کو ابھی وقت لگے گا پوری طرح سے اپنے پیروں میں کھڑے ہونے میں اور وہ مزنہ، اس نے تو برانڈڈ چیزوں سے نیچے کبھی کچھ لیا ہی نہیں، وہ یہ سب نہیں کرسکے گی لیکن.....'' احمد صاحب کا حلق یہاں آکر یک دم بند ہوا تھا۔

اور خولہ..... دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ان کے منہ سے اگلی بات سننے کے انتظار میں تھی کہ گو کہ سمجھ تو آ ہی رہا تھا مگر پھر بھی وہ سننا چاہتی تھی۔

''لیکن تم..... یہ کرسکتی ہو۔ تم بڑی ہو..... میچور ہو، سمجھدار ہو، اگر تم اس رشتے کے لیے راضی ہو جاؤ تو.....'' اور اس نے یک دم اپنے ہاتھ ابو کے ہاتھوں سے کھینچ کر باہر نکالے تھے اور یہ ردِعمل تھا..... چند لمحے وہ ناسمجھی اور شاک کی سی کیفیت میں وہاں بیٹھی رہی اور پھر اچانک وہ اٹھ... کھڑی ہوئی۔ پھر ٹھہری گئی، یوں جیسے سمجھ نہ پارہی ہو کہ اب کیا کرنا ہے۔

''آئی ایم سوری بیٹے..... اگر تم ہرٹ ہوئی ہو تو.....'' احمد صاحب نے شکستہ آواز میں اس کے یوں کھڑے ہونے پر کہا تھا۔

اور خولہ وہاں زیادہ دیر تک رک نہیں سکی تھی۔ تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

☆☆☆

رات قطرہ، قطرہ پگھلتی تھی..... ٹپ، ٹپ کر کے گزرتی تھی اور وہ شال کی بکل مارے، دونوں بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹے صحن کی سیڑھیوں پر بیٹھی، بے آواز رو رہی تھی۔ ماتھا بازوؤں پر ٹکائے..... وہ اس طرح سے روتی تھی کہ اگر کوئی کان لگا کر بھی سنتا ناں تو سسکی کی آواز بھی نہ آتی۔ مزنہ اپنے کمرے میں بے خبر سو رہی تھی۔ احمد صاحب بھی محوِ خواب تھے..... نیند کس کی برباد ہوئی.....؟ اس کی جو کہ آدھی رات کو یوں بے آرام، تکلیف کی سی حالت میں بیٹھی تھی۔

یہ کوئی پہلی بار نہیں تھا کہ ابو نے یوں کیا ہو..... اور اس نے چپ چاپ سہہ لیا ہو.....

مزنہ کے ساتھ بچپن میں اِک حادثہ ہوا تھا اور اسی حادثے نے مزنہ کو احمد صاحب کے اس قدر نزدیک کردیا تھا کہ اس کے سامنے انہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ اکثر خولہ سے زیادتی کر جاتے تھے، بچپن میں جب بھی وہ احتجاج یا ضد کرتی... تب بھی اسے ہی سمجھایا جاتا کہ مزنہ کے ساتھ تو ایسا ہوا ہے، تم تو بڑی ہو، سمجھدار ہو، تمہیں مزنہ کے ساتھ



Digitized by Google

اچھے سے پیش آنا چاہیے نہ کہ یوں ضد کرنی چاہیے۔ تب تو امی بھی زندہ تھیں، ابو کے ساتھ، ساتھ وہ بھی اسے ہی سمجھانے بیٹھ جاتی تھیں۔ خولہ کو تو اب عادت سی ہو چکی تھی لیکن یہ..... یہ سخت تھا، شدید تھا، بدتر تھا، زندگی کا معاملہ تھا، مذاق تھوڑی تھا کوئی؟

جہانگیر کبھی بھی وہ شخص نہ ہوتا جس کے ساتھ وہ زندگی گزارنے کا سوچتی۔ وہ ایک مشکل شخص تھا اور ابو..... وہ کیا چاہ رہے تھے، کیا کرنا چاہ رہے تھے وہ۔ یہ چیزوں یا کھلونوں کا معاملہ نہ تھا، زندگی تھی زندگی..... ایک ایسی زندگی جو ابو، مزنہ کے لیے سوٹ ایبل نہیں سمجھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ زندگی، خولہ گزار لے، محض اس لیے کہ وہ یہ کر سکتی ہے۔ خولہ بھی تو ان ہی کی بیٹی تھی، ان کا ہی خون تھی تو پھر ایسا تضاد کیوں؟

"کیا بہت سے کام کر لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ اک مشکل زندگی بھی گزار لی جائے، کیا یہ ہی....." اذیت حد سے بڑھ چکی تھی اور وہ رو، رو کر خود کو ہلکان کر رہی تھی۔ تکلیف جیسے پانی بن کر اپنا آپ عیاں کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"ابو نے ایسا کیوں کیا..... کیوں.....؟ ہمیشہ مزنہ کو فوقیت دی..... ترجیح دی..... تو کیا میں لوہے کی بنی تھی اور مزنہ نازکی کا پیکر....."

سوچیں نہیں تھیں، وہ زہر تھا زہر..... جو کہ نس، نس میں پھیل کر انہیں کاٹ کر رکھ دینے کا موجب بن رہا تھا۔ وہ بکھر رہی تھی۔ پرزہ، پرزہ ہو جانے کو تھی۔

"نہیں..... اس بار نہیں....."

اصولاً تو خولہ کا جواب یہ ہی ہونا چاہیے تھا۔ اسے اب کی بار اسٹینڈ لے ہی لینا چاہیے تھا۔ زندگی تھی، کوئی..... بے ڈھنگا مذاق نہیں لیکن وہ عجیب کیفیت تھی جس کا وہ شکار ہوئی تھی۔ اس کیفیت کے لیے اگر کوئی موزوں ترین لفظ تھا تو وہ ایک ہی تھا..... "خود اذیتی۔"

"ٹھیک ہے ابو کو بھی پتا چلنا چاہیے تھا کہ انہوں نے میرے لیے کس قدر غلط شخص چنا..... کس قدر غلط فیصلہ کیا۔ مزنہ کے سر سے اتار کر جو بلا وہ میرے سر ڈال رہے ہیں اس کو صرف میں ہی نہیں بھگتوں گی، وہ بھی بھگتیں گے..... مزنہ جتنی بھی پیاری سہی اور چاہے کچھ بھی ہو..... مگر میں اولاد ہوں اور جب میں تکلیف میں ہوں گی تو راحت ان کو بھی نہیں پہنچے گی..... تب کیسے پہنچ سکے گی راحت انہیں؟" دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے رگڑ کر آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے آگ میں کودنے کا نہیں، جلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ محض یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اس کے ابو کا فیصلہ گر مزنہ کے لیے ٹھیک نہیں تھا تو اس کے لیے بھی درست نہیں تھا..... کس قدر مضحکہ خیز، تکلیف دہ بات ہے ناں کہ کبھی، کبھی انسان کو محض اک چھوٹی سی بات کو سمجھانے کے لیے پوری زندگی داؤ پر لگانی پڑتی ہے، دان کرنی پڑتی ہے ضائع ہو جاتی ہے، یہ جتنی مضحکہ خیز بات ہے، اتنی ہی تکلیف دہ اور اذیت ناک بھی ہے کہ زندگی، صرف ایک بار کا نام..... بار، بار بھلا کب..... کسی نے دیکھی کب.....؟

کیا دیکھی کبھی کسی نے؟

☆☆☆

"خولہ بڑی ہے فرخندہ..... اس کو چھوڑ کر گر میں مزنہ کی شادی کر دوں تو تم خود سوچو وہ کتنا آکورڈ فیل کرے گی۔ میرے لیے وہ دونوں برابر ہیں لیکن تم ذرا سا خیال کرو تو خولہ کو اپنی بہو بنا لو....."

اندھی محبت بھی کیا چیز ہے..... جیسے ضرورت ایجاد کی ماں ہے، ویسے ہی یہ اندھی محبت بھی بڑی راہ دکھلا دیتی ہے۔ کس صفائی سے احمد صاحب نے مزنہ کو بچایا تھا۔ ستم یہ کہ یہ گفتگو خولہ نے سن لی تھی پُرزے کچھ اور اڑے، ٹکڑے کچھ اور..... اور بے اختیار اس کے لبوں پر اک طنزیہ مسکراہٹ ابھری تھی۔



URDU TUBE
Digitized by Google

''سب سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ زیادتی کو سہہ لیا جائے۔'' لیکن قصور خولہ کا بھی اتنا نہیں تھا، بچپن سے ہی یہ سب دیکھتی آرہی تھی۔ اور اب نفسیاتی طور پر وہ اس انتہا کو جا پہنچی تھی کہ جسے خود اذیتی کا نام دیا جاتا ہے۔ ہم کیوں ایسا کرتے ہیں، کیوں.....؟ کیوں ہم اپنے ہی رشتوں کو، خون کے رشتوں کو اتنا زیر بار کر دیتے ہیں؟ کیوں ہم یہ سوچ لیتے ہیں کہ ایک انسان محض سہنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ ہم رک کر، ذرا سا ٹھہر کر..... یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ ہمارے رویے کہیں ہماری اپنی ہی اولاد کو تباہ تو نہیں کر رہے؟ ٹھیک ہے کوئی ایک اولاد کوئی ایک بچہ کسی خاص صورتِ حال کی وجہ سے عزیز ہو جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب بنتا ہے نہ نکلتا کہ آپ باقی اولاد کو زک پہنچائیں اور یہ چاہے اپنے رویے سے ہی کیوں نہ ہو ہم کب نارمل ہونا سیکھیں گے؟ کب ہم درمیانی راہ پر چلنا سیکھیں گے.....؟ آخر کب؟

کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ماں، باپ اپنی ہی اولاد کی زندگی خراب کر دیں.....؟ جواب ایک سا ہوگا یک لفظی ..... ہوگا کہ ''نہیں'' لیکن یہ بے ڈھنگا جھوٹ ہے..... بکواس ہے، ہمارے معاشرے میں اکثر ماں، باپ ہی اولاد کی زندگی خراب کرنے کا باعث بنتے آئے ہیں، بے جوڑ شادیاں، اولاد سے زیادہ چاچے، مامے، پھوپیوں کی پروا..... ساری عمر پال، پال کر اور جب زندگی بنانے کی بات آتی ہے تو رشتوں کے نام پر پریشرائز ہو کر ماں، باپ بچوں کی زندگی خراب کرنے کا باعث بن جاتے ہیں اور آفرین ہے ان بیٹیوں پر..... جو کہ ساری عمر ''لاج'' کو سنبھالتے ہوئے ہی گزار دیتی ہیں۔ اک بے جوڑ شادی کو، اعلیٰ جوڑ ثابت کر کے دکھا دیتی ہیں خولہ گرایسی نہیں تھی مگر وہ ایسی بن گئی۔ بظاہر دیکھنے میں، فرمانبردار، اچھی بیٹی مگر درحقیقت یہ اس کا انتقام تھا..... انتقام..... وہ گر جلے گی تو آنچ ان کو بھی محسوس ہوگی جو کہ اس کے پیارے تھے۔ یہ انوکھا انتقام تھا، انتقام۔

☆☆☆

دل دھڑکتا تھا نہ خوشی محسوس ہوتی تھی۔ اک جامد، بے حس سا احساس تھا جو کہ پورے وجود کو کفن کی طرح لپیٹے ہوئے تھا گو کہ سرخ لباس میں ملبوس تھی، بیڈ پر مجسمہ ہو کر بیٹھی وہ اس حقیقت کو قبول کرنے کی کوشش میں تھی کہ اس کی شادی جہانگیر سے ہو چکی تھی۔

منگنی چند ماہ تک رہی تھی اور ان چند ماہ میں..... جہانگیر نے کبھی کوئی میسج کیا نہ ہی کوئی اور بات، کبھی جو آمنا سامنا تو ہوا تھا۔ السلام علیکم، علیکم السلام..... اور بات ختم.....

جیسا اس کا حال تھا، ویسا ہی جہانگیر کا تھا۔

یہاں اس کا باپ تھا، وہاں اس کی ماں..... وہ باپ کے ہاتھوں مجبور ہوئی تھی..... تو جہانگیر ماں کے واسطے۔ دونوں کی مجبوریاں ایک سی..... ایک مشرق تو دوسرا مغرب۔ زندگی..... تو اب کیسے گزرے گی؟ ہاں، کیسے؟ دروازہ ہلکی سی چرر کی آواز سے کھلا..... کمرے کا پُرسکون، پُرسکوت، ماحول ارتعاش زدہ ہوا تھا۔ وہ بے اختیار کانشس ہوئی تھی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی، سکوت ایک بار پھر پھیل سا گیا تھا... اب قدموں کی چاپ ابھری تھی۔

جہانگیر نے کوٹ اتار کر صوفے پر اچھالا، وہ اب صوفے پر بیٹھ کر جوتے کے تسمے کھول رہا تھا اور وہ گود میں ہاتھ رکھے سر جھکائے خاموش۔

''کتنا عجیب لگ رہا ہے ناں یہ سب..... تم، میری بیوی، مجھے تو بے حد عجیب سا محسوس ہو رہا ہے، کیا تمہیں بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔'' جوتے اتارتے ہوئے وہ بے حد عام سے لہجے میں بولا تھا۔

خولہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہاں..... مجھے بھی اتنا ہی عجیب محسوس ہو رہا ہے۔'' اور اس کا تو لہجہ بھی عجیب سا ہو رہا تھا۔

''میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ ان فیکٹ مجھے تمہاری چلتی زبان سے بڑی کوفت ہوا کرتی تھی۔''

''کیا، کیا جا سکتا ہے..... اب یہ کوفت تو ساری عمر کی ہے۔'' وہ کندھے اچکا کر ذرا سا مسکرائی۔

جہانگیر نے چونک کر اسے دیکھا اور ہنس دیا۔



Digitized by Google

''تو تم نے ثابت کر دیا کہ تمہاری زبان آج بھی اتنی ہی چلتی ہے۔''
''میں آگے بھی ثابت کرتی رہوں گی، ڈونٹ یو وری.....'' وہ ذرا جو جھجکی ہو۔
جہانگیر نے اب کے ماتھے پر بل لیے اسے دیکھا..... خولہ کی نظر اٹھی۔ نظریں بے تاثر تھیں۔
''خولہ..... مجھے فضول باتیں پسند نہیں.....''
''میں اچھی طرح سے جانتی ہوں۔''
بیڈ سے نیچے اترتے ہوئے، وہ اب بھی جواب دینے سے باز نہیں آئی تھی۔
''اب کیا بس لڑنے کا ارادہ ہی ہے؟'' وہ خفا سا نظر آیا تھا۔
''نہیں.....'' اس کا لہجہ اب کہ ذرا سا نرم ہوا تھا۔
اور کہہ کر وہ رکی نہیں تھی چینج کرنے چلی گئی تھی۔
''زندگی تو اب ایسے ہی گزرے گی، ایسے ہی.....''

☆☆☆

''یہ چائنیز ٹرائی کریں، پہلی بار بنایا ہے آج.....'' وہ جہانگیر کے سامنے چاولوں کی ٹرے رکھتے ہوئے بولی تھی۔
رات کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔ تین لوگ تھے لیکن ٹیبل پر اہتمام آج معمول سے زیادہ تھا جو کہ یہ اعلان کرتا تھا کہ خولہ نے سارا دن آج پھر کچن کی نذر کیا ہے۔
جہانگیر نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر ذرا سے چاول اپنی پلیٹ میں نکالے تھے۔
''کیا یار..... تم ہر وقت فضول، فضول سے کھانے بناتی رہتی ہو۔ تمہیں ہوم اکنامکس میں ماسٹر کرنا چاہیے تھا نہ کہ MS.., MS کر کے تو تم نے ماموں کا پیسہ ہی برباد کیا ہے۔'' اس کے چہرے پر طنزیہ سے تاثرات تھے، خولہ نے حیرت سے اسے دیکھا..... فرخندہ بھی چونکی تھیں۔
''بھلا..... پیسہ کیوں برباد کیا ہوا؟ تعلیم تو تعلیم ہوتی ہے۔'' اسے جہانگیر کی بات چبھی تھی۔
''تعلیم صرف وہ ہوتی ہے جو آپ کو monetary benefits دے۔ باقی اگر شعور حاصل کرنا ہے تو پھر بی اے، ایف اے کافی ہے۔ اس سے زیادہ شعور حاصل کر کے لڑکیوں نے کرنا کیا ہے۔'' اس کا لہجہ اب طنز کے ساتھ، ساتھ تمسخر کا عنصر بھی لیے ہوئے تھا۔ وہ رغبت سے کھا رہا تھا۔
اور خولہ..... وہ چبھتی نگر کھوجتی نظروں سے جہانگیر کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے اندازہ کر چکی ہو کہ یہ لہجہ، یہ باتیں، یہ انداز، کس چیز کی تمہید تھی۔
''تو ہم کیا چاہتے ہو؟ اس MS کا کیا کروں؟''
اب کی بار اس نے ٹھنڈے مگر پُرسکون لہجے میں پوچھا تھا۔ جہانگیر نے پلیٹ پر جھکا سر اٹھایا..... مسکرا کر اسے دیکھا اور.....
''تم اسے اٹالین اور چائنیز کھانے بنانے کے لیے استعمال کرو اور کرنا بھی کیا ہے تم نے.....''
اور یہ بہت سخت تھا..... خولہ کا رنگ لمحوں میں بدلا تھا۔
''جہانگیر!'' فرخندہ نے سخت لہجے میں تنبیہ کی اور وہ برے موڈ کے ساتھ اٹھ گیا۔
''چھوڑو اسے تم کھانا کھاؤ.....'' اور خولہ کو گردیکھو تو لگتا تھا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا۔ ''وہ اب کیا چاہ رہا تھا اس سے..... کیا.....؟''

☆☆☆

ہاف فرائی ایگ کی پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر وہ چائے رکھنے دوبارہ کچن میں گئی تھی اور جب چائے چولھے پر چڑھا کر واپس آئی تو جہانگیر ابھی تک ناشتا کرنے نہیں آیا تھا۔ اس نے بے اختیار وال کلاک کی طرف نظر کی۔ وہ معمول سے



Digitized by Google

## قصہ ایک تفریح کا

موسم گرما میں ایک فیملی ٹرپ ارینج کیا گیا کیونکہ بچوں کی چھٹیاں تھیں' ہائی روف گاڑی ارینج کی گئی۔ چاروں بہنیں اور بھانجے اس ٹرپ میں شامل تھے۔ ساہیوال سے اوکاڑہ تک شدید بارش ہوئی اور ہم پریشان ہوگئے کہ شاید جو بریانی اور کھانا ساتھ لے کر جارہے ہیں راستے میں وہی کھا کر بغیر سیر کیے واپس نہ آنا پڑے۔ جب ہیڈ بلو کی رانا سفاری پارک پہنچے تو بارش تھم چکی تھی پر ہلکی ٹھنڈک اور علاقے کی خوب صورتی تو موجود تھی۔ ہر چیز دھلی اور نکھری ہوئی تھی۔ یہ ایشیا کا سب سے بڑا (bamboos park) بانسوں کا پارک ہے' بانسوں کی مدد سے ایک سرنگ بنائی گئی ہے۔ وہاں ٹرام چلتی ہے، ٹرین چلتی ہے سیر کے لیے لوگ خوب انجوائے کرتے ہیں۔ جگہ، جگہ نلکے لگے ہوئے ہیں، شیشے لگے ہوئے ہیں، واش رومز کا بہترین انتظام ہے۔ بچوں کی دلچسپی کے لیے جھولے ہیں، تالاب ہے، آبی جانور بھی موجود ہیں ہر جگہ خوب صورت رنگ برنگے کارٹون بنے ہوئے ہیں۔ بچوں کی سیفٹی اور عورتوں کے احترام کے لیے جگہ، جگہ عبارتیں بھی لکھی ہوئی ہے اور لوگ اس کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ ہیڈ بلو کی سیر کرنے کے بعد ہم سیدھے لاہور پہنچے۔ مقبرہ جہانگیر کی سیر کی۔ آصف خان کا مقبرہ دیکھا۔ نور جہاں کو بھی سلام کیا۔ ان کے عروج و زوال کے قصے پڑھے، بعد ازاں مینارِ پاکستان

لیٹ تھا۔ خولہ کو حیرت ہوئی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا کہ جن کو دیکھ کر گھڑیوں پر وقت درست کیا جاتا ہے۔

''جہانگیر.....'' اسے پکارتے ہوئے وہ کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

''جہانگیر آج ناشتا.....'' اور اس کے آگے کے لفظ ادا نہ ہو سکے تھے۔ وہ آفس جانے کے لیے بالکل تیار کھڑا تھا اور موڈ اچھا خاصا برہم دکھائی دیتا تھا۔

''ناشتا.....؟'' اس نے احتیاط سے سوال چنا۔

''خود ہی کرو اپنے ڈائٹنگ دار ناشتے..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' اور احتیاط کا بھلا کیا فائدہ ہوا..... خولہ نے کسی نادیدہ کڑوے گھونٹ کو حلق سے نیچے اتارا تھا۔

''شام میں تیار رہنا..... ایک پارٹی پر انوائٹڈ ہیں۔'' کھینچ، کھینچ کر غصے سے موزے پہنتے ہوئے وہ بولا۔ خولہ کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے جواب ہی نہیں دیا۔ بندہ پوچھے کہ مزاج برہم ہیں تو برہم کیوں؟ کوئی وجہ.....؟ کوئی غلطی بھی تو ہو آخر..... شوہر ہونے کا مطلب یہ کہ جب چاہا ناک کے نتھنے پھلا کر بے عزتی کر دینے والے اسٹائل میں بات کی جائے۔

''سن رہی ہو، شام میں تیار رہنا.....'' اور جب وہ اپنی انہی سوچوں میں مگن، سوچوں میں ہی غصے سے بل کھا رہی تھی تو اچانک کندھے کو کسی لوہے کے شکنجے نے جکڑ کر..... اچھا خاصا، جھنجھوڑ کے رکھ دیا تھا۔

''سی.....'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا۔ کندھے پہ جہانگیر کا ہاتھ تھا۔ یہ ذرا سی دیر بعد سمجھ آیا تھا۔

''صحیح.....'' ایک اور سخت گھونٹ اتارا گیا اور نم سا احساس آنکھوں میں ابھر آیا تھا۔

اور وہ..... وہ بڑبڑاتا ہوا، لیپ ٹاپ کا بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے نکل گیا تھا۔ اور خولہ، وہ وہیں کھڑی سلگتی تھی لیکن ختم نہ ہوتی تھی کہ نہ جانے ختم ہونے میں ابھی اور کتنی دیر باقی تھی۔

''یہ میری زندگی تو نہیں تھی..... یہ مرنہ کی تھی جو میں جی رہی ہوں.....'' اِک نئی، عجیب سی سوچ ذہن میں ابھر



Digitized by Google

پہنچے وہاں بھی سب نے ٹرین میں بیٹھ کر سیر کی۔ بادشاہی مسجد کی سیر کرنے کے بعد شاہی قلعہ میں بھی ٹرام پر بیٹھے۔ بہت خوب صورت اور مزیدار سیر کی۔ علامہ اقبال کے مزار پر فاتحہ خوانی بھی کی۔ اپنی جوانی کی یادیں بھی تازہ کیں کیونکہ پنجاب یونیورسٹی میں ایم ایڈ کے دوران جو مقالہ لکھا تھا وہ لاہور کے تاریخی مقامات کی سیر پر ہی تھا۔

پھر جناب لاہور کی مشہور زمانہ مال روڈ کی چمن آئس کریم سے بھی لطف اندوز ہوئے۔ بعد ازاں بچوں کو چڑیا گھر، الحمرا آرٹس کونسل، واپڈا ہاؤس، اسمبلی ہال اور نظریۂ پاکستان ٹرسٹ بلڈنگ اور گورنر ہاؤس کے پاس سے گزرتے ہوئے دکھاتے گئے اور بتاتے گئے۔ جسے سب بڑی دلچسپی سے سنتے رہے۔ بعد ازاں ایمپوریم مال پہنچے اس کی خوب صورتی سمیٹنے کے بعد بحریہ ٹاؤن لاہور کی سیر کی وہاں پر بنے ایفل ٹاور پر چڑھنے کا حوصلہ صرف بھانجے جہانزیب، شہریار اور یاسر نے کیا باقی بچے ماؤں کی گود میں ڈر کر دبک گئے۔ ایک دن لاہور کی یادگار.... سیر کرنے کے بعد رات دو بجے واپس اپنے گھر میاں چنوں پہنچ گئے۔ کہنے کو سیر ایک دن کی تھی مگر یادیں ہم نے صدیوں کی سمیٹ لیں۔ اور خوب ہی لطف اٹھایا۔

تحریر: افتخار شوق، میاں چنوں

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com

☆☆☆

کر، یک دم ہی آن سمائی تھی۔

''پھپھو، نائلہ کو میں نے سمجھا دیا ہے وہ آپ کو میڈیسن دے، دے گی اور پلیز، کھانا وقت پر کھا لیجیے گا..... دونوں بیٹھ کر انڈین ڈرامے ہی نہ دیکھتی رہیے گا.....'' جوتے کے اسٹریپس بند کرتے ہوئے مصروف سا عجلت بھرا انداز..... وہ پھپھو کو ہدایتیں دے رہی تھی۔

فرخندہ اس کے انداز پر مسکرا دیں.....

''اِدھر آؤ.....'' انہوں نے مسکراتے ہوئے، اسے دیکھتے ہوئے اپنے پاس بلایا تھا۔

''جی.....'' انداز میں بے توجہی تھی، وہ اب اپنے چوڑی دار بازوؤں کو ٹھیک کرنے میں مشغول تھی۔

فرخندہ نے زیر لب آیت پڑھ کر پھونکی تھی۔ وہ چونکی اور پھر بے اختیار ہنس دی تھی۔

''پھپھو.....!'' ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کا گال چوما تھا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' فرخندہ کے کہنے پر مسکراہٹ اور گہری ہوئی۔

''کیا فائدہ.....؟'' وہ مسکراتے ہوئے بازوؤں کو ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

''آپ کا بیٹا سڑا ہوا ہے.....'' ناک چڑھا کر کہا۔ فرخندہ ہنس دی تھی۔

''ٹھیک ہو جائے گا۔'' اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر..... تسلی دینے کے سے انداز میں بولی تھیں۔

خولہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی..... لیکن جلد ہی اس نے خود کو کمپوز کر لیا تھا۔ کچھ کہنے کو منہ کھولا لیکن باہر سے بائیک کا زوردار ہارن سنائی دیا تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھی تھی۔

''میں چلتی ہوں پھپھو، اللہ حافظ.....'' تیزی سے کہہ کر وہ کمرے کی طرف بھاگی، اپنا پاؤچ اٹھایا، چادر لی



Digitized by Google

اور پھر تیزی کے ساتھ وہ باہر پورچ میں آئی تھی۔ اس کی تمام تر تیزی اور جلدی کے باوجود جہانگیر کے ماتھے پر بل صاف دیکھے جاسکتے تھے۔ خولہ نے اس سے نظریں چرائیں۔ جہانگیر نے اسے گھورتے ہوئے بائیک اسٹارٹ کی تھی لیکن غنیمت تھا کہ منہ سے پھول نہیں جھڑے تھے۔ خولہ نے شکر کی سانس بھرتے ہوئے گیٹ باہر سے مقفل کیا اور بائیک کے پیچھے آبیٹھی تھی۔ وہ جب آتے تو خود ہی گیٹ کھول دیتے..... نائلہ اور فرخندہ تب تک سو چکی ہوتیں، اسی بنا پر گیٹ باہر سے مقفل کیا گیا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی جہانگیر نے بائیک چلائی نہیں اڑائی تھی اور اس کا سیاہ آنچل ہوا میں لہراتا ہوا بل کھاتا، دور سے ہی دیکھا جاسکتا تھا۔

☆☆☆

''اتنے بڑے ہوٹل میں بائیک پر آنا quite insulting'' وہ پارکنگ میں بائیک کھڑی کرتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

''تو ابو سے گاڑی.....''

''ہونہہ.....'' خولہ کی بات کو اس نے ایک ہونہہ سے کاٹا تھا۔ وہ چپ کی چپ رہ گئی تھی۔ جہانگیر اپنا کوٹ اور ٹائی ٹھیک کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ خولہ نے بھی اس کی پیروی کی تھی مگر یک دم اسے پیچھے کو جھٹکا لگا تھا۔ اس کی شال بائیک کے کسی پرزے کے ساتھ اٹکی تھی۔

''جہانگیر.....!'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ وہ جو چند قدم آگے جارہا تھا۔ آواز پر پلٹا اور اسے دیکھا۔ اور اس کے بعد اس کے بعد وہ بھول گیا کہ کسی نے آواز دی تھی اور گر آواز دی تھی تو کیوں دی تھی، وہ کتنی اچھی لگ رہی تھی ناں..... اچھی سے زیادہ پُروقار، سر پر بلیک شیفون کا دوپٹا سلیقے سے اوڑھے ہوئے کندھے پر شال سرخ اور سیاہ امتزاج کا لباس اس پر بے حد جچ رہا تھا۔ وہ جہانگیر کے یوں دیکھنے پر سٹپٹائی اور مڑ کر خود ہی شال چھڑوانے کی کوشش کرتے ہوئے زمین پر بیٹھی تھی۔ اسے دراصل سمجھ نہیں آرہی تھی کہ شال اٹکی تو اٹکی کدھر..... جہانگیر نے مسکراہٹ دبائی اور اس تک آیا تھا۔ اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے شال کو دیکھنے کے بجائے، اسے دیکھتے ہوئے اس کی شال آزاد کرائی تھی۔ خولہ نے اس حرکت پر گھور کر اسے دیکھا، وہ مسکراہٹ پر قابو نہ کرسکا تھا۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' آواز سرگوشی کی صورت بلند ہوئی تھی۔ خولہ مسکراتے ہوئے اٹھی۔

''مجھے پتا ہے.....'' اعتماد واپس آتے دیر نہ لگی۔

''یعنی کہ میرے کہنے کی اہمیت ہی نہیں.....'' وہ شاکڈ ہوا۔

''ہاہا.....'' اور خولہ قہقہہ لگا کر ہنسنے پر مجبور ہوئی تھی۔

اور ان دونوں کے سروں پر موجود آسمان کہ جہاں رات کی سیاہی تاروں کی ٹمٹماہٹ کو نمایاں کررہی تھی۔ اس کے ہنسنے پر یوں محسوس ہوا تھا کہ وہ ٹمٹماہٹ کچھ اور نمایاں ہوئی تھی۔ وہ اس کی زندگی کے کتنی کے خوب صورت لمحوں میں سے پہلا لمحہ تھا۔ ورنہ وہ کیا جانے کہ میرڈ لائف خوب صورت بھی ہوتی ہے اور یہ کہ اسے انجوائے بھی کیا جاتا ہے، خولہ کیا جانے؟ اسے کیا معلوم.....؟ کہ زندگی، جہانگیر کی صورت میں اِک سخت چیز بن کر اسے ملی تھی۔

☆☆☆

''تمہیں ہوا کیا ہے آخر.....؟'' وہ چینج کرکے آئی تو جہانگیر کا موڈ بدستور بگڑا دیکھ کر پوچھے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

پارٹی کا آغاز تو بہت اچھے موڈ کے ساتھ ہوا تھا مگر جوں، جوں وقت گزرتا گیا جہانگیر کا موڈ خراب ہوتا گیا تھا۔ خولہ کی سمجھ سے باہر تھا کہ ہوا تو ہوا کیا آخر.....؟ وہ تو جتنے اچھے طریقے اور اخلاق سے اس کے احباب سے مل سکتی تھی، وہ ملی تھی۔ اب ایسا کیا ہوا تھا جو وہ یوں منہ پھلائے بیٹھا تھا، وہ پوچھنا نہیں چاہتی تھی۔ بے حد تھکی آئی تھی اور اس وقت وہ بس آرام کرنا چاہتی تھی لیکن جہانگیر کو دیکھ کر پوچھے بنا رہ نہیں سکی تھی۔



Digitized by Google

پوچھ تو لیا..... مگر فائدہ کیا ہوا؟ اس نے ایک تیز نظر سے خولہ کو گھورا اور پھر سے گود میں رکھے لیپ ٹاپ پر مصروف ہو گیا تھا۔ خولہ کو رہ کر تاؤ آیا لیکن کیا، کیا جا سکتا تھا کہ وہ صاحب بہادر تھے۔ مڑ کر ناک کے پھولے ہوئے نتھنوں کے ساتھ وہ اپنے کپڑے الماری میں ہینگ کرنے لگی تھی۔

''لمحوں کا فسوں ختم ہوتے بس اتنی سی دیر لگتی ہے کیا؟'' وہ آزردہ ہوئی جس پل جہانگیر اسے اچھا لگنے ہی لگتا تھا اس سے اگلے ہی پل میں اسے اِک تکلیف دہ بات سہنی پڑ جاتی تھی۔ اس کے نرم جذبات کافور ہونے میں دیر نہیں لگاتے تھے۔ تو یہ طے تھا کہ وہ ان عورتوں میں سے نہیں تھی جنہیں اپنے شوہروں سے محبت ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے..... یا وہ محبت کرنے کے جواز، بہانے ڈھونڈ ہی لیتی ہیں۔ اس کے لیے شادی بس اِک کمپرومائز..... اور کچھ بھی نہیں۔ کہاں کی محبت اور کدھر کا فسانہ، ہونہہ..... زندگی تلخ ہے، دل کو مجبور نہیں کیا جا سکتا..... کہ محبت کوشش سے مشروط نہیں..... اور اس وقت اس کا دل اتنا برا ہو رہا تھا کہ جی چاہ رہا تھا کہ جہانگیر کی شکل تک نہیں دیکھے۔ اور جی کے چاہنے سے بھلا آج تک کچھ ہوا ہے جو خولہ کے ساتھ ہوتا..... نپے تلے قدموں کے ساتھ وہ بیڈ تک آئی تھی، نیند آ جاتی یہ ہی غنیمت ہوتی۔

''تم نے جنگلوں میں رہ کر MS مکمل کیا ہے خولہ.....؟'' اس سے پہلے کہ اس کی سونے کی کوششیں بار آور ثابت ہوتیں، اسے ایک سخت ناگوار لہجے میں پوچھے جانے والے سوال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ لیٹی ہوئی تھی۔ اس سوال پر چونک کر اٹھی تھی۔

''جی.....؟'' سوال سمجھ تو آ گیا تھا..... پھر بھی اس کا سوالیہ حیرت بھرا جی معلوم نہیں کس بات کی یقین دہانی چاہتا تھا۔

جہانگیر نے اس کے جی کرنے پر ٹھک سے لیپ ٹاپ کا lid گرایا..... چٹخنے کے سے انداز میں اٹھا کر سائڈ ٹیبل پر رکھا تھا اور پھر رخِ انور اس کی طرف موڑا۔

''کہیں سے جو تم پڑھی لکھی لگتی ہو؟ حلیہ دیکھا تھا آج اپنا..... اور پارٹی میں موجود دوسری عورتوں کو دیکھا تھا.....؟ خود ہی جج کرو کہ تم کہاں اسٹینڈ کرتی ہو، اور تمہارا ڈریس..... کوئی اچھا ڈریس نہیں ہے تمہارے پاس؟ نہیں تھا تو مجھے بتا دیتیں، میں دلوا دیتا۔ اس طرح سے کوفت اور شرمندگی تو نہ اٹھانی پڑتی..... کہ جی یہ میری مسز انیس سو ڈیڑھ کی عظیم، فقید المثال یادگار.....'' اور لہجے کی کڑواہٹ تکلیف دیتی تھی..... چلو بات تکلیف تک ہوتی تو سہہ لی جاتی یہ انسلٹنگ تھا۔ خولہ کا چہرہ فق ہوا تھا۔

''بے حیائی اور.....''

''اوہ کم آن.....!'' جہانگیر نے بے ساختہ اس کی بات کاٹی۔

''اب وہ ہی گھسا پٹا جملہ نہ دُہرانا، سوسائٹی میں موو کرنا آنا چاہیے، تعلقات بنانے آنے چاہیے، پیسہ، پیسہ ہی سب کچھ ہوتا ہے، اقدار نے آج تک کسی کو دیا ہی کیا ہے؟'' اس کے لہجے کی کڑواہٹ اب کے ذرا کم تھی لیکن پھر بھی اس کی کہی بات نے خولہ کو ٹھیک ٹھاک جھٹکے سے دوچار کیا تھا۔

''میں تمہاری بیوی ہوں جہانگیر..... کوئی بزنس تو نہیں.....'' وہ شاکڈ تھی۔

''تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ تم بزنس ہو.....''

''تو اور تم؟ کیا کہہ رہے ہو.....؟ آئی ایم سوری مجھے تو تمہاری کہی بات کا یہی مطلب سمجھ آیا..... کچھ اور مطلب تھا تو پلیز مجھے سمجھا دو۔'' خولہ کا لہجہ اب کے ذرا تیز تھا۔

''میں تو تمہیں صرف اپ ٹو ڈیٹ ہونے کا کہہ رہا ہوں خولہ.....! کم از کم انسان کے حلیے سے یہ تو پتا چلنا چاہیے کہ وہ ایک باشعور، ایجوکیٹڈ انسان ہے.....''



Digitized by Google

خولہ نے سماعتوں اور فہم کے سارے دروازے کھول کر اس کی بات کو سنا تھا لیکن لفظ پکڑ میں نہیں آتے تھے۔ سمجھ میں ٹھہرتے ہی نہیں تھے۔ اور وہ لمحہ اس طرح سے اس پر حاوی ہوا تھا کہ اسے کمزور کر گیا تھا۔ اپنی آنکھ میں یک دم ابھرنے والوں آنسوؤں کو قابو کرنے میں وہ بے بس تھی۔ وہ بہہ پڑے تھے۔ اس نے چہرہ موڑ کر انہیں چھپانا چاہا تو.....

''اِدھر.....اِدھر کرو ذرا منہ.....'' جہانگیر نے ہاتھ سے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا تھا.....اسے اور شدت سے رونا آیا.....وہ چند لمحے دانت پیستے ہوئے اس کے چہرے پر بہنے والے آنسوؤں کو دیکھتا رہا اور پھر اِک جھٹکے سے اس کا چہرہ چھوڑا تھا۔

''بات بعد میں ہوتی ہے، رونا پہلے آجاتا ہے، جاؤ کمرے سے باہر جا کر یہ نیر بہاؤ، مجھے ڈسٹرب مت کرو.....''

اس کی بات ختم ہوتے ہی خولہ اِک جھٹکے سے اٹھی۔ زور سے دروازہ کھولا اور کمرے کی دہلیز کے پار کرتے ہی دونوں ہاتھ منہ پر رکھے، وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ دروازہ اس کی پشت پر بند ہو چکا تھا۔ وہ تو یوں روتی تھی کہ کان لگا کر بھی سنو ناں تو سسکی کی آواز نہ آئے، گمان تک نہ گزرے کہ یہاں کوئی کس کرب سے گزر رہا ہے اور کرب کس طرح سے آنکھوں سے بہہ رہا ہے.....کان لگا کر سنو بھی تو نہ پتا چلے کہ سسکی خوشی کی زبان میں ادا ہوتی تھی۔

☆☆☆

یہ اس واقعے کے قریب دو ماہ کے بعد کی بات تھی اور یہ محض اتفاق ہی تھا..... جہانگیر کے کسی دوست کی شادی تھی.....فیملی انوائٹڈ تھی اور وہ خولہ کو ساتھ ہی لے کر جانا چاہتا تھا لیکن اس طرح سے نہیں کہ جس طرح سے وہ پہلی پارٹی اٹینڈ کر چکے تھے۔ اسے خولہ مکمل طور پر بدلی ہوئی چاہیے تھی۔ جہانگیر نے ہی اسے ہیئر کٹ اور ہیئر ڈائی کا مشورہ دیا تھا۔ خولہ نے مان لیا۔ اس نے خود خولہ کی وارڈ روب چیک کی تھی اور ایک بھی سوٹ، ایک بھی ڈریس اس کے معیار پر پورا نہیں اتر سکا تھا۔ حالانکہ ان میں سے کوئی ڈریس رد کیے جانے والا نہیں تھا۔ وہ سارے ڈریسز بہت مہنگے نہ سہی مگر اچھے پارٹی وئیرز تھے.....لیکن جہانگیر کو کون سمجھاتا۔ اور آج وہ خولہ کو لے کر مارکیٹ جا رہا تھا۔ ایک اچھا، معیاری، جدید اور خوب صورت ڈریس دلوانے۔ اصولاً تو خولہ کو خوش نہیں بے حد خوش ہونا چاہیے تھا کہ اس کا شوہر اسے خود شاپنگ پر لے کر جا رہا تھا۔ اس پر پیسے خرچ کر رہا تھا۔ وہ اسے خوب صورت اور بہترین دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن مسئلہ یہ کہ وہ یہ سب کر کس لیے رہا تھا۔ خولہ کے لیے؟ اپنے لیے.....؟ نہیں.....صرف اور صرف اپنے اسٹیٹس کے لیے۔ خولہ شدید ناخوش تھی۔ مگر حسبِ عادت خاموش تھی۔ کوئی بھی عزت دار عورت شوپیس بننا پسند نہیں کرتی اور خولہ بھی ایک عزت دار عورت تھی۔ مگر اس کی عزت کو جہانگیر کے بوٹوں تلے آتے دیر نہیں لگتی تھی۔ انہوں نے پوری مارکیٹ چھان ماری تھی، مسئلہ یہ نہیں تھا کہ ڈریس پسند نہیں آ رہا تھا..... مسئلہ یہ تھا کہ جو پسند آتا تھا وہ رینج سے باہر ہوتا تھا..... جہانگیر، خولہ کو ویسا ہی لباس لے کر دینا چاہتا تھا جیسے کہ اس نے اس دن پارٹی میں دوسری عورتوں کو پہنے دیکھا.....اور خولہ بہت اچھے سے جانتی تھی کہ... ویسا کوئی بھی لباس پندرہ، بیس ہزار سے کم کا نہیں تھا اور اس نے یہ بات جہانگیر کو سمجھانے کی کوشش بالکل بھی نہیں کی تھی۔ کچھ لوگوں کو ہاتھ جلنے کے بعد سمجھ آتی ہے کہ اچھا.....تو وہ آگ تھی، جس نے جلایا۔ وہ بس خاموشی سے اس کے ساتھ ایک دکان سے دوسری دکان میں پھرتی رہی، اسے الجھتے، بحث کرتے دیکھتی رہی۔ وہ تو خود ہی اچھی طرح جانتی تھی کہ جہانگیر کی حیثیت پانچ، چھ ہزار کا سوٹ لے کر دینے کی تھی لیکن وہ چاہتی تھی کہ جہانگیر بھی اچھی طرح سے یہ بات سمجھ لے تو مستقبل میں آسانی رہے گی اور آخر میں ہوا کیا، وہ ایک پانچ ہزار کا سوٹ لے کر گھر آ گئے تھے کہ بس کی چال چلنا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا۔

''ہر چیز کو آگ لگی ہوئی ہے جدھر دیکھو مہنگائی، مہنگائی۔ اب بندہ ایک ڈھنگ کا سوٹ بھی نہیں لے سکتا۔''

اس نے ٹائی اتار کر پھینکی پھر گھڑی کی باری آئی اور اب وہ موزے کھینچ، کھینچ کر اتارتے ہوئے بے حد چڑے ہوئے انداز میں بول رہا تھا۔



Digitized by Google

اور خولہ، وہ چپ سادھے ہوئے ایک، ایک پھینکی گئی چیز کو سمیٹ رہی تھی۔ اسے بیک وقت اس شخص پر غصہ اور ترس بھی آرہا تھا وہ آج تک اس طرزِ زندگی سے سمجھوتا نہ کرسکا تھا جو باپ کی اچانک موت کے بعد اسے گزارنی پڑی تھی، سہنی پڑ رہی تھی اور اب وہ صوفے کی بیک کے ساتھ سر ٹکائے انگلیوں کی پوروں سے پیشانی کو مسل رہا تھا۔ آنکھیں بند لیکن چہرے پر شدید اکتاہٹ کے تاثرات تھے، خولہ کچھ ہے بنا اس کے لیے چائے بنانے چلی گئی تھی۔ چند لمحوں بعد جب وہ چائے بنا کر لائی تو جہانگیر ہنوز اسی پوزیشن میں تھا۔

''جہانگیر.....'' اس نے نرمی سے پکارا۔ جہانگیر نے ماتھے سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھا۔

''چائے.....'' اس کے دیکھنے پر خولہ نے کپ بڑھایا تھا۔ جہانگیر کے چہرے پر یک دم ممنونیت کے تاثرات ابھرے تھے۔

''بعض اوقات تم کوئی ماہر عامل لگتی ہو خولہ.....! بن کہے جان جاتی ہو۔'' اور خولہ نے حیرت سے اسے دیکھا..... یہ جہانگیر کا اسٹائل نہ تھا۔

''اپنے لیے نہیں بنائی چائے؟'' وہ اب چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''نہیں، موڈ نہیں تھا۔'' اس نے جواب دیا۔ پھر خولہ نے بیڈ پر پڑا شاپنگ بیگ الماری میں رکھنے کی نیت سے اٹھایا تھا آگے بڑھ کر لیکن یک دم اس کو بیڈ پر الٹ دیا..... وہ ایک بار پھر آج خریدے گئے لباس کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا فائدہ ہوا پانچ ہزار خرچ کرنے کا..... ایسے تو لباس تو میری وارڈ روب میں موجود ہیں.....'' وہ اب اس جوڑے کو دوبارہ شاپنگ بیگ میں رکھ رہی تھی۔

''تو کہاں سے لاتا پندرہ، بیس ہزار۔'' جہانگیر یک دم چڑا۔

''میں نے تو ڈیمانڈ نہیں کی تھی جہانگیر.....!'' خولہ کا لہجہ بے حد نرم تھا۔

''تم نے ڈیمانڈ نہیں کی..... لیکن پھر سے پارٹی میں تم وہاں اولڈ فیشنڈ ڈریس پہن کر جاتیں..... یہ کم از کم اس سے تو بہتر ہے۔''

''ٹھیک ہے، ایک دفعہ کوئی فنکشن..... آیا خرید لیا..... کل کو کوئی اور فنکشن یا پارٹی ہوگی تو پھر سے نیا پانچ، چھ ہزار کا ڈریس خریدیں گے کیا.....؟ اتنا افورڈ کرسکتے ہو تم؟''

''یہی، یہی بات تو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں جیسا لائف اسٹائل..... جیسا اسٹیٹس میں چاہتا ہوں وہ مجھ اکیلے کی تنخواہ میں ممکن نہیں ہے۔''

''تو.....؟'' اور خولہ کا ''تو'' اندیشہ لیے ہوا تھا..... اور اندیشہ وہ کہ جسے سچ ہو ہی جانا تھا۔

''تو یہ کہ تم کوئی جاب کیوں نہیں کرلیتیں..... پیسہ تو جو ملے گا سو ملے گا ہی، تم بھی اپ ٹو ڈیٹ ہوجاؤ گی۔ معلوم ہوگا تمہیں کہ دنیا کہاں بستی ہے..... اسی گز کے گھر اور گھر کے کچن سے باہر دنیا کہاں بستی ہے..... کہاں جارہی ہے۔'' وہ بول رہا تھا اور اس کا ایک، ایک لفظ کسی نشتر کی طرح جسم میں پیوست ہو کر اسے سن کر کے رکھ رہا تھا اور بالآخر وہ مردہ ہوگئی تھی۔ بیٹھے بٹھائے ہی یک دم اِک ساعت میں اور کتنی ہی لاتعداد چیونٹیاں تھیں جو اس کے مردہ وجود کو کھانے کے واسطے چڑھ دوڑی تھیں۔

جہانگیر کی بات سنتے ہوئے وہ پلک تک نہ جھپک سکی تھی اور پھر بالآخر اس کی سمجھ و فہم کا دروازہ ٹھک سے بند ہوگیا تھا..... وہ نہیں سمجھ پارہی تھی کہ سامنے بیٹھا شخص کیا کہہ رہا ہے، کیوں کہہ رہا ہے اور آیا کہ وہ اس سے ہی بات کررہا ہے یا کسی اور سے، وہ کسی ایسی ہی کیفیت میں تھی جہاں احساس نامی چیز بھک سے اڑتی ہے یا پھر دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہوجاتی ہے اور وہ ٹھیک ایسی ہی کیفیت میں تھی۔

(جاری ہے)



Digitized by Google

# ریگِ زار

اسما طاہر

دروازہ جیسے ہی کھلا ایک جوتا اُڑتا ہوا آیا اور وہ اس ''جوتا کٹائی'' سے بال بال بچی تھی۔ اندر کا سارا منظر مار دھاڑ سے بھرپور کسی فلم کا تھا..... سعدیہ کی بیٹیاں جن کی عمریں بالترتیب پندرہ اور سولہ برس تھی۔ آپس میں گتھم گتھا تھیں..... اور گیارہ سالہ معذور بیٹا مغلظات بک رہا تھا۔ (زبان تو معذور نہیں تھی ناں) چھوٹی بیٹی گویا کہ چائلڈ اسٹار تھی۔ بچوں کی دادی اور ماں اسی گھر کے دوسرے حصے میں نہایت اطمینان سے اپنے روز مرّہ کے کاموں میں مصروف تھیں۔ وہ تو سلائی کے کپڑے دے کر پچھتائی..... وہی تو لینے آئی تھی وہ۔ چھ ماہ پہلے وہ یہاں شفٹ ہوئے تھے، آوازیں تو دن رات ان تک پہنچتی تھیں، سعدیہ خود بھی نہایت بدزبان اور بدمزاج عورت تھی دن بھر وہ بچوں کو گالیاں اور بددعائیں دیتی جب خاموش ہوتی تو بچے آپس میں جھگڑا کرتے، اس جنگ و جدل کو فائنل ٹچ شام کو اس کا شوہر آکر دیتا اور یہ فلم کا کلائمکس ہوتا۔

☆☆☆

وہ تھکے قدموں سے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ ابا



Digitized by Google

سامنے ہی بیٹھے تھے، بیمار پژمردہ، مایوس..... اس کے دل کا بوجھ کچھ اور بڑھ گیا۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔ مگر دماغ میں سکون کہاں..... سعدیہ کے گھر ہونے والا تماشا فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے تھا، بس چہرے مختلف تھے، کبھی ابا گالیاں بکتے نظر آتے کبھی اماں کی نفرت بھری ہنکاریں، بد دعائیں، کبھی ان بہن، بھائیوں کی لڑائی، اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا گھر میں یہی سب کچھ دیکھا..... اماں، ابا کو دیکھ کر ایسی ہوگئی تھیں یا پھر ابا نے اماں کا رنگ پکڑ لیا تھا۔ جو بھی تھا دونوں ایک دوسرے کے مقابلے پر تھے اور اولاد نشانے پر.....

اماں جب غصے میں ہوتیں (اور وہ کب غصے میں نہیں ہوتی تھیں) تو ان کے منہ سے بد دعاؤں کے ساتھ عجیب خوفناک آوازیں نکلتیں، چہرے سے باقاعدہ آگ کے شعلے نکلتے وہ بہن، بھائی سہم جاتے، وہ ایسی، ایسی گالیاں دیتیں کہ ان کے کانوں سے دھواں نکلتا.....

''اللہ کرے تم سب کو موت آجائے۔ کسی کی ہی آجائے، راستہ چلتے آجائے۔ سوؤ تو سوتے ہی رہ جاؤ.....'' یہ وہ بد دعائیں تھیں جو وہ ہر وقت سنتے۔ بہن، بھائیوں میں وہ سب سے زیادہ صلح جو تھی، اماں کی منتیں کرتی۔

''اماں آہستہ بولیں سب سن رہے ہیں۔'' مگر ان کی آواز اور بڑھ جاتی پھر وہ مہینے بھر کے لیے ناراض ہو جاتیں، شام کو ابا آتے ٹھیک یہی کچھ وہ بھی کرتے، محلے والے روزانہ بے ٹکٹ تماشا دیکھتے، پورے محلے میں ان کی کہیں کوئی عزت نہیں تھی۔ وہ کہیں جاتے تو کوئی بیٹھنے کو نہ کہتا..... بات کرتے تو کوئی سن کر نہ دیتا، وہ کوئی اٹھارہ برس کی تھی جب اپنی چچی اور ان کی بیٹی کے ساتھ کسی کے گھر گئی، ان دونوں کو تو مشروب پیش کیا گیا۔ اسے کسی نے نہ پوچھا۔ حتیٰ کہ کسی نے کمرے کے اندر تک نہ بلایا۔ سب لوگوں نے انہیں جیسے کوڑے دان سمجھ رکھا تھا۔ انہیں غیروں، رشتے داروں کا غصہ، طنز، تحقیر و مذاق سہنا پڑتا..... وہ بہن، بھائی ہر طرح کا اعتماد اور یقین کھو چکے تھے، ہر وقت گھبرائے ہوئے احساسِ کمتری کا شکار..... ان کی ہر بات غلط ہو جاتی، ہر کام الٹا ہو جاتا..... باہر کی دنیا میں سب کچھ اس کے لیے اتنا برا تھا کہ اس نے اپنے اندر ایک خیالی دنیا بسالی تھی۔ جب بھی اس کے ساتھ کچھ برا ہوتا وہ بھاگ کر اپنی اس دنیا میں چھپ جاتی۔ اس کے بہن، بھائیوں کا بھی منہ اب کھل چکا تھا۔ ماں، باپ سے وہ آخر کب تک خوفزدہ رہتے۔

اس دن لڑائی زوروں پر تھی۔ صرف وہ اور احمد تھے جو ایک، ایک کی منتیں کر رہے تھے، جھگڑا ختم کرنے کے لیے مگر کوئی نہیں سن رہا تھا، تنگ آ کر وہ کمرے میں آ کر رونے لگی اور اپنے لیے موت کی دعائیں مانگنے لگی۔ اماں نے سنا تو کچھ اور ہی سمجھیں انہوں نے آ کر اس کے بال پکڑ لیے۔

''ہاں، ہاں مر جاؤں گی، جلدی جان چھوٹ جائے گی تم سب کی مجھ سے۔'' احمد اسے چھڑانے کی کوشش کرتا رہا مگر بے سود..... اپنے کمرے میں جا کر اس نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ جھگڑا ختم ہو گیا مگر اس کا دروازہ نہ کھلا۔ اماں نے انگارے چباتے، گالیاں اور بد دعائیں دیتے کھانا بھی تیار کر لیا تھا۔ سب نے کھا لیا مگر وہ باہر نہ آیا، صبح وہ بڑی مشکل سے ابا کو بلا کر دروازے پر لائی۔

''میرا صبر نہ آزماؤ۔'' (کون سا صبر بھلا) وہ دروازے پر لاتیں مار کر کہہ رہے تھے، یہاں تک کہ دروازہ ٹوٹ گیا۔ مگر بہت دیر ہو گئی تھی۔ احمد پنکھے سے جھول رہا تھا نہ جانے کب سے.....

☆☆☆

اس کا خیال تھا شاید احمد کی المناک موت ہی اس گھر میں سکون لے آئے..... مگر اس کی موت کے محض پانچویں دن ہی پھر جھگڑا شروع ہو چکا تھا۔ اماں، ابا ایک دوسرے کو الزام دے رہے تھے..... اور سلسلہ تب رکا جب ابا نے اماں کو طلاق دے دی۔ بدزبانی اور بدمزاجی ایک اور سانحے کو جنم دے چکی تھی۔ اماں



Digitized by Google

دوسرے شہر اپنے بھائی کے گھر جا چکی تھیں اور پھر ایک سال بعد ہی ان کی موت کی خبر آ گئی۔ ایک وہی تھی۔ جسے اماں کی موت کا دکھ تھا۔ باقی تو کسی کو پروا تک نہیں تھی۔ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی انہیں دفنا دیا گیا تھا۔ اور ایک ہمسائی نے بتایا۔

''بھائی کے گھر بھی وہ سخت مشکل کا شکار تھیں۔ بڑی وجہ ان کی وہی بدزبانی تھی۔ بھابی کے ساتھ ان کی ہر وقت لڑائی ہوتی۔ یہاں تک کہ اپنے سے چھوٹے بھائی کے ہاتھوں انہوں نے مار بھی کھائی۔'' اسے ماموں سے سخت نفرت محسوس ہوتی۔ اماں بدمزاج ضرور تھیں مگر ماموں کو کچھ تو لحاظ کرنا چاہیے تھا۔

وقت کچھ اور آگے بڑھا بڑے تینوں بہن، بھائی اب جوان تھے، بھائی خود ہی کہیں سے ایک کافی بڑی عمر کی عورت کو بیاہ لایا تھا۔ بڑی بہن کی شادی تو ہو گئی مگر... بدزبانی نے انہیں بھی بسنے نہ دیا۔ اس سے چھوٹی کو کسی نے گھر لے جانے کی ہمت ہی نہ کی۔ ان جھاڑ کانٹوں سے کون رشتہ جوڑتا۔ اس کی بات پھوپی کے گھر طے تھی۔

عبداللہ کو اس نے بچپن میں کبھی دیکھا تھا..... پھر شادی کے دن دیکھا اور مایوس ہو گئی..... وہ بالکل عام شخصیت اور قابلیت کا مرد تھا۔ شروع میں وہ بہت اداس رہی لیکن پھر اس کی ایک خاص خوبی کا پتا چلا، وہ کبھی غصہ نہیں کرتا تھا۔ نہ ہی بدزبان تھا۔ اس کی نظر میں اس کا قد بڑھ گیا تھا۔ ورنہ تو وہ سخت خونزدہ تھی اگر عبداللہ بھی ابا جیسا جھگڑالو اور بدزبان ہوتا..... مگر وہ ایسا نہیں تھا۔

☆☆☆

''امی آپ کیوں لیٹی ہوئی ہیں۔'' اسے ماریہ اپنی بیٹی کی آواز سنائی دی تھی۔

''کچھ نہیں سر میں کچھ درد تھا۔'' اس نے اسے پاس بٹھا لیا۔ وہ اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتی تھی۔ شاید وہ سارا پیار بھی جو خود اسے نہیں ملا تھا۔ اس نے طے کر رکھا تھا۔ اپنی اولاد کو کبھی گالی یا بددعا نہیں دے گی، یہ اس کی جائداد نہیں تھی بلکہ امانت تھی اللہ کی..... اگلے دن ماریہ کو اسکول بھیج کر وہ ابا کے پاس آ بیٹھی تھی۔ وہ اب اکثر اسی کے پاس ہوتے تھے۔ انہیں اپنی اولاد سے بہت ساری شکایتیں تھیں۔ بقول ابا کے وہ سب... بداخلاق تھے، بدزبان تھے، انہیں یہ تک نہیں تمیز کہ وہ ان کے باپ ہیں۔ اس دفعہ بیٹے نے انہیں مارنے کی بھی کوشش کی تھی۔ وہ اب بار، بار اپنے سعادت مند بیٹے احمد کو یاد کرتے تھے۔

''ابا جن گھروں میں زبانوں کو روک کر نہیں رکھا جاتا ان گھروں کے سرمائے یونہی پنکھوں اور درختوں پر لٹکتے پائے جاتے ہیں۔'' وہ انہیں کیسے بتاتی..... کہ نیند اور بھوک کی طرح بدمزاجی اور بدزبانی بھی جتنا چاہو بڑھائی جا سکتی ہے..... اور بدزبان لازمی طور پر بدنصیب بھی ہوتا ہے۔

''ساری زندگی آپ نے اپنی ہی اولاد کے خلاف زبان اور مزاج کی جو دہشتگردی دکھائی تھی اس کے بعد محبت کہاں رہتی، ابا آپ بدقسمت تھے، آپ نے اپنی دنیا برباد کی لیکن آپ کی اولاد بدقسمت بھی اور بدبخت بھی ٹھہری جس نے دنیا کے ساتھ اپنی آخرت بھی برباد کر ڈالی۔'' اس نے اماں کو سمجھانے کی کوشش میں ہمیشہ زوردار تھپڑ کھائے تھے، ابا کو بھی بتانے کی کوشش کرتی تھی۔

''ابا اللہ کو جھگڑالو لوگ پسند نہیں..... اور یہ کہ اونچی آواز گدھے کی ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں یہی لکھا ہے۔'' مگر کبھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔

ایک دن تو ابا کے سامنے وہ پھٹ ہی پڑی تھی۔

''ابا ہم آپ کے بھائی، بہن کے بچوں سے زیادہ بڑے تھے یا ہمارے گھر کے مسائل دوسرے گھروں سے انوکھے تھے جو آپ میاں بیوی اپنی ہی اولاد کا کلیجا نوچتے رہے۔ آپ نے ہمیں ابنارمل بنا دیا۔ آس پاس جتنے بھی ماں باپ تھے آپ نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اولاد کے ساتھ ان کا کیا سلوک ہے..... کسی نے آپ کو سمجھایا بھی نہیں..... میرا دل کرتا ہے کہ میں اماں کے لیے اللہ سے رحم کی دعا کروں مگر دعا میرے لبوں تک آنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہے۔



Digitized by Google

ہم کیا کریں ہمارا ماضی زخم، زخم ہے ہمیں کہیں چین نہیں لینے دیتا۔'' ابا نے منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔ اگلے دن ماریہ کا عقیقہ چھوڑ کر وہ صبح ہی صبح واپس گھر چلے گئے تھے۔ انہیں کچھ بھی بتانے کا فائدہ نہیں تھا۔ سارا دن وہ مہمانوں کے سامنے وضاحتیں ہی دیتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

ابا چلے گئے تھے، ویسے تو یہ ان کی بیٹی اور بہن کا گھر تھا مگر اپنا تو نہیں تھا۔ یہاں کب تک رہتے.....

''سعدیہ تم اپنے بچوں پر اتنا غصہ کیوں کرتی ہو؟'' اگلے دن ہی وہ اس کے کپڑے دینے آئی تو وہ پوچھ بیٹھی۔

''باجی کیا کروں، سب مجھے ہی دھتکارتے ہیں جیسے تین بیٹیوں اور بیٹے کی معذوری کی میں ذمے دار ہوں، شوہر کام نہیں کرتا۔ یہ بھی میرا قصور ہے پھر میں نے بھی کہیں تو غصہ نکالنا ہے ناں جی۔''

''کل جب تم بوڑھی اور بیمار ہوگی، تمہارے بچے یہی کچھ تمہارے ساتھ کریں گے۔ کیا تم انہیں اپنے اور اپنے شوہر جیسا بدزبان اور بدنصیب دیکھنا چاہتی ہو؟''

''اللہ نہ کرے باجی.....'' وہ دہل گئی تھی۔

''تو پھر اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو تاکہ کل جب تمہیں دعا کی ضرورت ہو تو یہ تمہارے لیے دل سے کریں۔''

''ٹھیک ہے باجی کوشش کروں گی اپنی زبان روکنے کی مگر کام ذرا مشکل ہے۔'' وہ چلی گئی تھی اور وہ سوچ رہی تھی۔

''کاش اماں کو بھی کوئی سمجھانے والا ہوتا تو احمد یوں بے موت نہ مرتا۔'' پھر اچانک ہی ابا بھی فوت ہوگئے وہ کچھ دنوں کے لیے ابا کے گھر گئی تھی۔ اس کے چھوٹے بہن، بھائی آپس میں یونہی باہم دست و گریباں تھے۔ اماں، ابا کی ساری بڑی روایتیں زندہ تھیں۔ انہیں سمجھانے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا، وہ کہتے تھے ہمارے گھر میں مسائل ہی اتنے ہیں جو ہمیں... بدزبان اور بدمزاج کر دیتے ہیں۔ مسائل تو اس کے گھر میں بھی کم نہیں تھے۔ عبداللہ کو شادی کے دو تین سال بعد ہی گردوں کی بیماری لگ گئی تھی۔ علاج کے لیے گھر بیچنا پڑا تھا۔ اس کی نوکری بھی چلی گئی تھی۔ وہ ایک چھوٹے سے کرایے کے گھر میں آگئے تھے، گھر چلانے کے لیے اور عبداللہ کے علاج کے لیے اسے نوکری ڈھونڈنا پڑی تھی۔ پھپھو ان سارے مسائل، بیٹے کی بیماری، غربت اور بیٹی کی پیدائش کو اسی کا قصور سمجھتی تھیں۔ وہ اسے ہر وقت پریشان کرتی رہتیں مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ وہ اپنی گھریلو پریشانیوں کا انتقام اپنی ہی بیٹی سے لیتی۔ اس کا بچپن جہنم بنا دیتی۔ اس میں اس معصوم کا بھلا کیا قصور تھا۔ وہ اس سے بہت محبت کرتی تھی اور وقتاً فوقتاً اسے بتاتی رہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی جب وہ اپنی قبر میں جا لیٹے تو اس کی بیٹی اس کے لیے دل کی پوری سچائی کے ساتھ دعا کرے۔

رب ارحمهما كما ربياني صغيرا

اے اللہ میرے والدین پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا۔

رئیل اسٹیٹ ایڈوائزر
DHA. KARACHI
DHA. City Karachi
BAHRIA TOWN KARACHI
پلاٹ، مکان، دکان، بنگلوز اور فلیٹ
کی خرید و فروخت کے لیے مستند نام
ریاض حسین
ایڈریس: راحت کمرشل لین 2
DHA PHASE 6 KARACHI
فون نمبر: 0300-3658964



Digitized by Google

## منی ناول

# صُفحہ

دُردانہ نوشین خان

### ساتواں حصہ

عبد اللہ نوڈلز کا باؤل لیے نخبہ کے کمرے میں آیا۔ باؤل میز پر رکھ کر ہاتھ دھونے چلا گیا۔ واپس آکر ماں کو سلام کیا، نخبہ دوائیوں کے ڈبے الماری میں رکھ رہی تھی...... اسے دیکھ کر خوش ہو کر دعا دینے لگی۔

''عبد اللہ بابا...... آپ کے فرینڈ وشو کا کیا حال ہے جسے کل چوٹ لگی تھی؟''

''مما، اس کا نیم وسیم ہے۔ ٹیچر کہتی ہیں کہ نک نیم نہیں بلانا چاہیے کیونکہ نیم کے meanings ہوتے ہیں، نک نیم کے نہیں......''

''واؤ...... گڈ، ٹیچر ٹھیک کہتی ہیں۔''

''مما share me'' وہ باؤل اپنے آگے رکھتے ہوئے بولا۔

''جزاک اللہ مائی ڈیئر سن...... I have just taken fruit۔'' نخبہ نے چھ سالہ عبد اللہ کو غور سے دیکھا جس نے سفید کرتا پاجاما پہن رکھا تھا۔ اس کے کپڑوں کی صفائی کا شاہانہ خاص خیال رکھتی تھی۔ ''کیا اس کو میرا چہرہ یاد رہ جائے گا؟ اس سے انگلش کون بولے گا؟ مجھے اس سے انگریزی میں بات کرنا یہاں آکر چھوڑ دینا



Digitized by Google

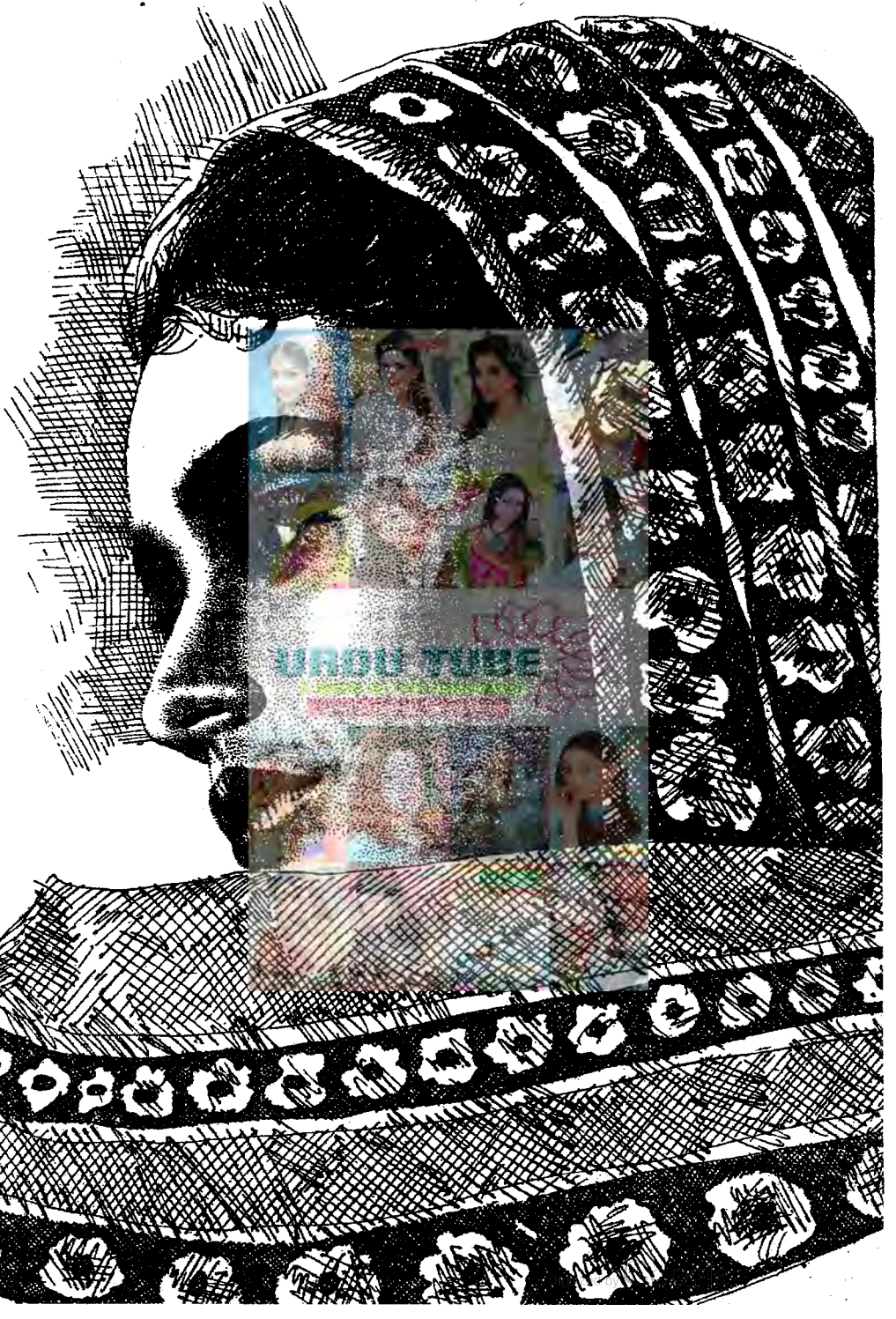
URDU TUBE

چاہیے تھا۔" پھر وہ مسکراہٹ چہرے پر لا کر اس کے سامنے آ کر بیٹھی۔

"بریک میں آج کیا، کیا؟"

"وسیم کہتا ہے..... تو بی تا اینڈ کارٹون تو جھوٹ ہوتے ہیں ماما..... خالہ صفہ مجھے، ہمارے پیارے نبی (پھر اس نے رک، رک کر درود پڑھا) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی real story میں لے جاتی ہیں۔" عبداللہ آج بولنے کے موڈ میں تھا۔

"کس طرح لے جاتی ہیں؟"

"مما..... you don't know "

"tell me...no I dont know"

"no... I will not tell you" بچہ تھا، اڑ گیا..... نوڈلز کھانے میں مشغول ہو گیا۔

"عبداللہ، شبانہ امی تو انگلش نہیں بولتیں..... آپ ان سے کیسے بات کرتے ہو؟"

"تو پرابلم، صفہ خالہ بھی انگلش نہیں بولتیں....." پھر گنوانے بیٹھ گیا..... "یو اسپیک انگلش، مائی نانو اینڈ عمر اعوان....." نخبہ اس کا ماتھا چوم کر مسکرانے لگی۔

نخبہ نے شبانہ کے ذمے لگایا تھا کہ جب صفہ فارغ بیٹھی ہوں، مجھے بتانا اور شبانہ کو تو بخاری بی بی کے معمولات ازبر ہوتے تھے۔ عبداللہ قرآن پاک پڑھنے مسجد میں چلا گیا۔ وہ تجوید مسجد میں سیکھتا تھا۔ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا۔ تسبیح تو صفہ کے ہاتھ میں ہر وقت ہی ہوتی تھی۔ شبانہ نے نخبہ کو گرین سگنل دے دیا..... نخبہ ماحول کو نارمل رکھنے کے لیے کسی حاجن کی دی ہوئی عجوہ کھجور اور آب زم، زم کی چھوٹی شیشی اٹھا کر صفہ کے پاس جا پہنچی..... مسکرا کر اسے چیزیں پیش کیں۔

"جزاک اللہ خیراً۔" صفہ نے آب زم، زم اپنے مٹی کے آب خورے میں انڈیلا اور گھونٹ، گھونٹ پینے لگی۔

"بیٹھو....."

"کھجور بھی لو....." نخبہ بیٹھ رہی۔

"لوں گی۔"

"ماشاء اللہ عبداللہ اب بڑی، بڑی باتیں کرنے لگا ہے۔" نخبہ نے گفتگو کا سرا پکڑا۔ "بتا رہا تھا خالہ صفہ مجھے real story میں لے جاتی ہیں..... میں نے پوچھا وہ کیسے؟ کہتا ہے you dont know مما؟"

"ہاں، ذہین بچہ ہے ماشاء اللہ..... سب سے گھل مل جاتا ہے....." صفہ مسکرائی۔

"ہاں ڈیئر وہ کسی کا پیغام دینا ہے تمہیں؟" وہ ذرا جھجکی..... "پیغام امانت ہوتا ہے اس کو اس کے مالک تک پہنچانا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ ناگوار ہی ہو....."

"کس کا پیغام؟" صفہ کے چہرے پر حیرت کی لکیریں ابھریں۔

"مجھ سے ناراض نہ ہونا بلکہ ہم سب سے ناراض نہ ہونا..... منشی ماما نے شبانہ سے بات کی، شبانہ نے مجھے ڈرتے، ڈرتے بتایا اور میں بھی بیچ میں بہت ڈرتے ہوئے تم سے بات کر رہی ہوں....." وہ رکی۔ صفہ بات مکمل ہونے کا انتظار کرتی رہی۔

"ایک بڑا امیر کبیر شخص ہے، مسجد صفہ میں عصر کی نماز پڑھنے آتا ہے۔ گھر اس کا دور ہے، مسجد کے لیے اس نے بھاری چندہ بھی دیا ہے۔ اب اپنی ایک شوگر مل کی ساری آمدنی مسجد کے لیے مخصوص کرنے کو تیار ہے لیکن....."

صفہ کی سوالیہ حیرت برقرار تھی۔

"لیکن اس نے منشی بابا سے بات کی ہے..... اس نے دو شادیاں کی ہوئی ہیں، اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بیٹے بڑے ہو رہے ہیں تو بے راہ رو ہو رہے ہیں، ان کی اصل ماں انہیں چھوڑ گئی ہے۔ دوسری ماں سے ایک بیٹی ہے، وہ بیٹوں کی پروا نہیں کرتی۔ بیٹے بھی کسی کے کہنے میں نہیں..... خیر قصہ مختصر اولاد کو سدھارنے کے لیے اسے نیک بیوی مطلوب ہے، اس نے منشی ماما کو تمہارے لیے پیغام دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے معاف کر دو، وہ بہت سزا پا چکا ہے۔" صفہ کا رنگ غصے سے جوں، جوں متغیر ہوتا چلا گیا نخبہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر اپنے تئیں بھڑک اٹھنے سے روکنے کی سعی کر رہی تھی مگر جب نخبہ نے یہ کہا۔

"اس کا نام واصف ہے، سیٹھ واصف چوہدری....."



Digitized by Google

تو صفہ اس کا ہاتھ جھٹک کر جلال سے کھڑی ہوگئی۔ اس کا چہرہ لال سرخ ہوگیا۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگی۔ نخبہ نے اسے اس طرح کی سخت کیفیت میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نخبہ نے تو کیا کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کہے، کیا کرے۔

''صفہ، صفہ ڈیئر..... کول ڈاؤن۔''

صفہ تو اس کی طرف جیسے متوجہ ہی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ سامنے اوپر کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''یہی شیشہ مجھے دکھا تا رہے گا..... توڑ دوئے اب توڑ دے.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے دیوار پر مکا مارا..... دیوار پر دو فٹ دور لٹکتا ہوا شیشہ زمین پر گرا اور پاش، پاش ہوگیا۔ حیرت انگیز بات تھی دیوار تو اینٹوں کی بڑی ہوئی دیوار تھی، گتے کی دیوار نہ تھی کہ اس پر کیل مکا لگے تو آئینہ گر جائے جو اچھا بھلا نصب تھا۔ نخبہ کے تو ہوش اڑ گئے..... صفہ اب معافی کے انداز میں ہاتھ باندھ کر روتے، روتے فرش پر آرہی..... نخبہ سنبھالنے لگی۔

''صفہ..... کیا کر رہی ہو، نہ کرو بہن..... مجھ سے غلطی ہوگئی۔ مجھے معاف کردو، خود کو سنبھالو.....'' مگر وہ گری نہیں تھی، فرش پر آسن جما کر بیٹھ گئی اور بازو ہلا کر نخبہ کو ہٹانے کا اشارہ کیا۔ نخبہ چند ثانیے شش و پنج کے بعد تیزی سے باہر چلی گئی..... سچ تو یہ ہے کہ وہ اس صورتِ حال سے خائف ہو چکی تھی۔

شبانہ جو باہر کسی کونے سے لگی نخبہ کے برآمد ہونے کا انتظار کر رہی تھی جلدی سے اس کی طرف لپکی..... ''کیا ہوا ہے؟ اندر کیا ٹوٹا ہے؟''

''اُف.....'' نخبہ سانس سنبھالتی قریب پڑے اسٹول پر بیٹھ رہی۔ ''توبہ توبہ.....''

''پانی لاؤں.....؟''

''نہیں..... اس کی ضرورت نہیں.....''

''شبانہ..... مجھے یقین نہیں آرہا..... کہاں یہ دھان پان سی صفہ..... اور کہاں دیوار پر ایسا زور کا مکا مارا..... اس کے ہاتھ کو کچھ بھی نہ ہوا، دیوار پر جو آئینہ تم پچھلے دنوں لگا آئی تھی..... وہ نیچے گر کر ٹوٹ گیا.....''

''انکار کر دیا.....؟'' شبانہ نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھا۔

''انکار تو چھوٹا لفظ ہے، اس کا تو جلال انتہا پر چلا گیا۔''

''ویسے یہ تو ہمیں معلوم تھا..... مگر ماما جی نے کہا پیغام امانت ہوتا ہے..... پہنچانا ضروری تھا۔'' شبانہ تائید میں سر ہلانے لگی۔

''مجھے تو اس نے چلے جانے کا اشارہ کیا میں باہر آگئی۔''

''میں جھانک کر دیکھ آؤں.....؟'' شبانہ نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ نخبہ نے بلایا۔

''شبانہ۔'' وہ مڑی..... ''نہیں جاؤ.....''

''کیوں؟'' شبانہ پلٹ کر آئی آہستہ سے پوچھا۔

''شبانہ، ہم اسے اپنے جیسی سمجھتی ہیں کیونکہ ہماری اپنی ہے مگر وہ ہمارے جیسی نہیں ہے، ہمیں نہیں معلوم اللہ کے ہاں اس کا کیا مقام ہے..... جس نے اپنی جوانی، خوشیاں ساری زندگی رب کی راہ میں تج دی مجھ جیسی دنیا دار ن کو تصور بھی نہیں ہوسکتا..... رب اسے کیا نوازتا ہے، کتنا نوازتا ہے۔''

''ہاں نخبہ باجی..... آپ نے لکھ روپے کی بات کی ہے۔''

''شبانہ..... میرا تو دل گھبرا رہا ہے..... میں اپنے کمرے میں جا کر لیٹتی ہوں..... تم ابھی گھنٹے تک صفہ کے پاس نہ جانا..... نہ اس کی ٹوہ لینا..... گھنٹے بعد جا کے دیکھ لینا۔'' نخبہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

اس دن کے بعد سے بات ایسی آئی گئی ہوئی کہ کسی نے ذکر تک نہیں اٹھایا۔ شبانہ نے ماما کو بتا دیا..... آگے ماما جانے اس کا کام جانے۔

وہ ایک چاندنی رات تھی۔ نخبہ بھائی کو فون کرتے ہوئے اوپر چھت پر آگئی۔ مسجد کے سنہرے میناروں پر چاندنی کی کرنیں جھلملاتی تھیں تو اتنی مسحور کن لگتیں کہ آنکھ ہٹ نہ پاتی۔ ہلکی، ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ ستمبر کا اختتام تھا۔ کھلی چھت کے گرد چار دیواری تھی۔ ایک طرف خالی گملوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جس پر بیٹھی ہوئی بلی ٹیوب لائٹ جلنے پر دیوار پر چڑھ کر کود گئی۔ فون بند ہوا تو



Digitized by Google

نخبہ ہلکے قدموں سے چہل قدمی کرنے لگی۔ آسمان پر گول چاند چمک رہا تھا۔ اس وقت تک عبداللہ، صفہ خالہ سے کہانی سن کر سو چکا تھا۔ شبانہ اپنے کمرے میں ٹی وی چلا کر بیٹھی تھی۔ عام طور پر سب کام کاج سے فارغ ہو کر عشا پڑھنے کے بعد اس کا یہی معمول تھا۔

نخبہ کا رخ سیڑھیوں کے دروازے کی طرف ہوا تو صفہ کو آتا دیکھ کر ٹھٹک گئی پھر سوچا کہ وہ غالباً روزانہ آتی ہوگی، تنہا، تنہا اور بھی تنہا جینا اس کا طرزِ زندگی تھا۔

''تم..... یہاں؟'' صفہ اسے پا کر متعجب ہوئی۔

''بھائی کا فون سننے آ گئی تھی۔ آواز صاف آجاتی ہے یہاں سے..... عبداللہ آج دن بھر اذان، موذن کے ساتھ خوش رہا..... وہ چلے گئے تو تمہارے پاس تھا۔''

''اب سو گیا ہے..... شبانہ کے پاس ہے۔'' صفہ نے بتایا۔

''تم نے یہاں کچھ پڑھنا ہے کیا؟ میں کچھ دیر اوپر رہنا چاہتی ہوں..... مخل نہیں ہوں گی.....'' نخبہ بیٹھنے کے لیے ٹوٹی پھوٹی کرسی ہلا جلا رہی تھی۔

''میں اسی طرح بیٹھ جاتی ہوں۔'' صفہ نیچے بیٹھ گئی۔ فرش پختہ اور صاف تھا۔ نخبہ بھی نیچے بیٹھ گئی۔

''آج پاپا بہت یاد آ رہے ہیں۔'' نخبہ چاند کو تکتے ہوئے کھوئے، کھوئے لہجے میں بولی۔ ''میں بھائی سے بھی ان کی باتیں کرتی رہی ہوں..... پاپا مجھ سے بہت پیار کرتے تھے..... وہ مجھے ایک قیمتی گڑیا کی طرح سنبھال کے رکھتے تھے، میرے لاڈ اٹھاتے تھے۔ کالج میں ہر دن پاپا کا فون آتا تھا۔ میں مما سے زیادہ اُن سے ہر بات شیئر کرتی تھی۔ وہ کتنے اچھے دن تھے۔ کتنے گولڈن دن تھے۔ حویلی میں تمہاری اماں جان کا دیوانِ خاص پر بیٹھا ہونا جس پر میرون جازم بچھی ہوتی تھی۔ اماں بتولاں ان کے آس پاس ہی ہوتی تھی۔ وہ اکثر سبز قمیص اور پرنٹ والی شلوار پہنے ہوتی تھی..... اب شبانہ، اماں بتولاں جیسی ہوتی جا رہی ہے اور تمہارے ابا صاحب..... ان کی شخصیت تو بہت رعب دار تھی۔ بڑی سی پگ اور شیروانی وہ میرے بڑے تایا سے ملتے تھے۔ میں تو ان سے ڈرتی تھی۔''

''ابا صاحب دھیمے مزاج کے تھے..... وہ کبھی کسی سے سخت نہ بولتے تھے۔ میری ہم جولیوں پر شفقت کرتے تھے۔ ان کو تو بچیوں کی رونق اچھی لگتی تھی۔ شبانہ پر بھی بیٹی کی طرح شفقت کرتے۔ وہ جب میرے پاس درسگاہ آتے، جاتے ہوئے دعائیں دیتے مزید پیسے پکڑا دیتے۔ ایسے لگتا تھا کہ کوئی ہرا بھرا سایہ دار درخت ہے۔''

''تم اپنی یادیں مجھ سے شیئر کیا کرو..... میں تمہاری بہن اور سہیلی ہوں.....''

''بالکل ہو..... بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو۔ تمہیں یاد ہوگا، میں سردیوں میں گھر کا بنا ہوا سوہن حلوا لایا کرتی تھی۔ اماں جان حویلی میں بہت اہتمام سے بنواتی تھیں..... شادی جیسی رونق لگا لیتی تھیں.....'' صفہ کھل کر مسکرائی۔

''ہاں..... وہ بہت مزے کا حلوا ہوتا تھا۔ ہمارا گروپ منٹوں میں ڈبا خالی کر جاتا تھا۔ صفہ..... تمہیں وہ غزل یاد ہے جو تھرڈ ائیر میں ہماری کلاس فیلو، حمنہ جمیل نے گائی تھی۔''

''مجھے یاد نہیں.....''

''جسے سن کر میڈم برلاس رو پڑی تھیں۔ وہی حمنہ جمیل لمبے قد والی..... آواز بہت پیاری تھی اس کی۔''

''حمنہ جمیل تو یاد آتی ہے، غزل نہیں۔''

''مجھے اس کی گائی ہوئی غزل ازبر ہے..... مگر تب ہم لوگوں کو اس کی معنوی گہرائی کا اندازہ نہیں تھا..... میڈم برلاس سمجھ تھیں، وہ سمجھتی تھیں..... اس لیے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں..... اب وہ بول مجھے بھی رُلاتے ہیں۔''

''مجھے سناؤ گی.....؟'' صفہ بولی۔

''ہاں..... پھر تم اداس ہو جاؤ گی.....''

''اداسی اب بھی زیادہ دور نہیں جاتی.....'' صفہ نے گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکالی..... اس کا سفید دوپٹا سر سے ڈھلک رہا تھا..... اس کے بال سیاہ و سفید ملے جلے تھے مگر اس کا چہرہ تاباں تھا اس پر نورانی دمک تھی۔ نخبہ اپنی ٹانگوں کو بانہوں کے دائرے میں لیے ہلکے، ہلکے جھولتی چاند پر نظریں جمائے گانے لگی۔

''چلو اب بال کھولیں اور کریں کچھ وجد کی باتیں



Digitized by Google

چلو خوابوں کی مٹی میں حقیقت کو ملائیں ہم
چلو قبریں بنائیں ہم.....''

غزل کے بول، دُھن سماعت میں اترتے ہی صفہ کی نظروں کے سامنے وہ کلاس روم، حسنہ جمیل، میڈم برلاس اُن کے جوڑے میں مرجھاتا ہوا گلاب، صفہ کے برابر بیٹھی ٹیبل پر پتلی کلائی والا ہاتھ رکھے نخبہ..... ایسے آن وارد ہوئے جیسے کوئی ورق الٹا ہو..... وہ نخبہ کی آواز میں آواز ملا کر گنگنانے لگی۔

''مزارِ ذات پر اپنی کہیں سے پتیاں لاؤ
فراقِ یار سے مہکی ہوئی کچھ پتیاں لاؤ
چلو شمعیں جلائیں ہم''

زمان و مکاں کی حد بندیاں، اوجھل اور حاضر کی آنکھ مچولی، گزشتہ اور آئندہ کی باری کی لڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ وہی دھنک سی چمکیلی لڑکی نخبہ، وہی ناک میں سونے کی کیل والی بانکی صفہ، ذرا پلکیں جھپکتی تو سن رسیدہ ہاتھ اور درد گزیدہ چہرے جگہ بدل لیتے۔

''چلو تعویذ لکھیں ہم اور اس پر یہ رقم کردیں
کہ آدم، ابن آدم کو اسی مٹی میں سونا ہے.....
یہی تو کھیل باقی ہے، جو سب کے ساتھ ہونا ہے
چلو چادر چڑھائیں ہم.....''

گنگناہٹ تھمی تو دورِ حاضر، حاضر ہوگیا۔ ایک سناٹے کے ساتھ، نہیں مگر کامل سناٹا نہیں تھا..... اس میں دور و نزدیک کی ہلکی آوازیں تھیں..... مگر وہ دونوں اپنی، اپنی حصار بندیوں میں چپ گم ہوگئی تھیں..... شاید وہ بہت اداس نہیں تھیں بس گم صم تھیں۔ صفہ اپنی انگشتِ شہادت سے سیاہی مائل نیلگوں آسمان پر کچھ لکھ رہی تھی۔ نخبہ اس کی اس حرکت کو دیکھ رہی تھی۔ غور کیا وہ اللہ لکھ رہی تھی۔ پھر ایک دم صفہ مسجد کا لاؤڈ اسپیکر کھلا، کھنکا اور مائیک سے آواز آئی۔

''حضرات ایک ضروری اعلان سنیے.....'' دیوار پار ہی تو مسجد تھی۔ دونوں متوجہ ہوگئیں۔

''علاقے کی معزز شخصیت سیٹھ واصف چوہدری کا انتقال ہوگیا ہے۔''

''کیا؟ آ آ آ..... سنا تم نے صفہ..... تم نے سنا؟'' نخبہ چیخ پڑی۔ صفہ کے چہرے کی تابانی کو کسی نے پھونک مار کر بجھا دیا۔ جیسے آندھی کا جھونکا اس پر راکھ بچھا گیا ہو..... اس نے دونوں ہاتھوں سے زمین پر آسرا کیا اور لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی..... نخبہ بے ساختہ بولتی چلی گئی۔

''صفہ..... واصف وہی تھا ناں..... جو کالج میں تمہیں؟ اتنے سالوں بعد تک وہ تمہاری زندگی سے نہیں گیا تھا..... تم نے نکالا تھا وہ نہیں نکلا، آج نکل گیا.....'' یہ تو اس کی زبان نے کہا اور جو کچھ اس کا دل کہہ رہا تھا وہ زبان پر کب آسکتا تھا۔ صفہ تری ضد پر رب نے اپنا بندہ توڑ دیا، صفہ ترے مقام کا تعین کیا ہے؟ یوں اتنے قریب بیٹھی ہے اور کتنے قریب اس کے ہے جس کا نام انگلی سے عرش پر لکھتی ہے۔ نخبہ بے یقینی اور یقین کے تحیر میں وہیں کی وہیں بیٹھی تھی جبکہ صفہ پاؤں گھسیٹتی آہستہ آہستہ چلتی دیوار تک پہنچی اور اب دیوار سے پشت ٹکا کر آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی یا شاید چاند کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فضاؤں میں، خلاؤں میں، قلب کے ہر تار میں، نظر کی حد کے پار میں لفظ بگولے رقص کرتے تھے۔

چلو تعویذ لکھیں ہم اور اس پر یہ رقم کردیں
کہ آدم، ابن آدم کو اسی مٹی میں سونا ہے.....

اعلان کو خاموش ہوئے کتنی دیر گزر گئی، نخبہ، صفہ کو دیکھتے، دیکھتے پتھرا گئی۔ اسے یوں لگا جیسے پور، پور تھک گیا ہے۔ جوڑ، جوڑ دکھ رہا ہے، نقاہت نے روح کو لپیٹ لیا ہے، وہ آہ سرد کھینچ کر اٹھی۔ پھر رک کر سوچا اسے اس طرح اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔ اس کے پاس آکر اس کا سر دبا تھاما اور کہا ''چلو''

آنکھوں میں مکمل اجنبیت در آئی تھی۔

''چلو صفہ.....''

''کہاں.....؟''

''آؤ پیاری بہن، نیچے چلو۔ کیا ہر موت پر تم یوں ہی قطرہ، قطرہ پگھلتی رہو گی۔'' وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''صفہ..... اللہ غفور الرحیم ہے۔''

لا الہ الا انت سبحنك انی کنت من



Digitized by Google

**الظالمین** میں نے تب صبر کیا جب وہ میری ماں کی موت کا سبب بنا، اب صبر کیوں چھوٹا مجھ سے نخبہ.....؟"

موت کا سبب؟ نخبہ کو ایک اور حیرت کا جھٹکا لگا بہت کچھ ایسا تھا جو وہ نہیں جانتی تھی۔ پھر بھی مزید سوال کیے بغیر اسے ذہنی آسرا دینے لگی۔

"میری بات سن صفہ، میں گناہ گار تجھے مشورہ دے رہی ہوں۔ تمہیں جو احساس ہو رہا ہے اس کا مداوا یہ ہے کہ اس کے لیے مغفرت کی دعا کر، اسے سچے دل سے معاف کردے، مرنے والے کو سکون ملے گا۔ اللہ راضی ہوگا۔ میں نیچے جا رہی ہوں، میری طبیعت ٹھیک نہیں۔"

صفہ نے جواباً اس کے شانے پر ہلکا سا ہاتھ رکھا اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔

نخبہ نیچے آکر ابھی اپنے کمرے میں لیٹی ہی تھی کہ شبانہ اپنی خبریں لے کر آگئی۔ سیٹھ واصف کے انتقال کا اعلان اس نے بھی سن لیا تھا۔ ابھی پچھلے دنوں ہی تو وہ اس گھر کی اہم خبر رہا تھا۔ وہ اسی کا ذکر اور افسوس کر رہی تھی کہ منشی ماما نے اندرونی دروازے پر دستک دے کر "شبانہ پتری" کی آواز دی۔

"خیر ہے ماما؟" وہ دوپٹا لپیٹتی لاؤنج کے دروازے پر آئی، رات کے اس وقت ماما اِدھر کیسے آ گیا۔

"اعلان نہیں سنا؟"

"سنا ہے..... سیٹھ واصف وہی جو....."

"ہاں، ہاں اور کون سا سیٹھ واصف ہے....." شبانہ نے دروازے کا پٹ کھولا۔

"آؤ ماما جی..... اندر آجاؤ....."

"نہیں بیٹی..... تم باہر آجاؤ....." وہ برآمدے میں بیٹھ رہے۔ کاندھے سے صافہ اتار کر پیشانی کو رگڑا..... صافہ دوبارہ کندھے پر ڈالا۔

"میں نے آج تک صفہ بی بی، بیٹی سے کچھ نہیں چھپایا، مرتے دم تک بی بی کا وفادار رہوں گا..... یہ بھی بتا دینا جو میں بتا رہا ہوں..... آج عصر سے پہلے کی بات ہے، سیٹھ واصف کا فون آیا تھا، کہنے لگا بابا جی میں راستے میں ہوں، آپ کی طرف آ رہا ہوں، کچھ تحفے ہیں آپ کے لیے، میں اسے بی بی کا جواب تو پہلے بتا چکا تھا۔ اب اس کے آنے اور تحفے لانے کا مقصد..... میں گھبرا رہا تھا پھر میں نے صاف کہہ دیا بی بی پہلے بھی بہت ناراض ہوئی تھیں۔ میں ان کا نوکر ہوں، آپ مجھ پر کرم کریں اور تکلیف نہ کریں۔ وہ بولا آپ ایک بار پردے میں ان سے میری بات کرا دیں۔ تم خود سوچو بیٹی، اس بندے کو اندازہ نہیں ہے جو عورتوں سے میل ملاقات بھی کبھار کرتی ہے، وہ مرد سے بات کرے گی بھلا.....؟" اسے سمجھ ہی نہیں آئی کہ وہ کس مقام پر ہے، میں نے کہا۔

"سیٹھ واصف، بھلے آدمی کو اشارہ کافی ہوتا ہے..... اپنا نہیں تو اس تارک الدنیا مائی سینٹرھن کا لحاظ کرلیں۔ اس مائی بی بی کے سامنے تو میں نہیں جاتا اور نہ بات کرتا ہوں..... جو کہنا ہوتا ہے اپنی بھانجی کو کہتا ہوں۔ فون اس کے پاس ہوگا ہی نہیں..... مہربانی کرو اور آئندہ فون نہ کرو جناب..... اگر چندے والی رقم آپ واپس لینا چاہیں تو حاضر ہیں۔" وہ بولا تو آواز بہت دکھی اور غمزدہ تھی..... کہنے لگا۔

"منشی! میں اپنی نظروں میں گر چکا..... دنیا کی نظروں میں گر چکا، بی بی کی نظروں میں گر چکا، اب تم مجھے اللہ کی نظروں سے نہ گراؤ۔ چندہ فی سبیل اللہ دیا تھا کسی کی خوشنودی کے لیے نہیں..... اچھا بابا، اللہ بیلی....." یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا..... اور اب عشا کے بعد یہ اعلان ہوا ہے جو تم نے بھی سن لیا..... اللہ مجھے معاف کردے..... مجھے تو لگتا ہے اسی آنے جانے میں اس کا حادثہ ہوا ہے۔ اللہ پاک معاف کرے مگر میں اس کے سوا کیا جواب دیتا....."

"ہاں ماما جی..... جواب تو یہ ہی دینا تھا....." شبانہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

"میں تو سوچتی ہوں ہر بندے کا رب سے بخشش مانگنے کا اپنا طریقہ، ہوتا ہے اللہ کے حضور کوئی اللہ کے پیاروں کا واسطہ دیتا ہے، کوئی اس کی رحمت سے بھیک مانگتا ہے تو کوئی اس کے نیک بندے کی غلامی کر کے سنورا ہونا چاہتا ہے ماما جی..... اب سیٹھ کی جوان عمر تو تھی


Digitized by Google

نہیں، صدمے بھی اس کو کافی لگے ہوئے تھے۔ سوچتا ہوگا عاقبت سنوار لوں..... گھر کا ماحول سنوار لوں یہی سوچتا ہوگا اور کیا، ورنہ شادی ہی کرنی تھی تو سول جاتیں.....''

''اللہ بیچارے پر رحم فرمائے۔'' ماما نے صافہ اتارا پھر رکھا اور سر جھکائے چلا گیا۔

شبانہ نے اوپر سے اترنے والی کا صبر سے انتظار کیا۔ نخبہ مسکن دواؤں کے زیر اثر سوگئی، عبداللہ سو رہا تھا۔ صفہ نیچے آئی تو شبانہ نے اس کے پاس جانے میں دیر نہ لگائی۔ کسی ٹیپ ریکارڈر کی طرح ماما کے ان جملوں سمیت کہ آج تک صفہ بی بی بیٹی سے کچھ نہیں چھپایا مرتے دم تک بی بی کا وفادار رہوں گا۔ سب کہہ سنایا اور ردِعمل کا انتظار کیے بغیر چلی آئی اور اپنے کمرے میں جا کے سو رہی۔

معلوم نہیں صفہ نے کیا سوچا کیا محسوس کیا..... مگر غیر متوقع طور پر اسے بھی چار بائی پر لیٹتے ہی نیند آگئی..... رات کے پچھلے پہر اس کی کسی نامانوس آواز پر آنکھ کھل گئی..... دیوار کے پار مردانہ آواز میں کراہٹ کی سی آواز تھی، بیدار ہونے پر آواز معدوم ہوگئی..... کیسی آواز تھی؟ اس نے شعور کو بار، بار بیدار کیا..... جیسے کوئی ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کے سسکیاں لیتا ہو یا جیسے کوئی تکلیف میں بیمار مریض کراہتا ہو، وہ عمر بھر کی شب بیدار تھی..... آوازوں، چاپوں اور سایوں سے نہیں ڈرتی تھی۔ ثابت قدم رہتی تھی۔ اب بھی کلے پڑھتی ہوئی اٹھ کر وضو کرنے چلی گئی۔ مصلیٰ بچھایا..... جتنے نوافل نصیب میں تھے پڑھے اور پھر دامنِ دعا پھیلا دیا۔

''اے میرے اللہ..... میں نے تیرے بندے واصف احمد کو معاف کیا..... باقی تو سب کا مالک ہے اپنی طرف کے معاملات پر تیری جو مرضی ہو کر، میں نے ہر اس بندے کو معاف کیا جس سے مجھے کوئی تکلیف پہنچی اور ہر اس بندے کے لیے تجھ سے معافی مانگتی ہوں جس پر انجانے میں مجھ سے زیادتی ہوئی۔ میں تجھ سے اپنے..... بے صبر ہو جانے کی معافی مانگتی ہوں۔ اے اللہ..... تو مجھے معاف کردے۔ میں نے اپنے قلب کا کنستر خالی کر کے الٹا دیا ہے..... اس میں اب مٹھی بھر بھی نفس کا کھاجا نہیں بچایا ہے..... لیکن میں ہر پل تجھ سے نفس امارہ کی چالبازی سے پناہ مانگتی ہوں تو لامتناہی طاقتوں والا مالک ہے تیرے بنائے ہوئے مٹی کے پتلے کی عقلی بساط محدود ہے..... اسے دھکا لگے تو بھڑک اٹھتا ہے، نہیں جانتا کہ اسی دھکے سے اسے آگے جگہ ملی ہے۔ اسے ٹھوکر لگے تو چلاتا ہے، نہیں جانتا کہ اس ٹھوکر سے اس کے بائیں کندھے پر رکھے بوجھ سے کچھ وزن اچھل کر دور جا گرا ہے اور وزن کم ہوا ہے۔ یہ تو صرف ظاہر آدکھائی دینے والی ہی دیکھتا ہے جو حسیات میں جیتا ہے..... میں بھی مٹی کا پتلا ہوں، میری بھی اتنی ہی اوقات ہے اگر میں نے بھی خود کو دوسروں پر فوق جانا ہو تو اس وقت پر نادم ہوں، افسوس کرتی ہوں اور تجھ سے معافی مانگتی ہوں.....'' برستے اشکوں سے وہ اپنے پروردگار کے حضور حاضر تھی۔

''اے میرے اللہ..... تیرے پاس اربوں کھربوں بندے اور اتنی ہی دوسری مخلوق ہے مگر میرے پاس صرف تو واحد ہے، میرے نہ ہونے یا خسارے میں ہونے سے تجھے شہ بھر بھی فرق نہیں پڑتا..... مگر تجھے کھو کے میں تنکے جتنی بھی نہیں رہتی۔ اے میرے اللہ..... تجھ سے ایسی تنہائی میں جس میں کوئی مخل نہیں اور ایسی قربت میں کہ جس میں کوئی درمیان نہیں بجز میرے اپنے نفس کے بھٹکنے کے، میں اپنے غصے کی حالت کی معافی مانگتی ہوں، شدتِ غم کی بے صبری سے پناہ مانگتی ہوں اور فرطِ مسرت کی بیرابی سے پناہ مانگتی ہوں۔ میرے معبود غصہ، غم اور خوشی کے تانے بانے مجھ سے الگ کردے۔ میں نے یہی دیکھا ہے کہ غصہ ہمارا گھاٹا ہے، غم ہمیں شکایت سے قریب کرتا ہے اور خوشیاں عارضی حماقت ہیں..... جوں، جوں کوئی اپنا جانا پہچانا مرتا ہے سچ کا شیشہ چمکتا ہے..... دنیاوی زندگی غور کرنے والے کے لیے حیرت ہے، برگد کی جٹاؤں کے نیچے بالوں کی جٹاؤں کو لیے جوگی کا تو وہ بن کر بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا، اس نے حیرت کا قاعدہ پڑھنا شروع کیا تھا..... تری حیرتیں تہ در تہ اور نہ ختم ہونے والی ہیں..... کشش ثقل میں جکڑے گوشت پوست کے اس بت سے ان کا کھولنا



Digitized by Google

کھوجنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے بس میں رکھا ہی نہیں گیا ہے مگر جب یہ کھول لے گا اور اس پر کھول دیا جائے گا تو اس کے بس میں رہا ہی کچھ نہیں ہوگا۔"

صفہ گھڑی بنی راز و نیاز میں گم تھی۔ فجر کی اذان پر جاگنے اور عبداللہ کے لیے پانی لینے شبانہ لاؤنج میں آئی، کھڑکی کے شیشے سے ہاتھ کی اوک بنا کے صفہ کے کمرے میں جھانکا دل میں پکار اٹھی۔ "اللہ سائیں، اسے نیند نہیں آتی..... ہم تو نیند سے مرنے لگتے ہیں، اپنے مٹھی بھر گناہوں کی معافی مانگتے، مانگتے خرچ ہوگئی، مک مٹ گئی..... ہم گناہوں کی پوٹ کدھر جائیں گے..... ہمیں اپنی نیک بندی کے صدقے معاف کردیجو۔" وہ پانی کی بوتل لے کر چلی گئی۔

☆☆☆

ظہر کے بعد مسجدِ صفہ میں ختم قرآن پاک وخیرات فی سبیل اللہ برائے ترسیل ثواب مرحوم سیٹھ واصف وتمام فوت شدہ مسلمین ومسلمات کا اعلان ہوگیا۔ مغرب سے پہلے تک پینتالیس ختم قرآن مجید ہوگئے۔ امام مسجد نے فاتحہ خوانی کی۔ کھانا تقسیم ہونے لگا تو پڑھنے والوں کے علاوہ ان گنت لینے آئے، آتے چلے گئے مگر بریانی اور زردے کی تھیلیاں ختم نہ ہوئیں..... مرحوم واصف کے گھرانے کا کوئی فرد نہ تھا۔ کسی کو جتانا، بلانا یا مستقبل میں مسجد کی معاونت کی نیت رکھنا ہرگز مقصود نہ تھا۔ سب کچھ مسجدِ صفہ کی طرف سے ہوا اور مسجد کے اخراجات میں بڑا حصہ صفہ بخاری اور دوسرا حصہ نخبہ اعوان کا ہوتا تھا۔

یہ سلسلہ تمام ہوا، اگلے دن نخبہ کی کراچی کے لیے فلائٹ تھی..... وہ کبھی، کبھی ایک مشہور پرائیویٹ اسپتال جایا کرتی لیکن اس کا ذکر نہ پہلے کرتی اور نہ واپس آکر کرتی اور اپنے ساتھ کسی کو نہ لے جاتی بلکہ ایسے میں خاصی کٹھور اور اپنے کام سے کام رکھنے والی بن جاتی۔ عبداللہ کی تو تین برس کی عمر سے ہی وہ ایسی ٹریننگ کررہی تھی کہ اس کے بغیر رہنا ہو تو وہ مطمئن اور معمول کے مطابق رہے..... اور اس نے کبھی ساتھ جانے کی ضد بھی نہ کی تھی بلکہ وہ شبانہ امی پر زیادہ انحصار کرتا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ اس کے جانے کی بابت سوال کسی کے ذہن میں نہ اٹھتا تھا سوائے شبانہ کے..... وہ خود سے بولے جاتی۔

"امیر لوگوں کے عجیب ہی وہم ہیں..... چیک اپ کرانا ہے، تسلی کرانی ہے..... اچھی بات ہے یہاں اتنے بڑے، بڑے ڈاکٹر پڑے ہیں، اچھے بھلے اسپتال ہیں اور دیکھو بھلا اکیلی چلی جاتی ہیں..... چلو خیر اکیلی تو وہ ملک سے باہر بھی آتی جاتی رہی ہے مگر پھر بھی....." پھر سوچ کا رخ پلٹا..... "آج عبداللہ بابا کے لیے میٹھا بناؤں گی، بچپن سے میٹھا کھلایا جائے تو عادت ہوتی ہے ورنہ بڑے ہوکے تو یہ کہنا آج کل فیشن بن گیا ہے۔ "جی میٹھا پسند نہیں....." پھر کام کرتے، کرتے یاد آیا کہ آج تو جمعہ ہے، آج اذان بھی آئے گا۔ ٹرائفل بنا کے رکھا تو وہی بلے بنانے بیٹھ گئی۔

اذان آیا تو پنجرے میں رنگین طوطے لے آیا۔ یہ مشغلہ عبداللہ کو خوب بھایا..... وہ ٹھنکنے لگا۔

"شبانہ امی..... ہمیں parrots کا گھر بنادو..... میں parrots لوں گا۔"

"امی کی جان..... پہلے صفہ خالہ سے اجازت لے لوں۔ پرندے شور کرتے ہیں، کیا خبر وہ ناراض ہوں۔"

"وہ ناراض نہیں ہوتیں..... وہ بہت اچھی ہیں۔"

"لو جی، ناراض ہونے والا یا منع کرنے والا کیا برا ہوتا ہے، وہ بھی اچھا ہوتا ہے۔"

"پھپھو، لینے دیں ناں عبداللہ کو، میں دلا کے لاتا ہوں، میں طوطوں کا پنجرہ بھی لے آؤں گا بڑے والا۔ آپ فٹ کردینا، اُدھر سائے میں، مٹی ماما کے کمرے کے ساتھ۔"

"تو بڑا سیانا ہے، تو نے تو سب کچھ سوچ لیا۔ اچھا ٹھہرو میں پیسے لے آؤں....." وہ ہنستی ہوئی اندر جارہی تھی تو عبداللہ خوشی سے نعرے مارنے لگا۔

رونق افروز تو شبانہ تھی..... بارہ رنگین چھوٹے طوطے، ان کا جالی دار گھر بھی رنگین اور خوب صورت تھا۔ اذان اور شبانہ نے مل جل کر سیٹ کرلیا۔ آنگن میں جیسے زندگی جی اٹھی۔ سپارہ پڑھنے کے لیے آنے والے بچے بھی رک کر چند منٹ وہیں لگاتے۔ "یہ چڑیاں کیا کھاتی


Digitized by Google

ہیں؟'' ایک دن ایک بچی انعمتہ نے عبداللہ سے پوچھا۔

''یہ چڑیاں نہیں ہیں..... یہ parrots ہیں۔'' عبداللہ خوراک کی مٹھی بھر کر ان کی پلیٹوں میں ڈالتے ہوئے بولا۔ ''پہلے میں سمجھتا تھا یہ صبح صبح کھانا مانگنے کے لیے بولتے ہیں۔''

''ہاں یہی بات ہوتی ہے۔'' سپارہ سینے سے چپکائے سر پر اسکارف لیے انعمتہ بولی۔

''یہ بات نہیں ہوتی..... وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں جیسے نماز پڑھتے ہیں ناں.....'' بچی کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

''یہ سجدہ نہیں کرتے جیسے میری امی کرتی ہیں۔ یہ کیسی نماز ہوتی ہے تم بدھو ہو.....''

''بدھو تم ہو.....'' عبداللہ کو غصہ آ گیا۔ اس کے سامنے تن کر بولا۔

''مجھے صفہ خالہ بتاتی ہیں..... عبادت کا صرف ایک طریقہ نہیں ہوتا..... یہ چھوٹے ہیں، پرندے ہیں ان کا طریقہ اور ہے..... آقائے دو جہان، ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم..... آپ بھی کہو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بچی نے بھی دُہرایا) نے فرمایا۔ trees اور stones بھی عبادت کرتے ہیں۔''

''کیا..... مطلب؟ کون.....؟''

''بھئی درخت اور..... اور..... پتھر.....''

''اچھا، یہ باتیں کون بتاتا ہے عبداللہ بھائی؟''

''جنہیں سب بچے بخاری بی بی کہتے ہیں ناں وہ میری خالہ ہیں۔'' عبداللہ کے لہجے میں تفاخر تھا اس نے اپنے تئیں بچی کی عقل کے مطابق جواب دیا۔

''مجھے وہ سب باتیں بتایا کرو عبداللہ بھائی..... جو بخاری بی بی تمہیں بتاتی ہیں.....''

''اچھا.....!'' عبداللہ اب پرندوں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

گیٹ پر رکشا رکا، چھوٹے دروازے سے سندری اور موذن آتے دکھائی دیے۔ شبانہ فوارہ لیے گملوں میں پانی دے رہی تھی۔ عبداللہ اسکول جا چکا تھا..... اگست کا مہینہ گزرے دو ماہ ہو چکے تھے۔ گملوں کے ساتھ دیوار پر پرچموں کی جھنڈیاں بندھی تھیں۔ یہ کام عبداللہ کرتا رہا تھا..... سندری، شبانہ کے پاس آ کر تپاک سے ملی اور گلہ کیا۔

''تم نے تو اتنا دل لگا لیا اب مہینوں بھائی کے گھر نہیں آتی ہو.....'' موذن نے سلام کیا، شبانہ اسے ماتھے پر چوم کے دعا دیتے ہوئے بولی۔

''بسم اللہ میرا موذن آیا ہے۔ پھپھو صدقے، بھابی! تم آج کیسے بھول پڑی ہو۔ آؤ اندر چل کر بیٹھو.....''

''پھپھو..... میں ملوطے دیکھتا ہوں.....''

''ہاں چندا..... دیکھو..... دیکھو.....'' وہ وہیں رک گیا..... شبانہ، سندری کو لیے اپنے کمرے میں آئی۔ اس کا کمرا بہت اچھا سیٹ تھا..... صوفہ سیٹ، چھوٹی میز..... دو الگ بیڈ جن پر ہم رنگ بیڈ شیٹ بچھی تھیں۔ ڈریسنگ ٹیبل بھی الگ، الگ تھیں، عبداللہ اور شبانہ کی وارڈ روب الگ، الگ تھیں۔ عبداللہ کا الگ کمرا تھا مگر برائے نام کیونکہ وہ یہیں سوتا اور رہتا تھا۔ سندری نے کمرے کا گھوم پھر کر جائزہ لیا۔

''واہ بھئی.....'' کہہ کر صوفے پر بیٹھ گئی اپنا ہینڈ بیگ ساتھ رکھا۔

''ایک منٹ..... میں ابھی آئی.....'' شبانہ کہہ کر باہر نکلنے لگی۔

''نہ نہ..... تکلف کچھ نہ کرو، کھا پی کے آئی ہوں۔''

''اچھا، پانی تو پی لو..... کون سا روز آتی ہو۔'' وہ لپک کر نکل گئی۔

موذن کو کولڈ ڈرنک کا گلاس باہر دے کر سندری کے لیے اندر لے آئی۔ سندری نے گلاس اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''عبداللہ کہاں ہے تمہارا؟ اذان ذکر کرتا رہتا ہے۔'' پھر آہستہ سے سوال کیا۔ ''تمہیں کیوں دے دیا ہے اس کی ماں نے؟''

''اللہ اس کی ماں کو سلامت رکھے..... کیسی باتیں کر رہی ہو..... یہ تو نخبہ باجی کا بڑا پن ہے کہ عبداللہ مجھے امی کہتا ہے۔''



Digitized by Google

"شبانہ..... مجھے اس کی اسٹوری سمجھ نہیں آئی۔ یہ کتنی امیر عورت تھی، فیشن ایبل اور بنی سنوری، ہم چھپ، چھپ کے دیکھتے تھے۔ یہ کیوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ اس چھوٹے شہر میں آپڑی ہے۔ اس کا مال متاع کہاں گیا؟"

شبانہ نے سندری کو بغور دیکھتے ہوئے سوچا۔ "لگتا ہے یہ کسی ٹوہ میں آئی ہے۔"

"مال متاع کا اسی کو پتا..... ہمیں کیا؟ بخاری باجی سے ملوگی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں مل لوں گی..... ابھی تم سے تو مل لوں..... اِک ہمارا ماما اور اِک تو..... بخاری باجی نے کچھ گھول کر پلا دیا ہے لگتا ہے....." پھر ہنس کر بولی۔ "تمہارے بھائی کا سندیسہ لائی ہوں خاص طور پر....."

"لالا کا سندیسہ.....؟"

"ہاں..... میری بہن اِدھر بیٹھو میرے پاس....." اس کو بازو سے پکڑ کر برابر میں بٹھالیا۔ "تمہیں اللہ نے سب کچھ دے دیا ماشاء اللہ..... ٹھنڈے کمرے میں سوتی ہو، اچھا کھاتی، پہنتی ہو، اللہ نصیب کرے..... ہم تو پرانے طریقے سے صحن میں پنکھے چلا کر سوتے ہیں، روکھی، سوکھی کھاتے ہیں..... تمہیں ایک اولاد کی کمی تھی اللہ نے وہ بھی پوری کردی....."

"الحمدللہ.....!" شبانہ نے صدقِ دل سے کہا۔

"شبانہ، تمہارا بھائی بہت پریشان ہے..... وہ واپس تو آگیا کہ یہاں کاروبار کرلوں گا پر یہ اس کی غلطی تھی..... یہاں کوئی کام نہیں چلا، جو بچا کے لایا تھا وہ بھی گنوادیا ہے۔ وہ کھجور والا باغ بیچنا چاہتا ہے، ابا کی وراثت میں تو تم بھی ہو..... بھائی کی غریبی پر ترس کھاؤ، تم اس کی مدد کرسکتی ہو..... ابا غریب آدمی تھے، تھوڑا سا ترکہ چھوڑ گئے، وہ کون سے رئیس تھے..... تم اپنا حصہ غریب بھائی کے نام کردو....." یہ کہتے، کہتے وہ بیگ میں ہاتھ ڈال کر کھٹر پٹر کرنے لگی۔

"ترے لالا نے کہا اب میری بہن کورٹ کچہریوں میں نہ جائے، کاغذات دے دیے ہیں۔ میں لے آئی ہوں۔ انگوٹھا لگادے، دستخط بھی کردے، شناختی کارڈ کا نمبر لکھ دے۔" وہ شبانہ کو سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

"اچھا، میں بخاری باجی سے پوچھ لیتی ہوں....."

سندری اس بات پر اس کے گھٹنے پر زور دے کر ہاتھ سے دبا کر بٹھاتے ہوئے نہایت محبت سے بولی۔

"ارے، یہ ہمارے گھر کی بات ہے، بہن، بھائی کی بات ہے، اس میں بخاری باجی کا کیا دخل ہے تو نہیں کرتی تو ویسے انکار کردے۔ تیری مرضی نہیں ہے تو بتادے۔"

"مجھے ترکے سے کوئی دلچسپی نہیں..... مگر بھائی سے ہے، وہ کبھی میرا حال پوچھنے ہی آجاتا..... لالا کیوں نہیں آیا.....؟"

سندری اسے محبت سے شرابور ہو کے لپٹاتے ہوئے بولی۔

"ہائے میری سوہنی بہن..... میں ترا شکوہ اسے پہنچادوں گی..... اس نے خود آنا تھا مگر بخار میں تپ رہا تھا، سور رہا تھا..... دو دن سے تاپ چڑھا ہوا ہے۔"

"لالا کو بخار ہے..... کیسے ہوا؟" شبانہ متفکر ہوگئی۔

"ٹیوب ویل میں زیادہ دیر تک نہالیا..... سردی، گرمی ہوگئی..... اچھا یہ کام تو کرلیں پھر باتیں کرتے رہیں گے۔" اس نے ایک بار پھر فائل کھولی۔

"میرے پاس قلم نہیں ہے، میں دیکھتی ہوں، صفہ باجی کے پاس....."

"قلم یہ رہا..... قلم لائی ہوں....." وہ کسی طرح نہیں چاہتی تھی کہ شبانہ، صفہ تک جائے اور کوئی سعد مشورہ لے۔

"اچھا قلم بھی لائی ہو....." شبانہ مسکرا پڑی اس نے ایک بار پھر دماغ کو حاضر کرکے سوچا۔ کہیں وہ غلط کرنے تو نہیں جارہی مگر اسے کون سا باغ کا حصہ ملتا تھا یا کھیتوں سے کچھ آتا تھا۔ اس کے لیے تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ "اپنے ہاتھ سے دینے کی صورت بھائی خوش ہوگا، شکر گزار ہوگا، اسے مجھ سے جو ناراضی ہوئی تھی اس کی تلافی ہوجائے گی۔" قلم پکڑتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

"میری موت، فوت کا وارث تو میرا بھائی ہے، میں نے ترکہ کیا کرنا ہے دو وقت کی اچھی روٹی کھا رہی ہوں، نیک بیبیوں میں بیٹھی ہوں، عزت بھی ہے محبت



Digitized by Google

بھی ہے۔"

سندری سر ہلا، ہلا کر تائید کرتی رہی..... شبانہ نے دستخط کر دیے پھر شناختی کارڈ الماری سے نکال کر نمبر کا اندراج کیا..... سندری نے کارڈ لے کر موذن کو فوٹو کاپی کرا لانے کو بھیج دیا..... فوٹو کاپی نتھی ہوگئی..... انگوٹھا لگوانے کی سیاہی سندری کے پاس تھی۔ سب کام لالا کی ہدایت کے مطابق ہوگیا۔ کام ختم ہوتے ہی سندری کو پر لگ گئے..... واپسی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ شبانہ کھانے کے لیے روکتی رہی مگر اس کے پاس لالا کے بخار کا بہانہ موجود تھا۔ شبانہ نے جاتے، جاتے بھی مٹھوں کا شاپر بھر دیا..... آموں کی دو پیٹیاں ساتھ کر دیں۔ صفہ بخاری کی جاگیر سے ہر موسم کا پھل ڈھیروں کی صورت آتا رہتا تھا اور اِدھر اُدھر بانٹ دیا جاتا تھا۔ صفہ نے کبھی پوچھا تک نہیں کہ کتنا آیا، کہاں گیا۔

"جس کا مال ہے اس سے تو پوچھو....." سندری نے کہہ دیا۔

"وہ اللہ والی ہے۔ اس نے کبھی سونے، چاندی کی پروانہ کی پھل، سبزی کیا چیز ہے۔"

"واہ ری..... تو، تو سچ مچ راج کر رہی ہے ترا بھتیجا اذان جمعہ کو آتا تو ہے اسے دے دیا کر..... اپنے لالا کے لیے۔"

سندری ہر طرح سے میدان مار کر چلی گئی۔ شبانہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھی اور کام کاج کرنے لگی۔

☆☆☆

کمسن عبداللہ سفید کرتا شلوار میں، صفہ خالہ کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھا تھا۔ ہمیشہ کی طرح کھلے ڈھیلے سفید کپڑوں اور چادر نما بڑے دوپٹے میں دونوں ہاتھ گود میں رکھے صفہ بیٹھی تھی۔ یہ ان کا کہانی کا وقت تھا۔ جس کے بارے میں عبداللہ نے کہا تھا۔ ہم اسٹوری میں چلے جاتے ہیں۔ وہ دونوں واقعی اسٹوری میں چلے گئے تھے۔

"جس گھاٹی کو شعب ابی طالب کہتے تھے وہ ابی طالب کو ورثے میں ملی تھی یعنی ان کے parents نے دی تھی۔ دو پہاڑوں کے درمیان جو تنگ میدان ہوتا ہے اسے گھاٹی کہتے ہیں..... ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے چچا ابی طالب بہت پیار کرتے تھے۔ مکے کے کافر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن تھے ان سے بچانے کے لیے رات کو سب کو دکھانے کے لیے اپنے بچوں اور بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر ساتھ لگا دیتے۔ جب سب سو جاتے تو بھتیجے کو وہاں سے اٹھا کر کسی دوسری الگ جگہ پر سلا دیتے اور ان کے بستر پر کبھی اپنے بچوں کو تو کبھی خود سو رہتے..... انہیں اتنی فکر اور ٹینشن رہتی تھی مگر کافروں کا غصہ ختم ہی نہیں ہوتا، بڑھتا رہتا، وہ یہی سوچتے رہتے کہ کوئی ایسا کام کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان ان کا ساتھ چھوڑ دے، ان کو ہمارے حوالے کر دے۔ بنو ہاشم فیملی کو تنگ کر دیا جائے۔"

"وہ ایسا کیا کام کر سکتے تھے؟" عبداللہ حیرت سے پوچھتا۔

"وہ کر سکتے تھے بیٹا..... انہوں نے کہا۔"

"واٹ.....؟" عبداللہ غم و غصے سے اچھل پڑا۔

"انہوں نے یہ کیا کہ دوسرے تمام کافر سرداروں کو بلایا، میٹنگ کی اور مل کر ایک اوتھ (قرارداد) لکھی کہ جو کوئی بھی بنو ہاشم سے ملے گا، بولے گا، شادی، غمی میں جائے گا یا ان کو آنے دے گا اس کو دشمن سمجھا جائے گا، کوئی بھی بنو ہاشم کو کوئی چیز نہیں بیچے گا، ان سے کچھ لین دین نہیں کرے گا۔ اپنی گلی، راستے سے نہیں گزرنے دے گا، پانی نہیں بھرنے دے گا..... یعنی ان سے مکمل بائیکاٹ ہوگا۔ پتا ہے اب کیا ہوتا تھا۔ تجارتی قافلے مکہ آتے، ان کے پاس کھانے کا سامان ہوتا..... کافر سرداروں کے بندے ان کے راستے میں پہلے پہنچ جاتے اور منہ بولی قیمت دے کر مال خرید لیتے، بنو ہاشم رقم لے کر پہنچتے تو یہ ان کی قیمت سے زیادہ دینے پر تیار کھڑے ہوتے تھے۔ بنو ہاشم والے خالی ہاتھ مایوس لوٹ آتے..... اسی لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ سب گھاٹی میں چل کر رہیں۔"

"صفہ خالہ..... وہ کھاتے کیا تھے؟"

"آنکھیں بند کر کے سنتے ہوئے سوچتے جاؤ..... بولو نہیں، پتھروں کے فرش والی گھاٹی تھی، خاندان کے لوگ مرد، عورتیں اور بچے بیٹھے تھے، کوئی



Digitized by Google

چٹائی بچھا کر لیٹا ہے، کوئی پتھر پر بیٹھا ہے، بچے بار، بار روتے ہیں، کھانا مانگتے ہیں، ایک نیک دل بندہ تھا، نام اس کا ہشام بن عمرہ تھا..... وہ مسلمان نہیں تھا تب..... بعد میں مسلمان ہوگیا تھا۔ وہ تین اونٹ خوراک کے لدے ہوئے گھاٹی کے باہر لے آیا تھا۔ گھاٹی میں عید کا سماں ہوگیا..... کچھ دن اچھے گزر گئے۔ مکے کے سرداروں کو ہشام بن عمرہ کی مدد کرنے کی خبر ہوگئی..... اسے مرنے مارنے پر تل گئے۔ اسے بہت برا بھلا کہا..... بس کسی طرح معافی مانگ کے جان چھڑائی۔ لیکن تین اونٹ یا کبھی کبھار کی مدد آخر کب تک چلتی..... گھاٹی میں تو تین سال گزرے تھے۔'' کہانی سننے اور سنانے والے جہانِ دگر میں پہنچے ہوئے تھے، کھڑکی کے پار کھڑی نخبہ جتنی حیران و انگشت بدنداں تھی اتنی ہی مطمئن و مسرور ہورہی تھی۔ اس کے بیٹے کو اس کی ماں یا بھائی کے پاس ایسا ماحول کبھی نہیں مل سکتا تھا۔ اور اس کی یہی واحد آرزو تھی کہ اس کا فرزند جب جوان ہو تو چودھویں صدی عیسوی کو جی چکا ہو اور اکیسویں صدی میں جیتا ہو۔

''ارے نخبہ باجی..... آپ کب آئی ہو.....؟ السلام علیکم.....'' رات کے نو بجے صفہ بخاری کے کمرے کی کھڑکی سے لگی ابھی، ابھی کراچی سے پہنچنے والی نخبہ اسے عجیب سی لگی۔ شبانہ نے اس کا بیگ تھاما۔

''وعلیکم السلام.....'' وہ لاؤنج میں بیٹھ رہی..... چہرہ کمزور اور پیلا ہورہا تھا۔ تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

''عبداللہ ٹھیک رہا؟'' لمبی سانس کھینچتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل ٹھیک ٹھاک..... میں آپ کے لیے جوس نکال کے لے آتی ہوں۔''

''نہیں..... تازہ پانی..... بس.....''

''کیوں باجی.....؟'' شبانہ کی حیرانی پر بتایا کہ جہاز میں کھا پی لیا تھا..... جب تک شبانہ پانی لے کر لوٹی وہ لیٹ رہی تھی..... پانی رکھنے کا اشارہ کرکے کہا۔

''عبداللہ کو بلانا.....''

عبداللہ کو اپنی مما کے آنے کی خبر ملی تو چارپائی سے اتر کر خوشی سے بھاگتا آیا۔ ماں، بیٹا مل لیے..... صفہ بھی اسے ملنے کے لیے باہر آئی، نخبہ تک پہنچی تو چند قدم دور ٹھٹک کر رک گئی..... یہ کون سی نخبہ تھی؟ آنکھوں کے گرد حلقے، پھیکا سا رنگ، سر پر بالوں کی ہلکی مقدار، جسم پر نقاہت کے آثار نمایاں، وہ تو بجھتا ہوا چراغ ہورہی تھی۔ نخبہ نے صفہ کو رک کر دیکھتے دیکھا، نظریں چار ہوئیں۔ صفہ کی آنکھوں کا سوال واضح تھا، نخبہ کی آنکھوں کا جواب واضح تھا۔ جیسے ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے ہی پردے اٹھتے چلے گئے تھے۔

''کیا سے کیا کردیا سہیلی؟''

''سہیلی جانے دے.....''

''اتنا بھروسا، اتنی پردہ داری.....؟''

''چھوڑ..... اب جانے دے.....''

''میں اتنی دور تھی.....؟''

''بدن سے روح کی طرح.....''

''تنہا کیوں جھیلا سب؟''

''یہ میرا حصہ تھا۔''

روحوں کے مکالمے سے نکل کر صفہ نے نخبہ کا ہاتھ تھاما اس کے پاس کنارے پر ٹک رہی..... زبان نے سرگوشی کی..... ''کب سے ہے؟''

نخبہ کی آنکھ عبداللہ کی سمت گئی..... صفہ سمجھ گئی۔ شبانہ کھانے کے متعلق پوچھنے چلی آئی تھی۔ نخبہ نے پل کے پل چہرے پر مسکراہٹ تان لی۔

''میرے بیگ میں پورج کا ڈبا ہے ہلکے نمک پر بنا دینا..... اور دہی ہے گھر میں، میٹھا دہی؟'' نخبہ بولی۔

''ہاں جی دہی ہے بالکل تازہ.....''

''میٹھو شبانہ..... کام بعد میں کرلینا..... تم کیسی ہو؟ اپنا حال سناؤ.....''

عبداللہ، مما کے سرہانے بیٹھا کلرز باکس اور کلر کاپیوں کا تحفہ دیکھ رہا تھا۔

''آپ تھکی ہوئی ہیں، آرام کریں، ایک خبر تو ہے کل حال دوں گی۔'' شبانہ سامنے بیٹھتے ہوئے خوش ہوکے بولی۔

''بتاؤ بھئی بتاؤ..... تم باتیں کروگی تو خود بخود آرام ہی آرام ہے.....'' نخبہ کی اپنائیت دیدنی تھی۔ صفہ تو یوں



Digitized by Google

ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جیسے آج غور سے دیکھا ہو۔

''یہ دونوں کب سے مجھ سے فاصلے پر ہوگئیں..... نادان عورتیں مجھے بزرگ کا رتبہ تو نہیں دے بیٹھیں.....''

صفہ نے شبانہ کو دیکھا۔ اس کے دیکھنے میں ہی سب کچھ لکھا نظر آجاتا تھا۔ شبانہ کھسیا کر ہنسی۔

''بخاری باجی..... آپ کو اس ڈر سے نہیں بتایا کہ آپ ناراض نہ ہوجائیں.....''

''چلو، جب دل کرے بتا دینا..... نخبہ کو ابھی آرام کرنا چاہیے، عبداللہ کو وقت دینا چاہیے..... عبداللہ بیٹا اپنی ماں کو کمرے میں لے جاؤ.....'' صفہ نے آہستہ سے نخبہ کا ہاتھ چھوڑا..... شفقت سے اس کے شانے پر رکھا۔

''اللہ کی امان ہو.....''

شبانہ نے نخبہ کا بیگ اٹھایا، اس کا کمرا کھول کر اسے آن کیا، اسٹر فریشنر چھڑکا دروازے کے پٹ بھیڑ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔

عبداللہ اپنی مما کے ساتھ کھیلتا بولتا سو گیا تھا۔ نخبہ نے اس کے ماتھے پر بوسہ لیا۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے دھیرے، دھیرے گنگنانے لگی۔

slow
slow,my dear soul
so slow
our prays have gone
gone to bring back your life
Heaven is far for away but
God is very near
away just a step
so keep on slow in dancing life
slow, slow,my dear soul

اور دو آنسو اس کی دونوں آنکھوں کے گوشوں سے لڑھک گئے۔ ایسا کبھی ہوتا نہ تھا کہ صفہ فجر اور اشراق کے بعد سوئی ہو مگر آج ایسا ہوا اور وہ آٹھ بجے اپنے کمرے سے باہر آئی..... لاؤنج میں شبانہ نعت گنگناتی عبداللہ کے کپڑے استری کر رہی تھی۔ عبداللہ اسکول جاچکا تھا۔ صفہ پر نظر پڑی تو شبانہ نے استری آف کی۔

''بخاری باجی آپ.....؟ کیا چاہیے؟''

''کچھ نہیں..... نخبہ کہاں ہے؟''

''وہ تو جی سو رہی ہیں۔''

''اچھا.....'' صفہ یاد آیا۔ ''شبانہ..... تم کل کسی خبر کی بات کر رہی تھیں۔ سب ٹھیک تو ہے ناں؟''

''وہ جی..... سندری آئی ہوئی تھی۔'' شبانہ نے استری کو اسٹینڈ پر رکھا۔

''سندری خیریت سے ہے؟'' یہی کہا پر آنکھوں میں واضح لکھا تھا آئی بھی اور اسے ملی تک نہیں۔

''اسے جلدی تھی، آپ بیٹھیں، میں سب کچھ بتاتی ہوں.....'' صفہ کو بٹھا کر اس نے سندری کی آمد کا مقصد اور سب کچھ کہہ سنایا۔

''کیا تم نے اپنی خوشی سے کیا؟''

''عورت کی خوشی کیا ہوتی ہے جی..... عورت کی خوشی اس کے باپ، بھائی، خاوند، بیٹے کی خوشی میں ہوتی ہے، میرا نہ باپ، خاوند نہ بیٹا..... ایک بھائی ہے، اسے کیسے ناراض کرتی.....''

''وہ تمہارا حصہ تم سے خرید لیتا۔''

''پیسے ہوتے تو..... سندری بتا رہی تھی کہ اس کے پاس پیسے نہیں ہیں، کاروبار میں لگا دیے ہیں اور کم پڑ رہے ہیں..... ویسے، پیسے ہوتے بھی تو..... یہ اس نے کب کرنا تھا جی.....''

''اخلاقی ذمے داری ادا کرنے کے لیے تو پیسے نہیں لگتے..... اسے تمہارا خیال رکھنا چاہیے.....؟''

''وہ تو جی کبھی ملنے نہیں آیا..... عید بقر عید پر بھی نہیں آتا..... حویلی والی بات پر مجھ سے ناراض ہوا تھا تب سے نہیں بولتا..... میں اُدھر جاؤں بھی تو سلام کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتا.....''

شبانہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگی پھر خود ہی بولی۔

''مجھے آپ کے توسط سے اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہے..... کیا کمی ہے میرے پاس..... میرے ہاتھ پاؤں سلامت رہیں، آپ کی خدمت کرتی رہوں گی۔''



Digitized by Google

چھوٹا گیٹ کھلنے کی آواز آئی، شبانہ نے ذرا سا اٹھ کر جھانکا اور بتایا امام مسجد کی گھر والی آرہی ہے، ساتھ میں انعمتہ کی ماں ہے۔

''انعمتہ میرے پاس پڑھنے آتی ہے۔''

''تم سے ملنے آئی ہوں گی جاؤ جا کے پتا کرو.....''

شبانہ پتا کر کے لوٹ آئی۔

''بخاری باجی، وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں، کسی آیت کی تفسیر پتا کرنی ہے، کیا کہوں؟ کہہ دوں کہ سو رہی ہیں؟''

''میں سو نہیں رہی.....'' اسے اندازہ تھا کہ جھوٹ پر ناراض ہوں گی۔

''پھر کیا بلا لوں اندر؟'' اس نے سر ہلایا۔

ملاقات کی اجازت ملنے کی ان عورتوں کو اتنی خوشی ہوئی کہ صدقے نثار ہوتی اندر آئیں، لپک کر قدم بوسی کرنے کو تھیں کہ شبانہ نے روکا۔

''باجی کو یہ پسند نہیں ہے، بہن.....''

''ہمیں تو اتنی خوشی ہو رہی ہے، بی بی صاحبہ کی زیارت ہوگئی ہے، ہم تو دعا مانگتے آرہے تھے، اللہ کرے بی بی صاحبہ مل جائیں.....''

''السلام علیکم.....'' صفہ نے کہا۔

''السلام علیکم بی بی.....وعلیکم السلام سواری وعلیکم السلام.....'' صفہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان میں ہلکی سانولی رنگت والی صحت مند خاتون نے تعارف کرایا۔

''میں مسجد صفہ کے امام صاحب کی گھر والی ہوں.....یہ آپ کی ہمسائی ہے صائمہ.....اس کی بیٹی انعمتہ پڑھتی ہے شبانہ باجی سے.....''

''جی.....فرمائیں.....'' صفہ نے دھیمی مسکان سے حوصلہ افزائی کی۔

''بخاری بی بی صاحبہ.....'' صائمہ بولی۔ ''انعمتہ کے ابو سے میرا جھگڑا ہو گیا۔ جھگڑا بھی اس بات پر ہوا کہ میں اپنے میکے فیصل آباد جا کے چار پانچ دن رہنا چاہتی تھی۔ اس نے کہا کھانا کون بنائے گا، بچوں کی پڑھائی کا حرج ہوگا، میں نے کہا کہ حرج تو سارا سال کا مسئلہ ہے، اسکولوں میں چھٹیاں تو ہوتی ہیں مسجد میں تو نہیں ہوتیں.....ضرورت، مجبوری میں کر لیتے ہیں بچے.....مگر وہ بات بڑھاتا چلا گیا اور یہ الزام لگا دیا کہ تم اس لیے جانا چاہتی ہو کہ تمہارا خالہ زاد فاروق.....جو کبھی میرا منگیتر تھا سعودیہ سے آیا ہوا ہے، حالانکہ وہ بھی بال بچوں والا گھر بار والا ہے۔ مجھے اس الزام پہ بہت دکھ ہوا اور غصہ آیا۔ میں نے اس پر اگلے پچھلے شک جتنے تھے سنوا دیے.....جب اپنی توہین ہوتی ہے تو مرد غصے سے بھٹنے لگتا ہے، اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھا لیا۔ میں نے کہا کہ تجھے کوئی حق نہیں کہ مجھے مارے، پیٹے۔ اس نے کہا کہ مجھے اللہ نے حق دیا ہے، میں صدمے اور غصے سے نڈھال اسی وقت امام صاحب کے پاس چلی گئی یہ دریافت کرنے کہ اللہ نے شوہر کو یہ حق دیا ہے؟ اگر دیا ہے تو کیوں؟ وہ بھی میرے ساتھ تھا.....امام صاحب نے میرا سوال سن کر قرآن پاک کی آیت پڑھی جس کا ترجمہ یوں کیا.....

''جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی اور بدخوئی کرنے لگی ہیں ان کو پہلے زبانی سمجھاؤ.....اگر نہ سمجھیں ان کے ساتھ سونا ترک کر دو اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو مارو پیٹو.....اگر کہنا مان لیں تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو۔''

''سورۂ نسا کی آیات.....'' صفہ زیر لب بولی۔

''امام صاحب نے کہا بی بی! ثابت ہوتا ہے کہ تم نے سرکشی کی، بدخوئی کی.....'' ابھی وہ بات کر رہی تھی کہ امام کی بیوی بول پڑی۔

''میں بھی بولی تھی.....میں نے کہا۔ امام صاحب اگر سرکشی کی ہے تو پہلا قدم تو زبانی سمجھانا تھا ناں پھر دوسرا قدم تھا.....وہ تو ایک دم ہی تیسرے قدم پر آ گیا.....مجھے تو ڈپٹ دیا تم چپ رہو.....ناقص عقل والی ہو.....''

انعمتہ کی ماں کی اصل فریاد تو اب شروع ہوئی تھی۔

''اللہ نے مرد کو مار پیٹ کی اجازت دے دی؟ عورت اس کی مخلوق نہیں ہے؟ عورت انسان نہیں ہے؟ ماں، باپ کا گھر چھوڑ کر آتی ہے، ماں، باپ کو ملنے کے لیے جائے تو سرکش ہے؟'' وہ بول رہی تھی۔

صفہ نے ہاتھ اٹھا کر خاموش ہو جانے کا اشارہ



Digitized by Google

کیا۔لب بستہ عورتوں کی سوالیہ نظریں صفہ پر جم گئیں۔

''اللہ خالق ہے،انسان اللہ کی مخلوق اور تخلیق ہے، انسان مرد وعورت یکساں ہیں، جب انسان کا دل روتا ہے،اللہ اس کا دکھ اور دکھ کا سبب اور سبب سے بھی بہت پہلے اور بہت بعد تک سب کچھ جانتا ہے۔ دل تب روتا ہے جب انسان سچائی پر ہوتا ہے آنکھ باطل پر بھی آنسو گرا سکتی ہے مگر دل نہیں.....قرآن پاک عربی زبان میں ہے اور اس کا ترجمہ عام مسلمان نہیں جانتا.....عربی سے کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے معنی کو کسی رنگ میں ہلکا یا تیز کرنا مشکل نہیں ہے، ان آیات میں سرکشی کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے، زندگی کی چھوٹی، موٹی باتوں کا اختلاف سرکشی نہیں ہے، مثلاً مرد نے کہا کہ گوشت پکاؤ، عورت نے سبزی پکالی.....مرد بیٹے کو ڈاکٹری پڑھانا چاہتا ہے عورت فوجی بنانا چاہتی ہے۔ عورت اپنے ماں، باپ کو ملنا چاہتی ہے، یہ ہرگز سرکشی نہیں ہے۔ والدین کی خدمت کے حوالے سے جتنے بھی قرآنی احکام یا احادیث ہیں کسی میں یہ نہیں کہا گیا کہ یہ اولاد میں سے بیٹے کے ہیں، بیٹی کے نہیں ہیں.....قدموں تلے جنت صرف بیٹے کی ماں کے نہیں ہے۔ بعد از شادی بھی اولاد اور ماں، باپ کے حقوق و فرائض کا معاملہ تبدیل نہیں ہو جاتا وہی رہتا ہے.....یعنی ثابت ہو رہا ہے کہ شادی شدہ بیٹی کو ماں، باپ کی خدمت، خیال اور اطاعت کرتے رہنا لازم ہے۔ اب دوسری بات ہے بدخوئی.....بیوی بحث کرتی ہے، دلیل دیتی ہے خواہ اس امر میں یہ اس کی ضد ہی کیوں نہ ہو یہ... بدخوئی نہیں ہے۔ مثلاً بیوی ضد کرتی ہے اسے ریشمی جوڑا دلوایا جائے، یہ بدخوئی نہیں ہے، یہ سرکشی نہیں ہے، بدخوئی تو ناگوار گالیاں، کسی کا برا چاہنا، بددعا دینا ہے یا مسخر اڑانا ہے مثلاً اگر شوہر یہ کہے کہ وہ غریب ہے اور ریشمی جوڑا لے کر دینے کی استطاعت نہیں رکھتا تو بیوی کہے بھوکا، ننگا، کنگلا تو یہ بدخوئی ہے، جن الفاظ سے اگلے کے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے.....اور اب ان ہی آیات کا ترجمہ ایک اور لہجے میں سنیے اور توجہ سے سنیں.....'' صفہ بخاری نے آنکھیں بند کر کے عربی آیات کی تلاوت کی پھر کہا۔

''مرد عورتوں کا سہارا ہیں، کیونکہ اللہ نے کچھ انسانوں کو دوسروں سے زیادہ ذرائع سے نوازا ہے.....(یاد رکھیے قرآن کی تفسیر کے لیے گیارہ علوم کی ضرورت ہے۔ ہم میں سے بالعموم یہ شرط پوری نہیں کرتے) اور اس لیے کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں..... سہارا یا قوام.....ایک ہی وضاحت ہے قائم رکھنے والا یا آسرا.....اب ذرا اس کی تھوڑی سی تشریح ہو جائے۔ مال میں خرچ بعض اوقات عورت بھی کرتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی عورت کی کمائی سے گھر چلتا ہو.....اس کی بہت سی صورتیں ہوتی رہتی ہیں، مرد معذور، محتاج ہو گیا، مرد کو نوکر نہیں ملتی، مرد نشئی، بیکار ہے تو کچھ انسانوں کو دوسرے انسانوں سے زیادہ ذرائع سے نوازا ہے.....البتہ مرد، عورت پر قوام ہے.....یہ مسلمہ حقیقت ہے۔ مرد نہ بھی کمائے تو اس کا تحفظ ہوتا ہے.....مرد کو جسمانی قوت و اعصابی طاقت زیادہ دی گئی ہے اس طرح کچھ نفسیاتی طبعی وجوہات ہو سکتی ہیں، آگے آیت کا ترجمہ ہے۔ ''نیک عورتیں اطاعت شعار ہوتی ہے۔(صرف خاوندوں کی' یہ مخصوص نہیں کیا گیا) جب اللہ کی اطاعت شعار ہوں گی تو اللہ کے احکام کے تحت اپنی ذمے داری سمجھتی ہوں گی۔ اطاعت شعار اللہ کی ہیں اور غیب میں حفاظت کرتی ہیں۔ اب غیب میں حفاظت میں جسم کے پوشیدہ حصے، گھر کے پوشیدہ راز اور وہ اعمال جو کھل جائیں تو ناگوار ہوں سب ہو سکتا ہے۔ اب آیات کا وہ حصہ آتا ہے جو امام صاحب نے حوالہ دیا۔ جن عورتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو انہیں بات کر کے قائل کرو.....نہ مانیں تو تنہا کر دو.....اب بھی نہ مانی.....کیا نہ مانی.....؟ علی الاعلان کہہ رہی ہے کہ پوشیدہ کی حفاظت نہیں کروں گی.....؟ ایسا عریاں لباس پہنوں گی یا فلاں غیر محرم کو ملوں گی؟ یہ وہ باتیں ہیں جن پر تیسرا اقدام ہلکی ضرب سے مارو عائد ہوتا ہے.....بلاشبہ یہ جو میں کہہ رہی ہوں وضاحت کی مثالیں ہیں لیکن آپ سوچیں کہ اللہ کی اطاعت شعار، غیب میں حفاظت کرنے والی صفت



Digitized by Google

میں کیا یہ عام باتوں میں تکرار یا ضد شمار ہوسکتی ہے کہ عورت کہتی ہے ماں کو ملنے جانا ہے یا شادی میں فلاں زیور چاہیے۔ یہ مدارج جو دیے گئے ہیں یہ انتہائی حساس صورتِ حال کے ہیں۔ آخر میں یہ کہوں گی کہ عورت کو... بہرحال سمجھوتا، صبر اور محبت سے جھگڑے کو سنجیدہ نوبت تک پہنچانے سے گریز کرنا چاہیے، ٹالنا چاہیے۔'' ان دونوں کے ساتھ شبانہ کے چہرے پر بھی تسلی کی بشاشت چمکنے لگی۔

''بخاری بی بی، ہم منت کرتی ہیں آپ ہم عورتوں پر کرم فرمائیں، آپ ہفتے میں یا مہینے میں ایک خطبہ دیا کریں۔ آپ کی اپنی مسجد ہے، آپ پردے کا انتظام کروا کے جس طرح مناسب سمجھیں آپ کروالیں۔ خواتین کا بھلا ہوجائے گا۔'' انعمتہ کی ماں نے آگے بڑھ کر درخواست کی۔

''جی ہاں..... یہ ٹھیک کہہ رہی ہے..... ہمارے مرد آپ کا از حد احترام کرتے ہیں جو آپ وضاحت فرماتی ہیں..... اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا.....'' امام کی بیوی نے بھی تائید کی۔

''اللہ نے چاہا تو میں کرلوں گی.....''

صفہ کی رضامندی سے شبانہ کھل اٹھی..... وہ دونوں دعائیں دیتی ہوئی چلی گئیں۔

☆☆☆

سفید پھولوں والے درخت کے نیچے منشی ماما دیر سے کسی لکھت پڑھت کے کاغذ پر جھکا ہوا تھا۔ شبانہ نے عصر کی نماز کا مصلی لپیٹ کر رکھا اور عبداللہ کے لیے لیمن جوس بنانے کے لیے تازہ لیموں توڑنے آئی تو ماما نے اس کو آواز دی۔

''شبانہ دھی..... بات سن میری.....''

''جی..... ماما جی.....'' دوپٹے کی بکل کو ڈھیلا کرتے ہوئے وہ قریب آئی۔

''دھی، اب میری نگاہ بہت کمزور ہوگئی ہے، حساب کتاب لکھنے کا کام مشکل ہوگیا ہے، بخاری بی بی اجازت دے تو اس کام کو اذان کے ذمے کردوں، وہ ماشاءاللہ دسویں پاس کرگیا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے پر ماما جی..... اذان کے پاس حساب ہونے کا مطلب لالا تک حساب پہنچے گا..... آپ کو تو پتا ہے بلی کو چھیچھڑوں کی رکھوالی والی بات ہوجائے گی۔''

''تمہاری بات سمجھتا ہوں..... مگر حساب کتاب کی کاپی اذان کو نہیں دوں گا، لکھواؤں گا..... تم بی بی سے اجازت لے دو.....'' منشی ماما قلم بند کر کے غور کرتے ہوئے بولا۔

''اس میں اجازت کی کیا بات ہے، بخاری باجی کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے لکھیں یا کسی سے لکھوائیں.....''

''فرق یہ پڑتا ہے دھیا..... میں پچھتر، اسّی سال کا بڈھا ہوں، اب اور کتنا جیوں گا..... میری سیٹ کون سنبھالے گا..... بی بی نے تو پروا نہیں کرنی..... دنیا والوں نے لوٹ مچا رکھی ہے..... عبداللہ بابو ابھی بہت چھوٹا ہے..... آنے والا وقت میری تو سمجھ میں نہیں آتا.....''

''آنے والا وقت اپنی تدبیریں آپ لاتا ہے ماما، آپ جیسا پکا بندہ کون ہوسکتا ہے..... کوئی بھی نہیں..... اتنی جائداد، رقبے اور وارث اللہ کے سوا کوئی نہیں.....''

اس کے ان سوالات کا جواب ماما کے پاس کب تھا وہ تو خود سراپا سوال بنا بیٹھا تھا..... سپارہ پڑھنے والے بچے اپنی چھوٹی، چھوٹی کرسیاں سیدھی کر کے بیٹھ رہے تھے۔ یہ کرسیاں صفہ نے چنائیاں اٹھا کر بنوادی تھیں اور کہا تھا۔ ''یہ کیوں لازم سمجھا جاتا ہے کہ قرآن سیکھنے والے نیچے ہی بیٹھیں جبکہ دنیاوی علوم سیکھنے والے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں.....'' یہ کرسیاں عام سائز سے نسبتاً چھوٹی تھیں کیونکہ بچے بالعموم دس گیارہ برس کی عمر تک ختم قرآن کر کے چلے جاتے تھے..... کرسیاں رنگ دار تھیں ان کے اوپر سبز چھوٹا سا شامیانہ تان دیا گیا تھا کہ فرنیچر دھوپ سے محفوظ رہے..... آنکھوں کو بھلا لگتا تھا۔ یہ حصہ گھر کے آنگن کی ایک سائڈ پر تھا۔ پرندوں کا پنجرہ بیرونی گیٹ کے دائیں جانب نصب تھا یہاں حویلی کی طرح بڑا برآمدہ تو نہ تھا اور نہ ہی صحن بہت وسیع و عریض تھا تاہم عمارتی حصے کے آگے دس فٹ چوڑی جگہ پر ٹائلز لگی ہوئی تھیں اور عمارت کے شیڈز کی وجہ سے دھوپ کم آتی تھی گویا اس کو



Digitized by Google

برآمدہ گردانا جاسکتا تھا۔ شبانہ یہاں سے ہوتی صفہ بخاری کے کمرے کو جارہی تھی اسے ماما کی فکرمندی صفہ تک پہنچانا تھی۔ بچوں کے آموختہ دُہرانے کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں..... اس نے پلٹ کر بچوں کو شرارت نہ کرنے کی تاکید کی اور صفہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ صفہ بالوں میں کنگھی کررہی تھی۔

''لائیں بخاری باجی..... میں آپ کے بالوں میں مساج کردوں.....''

''نہیں شبانہ، مجھے اس کی عادت نہیں ہے.....'' صفہ کی ''نہیں'' کا مطلب نہیں ہوتا تھا اس کے بعد اصرار بیکار ہوتا۔ شبانہ نے عرصے بعد صفہ باجی کو دوپٹا اتارے دیکھا وہ تو بہت کمزور تھی، یونہی خود کو ڈھیلے کپڑوں میں ظاہر نہیں ہونے دیتی تھیں۔

''اللہ باجی..... آپ اپنی صحت کا خیال رکھا کریں۔ آپ کتنی کمزور ہوگئی ہیں..... اِدھر وہ نخبہ باجی ہے تو وہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

''تم کیسے آئی ہو؟''

شبانہ نے مطلب کی بات پر آتے ہوئے منشی ماما کا پیغام کہہ سنایا۔

''منشی ماما جو مناسب سمجھیں کریں.....''

''اذان تو سیدھا بچہ ہے مگر..... اپنے لالے پہ میں بھروسا نہیں کرسکتی.....''

''لکھت پڑھت تو تم بھی کرسکتی ہو..... تم کیوں نہیں ماما کا ہاتھ بٹا دیتیں.....''

''ہاں، سچ..... بخاری باجی..... اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا..... مگر پھر بھی کوئی..... مستقبل کے لیے حل ہونا چاہیے.....''

''میرے مرنے کے بعد میری جائداد کا متعین حصہ ٹرسٹ کے حوالے ہوجائے گا..... سوائے اس کے جو میں منشی ماما اور تمہیں دے جاؤں گی.....''

''اللہ آپ کو سلامت رکھے باجی..... ابھی آپ کو برسوں جینا ہے.....'' صفہ مسکرادی، شبانہ چلی گئی تھی۔ مگر صفہ بال باندھ کر وضو کر کے آئی تو دیکھا شبانہ پھر موجود ہے..... شبانہ نے اپنی آمد کی جلدی سے وضاحت کردی۔

''مجھے بھول گیا تھا..... ماما نے کہا ہے کہ حیدرآباد سے محترمہ افشاں نصیر کا قاری صاحب کے پاس پیغام آیا تھا کہ وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں..... ماما جی نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو محترمہ افشاں نصیر کو آپ کا نمبر دے دیں..... یہ وہی ہیں جو شروع، شروع میں مسجد میں محفلِ شعبان میں آئی تھیں۔''

''افشاں نصیر..... ہاں دے دیں نمبر.....''

''جی اچھا! شبانہ پلٹ گئی۔

☆☆☆

ایک لمبے عرصے کے بعد نخبہ اور صفہ آمنے سامنے تھیں۔ نخبہ نے پانی کا گلاس صفہ کے سامنے رکھا۔

''اس پر پھونک دو.....''

''کیا پڑھ کر پھونکوں.....؟''

''بنا پڑھے..... بس یونہی پھونک دو.....'' صفہ مسکرا پڑی تو کہا۔ ''مجھے یقین ہے تمہاری ہر سانس اللہ کا ورد کرتی رہتی ہے.....'' صفہ کا رنگ متغیر ہوگیا۔

''اتنا اعتبار اور..... پھر بھی اتنی بے اعتباری؟''

''بے اعتباری کا کیا سوال.....'' گلاس کے کنارے پر انگلی پھیرتی ہوئی نخبہ نے سر اٹھایا۔

''نخبہ..... مجھے بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے؟''

''اچھا یہ پوچھنا چاہتی ہو..... بھئی معدہ خراب رہتا ہے، کھایا پیا نہیں جاتا۔ ویسے ایک لحاظ سے اچھا نہیں کہ اتنی سلم ہوگئی ہوں..... کبھی میرا وزن 65 کے جی تھا اب 50 رہ گیا ہے.....'' اس کی تمام تر بات کے دوران صفہ ایسے دیکھتی رہی جیسے گپ مار رہی ہو مگر اس کی گپ جاری رہی۔

''ابھی تو فورٹی تک جائے گا..... جیلس ہورہی ہو کیا؟ مگر تم کیوں جیلس ہوگی، تم تو خود ہی دھان پان ہو۔''

روایتی نخبہ حقیقت کے بوجھ تلے کراہ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔

''میری عمر پچاس سال ہوگئی ہے۔'' وہ صفہ کی..... بے یقینی بھانپ کر بولی۔ ''میرا بیٹا ابھی چودہ سال کا ہے.....



Digitized by Google

میں تو یوں بھی اور توں بھی..... اسے بال بچوں والا گھر بار والا نہیں دیکھ سکتی....."

"تم کیسے فرض کر سکتی ہو کہ نہیں دیکھ سکتیں؟"

"مثالِ ریگ مٹھی سے پھسلتا جا رہا ہوں
ظفر لوگوں کے جیون سے نکلتا جا رہا ہوں"

"بی بی اب یہ نہ پوچھنا کہ ظفر کون؟ کوئی ہوگا میرے جیسا....."

"تمہاری دعاؤں کا بھوکا اکلوتا بچہ ہے..... اس طرح کیوں بات کرتی ہو؟"

"چھ ماہ..... بس ہیں میرے پاس....."

ایسا کاری بم گرا کر وہ کندھے جھٹک کر بے پروائی سے مسکرائی۔

"کس بات کے لیے چھ ماہ ہیں تمہارے پاس؟ شہدا، اولیا تک کو تو اپنا وقت معلوم نہیں ہوتا..... تم نے غیب میں جھانک لیا..... تم نے رحمت سے نا امیدی کو جوڑ لیا..... خود کو بے بسی کے حوالے کر دیا۔" صفہ جلال میں آتی چلی گئی..... پھر ایک دم اس کو خاموشی کی بریک لگ گئی..... وہ نظریں جما کر نخبہ کو دیکھے گئی..... ان جھیلوں میں پانی تھا..... وہ اس کا پانی والا گلاس ہٹاتے ہوئے بولی۔

"بات سنو..... تم علاج کے لیے جرمنی چلی جاؤ..... عبداللہ کو ہم سنبھال لیں گے....."

"اچھا..... اس پانی پر تو پھونک مار دو..... مجھے پیاس لگ رہی ہے۔" صفہ نے اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے پھونک کا اشارہ کر دیا۔ نخبہ پانی کے دو گھونٹ لے کر مسکرائی۔

"میری دھڑکنیں بحال ہو جاتی ہیں جب یہ آسرا ملتا ہے کہ تم ہو عبداللہ کے سر پر..... صفہ پیاری جتنا میں نے بتا دیا..... جتنا تم نے سمجھ لیا، کافی ہے، میں اس ٹاپک کو لے کر اپنے موجودہ وقت کو گنوانا نہیں چاہتی۔ اللہ کا مجھ گناہ گار پر یہ بہت کرم ہے کہ میں کسی ناقابلِ برداشت تکلیف میں نہیں ہوں۔"

"نخبہ، تمہیں رب لمبی حیاتی دے۔ تم اپنی بھرپور دنیا ترک کر کے میرے پاس روکھی سوکھی پر آپڑی ہو۔ یہ تمہارا ہی گھر ہے۔"

"آپ کا فون بج رہا ہے بخاری باجی....." شبانہ موبائل لیے آتی دکھائی دی۔

"سن کے بتاؤ کون ہے؟"

شبانہ نے سنا پھر کہا "افشاں نصیر صاحبہ ہیں۔"

صفہ نے فون لیا..... نخبہ چلی گئی..... افشاں نصیر جو کبھی صفہ بخاری سے ایک سال جونیئر تھی..... اور جس نے مسجد صفہ میں پندرہ شعبان کی دعا و خطاب میں شرکت کی تھی..... اب اتنے عرصے بعد مسجد میں قرآن فہمی (تشریح و تفسیر) کی نشست رکھنا چاہتی تھی..... گفتگو کے لیے قرآنی آیات اور جید علما و اساتذہ کا چناؤ ہو چکا تھا..... وہ چاہتی تھی کہ صفہ بخاری بھی اس میں شامل ہو۔ دیگر احوال سے پتا چلا کہ محترمہ عالمہ عائشہ صبیحہ سندھ میں تھر کے علاقے میں کہیں چلی گئی ہیں۔ افشاں نصیر کا بیٹا جامعۃ الازہر میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ یہ دونوں خبریں صفہ کی دلچسپی کی تھیں۔ فون بند کر کے وہ تا دیر اسی بابت سوچتی رہی..... شبانہ عصر کے بعد کی چائے کا کپ مصلے پر بیٹھی صفہ کے پاس رکھ کر جا رہی تھی کہ صفہ نے اسے اشارے سے روک لیا۔ پچھلے دو سال سے صفہ عصر تا مغرب وظائف میں مصروف رہتی تھی اگر اس دوران روزہ نہ ہوتا تو شبانہ اس دوران خاموشی سے چائے رکھ جاتی..... تسبیح مکمل کر کے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے صفہ نے مسکرا کر اسے کہا۔

"جزاک اللہ، شبانہ تم سے ایک درخواست ہے۔"

"حکم کریں بخاری باجی....."

"تمہیں انگریزی بولنے کا..... اسپوکن انگلش کا کورس سیکھنا ہے۔"

"جی..... مجھے؟" حیرت سے لفظ بھی نہ بن پائے۔

"ہاں شبانہ..... یہ کرنا ہوگا..... زندگی کو آگے بڑھنا ہوتا ہے....."

"جی.....؟"

"میں جب فارغ ہو جاؤں تو میرے پاس آنا۔ میں تمہیں تفصیل سے سمجھاؤں گی..... اللہ تم پر کام آسان



Digitized by Google

کردے گا۔"

"اچھا..... جی۔" تب ہی شبانہ میں حرکت آئی اور وہ سوچتی، سوچتی کچن میں جا پہنچی۔ شام تک وہ یہی سوچتی اور حیران ہوتی رہی، شبانہ میٹرک میں پاس نہیں ہوئی تھی۔ دو پیپر رہ گئے تھے یہی کچھ اس کا تعلیمی بیک گراؤنڈ تھا۔ اردو اچھی طرح بول سمجھ اور لکھ پڑھ لیتی تھی۔ انگریزی چھٹی کلاس سے شروع ہوتی تھی۔ شبانہ نے عبداللہ سے کہا۔

"میرے پیارے گڈو..... آپ کو پتا ہے میں اب انگلس پڑھوں گی۔"

"امی پیاری..... انگلس نہیں کہتے، انگلش کہتے ہیں۔" عبداللہ ہنسنے لگا۔

"ہاں انگلش....." فوراً ہی اپنی تصحیح کر کے کہا۔

"کچھ لفظ انگلش کے بتاؤ۔"

"آپ جس، جس چیز کی انگلش پوچھیں گی بتادوں گا۔"

"چیز..... کی انگلش کیا ہے؟"

"ایک تو مختلف چیزیں ہوتی ہیں..... جنہیں things کہتے ہیں اور جو اینمل، برڈ things..... کچھ بھی ہو ان کو noun کہتے ہیں۔" عبداللہ تو سنجیدگی سے فوراً ہی ماسٹر بننے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

"مگر..... آخر میں انگلش کیوں پڑھوں۔ اتنی بڑی ہو کے..... بخاری باجی مجھے کیوں پڑھانا چاہتی ہوں گی، وہ کوئی کام بے مقصد نہیں کرتیں۔"

"میں تو صفہ خالہ کے پاس جارہا ہوں..... شبانہ امی آپ فکر نہ کریں، انگلش آپ کو میں پڑھادوں گا۔" وہ تسلی دیتا ہوا وضو کرنے چلا گیا۔ برسوں سے وہ اسٹوری باوضو ہو کے سنتا تھا پہلے شاہ کائنات کی کہانی تھی۔ اب اللہ کے پیارے بندوں کی کہانیاں تھیں۔ وضو کی بوندوں سے چمکتی پیشانی کو ہلکا سا بوسا دے کر صفہ نے کہا۔

"آؤ پیارے فرزند، آؤ ہمارے پیارے بیٹے، تم عبداللہ ہو، اللہ کے بندے ہو، تم نے اللہ کی دی ہوئی حقیقی، اصلی تعلیم حاصل کرنی ہے۔ تم نے انسان اور حیوان کے یکساں حقِ حیات کو تسلیم کرنا ہے۔ ہر شے میں ریا کو پہچان کر اپنے آپ کو حق کے ساتھ رکھنا ہے۔ دوسروں سے پہلے خود کو پرکھنا ہے۔" اب آہستہ، آہستہ صفہ بخاری، عبداللہ ..... سے سہل لہجے سے ہٹ کر بولتی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کیونکہ اب وہ جان چکا تھا کہ سترہ سال کی عمر میں عبدالقادر جیلانی کو ان کی والدہ مزید تعلیم کے لیے دور دراز بھیج دیتی ہیں اور بظاہر دکھائی دینے والے مسائل مصائب نہیں ہوتے۔

"خالہ..... تب travel کیسے کرتے تھے؟"

"بہت سے مسافر ایک قافلہ بنالیتے تھے۔ قافلے میں سفر کرنا محفوظ ہوتا تھا۔ اکیلے کو تو ڈاکو لوٹ کر مار دیتے۔ قافلے میں اونٹ، ریڑھے، مویشی اور پیدل بھی ہوتے تھے۔"

"یہ کتنا مشکل ہوگا ناں....."

"لیکن اب سفر آسان ہیں..... کتنی جلدی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں، دور ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے جب چاہیں بات کرسکتے ہیں۔"

"اگر آپ کو تعلیم کے لیے کسی دوسرے ملک بھیجا جائے تو..... کیا آپ جاؤ گے؟"

"جب بڑا ہو جاؤں گا نا؟" معصوم سوال تھا۔

"اب بھی بڑے ہو آپ....."

"آپ، ہما، شبانہ امی ساتھ ہوں گی؟"

"اگر ان میں سے کوئی ایک ساتھ ہو تو پھر تو نہیں گھبراؤ گے؟"

"مگر میں..... اداس تو ہوں گا۔" وہ سوچ کر بولا۔ "مجھے باقی دو تو یاد آئیں گی۔"

"میرے پیارے بچے....." صفہ نے اس کی پشت تھپکی..... "اللہ تمہیں کبھی اداسی نہ دے..... تم جانتے ہو ہر چھوٹا، بڑا ہوتا ہے ایک ہی عمر اور جگہ پر کوئی بھی ہمیشہ نہیں رہتا..... اللہ اور اس کی تعلیمات کے لیے..... اپنی دنیا اور آخرت کی فلاح کے لیے سفر کرنا، اپنا ماحول، گھر بار چھوڑنا اور صبر کرنا..... بڑی نیکیاں ہیں آپ کو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طائف کا سفر یاد ہوگا....." نفلوں کی نفرتی گھنٹیاں بجتی رہیں درویش بی بی اور درویش راہ کا بالک عقیدتِ رسول کی تمازت میں مثلِ موم پگھلتے رہے۔

(باقی آئندہ)



Digitized by Google

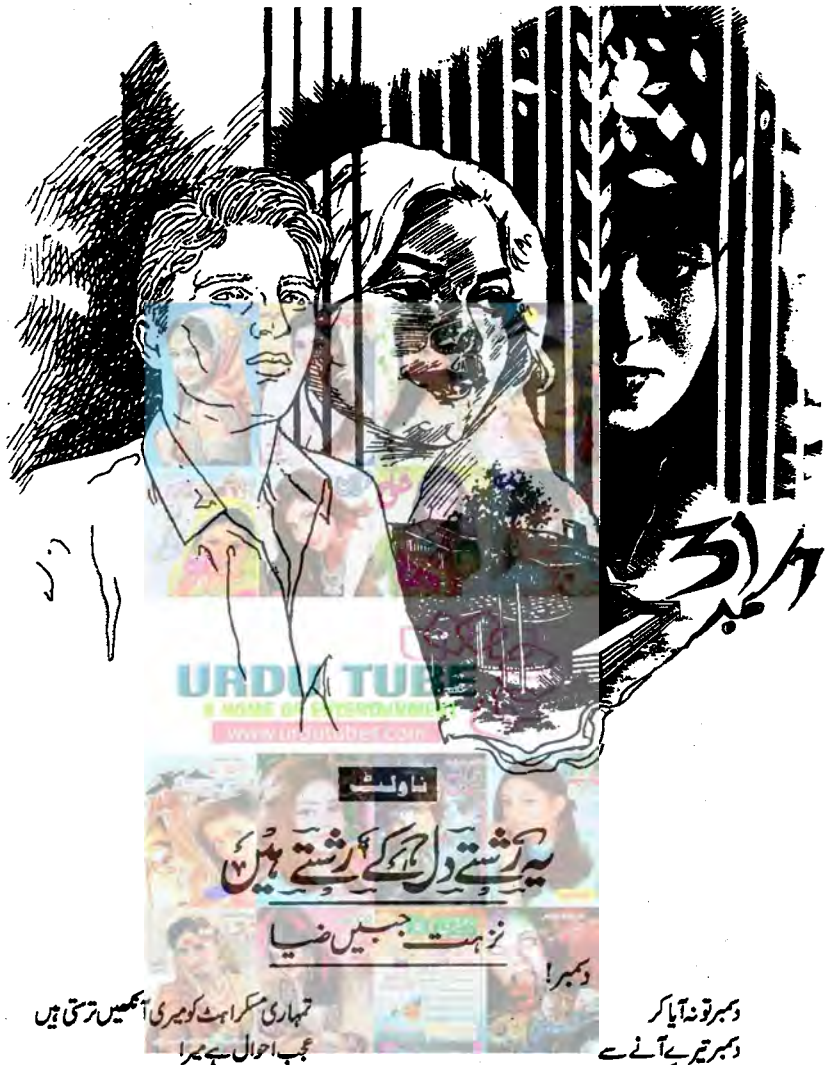

ناولٹ

# یہ رشتے دل کے رشتے ہیں

نزہت جبیں ضیا

دسمبر!

دسمبر تو نہ آیا کر
دسمبر تیرے آنے سے
پرانے زخم کھلتے ہیں
بہت آزار ملتے ہیں
دسمبر تیری راہوں میں
ہزاروں خار ملتے ہیں
وہ دکھ بھی لوٹ آتے ہیں
گزرے زمانے یاد آتے ہیں
تمہارے لمس کو اب بھی میری بانہیں ترستی ہیں
تمہاری مسکراہٹ کو میری آنکھیں ترستی ہیں
عجب احوال ہے میرا
یہ کیسا حال ہے میرا
مرے رشتے پرانے مجھ سے کیونکر روٹھ بیٹھے ہیں
مجھے تنہائیاں دے کر کہاں وہ چھپ کے بیٹھے ہیں
دسمبر تیرے آنے سے
وہ لمحے یاد آتے ہیں
مجھے بے حد ستاتے ہیں
میں کرچی، کرچی خوابوں کو



Digitized by Google

اپنی پلکوں میں سموتی ہوں
میں خود ہی ٹوٹ جاتی ہوں
دسمبر جب بھی آتا ہے
میں خود سے روٹھ جاتی ہوں
دسمبر تو نہ آیا کر
دسمبر تو نہ آیا کر

"میم! کیا میں اندر آسکتی ہوں؟" میری سماعتوں میں برسوں بعد مانوس آواز آئی تو میں نے جھٹکے سے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور دروازے کی جانب نظر ڈالی اور میری آنکھیں دروازے کے عین وسط میں کھڑی مغنی سی لڑکی نما عورت پر جم گئیں۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، بلاشبہ وہ ..... وہ سلینہ تھی۔ "سلینہ اسلام" امیر و مغرور لڑکی جو اپنی ناک پر مکھی تک بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ میرے ساتھ ہمیشہ اس کا بقول میری فرینڈز 36 کا آکڑا رہتا تھا کیونکہ مجھے اس کی باتوں اور حرکتوں سے شدید چڑ تھی اور میں اکثر و بیشتر اس سے پنگے لے لیا کرتی یقیناً اس کی حالت بھی میرے جیسی ہی کسی حیرت زدہ لیکن آج..... آج اس کی آنکھوں میں غرور، تمکنت اور حقارت نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر تفاخر کے بجائے بے بسی ولاچاری نمایاں تھی اور آنکھوں میں جیسے مایوسی کے سائے لرزاں تھے۔ سستے سے کاٹن کے سوٹ میں دوپٹا سر پر لیے وہ مجھے بغور دیکھتی میرے اشارے کی منتظر تھی، میں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اچھی طرح اس بات کا اندازہ لگا رہی تھی کہ وہ مجھے پہچان گئی ہے گو کہ گزشتہ برسوں نے اس کے چہرے اور حلیے پر منفی اثرات مرتب کیے تھے مگر آج بھی میں اسے ایک نظر میں پہچان گئی تھی۔

"میڈم، کیا میں آسکتی ہوں؟" اپنے آپ کو سنبھال کر وہ دوبارہ مجھ سے سوالیہ انداز میں مخاطب تھی۔

"جی، جی آئیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میرا لہجہ کڑوا ہو گیا تھا۔ مرے، مرے قدموں سے وہ میری جانب بڑھی۔

"بیٹھیں!" میں نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا، میرا لہجہ بدستور تیکھا تھا۔

"شکریہ....." اس کا انداز یکسر مختلف تھا۔

"جی فرمائیں؟" میں نے پیشہ ورانہ رکھائی سے کہا۔ اس کے چہرے سے اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں تھا کہ وہ اس لمحے کس تذبذب کا شکار ہے جیسے لفظوں کو ادا کرنے کے لیے اسے وقت درکار ہو۔ اس نے خالی، خالی نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر ہاتھوں کو آپس میں بھینچا کرتے ہوئے پہلو بدلا۔

"میم! میں نے اخبار میں اشتہار پڑھا تھا اور اسی جاب کے سلسلے میں آئی ہوں۔" اس بار "میم" کہتے اس کا لہجہ تھوڑا سا لڑکھڑایا تھا۔

"اوہ اچھا!" میں نے بے ساختہ ہونٹوں کو سکیڑا۔ اس لکھ پتی لڑکی کو آج اسکول میں معمولی سی ٹیچنگ کی جاب درکار تھی۔ میں نے سر سے پیر تک اسے دیکھا واقعی اس وقت اس کی حالت قابل رحم تھی غالباً وہ بھی مجھے اچھی طرح پہچان چکی تھی۔ ہاتھوں میں پکڑی فائل اس نے میرے سامنے رکھی۔

"ہوں....." میں نے فائل پر نظر ڈالی۔

"پہلے جاب کی ہے کہیں.....؟"

"نہیں، دراصل ابھی ضرورت پڑی ہے۔ یہ پہلا ادارہ ہے جہاں آئی ہوں۔" اس کے لہجے میں بے تحاشا اداسی تھی۔

"اچھا....." میں نے سر ہلایا۔ نہ جانے کیوں اس کے انداز اور اس کی موجودہ حالت دیکھ کر میرے دل میں اس



Digitized by Google

کے لیے معمولی سی ہمدردی پیدا ہوئی۔

''تجربہ تو بالکل نہیں ہے مگر مگر مجھے امید ہے کہ میں آپ کے معیار پر پوری اتر سکتی ہوں۔'' حالات اور لوگوں کے رویے وقت کے ساتھ، ساتھ نت نئے تجربات سے خود بخود آشنا کر دیتے ہیں۔ وہ پُرامید نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''وقت کبھی، کبھی ہمارے ساتھ ایسے، ایسے کھیل، کھیل جاتا ہے کہ ایسے وقت میں ہمیں اپنوں میں غیریت اور غیروں میں چھپی اپنائیت نظر آتی ہے، بہت سے مان ٹوٹ جاتے ہیں، بھروسے دم توڑ دیتے ہیں۔ ایسے میں زندگی نئے روپ اور نئے انداز سے اپنا آپ..... متعارف کرواتی ہے۔ اب میں حالات کی چکی میں پس کر اور وقت کے کٹھن چکر میں گھوم، گھوم کر نیا جنم لے چکی ہوں۔ اب میں آج سے کچھ برس پہلے والی سلینہ اسلام نہیں ہوں۔'' اس کا سر جھکا ہوا تھا اور اس کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے، اس کے لفظوں میں چھپی بے بسی اور پچھتاوا تھا۔ میں نے بغور اسے دیکھا۔ مجھے حقیقتاً اسے دیکھ کر اب برا لگا تھا، وہ یقیناً نہایت برے حالات کا شکار ہو کر اس نہج تک آئی تھی۔ کوئی مجبوری، بے بسی اسے یہاں تک کھینچ لائی تھی۔

''او کے! میم پارس، تھینک یو سو مچ..... شاید میں اس قابل نہیں، اجازت چاہتی ہوں۔'' وہ نرمی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ فائل میز سے اٹھائی۔ ''ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا، میرے پچھلے رویے اور ایٹی ٹیوڈ کی وجہ سے میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں۔ امید ہے کہ آج بھی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ مجھے معاف کر دیں گی۔'' جاتے، جاتے وہ عاجزی اور انکساری سے ہاتھ جوڑ کر میری جانب جھکی تھی، میں گڑبڑا گئی۔ مجھے اس کا اس طرح ہاتھ جوڑنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ قبل اس کے کہ میں کچھ کہتی وہ پلٹ کر تیزی سے آفس سے باہر نکل گئی۔

''سلینہ.....'' میں نے آواز لگائی مگر شاید آواز ہلکی تھی۔

''کیا ہوا میڈم؟ یہ خاتون روتے ہوئے باہر نکلی ہیں؟'' اس کے جاتے ہی حمیدہ ماسی اندر آئی تھیں۔

''اُف!'' میں نے سر تھام لیا، مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے غلطی کی، مجھے اس کو روکنا چاہیے تھا اس سے بات کرنی چاہیے تھی۔ وہ ضرورت مند تھی اور پھر اس نے ہاتھ۔ جوڑے تھے۔

''مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی دے دیں حمیدہ ماسی۔'' میں نے ہونٹوں کو دانتوں تلے دباتے ہوئے چشمہ اتار کر چہرے کو ٹشو سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ ماسی نے مجھے بغور دیکھا اور جلدی سے آفس میں رکھے کولر سے ٹھنڈا پانی میری جانب بڑھایا۔ میرے دل پر جیسے بوجھ سا آن پڑا تھا۔ سلینہ کا چہرہ بار، بار میری نگاہوں کے سامنے آجاتا۔ بے بس اور لاچار گھر آکر بھی میں معمول ہی رہی، بچے اسکول سے آنے والے تھے میں نے حسبِ معمول سب سے پہلے فریج سے کھانا نکال کر کچن میں رکھا جو میں رات کو ہی بنا لیتی تھی اور پھر ظہر کی نماز کی تیاری کرنے لگی، نماز پڑھنے کے دوران بھی سلینہ ہی میرے حواسوں پر چھائی رہی، نماز سے فارغ ہوئی اور کھانا گرم کر ہی رہی تھی کہ ربی اور عبدالرحمٰن اسکول سے آگئے اور آتے ہی حسبِ معمول بھوک، بھوک کا نعرہ بلند کرنے لگے۔

''سب کچھ تیار ہے جلدی سے فریش ہو کر آجاؤ۔'' میں نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر اور خوشدلی سے بچوں کا استقبال کیا۔ کھانے کے دوران روز کی طرح میں نے بچوں سے آج اسکول میں ہونے والی سرگرمیوں، پڑھائی اور دیگر امور پر بات چیت کی۔ ہوم ورک کے بارے میں معلومات کی اور بچے میرے سوالوں کا جواب دیتے رہے۔ میں بچوں کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں سے ہر حال میں آگاہ رہنا چاہتی تھی اور ان سے بات کر کے مطمئن ہو جاتی۔ الحمدللہ میرے بچے پڑھائی کے ساتھ، ساتھ دیگر سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیتے وقتاً فوقتاً ڈی کے کوئز اور ڈیبیٹ پروگرامز میں بھی حصہ لیتے اور انعام کے حقدار ٹھہرتے۔ گھر کی ذمے داری، اسکول کی مکمل ذمے داری کے ساتھ، ساتھ میں بچوں اور ظفر کی تمام تر ضروریات کا خیال رکھتی گویا آئیڈیل زندگی تھی ہماری، بچے اور شوہر مطمئن ہو، الحمدللہ گھر مثالی ہو تو دنیا میں ہی عورت کو جنت مل جاتی ہے۔ میں اس معاملے میں خوش نصیب تھی۔ والدین کی ذہنی ہم آہنگی، بھرپور توجہ اور بچوں پر بھروسا، بچوں اور والدین کے تعلقات میں کامیابی اور



Digitized by Google

اعتماد کی وہ سیڑھی ہے جس پر چل کر بچے نہ صرف پُراعتماد اور مضبوط ہوتے ہیں بلکہ ان کی تربیت میں بھی اس تحمل کا گہرا دخل ہوتا ہے۔ الحمدللہ میرے بچے بھی ایسے ہی تھے۔ کھانا کھا کر بچے اپنے، اپنے روم کی طرف بڑھ گئے۔ وہ کچھ دیر آرام کرتے پھر اٹھ کر فریش ہوتے تو ٹیوٹر آجاتے، میں نے کھانے کے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھے۔ اس وقت تھکن سے برا حال ہو رہا ہوتا کیونکہ صبح فجر کی نماز سے جاگی ہوئی ہوتی، میرے ساتھ ہی صبح عبدالرحمٰن، ربیطہ اور ظفر بھی اٹھ جاتے، ہم چاروں نمازِ فجر سے فارغ ہوتے پھر گھر کے پچھلے حصے میں بنے چھوٹے سے باغ میں چہل قدمی کرتے۔ ربیطہ باغ میں لگے گلاب، موتیا اور چنبیلی کے پودوں سے موسم کی مناسبت سے جو بھی دستیاب ہوتے وہ پھول اکٹھا کرتی، اسے پھولوں کو جمع کرنا اچھا لگتا۔ مجھے اور اپنے پپا کو پھول ضرور دیتی پھر بچے ہوئے پھول اپنی ٹیچرز کے لیے رکھ لیتی۔ میں کچھ دیر چہل قدمی کر کے ناشتا بنانے چلی جاتی ساتھ ہی بچوں کا لنچ اور ظفر کے لیے بھی ٹفن بناتی کیونکہ انہیں باہر کے کھانے بالکل بھی پسند نہیں تھے۔ کبھی، کبھی میں چڑ بھی جاتی کہ ظفر دنیا بھر کے مرد حضرات باہر کے کھانے کو ترجیح دیتے ہیں جو اتنے مزے دار اور چٹپٹے ہوتے ہیں اور آپ؟'' تب وہ محبت پاش نگاہوں سے میری جانب دیکھتے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیتے۔

''ہوتے ہوں گے مزے دار اور چٹپٹے مگر مجھے تو صرف اور صرف ان ہاتھوں کے بنے کھانے اچھے لگتے ہیں۔ جن میں نہ صرف ذائقہ ہوتا ہے بلکہ تمہارا پیار، تمہاری محنت اور تمہاری بھرپور توجہ بھی شامل ہوتی ہے، مجھے تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی سوکھی دال بھی اتنی ہی مزے دار لگتی ہے۔ باہر کے کھانوں میں ایسی لذت کہاں ڈارلنگ۔'' ان کی بے باک اور لہجے کی سچائی کے آگے میں بے بس ہو کر صرف مسکرا دیتی۔

برتن کچن میں رکھ کر میں بھی اپنے روم میں آگئی اور چھم سے سلینہ پھر میرے ذہن میں آگئی۔ بیڈ پر لیٹ تو گئی مگر آج نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور گزشتہ مہ و سال آنکھوں کے سامنے آتے چلے گئے۔ میں نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا تو اپنے آس پاس چار بڑی بہنوں، امی، ابا اور بے شمار مسائل کا انبار دیکھا۔ ابا کی محدود آمدنی اس میں ہم پانچ بہنوں کی پرورش، گھر کے اخراجات اور دیگر ضروریات دو بہنیں جوان تھیں جس میں مہروز آپا نے انٹر کرلیا تھا اور ان کی شادی طے ہو چکی تھی پھر افروز آپا جو میٹرک میں زیرِ تعلیم تھیں، سطوت آپا، ملاحت آپا یہ دونوں مجھ سے بڑی تھیں اور بالترتیب ساتویں اور پانچویں کلاس میں پڑھتی تھیں، میری اماں انتہائی سگھڑ، سلیقہ شعار اور محنتی خاتون تھیں، میں نے ساری زندگی انہیں صرف اور صرف محنت کرتے دیکھا۔ کپڑوں کی سلائی سے لے کر گھر میں چونا کرنا ہو یا آنگن کے ٹوٹے صحن میں سیمنٹ کا پلاسٹر لگانا ہو۔ گھر کی بڑی، بڑی دریاں دھونی ہوں یا لحافوں اور گدوں میں روئی بھروا کر ان پر نفاست سے ڈورے ڈالنے ہوں، ابا کے ململ کے کرتے سینے ہوں یا ہمارے اسکول یونیفارم، اماں ہر کام میں طاق تھیں، یوں چٹکی بجاتے وہ ڈھیروں کام نپٹا لیتیں کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے۔ وسائل کم اور مسائل زیادہ تھے لیکن ابا کی ایمان داری اور اماں کی قناعت پسندی اور شکر کے ساتھ گھر کا کاروبار چل رہا تھا۔ بابا سرکاری ادارے میں ایسی پوسٹ پر تھے کہ اکاؤنٹس کا کام ان کے ذمے تھا سو بقول لوگوں کے اگر ابا صرف ایک سائن کرنے کا ایک روپیہ بھی لیں تو ماہانہ ہزاروں روپے اوپر کی آمدنی ہو سکتی ہے۔ ہم بیٹیوں کے حوالے سے اکثر دوست احباب اور خصوصاً محلے دار ابا کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے کہ ''عبدالرحمٰن صاحب آپ کی اتنی بچیاں ہیں، بچیوں کی شادی آسان نہیں ہوتی کوئی بیٹا بھی نہیں اس لیے اگر آپ دیگر افسران کی طرح تھوڑی بہت اوپر کی آمدنی بھی کمالیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔'' میں نے خود ابا کے منہ سے ایک بار یہ الفاظ سنے تھے۔

''نہیں جناب! میں اپنی حلال اور محنت کی کمائی میں حرام شامل کر کے حلال رزق کو بھی حرام نہیں کرنا چاہتا، اللہ نے بچیاں دی ہیں، وہ وسیلہ بھی بنانے والا ہے اور میری کمائی میں برکت بھی ہے۔ الحمدللہ سب کچھ بہتر طریقے سے ہو جائے گا۔'' واقعی میرے بابا اعلیٰ صفات کے حامل تھے، نیک، متحمل مزاج، صابر و شاکر اور صرف اور صرف اللہ کی ذات پر بھروسا کرنے والے، ہمارے ساتھ بالکل دوستوں کی طرح رہتے، نرمی سے بات کرتے، ہماری چھوٹی، چھوٹی



Digitized by Google

اور غیر اہم باتوں کو بھی نہایت توجہ سے سنتے۔ آفس سے آنے کے بعد ہمارے ساتھ ہی وقت گزارتے اس میں ہم بہنوں سے اسکول کے حوالے سے باتیں کرتے، ہمارے ہوم ورک چیک کرتے خود پڑھاتے ساتھ، ساتھ ہمیں دینی تعلیم بھی دیتے، روزانہ کوئی نہ کوئی سورہ ہمیں یاد کرنے کو دیتے۔ ہمارے ساتھ کھیلتے، کیرم، لوڈو، تعلیمی تاش اور نام، چیز، جگہ، جانور یہ ہمارے کھیل ہوتے۔ ہماری چھوٹی، چھوٹی ضرورتوں کا کہنے سے پہلے خیال رکھتے۔ انتہائی محدود آمدنی ہونے کے باوجود بھی کبھی ہم پر ظاہر نہیں ہونے دیتے کہ وہ زائد اخراجات کی وجہ سے پریشان ہیں، میرے بابا میرے آئیڈیل تھے تب ہی میں نے اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن رکھا تھا۔ میں چاہتی تھی میرا بیٹا بھی نانا کے جیسا ہو سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بابا ہم بہنوں کو گھر میں ہی اتنا پڑھا دیتے کہ ایڈمیشن پریپ یا نرسری کے بجائے کلاس ٹو میں ہو جاتا۔

میرا بھی اسکول میں داخلہ کروا دیا گیا، ان دنوں مہروز آپا کی شادی کی تیاریوں نے زور پکڑ لیا۔ بابا نے باہر کے کام سنبھالے تو اماں نے گھر کے کاموں کے ساتھ، ساتھ شادی کی سلائی شروع کر دی۔ افروز آپا نے کچن کی ذمے داری سنبھالی۔ سطوت آپا اماں کے سلے ہوئے ہمارے کپڑوں پر گوٹا اور چمپا نفاست سے ٹانکتیں، میں گھر بھر کی لاڈلی اور سب سے چھوٹی تھی۔ سو سارے گھر میں اچھلتی کودتی ناچتی پھرتی مجھے اسی گز کے سنگل بنے دو کمروں اور صحن والے چھوٹے سے گھر میں اٹھنے والی چہل پہل بہت اچھی لگتی۔ ہماری چچی اماں، تائی امی اور ایک خالہ اکثر شام کو آ جاتیں، مہروز آپا کی دو سہیلیاں ارجمند آپا اور شگفتہ آپا بھی آ جاتیں گھر میں رونق سی لگ جاتی۔ تائی امی اور چچی اماں، مہروز آپا کے جہیز کے کپڑوں کی تُرپائی کرتیں، دوپٹوں پر گوٹے اور کرن لگاتیں، ٹرے کور اور کشن کور کی کڑھائی کرتیں، بابا آ جاتے تو شام کی چائے کے ساتھ سطوت آپا پکوڑے بنا لیتیں، کبھی بابا آتے، آتے سموسے لے آتے، چچا جان تو سعودی عرب میں تھے اور تایا ابا کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے بابا شادی کی تیاریوں میں اکیلے ہی مصروف تھے۔ اماں نے شادی سے ایک ماہ پہلے سلائی کا کام مکمل کر لیا اور جوڑوں کی پیکنگ شروع ہوئی۔ بڑی بہنوں کی سہیلیاں اور تائی امی کی دونوں بیٹیاں آ جاتیں اور یوں چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق میں یہ کام ہوتے مجھے تو بس انتظار تھا کہ کب آپا کی شادی شروع ہو اور میں اچھے، اچھے گوٹے والے چمک دمک کے کپڑے پہنوں، ہاتھوں میں بھر بھر کر چوڑیاں، بندے، ہار اور مہندی لگاؤں۔ جوڑوں کی پیکنگ پوری ہوئی تو ایک روز بابا ایک بوری میں بڑے، بڑے سفید پتھر لے آئے اور چھت پر سے بڑا سا ڈرم نکالا اور اماں نے ڈرم میں پانی ڈالا اور بابا نے وہ پتھر اس میں ڈال دیے اور مجھے خاص طور پر اس ڈرم سے دور رہنے کی ہدایت کی کیونکہ میں ہی چھوٹی تھی، وہ سفید چونا تھا جو بڑے زور شور سے دھواں چھوڑ رہا تھا اور پکنے لگا تھا۔ بابا بڑے بڑے لکڑی کے دو برش جیسے لے آئے تھے اماں نے ڈرم میں ڈھیر سا نمک اور نیل بھی ڈال دیا۔ میں یہ جس حیرت اور تجسس سے دیکھ رہی تھی یہ سب میرے لیے نیا تھا۔

دو دن میں چونے کے کام سے فارغ ہوتے دھو دھلا کر گھر کو صاف کیا گیا اور شام کو گھر کے صحن میں سطوت آپا نے پوچھا لگا کر دری بچھا کر اس پر سفید چاندنی بچھا دی، قادر چاچا کے بیٹے نعیم بھائی کہیں سے ڈھولک لے آئے اور دری پر ڈھولک رکھ دی گئی۔ رات میں حسبِ معمول لوگ آئے اور کلثوم آپا نے درمیان میں جگہ بنا کر ڈھولک سنبھالی ان کے ہاتھ پھرتی سے ڈھولک پر چلنے لگے ساتھ ہی شادی مبارک کے گیت گانے لگیں۔ ان کی آواز میں سب نے آواز ملائی میں بھی جلدی سے درمیان میں گھس کر بیٹھ گئی۔ گانوں میں اپنے سُر بھی شامل کر لیتی۔

جیسے، جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے مہروز آپا کے چہرے پر اداسی چھا رہی تھی۔ میکا چھوڑنے کا غم تھا، ہر لڑکی کو جہاں شادی کی انوکھی خوشی کا احساس ہوتا ہے، نئے ہم سفر اور نئے سفر کے لیے وہ خوشگوار کیفیت سے دوچار ہوتی ہے وہیں میکا چھوڑنے کا غم بھی اسے ستاتا ہے۔ بابل کے آنگن سے جڑی یادیں، بہن، بھائیوں سے چھوٹی، موٹی لڑائیاں، اماں کی ڈانٹ، اماں کی نرم ملائم آغوش، بچپن، لڑکپن اور جوانی کی بے شمار یادیں، بابا کے کاندھے پر سوار ہو کر الٹی سیدھی فرمائشیں کرنا تو کبھی بابا کے سینے پر سر رکھ کر سو جانا۔ دکھ، درد، شرارتیں، پیار، محبت، لڑائی جھگڑے سب کچھ کرتے، کرتے وقت جیسے پر لگا کر اڑتا چلا جاتا ہے اور جب صحیح معنوں میں سوچنے سمجھنے اور صحیح، غلط کی پہچان کرنے کے قابل ہوتے ہیں تب بیٹیوں کو اٹھا کر اگلے



Digitized by Google

گھر روانہ کردیا جاتا ہے۔ گزرے ماہ وسال شاید مہروز آپا کے لیے بھی تکلیف دہ تھے تب ہی وہ چپ سی ہوگئیں۔ اماں کو بھی میں چپکے، چپکے اسٹور روم میں گھس کر تو کبھی چھت پر جاکر روتا ہوا دیکھتی۔

”اماں کیا ہوا؟ کہیں درد ہورہا ہے کیا؟“ میں اماں کی بھیگی آنکھوں کو دیکھ کر پریشان ہوجاتی۔

”ارے نہیں چندا، آنکھوں میں کچھ پڑ گیا شاید۔“ اماں جلدی سے پلکیں جھپک کر اپنے ملیح چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجا کر ململ کے سفید دوپٹے سے اپنی آنکھیں صاف کرتیں۔ یہ مائیں بھی کتنی بڑی فنکار ہوتی ہیں نم آنکھوں کو ہمیشہ کچھ پڑ گیا ہوگا کہہ کر چہرے پر مسکراہٹ سجائے بچوں کو کتنی آسانی سے مطمئن کردیتی ہیں، اپنے دکھوں کو مسکراہٹ میں چھپا کر خود کو نارمل ظاہر کرنا۔ اندر ہی اندر دکھوں اور پریشانیوں کو اتار کر کتنی کامیابی سے اداکاری کرلیتی ہیں۔ اس وقت تو میں خود بھی مطمئن ہوجاتی، ماں نہیں بنی تھی ناں اس لیے ماں کے جھوٹ کو سچ مان لیتی۔ مہروز آپا کو روتا دیکھتی تو حیران رہ جاتی۔

”آپا آپ کے کتنے مزے ہوں گے ناں روز، روز نئے کپڑے پہننے کو ملیں گے اور اتنا سارا میک اپ لگائیں گی، وہاں پر اماں بھی نہیں ہوں گی، آپ کو میک اپ کرنے سے کوئی روکے گا بھی نہیں۔“ میں حسرت سے مہروز آپا کی لپ اسٹک، پاؤڈر اور آئی شیڈز دیکھتی مہروز آپا بھیگی آنکھوں سے سرہلا کر مجھے سینے سے لگالیتیں۔

پھر وہ دن بھی آگیا جب مہروز آپا، سجاد بھائی کے ساتھ ان کے گھر چلی گئیں۔ گھر میں اتنے دنوں کی چہل پہل اور رونق کے بعد ایک دم اداسی چھا گئی۔ مہروز آپا کی کمی شدت سے محسوس ہوتی۔ ان کی شادی کے دوران افروز آپا کے لیے رشتہ آگیا۔ ہم لوگ سفید پوش تھے اس لیے رشتے بھی ہم جیسے گھرانوں سے آرہے تھے۔ اماں اور بابا نے کم از کم دو سال کی مہلت مانگی۔ جب میں پانچویں کلاس میں آئی تو افروز آپا بھی کمال بھائی کے ساتھ رخصت ہوگئیں۔ اب سطوت آپا میٹرک میں آگئیں۔ ہم بہنیں صورت شکل میں بھی اچھی تھیں، ساتھ، ساتھ اماں کا سلیقہ اور اچھی تربیت نے ہمیں مزید نکھار دیا تھا، اس لیے قدر دان لوگ ہمیں پسند کرتے تھے۔ وقت کے ساتھ، ساتھ بابا کی پرموشن بھی ہوگئی

مہروز آپا اور افروز آپا کے دو، دو بچے ہوگئے۔ سطوت اور ملاحت آپا کے لیے رشتے آنے لگے، میں تعلیمی مدارج طے کرتے، کرتے میٹرک اعلیٰ نمبروں سے پاس کرچکی تھی ویسے تو ساری بہنیں انٹر تک پڑھی تھیں بابا کے اتنے وسائل نہیں تھے۔ لیکن میری تعلیمی قابلیت کو دیکھتے ہوئے بابا نے میری پسند اور خواہش کے مطابق مجھے اجازت دی تھی کہ جتنا چاہوں پڑھ سکتی ہوں میں نے بابا کے گلے لگ کر ان کو بہت سارا پیار کیا تھا۔

”میرے بابا لاکھوں میں ایک ہیں۔“ اماں مسکراتی رہیں۔ میں نے بچپن سے گھر میں ایسے حالات دیکھے تھے کہ مجھے اندازہ تھا کہ بابا نے کتنا مشکل اور کٹھن وقت گزارہ تھا، اماں نے کتنی محنت سے گرہستی کی اس لیے میں نے پوری، پوری کوشش کی تھی کہ پوری لگن، دلجمعی اور محنت کے ساتھ پڑھائی کروں اور بابا اماں کی امیدوں پر پوری اتروں، اس لیے دل و جان سے پڑھائی کرتی یہی وجہ تھی کہ میرا داخلہ بھی بہترین کالج میں ہوگیا۔ بابا بہت خوش تھے کہ میری خواہش کے مطابق میرا داخلہ بہترین کالج میں ہوگیا۔ اماں نے مجھے بٹھا کر بہت خوب صورت انداز میں سمجھایا تھا ایک، ایک لفظ میں نے پوری توجہ کے ساتھ سنا تھا۔ اماں نے کہا تھا۔

”پارس بیٹی! مجھے اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ تمہاری بیٹیاں ہر لحاظ سے اچھی ہیں، میری تربیت اور تمہارے بابا کی پرورش کی ہر کوئی تعریف کرتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہماری محنت اور تربیت کا بھرم رکھا۔ میری دو بیٹیاں اپنی، اپنی سسرالوں میں اپنا نام روشن کررہی ہیں، ان شاء اللہ جلد ہی مزید دو بھی خیر سے رخصت ہوجائیں گی۔ تمہاری خواہش پر تمہیں کالج میں داخلہ دلوادیا ہے۔ مگر یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا کہ ہمارا بھروسا اور اعتماد ہمیشہ قائم رکھنا اور اس بات کا خاص خیال رکھنا، زمانہ بہت برا ہے یہاں پر کسی پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اپنی حفاظت خود کرنا اور کبھی مجھے یا اپنے بابا کو کسی قسم کی شکایت کا موقع مت دینا۔ ہم غریبوں کے پاس صرف اور صرف عزت ہی خزانہ ہوتی ہے، اس لیے کسی عمل سے کسی بھی حال میں ہماری عزت اور ساکھ کو ذرہ برابر بھی دھچکا نہ پہنچانا، تمہارا مقصد صرف اور صرف تعلیم حاصل کرنا ہے۔ اس لیے صرف پڑھائی پر دھیان دینا، بے جا



Digitized by Google

...اخراجات اور دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنی چادر سے پاؤں باہر نکالنے کی ہرگز کوشش مت کرنا۔ امید ہے تم میرا مطلب سمجھ گئی ہوگی۔'' اماں نے ٹھہرے، ٹھہرے لفظوں میں سمجھاتے ہوئے آخر میں مجھ سے سوال کیا۔

''جی اماں! آپ تو جانتی ہیں کہ آپ کی بیٹیاں مر جائیں گی مگر کوئی ایسا کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتیں جس سے آپ کو یا بابا کو ذرا سی بھی شرمندگی ہو۔ آپ اطمینان رکھیے اماں! مجھے فضول باتوں سے نہ دلچسپی ہے اور نہ ہی میں ان لڑکیوں کی طرح ہوں کہ جنہیں اپنا مستقبل اور ماں، باپ کی عزت کا کوئی خیال نہیں ہوتا بس وقتی مفاد اور تفریح عزیز ہوتی ہے۔ آپ کو اپنی تربیت پر ہمیشہ ناز رہے گا اماں۔'' میں نے جذب سے اماں کے ہاتھ تھام کر اُن کو یقین دلایا تو اماں کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

''مجھے تم سے یہی امید ہے گڑیا مگر سمجھانا میرا فرض تھا۔'' انہوں نے مجھے سینے سے لگاتے ہوئے پُرمحبت لہجے میں کہا۔

کالج ہمارے گھر سے اچھا خاصا دور تھا مجھے بس کے ذریعے کالج جانا پڑتا۔ میں وقت سے کچھ پہلے ہی بابا کے ساتھ ہی گھر سے نکل جاتی۔ ہم دونوں اسٹاپ پر آتے بابا پہلے مجھے میری مطلوبہ بس میں سوار کراتے پھر اپنی مطلوبہ بس کا انتظار کرتے۔ میں نے کالج میں قدم رکھتے ہی پہلے دن اس بات کا اچھی طرح سے اندازہ لگالیا تھا کہ یہ کالج نہیں کوئی ماڈلنگ کا ادارہ ہے جہاں پر لڑکیاں اور لڑکے تعلیم حاصل کرنے نہیں بلکہ نت نئے فیشن، میک اپ، بے تکے کپڑوں اور دولت کی نمائش کرنے آتے ہیں۔ مجھ جیسی بھی کچھ لڑکیاں تھیں، سیدھی سادی اور صرف پڑھائی کرنے والی لیکن کافی ساری لڑکیاں تو ایسی بھی تھیں جو یقیناً متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہوں گی مگر ان کا اٹھنا بیٹھنا اور گھومنا پھرنا امیر لڑکیوں کے ساتھ تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی وہ خود بھی اپنے آپ کو پیسے والا ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کرتیں اور اس چکر میں الٹے سیدھے لباس پہن کر خود کو ماڈرن ظاہر کرنے کی ناکام کوشش میں بالکل بے تکی اور بونگی لگتیں، سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کالج میں یونیفارم کی پابندی نہیں تھی اس لیے جس کا جو دل چاہتا پہن کر آجاتا۔ کلاس میں حاضری بھی برائے نام ہوتی، پیریڈ کے دوران لڑکیاں کبھی کینٹین میں کھاتی پیتی رہتیں تو کبھی لان میں درختوں کے سائے میں بیٹھی گپیں لگا رہی ہوتیں''توبہ ہے۔'' مجھے ہفتے کے اندر ہی سخت کوفت ہونے لگی تھی۔ میں برابر سے ساری کلاس اٹینڈ کرتی۔

☆☆☆

رات بھر ہلکی، ہلکی بارش ہوتی رہی۔ صبح تک وقفے، وقفے سے جاری بارش سے شہر کے نشیبی علاقوں خصوصاً گلیوں کے نکڑ، ٹوٹی ہوئی سڑکیں اور زیرِ تعمیر سڑکوں میں اچھا خاصا پانی جمع ہوگیا تھا۔ میں حسبِ معمول صبح اٹھی کالج جانے کی تیاری کرنے لگی۔ اماں نے منع بھی کیا کہ بارش مسلسل ہو رہی ہے مگر مجھے آج ضرور جانا تھا کہ بڑا اہم لیکچر تھا۔ اس لیے میرا جانا ضروری تھا۔ آج بابا کی طبیعت ست تھی اس لیے وہ آفس نہیں جا رہے تھے بس وہ مجھے بس میں سوار کروا کر واپس گھر آگئے۔ میں کالج اسٹاپ پر اتر کر سڑک پر جمع پانی سے بچتے ہوئے احتیاط سے آہستہ، آہستہ قدم اٹھاتی کالج گیٹ کی جانب بڑھنے لگی۔ گیٹ کے بالکل قریب پہنچی ہی تھی کہ برابر سے ایک گاڑی تیزی سے ریورس ہو کر آئی ساتھ ہی بارش کا جمع شدہ گدلا پانی میری سفید براق شلوار پر نقش نگاری کر گیا۔

''اوہ نو۔'' میں نے پہلے جھک کر اپنے کپڑوں اور پھر گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے اترتی انتہائی فیشن ایبل لڑکی کو دیکھا۔

''دیکھ کر چلا نہیں سکتیں آپ؟'' میں نے غصے سے اسے مخاطب کیا۔

''نہیں چلا سکتی، میری گاڑی ہے میری مرضی جیسے بھی چلاؤں، تم کو تکلیف ہے کوئی۔'' شانِ بے نیازی سے اپنے شولڈر کٹ بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے نہایت بدتمیزی سے جواب دیتے اس نے زور سے گاڑی کا دروازہ بند کیا۔

''ہاں تکلیف ہے مجھے، میرے کپڑے خراب ہوگئے ہیں۔ گاڑی بے شک آپ کی ہے مگر اس گاڑی کو چلانے کے کچھ اصول بھی ہوتے ہیں۔'' اس کی بدتمیزی پر میں مزید بپھر گئی مگر اس کے باوجود نرم لہجے میں بولی۔

''اوہ! محترمہ تو آپ ہمیں اصول وضوابط سکھائیں گی پانچ .... پانچ روپے دے کر بسوں میں لٹک کر دھکے کھاتے ہوئے آنے والے لوگ، اوہ اچھا! یہ لو پانچ روپے کا سرف



Digitized by Google

لے کر اپنے کپڑے دھو لینا اور باقی پیسے کرایے کے لیے رکھ لینا۔" اپنا قیمتی پاؤچ نکال کر اس نے سو کا نوٹ نکال کر میری جانب اچھالتے ہوئے نہایت حقیر لہجے میں کہا۔

"ویسے پچھلے چار دن سے میں تمہیں اسی شلوار میں آتا دیکھ رہی ہوں اب اس بہانے دھو بھی لینا۔" دوسری طرف سے اترتی ہوئی لڑکی نے قریب آ کر مضحکہ خیز انداز میں مجھے سر سے پیر تک دیکھا اور قہقہہ لگا کر کہا "اُف" بے عزتی کے احساس سے میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آس پاس آتی ہوئی لڑکیاں بھی کھی، کھی کرنے لگیں۔ میں کوئی ڈبو لڑکی نہیں تھی، نہ احساسِ کمتری کا شکار تھی لیکن اس وقت میری زبان گنگ ہو گئی تھی۔ وہ قریب سے گزری تو خوشبو کا تیز جھونکا میرے قریب مہکا تھا۔

"پارس! یہ نہایت بدتمیز لڑکی ہے سیکنڈ ایئر کی، سلینہ نام ہے اس کا، اللہ پاک نے دولت کیا دے دی۔ ہر ایک کو حقیر سمجھتی ہے، اس کے منہ مت لگا کرو یار۔" قریب ہی روحینہ کی آواز آئی تو میں چونکی۔

"ہو گی، اپنے گھر کی امیر، اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ مینرز بھی بھول جائے۔" میری بات پر روحینہ نے سر ہلایا اور میرا ہاتھ تھام کر گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔

یہ سلینہ سے پہلی اور انتہائی ناخوشگوار ملاقات تھی۔ مجھے ویسے بھی اخلاقیات سے مبرا اور اس قسم کی لڑکیوں سے شدید چڑ تھی جو فیشن کے نام پر بے غیرتی پھیلاتی ہیں۔ اس روز کے بعد میں سلینہ سے خود ہی کترانے لگی تھی۔ بدتمیز، منہ پھٹ اور خودسر لڑکی کسی وقت بھی کچھ بھی کہہ دیتی۔ اس کے آگے پیچھے لڑکیوں کا رش رہتا۔ اس کی امارت، اس کی ڈریسنگ سے ہر لڑکی مرعوب نظر آتی۔ اس کے پاؤچ میں بے حساب پیسے ہوتے' وہ لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان خود کو پرنسز سمجھتی اور خوب پیسہ اڑاتی، کالج ٹائم میں ہی اکثر اپنے فرینڈز کو لے کر گھومنے نکل جاتی۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ دولت کی کمی تھی نہ عیش و آسائش کی وہ جو چاہتی اسے مل جاتا، بے جا پیار نے اس کو نہ صرف بدتمیز اور خودسر بنا دیا تھا بلکہ وہ بدتہذیب، بے غیرت اور مغرور بھی ہو چکی تھی۔ اپنے ارد گرد جمگھٹا لگا کر رکھنا اور تعریفیں سننا اسے بہت اچھا لگتا۔

سلینہ اور اس کے فرینڈز کا ایک ہی قسم کا ٹولا تھا جو صرف اور صرف ہلا گلا اور انجوائے منٹ کے لیے کالج آتے ان لوگوں میں بیشتر پیسے والے تھے، جن کو تعلیم صرف ڈگری کی حد تک درکار تھی۔ ورنہ معاشی پریشانی یا مستقبل میں اچھی جاب کی فکر نہ تھی۔ ان کے لیے جابز بھی سلیکٹڈ تھیں اور فکرِ معاش کی تگ و دو کی ضرورت بھی نہیں تھی لہٰذا ان لوگوں کا پڑھنا اتنا ضروری اور اہم نہ تھا جتنا کہ مل کر مستیاں کرنا اور کالج کے دیگر متوسط طبقے کے طلبا کا مذاق اڑانا تھا۔ کبھی کوئی ان لوگوں کی تضحیک کا نشانہ بنتا تو کبھی کوئی' سنا تھا کہ کالج کے ڈین بھی سلینہ کے بابا کے دوست تھے۔ اس لیے سلینہ کو ہر قسم کی آزادی حاصل تھی کوئی اس سے پنگا لینے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا۔ میرے لیے اس سے پہلی ملاقات ہی کافی... یادگار تھی۔ میں نے اس کا ذکر بابا سے بھی کیا تھا۔ بابا نے مجھے ہی خاموش رہنے کی تلقین کی تھی۔

کالج کا پہلا سال گزرا الحمدللہ میں نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور سیکنڈ ایئر میں آ گئی۔ تب ہی ہمارے کالج میں اظفر فاروق کسی دوسرے کالج سے مائیگریٹ ہو کر آیا۔ خوب صورت، اسمارٹ اور جاذب نظر اظفر فاروق، سلینہ کا کلاس فیلو تھا۔ ذہین اور قابل تھا اس لیے جلد ہی لڑکوں کے ساتھ، ساتھ لڑکیوں میں بھی مقبول ہو گیا۔ اظفر متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ کپڑے بہت زیادہ قیمتی نہیں پہنتا مگر ہمیشہ صاف ستھرا، نکھرا، نکھرا نظر آتا۔ سلینہ کا خیال تھا کہ اور لڑکوں کی طرح اظفر بھی سلینہ کی پرسنالٹی اور اس کے انداز و اداؤں سے متاثر ہو گا لیکن دو، چار اور پھر کئی دن گزر گئے۔ اظفر فاروق، سلینہ سے متاثرین کی فہرست سے دور ہی رہا اور یہی بات سلینہ کے لیے ہتک آمیز تھی۔ کیونکہ اظفر فاروق مجھ میں انٹرسٹڈ تھا، اسے میری بردباری، ذہانت اور غیر ضروری باتوں سے پاک شخصیت اچھی لگی تھی۔ وہ خود پڑھاکو تھا۔ اس لیے پڑھائی میں میری غیر معمولی دلچسپی اور میرے لیے دیے انداز سے خاصا متاثر تھا۔ کالج میں دیگر غیر نصابی سرگرمیاں ہوتی رہتیں مگر میں ان سے دور ہی رہتی۔ ایکسٹرا ٹائم دینا، وقت بے وقت کالج آنا اور اس کے ساتھ، ساتھ سیر گرمیوں کے حوالے سے اضافی اخراجات افورڈ کر نہیں سکتی تھی اور کچھ فطرتاً بھی میں شور شرابے اور ہلے گلے سے دور رہنے کی عادی تھی۔

انہی دنوں گھر میں سطوت آپا اور ملاحت آپا کی شادی



Digitized by Google

کے ہنگامے بھی جاگ اٹھے۔ اماں کے ساتھ تیاریوں میں حصہ لیتے، لیتے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے کالج سے چھٹی کرنی پڑ جاتی اور پھر مجھے اپنی اکلوتی دوست روحینہ سے پڑھائی کے حوالے سے مدد لینی پڑتی۔ تین دن کی چھٹی کے بعد کالج آئی تو پتا چلا کہ کالج میں پکنک کا پروگرام طے ہوا ہے اور دو دن بعد پکنک پر جا رہے ہیں۔

''میں تو نہیں جا سکوں گی۔'' میں نے معذرت کر لی۔

''ارے یار! اتنا مزہ آئے گا چلی چلو ناں، ویسے تو تم سارا سال پڑھائی کرتی رہتی ہو تھوڑی سی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی اور اس بہانے خوب انجوائے بھی کر لیں گے۔'' روحینہ نے اصرار کیا۔

''نہیں روحینہ، تمہیں پتا ہے ناں گھر میں شادی کے حوالے سے کافی اخراجات کا بوجھ بڑھ گیا ہے۔ اور ویسے بھی مجھے یہ سب پسند نہیں۔ تم جاؤ میری وجہ سے اپنا موڈ خراب مت کرو۔'' میں نے اسے ملائمت سے سمجھایا تب ہی سلینہ آ گئی۔

''پارس تم تو ضرور جاؤ گی ناں پکنک پر، اظفر بھی جا رہا ہے۔'' اس کے لہجے میں تمسخر تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ اظفر میرا باڈی گارڈ ہے کیا؟'' مجھے سلینہ کی بات سمجھ نہیں آئی لیکن انداز خاصا.... بے ہودہ سا لگا۔

''ہاہاہا، باڈی گارڈ اور تمہارا، تم کب سے باڈی گارڈ رکھنے کی پوزیشن میں آ گئی ہو۔'' زوردار قہقہہ لگا کر میرے اوپر طنز کا تیر چلایا۔

''سلینہ! مجھے نہیں جانا اور نہ ہی تم سے کوئی بات کرنی ہے، کیوں میرے منہ لگتی ہو خواہ مخواہ۔'' میرا لہجہ ترش تھا۔

''تمہارے منہ لگوں ں، مائی فٹ، میرے منہ کو ایسی جگہ لگنے کی عادت نہیں۔ میں نے تو سوچا تھا کہ یقیناً تم پکنک کے پیسے نہیں دے سکو گی تو تمہارے پیسے بھی جمع کروا دوں مگر تم تو؟''

''بہت مہربانی ہے آپ کی، ضرورت نہیں ہے تمہارے ناجائز پیسوں کی مجھے، ہاں، میں افورڈ نہیں کر سکتی کیونکہ میں ایک ایماندار باپ کی بیٹی ہوں۔ غریب لیکن حق حلال کی روزی کمانے والے انسان کی قابلِ فخر بیٹی ہوں، میرا مقصد تفریحات کرنا، اپنی نمائش کرنا اور ایک مقدس جگہ کو تفریحی مقام جان کر انجوائے منٹ کرنا نہیں بلکہ تعلیم حاصل کرنے آئی ہوں یہاں۔ رہی بات پکنک کی تو میں لعنت بھیجتی ہوں تمہاری گھٹیا سوچ پر سچ ہے دولت انسان کی مینٹلیٹی نہیں بدل سکتی۔'' میں آپے سے باہر ہو گئی تھی اور اس کی بات مکمل کرنے سے پہلے اس کی بات کاٹ کر زندگی میں پہلی بار کسی کے ساتھ اتنی بدتمیزی اور بدمزاجی سے مخاطب ہوئی۔

''تم تم دو کوڑی کی لڑکی تمہاری حیثیت ہی کیا ہے میرے سامنے، تم... مجھے، سلینہ اسلام الدین کو گھٹیا کہہ رہی ہو دو ٹکے کی لڑکی، میرے سامنے بک بک کر رہی ہو۔ جانتی نہیں ہو میں کون ہوں؟ تم جیسی دس نوکر انیاں میرے پیر دھوتی ہیں۔ آخر کس بات پر اتنا دماغ دکھائی ہو تم، اتنا ناز ہے اپنی ذہانت پر اپنے حسن پر، تم جس ڈگری کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہو ناں۔ وہ ڈگری میرے پاپا کے اشارے پر میرے ہاتھوں میں ہو گی۔ اپنی اوقات میں رہ کر بات کیا کرو۔ آئندہ میرے منہ لگیں تو تمہارا منہ توڑ بھی سکتی ہوں لیکن میں جانتی ہوں یہاں پر تمہارے سپورٹر بھی موجود ہیں ویسے ڈرتی تو میں کسی کے باپ سے بھی نہیں ہوں۔ تم کیا اور تمہارے سپورٹرز کیا ہیں میرے سامنے۔'' سلینہ غصے سے بے قابو ہو کر ہا قاعدہ چیخنے والے انداز میں انگلی اٹھا کر مجھ سے مخاطب تھی غصے کی شدت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا سامنے سے اظفر کو آتا دیکھ کر اس نے اظفر کو چبھتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا اور سیمنٹ کی بینچ کو زور سے ٹھوکر مار کر دندناتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اس سے بینچ کو تو کچھ نہ ہوا البتہ اس کا نیل پالش کردہ ناخن ضرور ٹوٹ گیا تھا۔ شرمندگی کے احساس سے میں دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ روحینہ بھی اس اچانک ہونے والی افتاد سے گھبرا گئی۔ اظفر کے چہرے پر بھی عجیب سا رنگ آ گیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ سلینہ کس فطرت کی لڑکی ہے اور وہ کیا چاہتی ہے، مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اظفر کو بھی سلینہ کی بات سے شدید دکھ پہنچا ہے۔ میں بے حد رنجیدہ اور بددل ہو چکی تھی۔

''روحینہ! میں گھر جا رہی ہوں اور شاید اب کبھی کالج نہیں آؤں۔'' میں جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے پاگل ہو گئی ہو کیا پارس؟ یہ کیا پاگل پن



Digitized by Google

ہے، گولی ماروا سے۔ سب ہی جانتے ہیں وہ نہایت بدتمیز اور بدتہذیب و مغرور لڑکی ہے، اس کے لیے تم اتنا بڑا قدم اٹھاؤ گی؟'' میری بات سے روحینہ کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''پارس تم ٹھیک ہو ناں؟'' روحینہ میری چپ سے گھبرا گئی۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں روحینہ، میرا مقصد پڑھنا ہے تو گھر بیٹھ کر بھی پڑھ سکتی ہوں۔ ویسے بھی ایگزامز ہونے والے ہیں۔ میں اپنی پڑھائی جاری رکھوں گی مگر کالج، کالج آنے کا کوئی ارادہ نہیں پرائیویٹ بھی پڑھ سکتی ہوں ناں۔'' ایک لمحے میں، میں نے بہت بڑا فیصلہ کرلیا تھا۔ روحینہ نے تاسف سے مجھے دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ میرا فیصلہ اٹل ہوگا۔

''پلیز پارس، ایسے مت کرو۔ یوں اچانک سے فیصلے نہیں ہوا کرتے، تم ایک دو دن گھر پر رہ کر سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا اور یہ مت بھولنا کہ تمہارے اس فیصلے سے کوئی بہت دکھی ہوگا۔ اپنے لیے نہ سہی ''کسی'' کے لیے ضرور سوچنا۔'' زندگی میں پہلی بار اظفر فاروق میرے بالمقابل کھڑا ہو کر بڑی گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز تخاطب پر میں نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تھا اور پہلی بار، پہلی بار اسے آنکھ بھر کر دیکھا بلو جینز، گرے ٹی شرٹ اور وائٹ اور بلیو جوگرز پہنے ہلکی، ہلکی شیو کے ساتھ سانولے مگر پُرکشش اظفر فاروق کی بے پناہ چمکتی ذہین آنکھوں میں بے تحاشا اداسی چھلک رہی تھی۔ میرے بڑھتے قدموں کو بریک لگ گئی، میں لڑکھڑا گئی، اس کی آنکھیں، اُف نہ جانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں۔ میرا سارا وجود پسینہ، پسینہ ہوگیا۔ اچھوتا انداز، میرے لیے بالکل انوکھا اور نیا تھا۔ میں عجیب و غریب کیفیت سے دوچار تھی۔ یہ کیا تھا؟ دوستی، خلوص، اپنائیت یا پھر... پھر پیار؟ پیار اس سے پہلے کہ میں اس لفظ کے اسرار و رموز سے واقف ہوتی مجھ پر اس شے کا ادراک ہوتا یا میں پل بھر کی لرزش کی لپیٹ میں آجاتی۔ میرے کانوں میں اماں کے الفاظ کی بازگشت ہوئی۔ اماں کے الفاظ کسی آگہی کے مانند گونجنے لگے۔ میری آنکھوں میں بابا کی جھکی کمر اور اماں کا سفید بالوں والا سر، بابا کا پُراعتماد چہرہ، اماں کا پُریقین لہجہ میرا مقصد آگیا۔

''پارس!'' میں روحینہ کی آواز پر گڑبڑا گئی۔ میرے دائیں جانب روحینہ اور سامنے اظفر کھڑا تھا۔ سوالیہ، پُرامید ملی جلی کیفیت سے دوچار وہ خاصا مضطرب تھا۔

''اظفر فاروق میں نے ''کسی'' کے لیے ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ اس وعدے کا بھرم رکھنا ہے اور میرے لیے میرے والدین کی عزت، بھروسا اور اعتماد سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ یہاں رہ کر میں اپنے اس مقصد کو بھول جاؤں جس کے لیے یہاں آئی تھی۔ میں سلینہ سے ڈر کر نہیں جارہی بلکہ اس کے حوالے سے ہونے والے کسی بھی اسکینڈل سے دور رہنے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے اور میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں، اللہ حافظ۔'' میں نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا اور آگے بڑھ گئی۔ ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ میں نے اظفر کی جانب دیکھے بنا یہ سب کہا تھا۔ میرے اندر کوئی بولا تھا۔ کوئی سرگوشی شاید دل نے کی تھی۔ چلتے، چلتے ایک بار نہ چاہتے ہوئے بھی بے ساختہ میں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ اظفر فاروق کی نظریں، اُف، بیچارگی، بے بسی اور..... اور میں مزید کمزور ہونا نہیں چاہتی تھی اس لیے تیز، تیز قدم بڑھاتی ہوئی بیرونی گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ اندر سے میں ٹوٹ رہی تھی۔ بکھرنے لگی تھی۔ نہ جانے کون سا احساس تھا، کیسی بے چینی تھی جو میرے اندر تک اتر آئی تھی۔

حسبِ معمول اماں، سطوت آپا اور ملاحت آپا نماز ظہر سے فارغ ہو کر لنچ کے لیے میری منتظر تھیں۔ اماں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں میرا دل بھر آیا لیکن میں نے کمالِ ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے فی الحال چپ رہنا مناسب سمجھا۔ سطوت آپا نے طاہری بنائی تھی ساتھ میں آلو کے کٹلس، رائتہ، سلاد اور ٹماٹر کی چٹنی تھی۔

''آج تو کھانے میں مزہ آگیا آپا، تم چلی جاؤ گی تو اتنے مزے، مزے کے کھانے کون کھلائے گا۔'' میں نے آخری لقمہ منہ میں رکھ کر سطوت آپا کو مخاطب کیا۔ میری بات پر سطوت آپا آزردہ ہوگئیں۔

''ارے بھئی، یہ کون سی مشکل بات ہے تم سیکھ لو ناں اس سے تمہیں تو گھر کے کاموں سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔'' اماں کو میری ایک بات سے ہی چڑ تھی کہ مجھے کوکنگ میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔

''اور نہیں تو کیا؟ دیکھو سطوت آپا نے مجھے کیسا



Digitized by Google

ایکسپرٹ کردیا ہے۔'' ملاحت آپا نے بھی کہا۔

''ہاں اب سوچ رہی ہوں کہ سیکھنا پڑے گا آپ دونوں چلی جاؤ گی تو مجھے ہی سنبھالنا ہوگا ناں کچن ویسے اماں کیا ضروری تھا دونوں کو ایک ساتھ ہی رخصت کرنا۔'' میں نے پہلے ملاحت آپا کو اور پھر اماں کو دیکھتے ہوئے منہ بنا کر سوال کیا۔

''بیٹی! اتنی مہنگائی ہوگئی ہے شادی کے دن کا بہت بڑا خرچہ بچ جائے گا اس طرح' وہ تو اچھا ہوا کہ اللہ پاک نے ایک گھر سے دو رشتے بھیج دیے اور وہ بھی ساتھ شادی کرنے پر تیار ہوگئے۔ ہمارے لیے بڑی آسانی ہوگئی۔'' اماں کی بات پر میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں یہ بات تو ہے اماں، چلیں اللہ پاک دونوں کو خوش رکھے اور مجھے ہدایت دے۔'' میں نے بات کو مزاح کا رنگ دیا۔ مجھے لگا کہ جیسے میں کچھ اور ہی ایکٹ کر رہی ہوں، دل پر عجیب سا بوجھ تھا۔ اتنا بڑا فیصلہ کرلیا تھا ابھی بابا اور اماں کو کیا بتاتی اور کس طرح مطمئن کرتی۔ میری بات پر اماں کے ساتھ، ساتھ سطوت آپا اور ملاحت آپا مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

آج کل موسم بہت پیارا ہو رہا تھا ویسے بھی کراچی کے موسم کی یہ بات سب سے اچھی ہوتی ہے کہ دن میں چاہے کتنی ہی گرمی کیوں نہ ہو رات کو ٹھنڈی ہواؤں سے موسم قدرے خوشگوار ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی گرمیوں کی شام اور رات دیر تلک ہم لوگ کھلی چھت پر ٹائم گزارتے۔ چاروں طرف اونچی دیوار تھی ویسے بھی اس دور میں کھلی چھتیں کم، کم میسر ہوتیں، آبادی کی بہتات اور جگہ کی کمی کے باعث لوگوں نے گھروں کو بھی فلیٹ کی شکل دے رکھی تھی ہمارے لیے سنگل اسٹوری گھر ہی کافی تھا۔ بقول بابا اور اماں کے ہمارے گھر کون سی بہوئیں آنی ہیں آخری وقت کے لیے یہ گھر ہم بوڑھوں کے لیے بہت ہے تب میں سوچتی'' ہائے اللہ جب بابا، اماں ساری بیٹیوں کی شادیاں کردیں گے تو کس طرح اکیلے رہ پائیں گے۔ اماں تو بوڑھی ہو جائیں گی کام کرنے کے قابل نہیں رہیں گی اور بابا بیچارے کیسے باہر کے کام نپٹائیں گے تب میں اعلان کردیتی کہ میں شادی کر کے یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی اور بابا اور اماں میری بات پر ہنس دیتے۔

''ارے بھئی، ابھی سے تم یہ سوچ کر ہلکان مت ہو ابھی بہت وقت پڑا ہے تمہاری شادی کے لیے۔'' بابا مسکراتے ہوئے کہتے۔ ایک بار پھر میں اسی نکتے پر آکر ٹھہر گئی تھی۔ اب سطوت آپا اور ملاحت آپا بھی جانے والی تھیں۔ خلاف معمول صبح میں نماز اور سپارہ پڑھ کر دوبارہ بستر میں گھس گئی تو اماں پریشان ہوگئیں۔

''پارس خیر تو ہے طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟ آج کالج نہیں جانا کیا؟'' وہ میرے سرہانے کھڑی تھیں۔

''نہیں اماں! کچھ دن کی چھٹی لی ہے، آپ پر کام کا بہت بوجھ پڑ گیا ہے ناں، شادیاں بھی سر پر ہیں اس لیے۔'' میں نے چادر سے منہ نکال کر جواب دیا۔

''ہائیں؟'' اماں نے مجھے ایسے گھورا جیسے ان کو میری دماغی حالت پر شک ہو۔ میں نے چادر دوبارہ سر تک تان لی۔ گزشتہ ساری رات میں سو نہیں سکی تھی، سلینہ کی باتیں... بدتمیزی اپنی جگہ لیکن نہ جانے کیوں ''اظفر فاروق'' کا اداس چہرہ ساری رات مجھے تنگ کرتا رہا۔ نہ جانے کیسی شکایت تھی، گلہ تھا، بے بسی جو اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی گو کہ گزشتہ تقریباً سال بھر کے دوران اس نے مجھ سے کبھی کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی۔ کبھی کوئی حرکت کوئی جملہ یا نگاہوں کے راستے کوئی پیغام نہیں دیا، نہ غیر ضروری بات کی اور نہ خواہ مخواہ راستے میں آیا لیکن اس آخری نظر میں نہ جانے کیا کچھ تھا کہ میں ساری رات کروٹیں بدلتی رہی اور اب نیند سے برا حال تھا۔

گو کہ شادی کے حوالے سے بہت کام ہو چکے تھے، مہروز آپا اسلام آباد شفٹ ہو چکی تھیں اس لیے کم، کم آتیں افروز آپا کی سسرال بڑی تھی، ذمے داریاں زیادہ تھیں اس لیے وہ بھی اتنا ٹائم نہیں دے پاتیں۔ وہ تو اماں، ماشاء اللہ اب بھی کام میں ماہر تھیں سو کام الحمدللہ نپٹا رہی تھیں۔ اب میں نے بھی فیصلہ کرلیا تھا کہ دل جمعی کے ساتھ گھر کے کام کاج میں حصہ لینا ہے۔ پڑھائی بھی جاری رکھنی ہے سو یہ دونوں کام ساتھ، ساتھ کرنے تھے۔ میرے پاس موبائل تھا اور نہ میں نے کسی سے رابطہ رکھنے کی کوشش کی سو کالج کی سرگرمیوں سے مکمل طور پر نا آشنا تھی۔ لگا تار دس دن تک جب میں گھر پر رہی تو بابا نے ایک شام پوچھ ہی لیا۔

''پارس تمہارے ایگزامز بھی تو ہونے والے ہیں کب



Digitized by Google

تک چھٹیاں کردگی؟"

"بابا لیکچرز پورے ہو چکے ہیں اب پراپر کلاسز نہیں ہورہی ہیں اس لیے میں نے سوچا گھر میں ہی پڑھ لیا کروں اور دو چار دن میں ایڈمٹ کارڈ لے آؤں گی جا کر۔" میں نے اپنے طور پر بابا کو مطمئن کردیا۔ ویسے بھی سائنسی مضامین تو سمجھے نہیں کہ جانا ضروری ہوتا۔

"چلو ٹھیک ہے، اچھا ہے تمہاری اماں کا گلہ بھی دور ہوجائے گا۔" بابا نے شرارت سے اماں کو دیکھتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا۔ "اسی بات پر اچھی سی چائے پلادو اور ہاں سب کچھ اپنی جگہ مگر پڑھائی کے معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں چلے گی۔" بابا نے خوشگوار انداز میں مجھے مخاطب کیا۔

"ان شاء اللہ تعالیٰ!" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

☆☆☆

ادھر شادی کے دن قریب آرہے تھے۔ شادی بھی عین ایگزامز کے دنوں میں ہورہی تھی دونوں دولھا اعظم بھائی اور معظم بھائی سعودی عرب میں تھے اور چھٹیوں پر آئے تھے تو جھٹ پٹ شادی طے ہوگئی تھی اس لیے مجھے شادی کے فوراً بعد ہی امتحان کی تیاری کرنی تھی۔ مجھ جیسی اسٹوڈنٹ کے لیے اتنا مشکل نہ تھا کیونکہ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو عین امتحانات کے وقت تیاری اسٹارٹ کرتے ہیں۔ میں سارا سال اسی لگن اور محنت سے پڑھتی جیسے کل ہی پیپر ہو۔ یوں تیاری میں دقت کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ اس لیے مجھے ٹینشن تو تھی مگر شدید والی نہیں تھی۔ ہمارے ہاں کی شادیاں بڑی روایتی ہوتیں مایوں، مہندی، ابٹن لگانا، ابٹن کھیلنا، رت جگا یہ سب چھوٹی، چھوٹی رسومات مجھے بہت اچھی لگتیں۔ گھر کے آنگن میں رونق سی لگ جاتی۔ شادی کی تقریبات شروع ہوئی نہیں کہ محفلیں جمنے لگتیں، ڈھولکی آجاتی اور وہی پرانے زمانے کے شادی بیاہ کے گیت گائے جاتے، درمیان میں چائے کا دور چلتا۔ روایتی شادی اور شادی کے ہنگاموں کا لطف ہی الگ ہوتا ہے ورنہ آج کل کے دور میں تو دولھا دلہن ہال میں پہنچ جاتے ہیں الٹے سیدھے گانوں پر بے ہنگم ڈانس اور اس طوفان مچانے کو اچھی اور اعلیٰ تقریبات کا نام دیا جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو اسی دلہن پر صحیح معنوں میں نکھار اور روپ چڑھتا ہے جو پردے میں رہے۔ شرماتی، جھجکتی اور نیچی نظروں والی دلہنوں کا انداز اور روپ ہی نرالا ہوتا ہے۔ اماں اور بابا کے بیٹیوں کی شادی کے ارمان بھی کچھ زیادہ تھے۔

مایوں کی تقریب سے ایک دن پہلے ہی اماں نے ہمیشہ کی طرح مختلف مٹھائیاں تیار کرنا شروع کردیں۔ اماں آنے والے مہمانوں میں اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی مٹھائیاں تقسیم کرتی تھیں سو اب بھی ایسا ہی تھا۔ مہروز آپا اور افروز آپا تین دن پہلے سے مع بچوں اور ڈھیر سارے سامان کے آچکی تھیں۔ گھر میں بچوں کا شور اچھا لگ رہا تھا۔ آج ہی دونوں کا جہیز بھی روانہ ہونا تھا۔ صبح سے مہروز آپا اور افروز آپا جہیز کے سامان کی اچھی طرح سے پیکنگ کررہی تھیں۔ میں رات کے لیے سب کے کپڑے پریس کرنے بیٹھ گئی۔ شادی کے خوشگوار ہنگاموں میں، میں فی الحال صرف اور صرف شادی کے کاموں میں مصروف تھی ساتھ ہی ایک ساتھ دونوں بہنوں کے بچھڑ جانے کا بھی بے حد دکھ تھا لیکن میں خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لیے خود کو مصروف رکھنے کے لیے بقول اماں کے "کام کی کرنی" بن رہی تھی یہ اماں کا خاص محاورہ تھا جو وہ کبھی، کبھی استعمال کرتی تھیں۔ مطلب تھا "غیر ضروری کام کرنا۔"

مایوں کی رسم گھر کے آنگن میں ہوئی، تائی اماں، چچی اماں کی قریبی کچھ محلے کی خواتین نے شرکت کی سلوت آپا اور ملاحت آپا کو ابٹن لگایا گیا۔ پہلے گوٹے والے کپڑوں میں لمبے سے گھونگٹ ڈالے میک اپ سے عاری چہروں کے ساتھ دونوں بہنیں بلا کی حسین لگ رہی تھیں۔ اماں نے ہاتھوں میں ہری چوڑیاں پہنائیں جو مہروز آپا لائی تھیں، مایوں کی رسم ہوئی۔ اماں نے مٹھائی سب لوگوں میں تقسیم کی، رات کا کھانا ہوا اور کھانے کے بعد رات دیر تک گانے گاتے ہوئے ہم بہنیں نہ جانے کتنی بار ایک دوسرے سے نظریں بچا، بچا کر کبھی پانی پینے، کبھی کسی اور بہانے اٹھ کر کچھ دیر کے لیے باہر چلی جاتیں۔

رت جگا ہوا تھا تائی امی اور چچی نے رات کو کچن سنبھالا۔ بڑے تسلے میں ڈھیر سا آٹا گھول کر تائی امی نے گلگلے تلنا شروع کیے۔ ساتھ ہی چچی اماں نے جو روغنی روٹیاں بنائی تھیں وہ توڑ کر ہاون دستے میں لوہے کے چھوٹے سے بیلن نما ڈنڈے سے کوٹنا شروع کیں تھوڑی دیر میں روٹیاں باریک برادے کی شکل میں بڑے سے برتن میں جمع کر کے



Digitized by Google

اس میں شکر ملا کر ہاتھوں کی مدد سے اچھی طرح مکس کیا ساتھ ہی تائی اماں تلے ہوئے گلگلے اس روٹی اور شکر کے برادے میں ڈالتی چلی گئیں۔ محلے میں وہ بانٹا گیا اور پھر ہم سب نے خوب مزے...... لے‘ لے کر کھایا۔ اس رات ہم سب نے مل کر خوب ابٹن کھیلی، تائی امی کی دونوں بیٹیاں کلثوم آپا اور نور آپا بھی اپنے تین، تین بچوں سمیت آگئی تھیں۔ اور پھر ہمارے ساتھ مل کر خوب ہنگامہ کیا۔ صبح تک گھر کا صحن کسی بھینسوں کے باڑے کا نقشہ پیش کر رہا تھا جگہ، جگہ ابٹن بکھری پڑی تھی، ساتھ ہم لوگ بھی ابٹن سے باقاعدہ نہائے ہوئے لگ رہے تھے۔ بابا کو میں نے کئی بار نم، نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ ہماری اچھل کود اور دھما چوکڑی دیکھ کر دھیرے، دھیرے مسکرا رہے تھے۔ بیٹیاں آنگن کی چڑیوں جیسی ہوتی ہیں جب چھوٹی، چھوٹی ہوتی ہیں تو گھر کے آنگن میں پھدکتی پھرتی ہیں اماں کی رنگ برنگی پیاری تتلیاں پیاری گڑیاں، ننھی، ننھی کبھی بابا کے کاندھے پر سوار ہو کر تو کبھی اماں کی انگلی تھامے لڑکھڑاتی سنبھل، سنبھل پاؤں، پاؤں چلتی، اچھلتی کودتی بابا کی چڑیاں اور ماؤں کی گڑیاں یونہی پلک جھپکتے بڑی ہو جاتی ہیں کہ پتا ہی نہیں چلتا۔ اور ایک دن وہ چڑیاں ایک، ایک کر کے اڑ جاتی ہیں، بابل کا آنگن سونا کر کے کسی اور کے آنگن کی رونق بن جاتی ہیں۔ سطوت آپا اور ملاحت آپا نے دو ماہ کے اندر، اندر سعودی عرب چلے جانا تھا۔ شادی کے دس دن بعد مہروز آپا بھی واپس چلی گئیں تب مجھے یاد آیا کہ کالج کا چکر لگا کر ایڈمٹ کارڈ تو لے آؤں، گھر تھا کہ جیسے کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ مجھے لگتا تھا بابا ایک دم سے بوڑھے ہو گئے ہوں، اب ان کی چال میں لڑکھڑاہٹ اور چہرے پر تھکن واضح نظر آنے لگی تھی۔ اماں بھی کچھ خاموش ہو گئی تھیں، ظاہر ہے یہ تو ہونا ہی تھا۔ تب ہی میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اماں کو اور بابا کو ہرگز بھی اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔

دوسرے دن میں نے بادلِ ناخواستہ کالج کی راہ لی۔ جس کا خدشہ تھا وہی بات ہوئی، میں کارڈ لے کر سر جھکا کر ابھی باہر نکلی ہی تھی کہ سامنے سے سلینہ آتی دکھائی دی۔

”اوہو دیکھو، دیکھو تو ذرا آج ہمارے کالج میں کون آیا ہے؟“ سہیلی کو ٹہوکا مار کر بہ آواز بلند مجھے سنانے کے لیے کہا گیا۔

”ہاں بھئی، شریف النفس خاتون تشریف لائی ہیں۔ وہ کہتے ہیں ناں نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی وہی بات ہے یار۔“ سہیلی نے طنز کا نشتر چھوڑا۔

”ہاں بالکل سچ کہا تم نے فاری، یہی لوگ ہوتے ہیں جو بڑے، بڑے بھاشن دیتے ہیں اور اندر سے کھوکھلے اور بودے، پارس نام رکھ کر حرکتیں تو دیکھو۔“ سلینہ کی بات میری عقل سے بالاتر تھی۔

”کیا گھور کر دیکھ رہی ہے؟ کھا جائے گی کیا؟ چلا لے اپنے جادو گھٹیا لڑکی لیکن سوچ لے دولت میں بڑی طاقت ہوتی ہے تو جس کے خواب دیکھ رہی ہے ناں میں خرید سکتی ہوں اسے، آئی سمجھ؟“ سلینہ نہایت جاہلانہ اور گھٹیا انداز پر اتر آئی تھی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو سلینہ؟“ میں نے تیز لہجے میں سرزنش کی۔

”بہت معصوم ہے ناں تو، تو کچھ جانتی ہی نہیں۔“ سلینہ بدستور بدتمیزی سے گویا ہوئی۔

”میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی سلینہ، نہ تمہاری کسی بات کا جواب دوں گی۔ تمہاری سوچ، تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں، میں اپنا فیصلہ اللہ پر چھوڑتی ہوں۔ وہ صحیح فیصلہ کرنے والا ہے، یاد رکھو نصیب اور قسمت صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر دولت سے انسان خوشیاں اور نصیب خرید سکتا ناں تو آج دنیا کا کوئی امیر شخص بیمار نہ ہوتا۔ کسی مشکل میں نہ گرفتار ہوتا۔ دولت کے نشے میں خود کو نعوذ باللہ خدا سمجھنے والے جب ٹھوکر کھاتے ہیں ناں تو تب ان کے ہاتھوں کچھ باقی نہیں رہتا، رشتے، نہ تعلقات نہ دوستی، وہ تہی داماں رہ جاتے ہیں سوائے پچھتاوؤں کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ ایک بار پھر یہی کہوں گی کہ میں نے اپنا معاملہ اپنے رب کے سپرد کر دیا ہے اور وہ جو فیصلہ کرتا ہے وہ اٹل اور سب سے بہتر ہوتا ہے۔“ میں نے تو کچھ نہ کہنے کی قسم کھائی تھی مگر نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش نہ رہ سکی اور اسی لہجے میں جواب دے کر پُراعتماد انداز میں اسے آگے سے ہٹاتی ہوئی باہر کی جانب چل دی۔

گھر آ کر بھی میں سلینہ کی ذو معنی باتوں میں بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ اس کا مقصد کیا تھا ان باتوں سے۔ وہ اپنے دل میں میرے لیے کینہ، بغض رکھے ہوئے تھی۔ میں نے آخر اس کا کیا بگاڑا تھا۔ خواہ مخواہ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر


Digitized by Google

پڑ گئی تھی۔ کیسی دشمنی تھی کہ مجھے دیکھتے ہی اس کے منہ سے زہر نکلنے لگتا، اول فول بکتے، بکتے تہذیب سے کوسوں دور ہو جاتی۔ ایک تو ویسے ہی کچھ آج کل اس قدر اداسی چھائی ہوئی تھی اوپر سے کالج سے واپس لوٹتے، لوٹتے دل مزید برا ہو گیا تھا۔ امتحان نزدیک تھے میں نے پوری توجہ سے پڑھائی شروع کر دی۔ ساتھ، ساتھ اماں کا ہاتھ بھی بٹاتی، سطوت آپا اور ملاحت آپا کے جانے کی ڈیٹ بھی کنفرم ہو گئی تھی۔ ماہ دسمبر کی ایک سرد شام وہ دونوں بھی کوسوں دور چلی گئیں۔ ادھر مہروز آپا اسلام آباد، افروز آپا کراچی میں مگر حد درجہ مصروف اور میں پڑھائی میں مصروف ہاں۔ رات میں نے زندگی میں پہلی بار اماں اور بابا کو باقاعدہ روتے ہوئے دیکھا تھا۔ یوں تو کئی بار وہ دونوں رو چکے تھے مگر اب...... اب شاید برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ تب ہی وہ آنسوؤں پر اختیار نہ رکھ پائے۔ میں نے بھی بابا کے سینے میں منہ چھپا کر ڈھیر سارے آنسو بہا ڈالے تھے، مجھے بھی سچ سچ آج بے تحاشا رونا آ رہا تھا۔ مجھے اماں اور بابا دنیا کے سب سے مظلوم ماں، باپ دکھائی دے رہے تھے، جنہوں نے ساری عمر صرف اور صرف محنت کی، سفید پوشی برقرار رکھنے کے لیے سو، سو جتن کیے نہ جانے کیسے، کیسے حالات سے گزر کر بیٹیوں کو پالا پوسا اچھی تربیت کی اور آج ایک بار پھر وہ دونوں مجھے تصور میں اسی مقام پر کھڑے نظر آئے جہاں سے دونوں نے اپنی زندگی کا سفر شروع کیا تھا۔ اس وقت زندگی کی شروعات تھی، جوانی تھی، ہمت، طاقت تھی... گرہستی اور فیملی بڑھانے کی خواہش تھی لیکن آج دونوں بوڑھے ہو چکے تھے۔ کمزور، کم ہمت اور اکیلے۔

''اللہ پاک کاش ہمارا بھی کوئی بھائی ہوتا تو آج ہمارے گھر میں بھی رونق ہو جاتی۔ اماں اور بابا بھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتے۔'' زندگی میں پہلی بار میں نے آسمان کی جانب دیکھ کر اپنے رب سے دل کی بات کہی اور اس وقت میرے فیصلے میں مزید قطعیت آ گئی کہ میں کسی صورت بھی شادی نہیں کروں گی۔ میں اماں اور بابا کو مزید اداس نہیں کرنا چاہتی تھی، ہمیشہ، ہمیشہ ان کے پاس ان کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ ابھی تو مجھے پڑھنا تھا، بہت سارا۔

☆☆☆

پھر سال، دو سال اور تین سال بیت گئے اس عرصے

سال کا پہلا شمارہ........... اہمیت کا حامل شمارہ

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ جنوری 2019ء کی جھلکیاں

ناکردہ گناہ

اس نے صرف چھ سال حکومت کی اور برصغیر کی شکل بدل دی۔ تاریخ کے جھروکے سے محبت کی لودیتی داستان

دوسری نور جہاں

پاکستانی فلم کی ایک نامور گلوکارہ جس نے آتے ہی ایسی ہلچل مچادی کہ ہر ایک چونک اٹھا تھا

شاخ زیتون

مقبوضہ اسرائیل کی ایک یہودی لڑکی نے ایک مسلمان لڑکے سے دل لگالیا تھا

وارث

اونچی حویلیوں کی دیواروں کے پیچھے کیسے کیسے کھیل ہورہے ہیں۔ دل دکھادینے والی سچ بیانی

اس کے علاوہ

بہت سے سچے واقعات، سچ بیانیاں، سچے قصے۔ وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں۔ آپ کو پڑھنا چاہیے۔

Digitized by Google

میں صرف ایک بار سطوت آپا اور ملاحت آپا پاکستان آئیں۔ ان تین سالوں میں مہروز آپا دو بار کراچی آئیں، افروز آپا مہینے میں ایک آدھ چکر لگالیتیں میں نے گریجویشن کر کے ماسٹرز کی تیاری شروع کردی۔ اماں اور بابا آج کل کافی بیمار رہنے لگے تھے۔ اکثر دونوں کا بی پی شوٹ کر جاتا۔ بابا نے ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ اوپر کا پورشن بنوا کر کرایے پر چڑھا دیا تھا۔ اب وہ بھی گھر پر ہی رہتے اس دوران میرے لیے دو رشتے بھی آئے لیکن میں نے پڑھائی مکمل کرنے کا بہانہ بنادیا تھا۔ میرے ذہن سے کسی حد تک صلینہ اور کالج میں ہونے والے ناخوشگوار واقعات محو ہوچکے تھے۔ کبھی، کبھی نہ جانے کیوں کسی شاپنگ مال میں، اسپتال میں یا راہ چلتے ہوئے کسی شخص میں اظفر فاروق کی شبیہہ نظر آجاتی تو نہ جانے کیوں نہ چاہتے ہوئے بھی ایک بار پڑتی اچٹتی نگاہ سے قدرے چونک کر میں دوبارہ ضرور نظر اس چہرے کی جانب ڈالتی اور پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ جاتی۔

وقت کچھ اور سرکا جب ماسٹرز کمپلیٹ ہوا تب اماں نے میری شادی کو سیریس لیا کیونکہ افروز آپا اپنے سسرالی رشتے داروں سے بڑا اچھا (بقول اماں) پرپوزل لے کر آگئیں۔ اس روز بڑے دن بعد میں صبح دیر تلک سوئی رہی جب سے بابا نے ریٹائرمنٹ لی تھی تب سے اتوار ہو یا پیر ایک جیسا ہی لگتا اُس لیے میں کسی دن بھی خاص کھانے کا اہتمام کرلیتی اور اس اتوار کو بابا کی فرمائش پر میں نے کوفتوں کا سالن اور فیرنی بنانے کا وعدہ کرلیا تھا۔ رات کو ایک مزاحیہ مووی دیکھ رہی تھی اس لیے دیر سے سوئی اور فجر پر نہ اٹھ پائی۔ اماں کی تیز آواز پر آنکھ کھلی۔ آنکھ کھلتے ہی اماں کے ساتھ، ساتھ افروز آپا کی آواز سن کر لیٹے، لیٹے اچھل پڑی۔ اتنی صبح صبح گھبرا کر چادر پھینک کر اٹھی اور باہر کی جانب بھاگی برآمدے میں اماں کے ساتھ تخت پر بیٹھی آپا بڑی خوش نظر آرہی تھیں۔ ان کے بچے عفرا اور معیز بابا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

''السلام علیکم آپا، خیریت تو ہے ناں اتنی صبح، صبح کیسے آنا ہوا؟'' میں نے سلام کرکے افروز آپا کو مخاطب کیا۔

''ہاں بھئی الحمدللہ خیریت ہی ہے اور تمہاری خیریت نیک مطلوب ہے۔'' افروز آپا کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

''الحمدللہ، جی میں بھی ٹھیک ٹھاک ہوں، مع والدین۔'' میں نے بھی اسی لہجے میں مسکراتے ہوئے جواب دیا تو سب لوگ ہنس دیے۔ عفرا اور معیز بھی آکر مجھ سے لپٹ گئے۔ میں نے دونوں کو پیار کیا۔

''اچھا ذرا میں فریش ہو کر آتی ہوں اور آپا چائے لاؤں آپ کے لیے؟'' میں نے بچوں کو پیار کر کے آپا کو مخاطب کیا۔

''ہاں بھئی اچھی سی چائے لے آؤ۔'' افروز آپا نے کہا تو میں سر ہلا کر واش روم کی طرف بڑھ گئی اور پھر فریش ہو کر کچن میں آگئی۔ جلدی، جلدی، چائے سلائس، مکھن، جیم اور بچوں کے لیے فرنچ ٹوسٹ لے کر آئی تو دیکھا افروز آپا اماں اور بابا سے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہی تھیں، میں نے بغور سب کے چہروں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی لیکن سمجھ نہ پائی کہ کس موضوع پر بات ہو رہی تھی۔

ناشتے کے بعد بابا سے کیے گئے وعدے کے مطابق میں نے لنچ کی تیاری شروع کردی، افروز آپا بھی میری ہیلپ کے لیے کچن میں آگئیں اور سلاد بنانے لگیں۔

''اب تو تم نے ایم اے کا ایگزام بھی دے دیا، آگے کیا ارادے ہیں؟'' افروز آپا نے پلیٹ میں کٹی ہوئی پیاز سلیقے سے جماتے ہوئے پوچھا۔

''جاب کے لیے اپلائی کروں گی اور کیا؟'' میں نے فٹ سے جواب دیا ساتھ ہی چولہے کی آنچ ہلکی کی۔ سالن دم پر رکھا۔

''ارے! دو تین اچھے، اچھے پرپوزل تم نے صرف یہ کہہ کر رد کیے تھے ماسٹرز کرنا ہے، اب تم جاب کی بات نکال رہی ہو۔'' افروز آپا نے تھوڑے تیز لہجے میں کہا تو میں ہنسنے لگی۔

''یار بس اس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے بھلا؟'' شاید افروز آپا کو میری بے وقت کی ہنسی پر غصہ آگیا تب ہی خفگی سے مجھے گھورا۔

''اچھا، اچھا سوری!'' میں اچھی بچی کی طرح کان پکڑ کر بولی۔ ''فی الحال تو اس موضوع کو رہنے دیتے ہیں، مزے سے لنچ کریں گے اور آپ کے بچوں کو لے کر میں پارک جاؤں گی آج کا دن آپ نے یہاں گزارنا ہے تو ہم انجوائے کریں گے۔''

''اُف، پاگل لڑکی! میں یہاں تفریح کرنے نہیں آئی



Digitized by Google

بلکہ تمہارے لیے بہت اچھا سا پروپوزل لے کر آئی ہوں۔ شام کو لڑکے والے آرہے ہیں، کمال کے دور پرے کے رشتے دار لگتے ہیں لڑکا بہت اچھا ہے، اچھی جاب ہے، نیک شریف اور اچھی شکل صورت کا ہے۔"

"تو میں کیا کروں۔"

"بکواس بند کرو اپنی اور شرافت سے شادی کے لیے ہامی بھرلو۔" افروز آپا کے لہجے میں پیار بھرا استحقاق تھا۔

"ارے بھئی کیا مسئلہ ہے آپ کو، نہیں کرنی مجھے شادی وادی آپ لوگوں کی طرح میں بھی چلی جاؤں گی اس گھر سے اور پابندیوں کے ساتھ سسرال کو پیاری ہوجاؤں اور یہاں اماں اور بابا کو اکیلا چھوڑ دوں اس عمر میں جنہوں نے ساری زندگی ہم لوگوں کے لیے محنت مشقت کی، ہمیں کسی قابل بنایا۔ کیا ہمارا فرض نہیں کہ ان کو اس عمر میں سہارا دیں۔ ضروری ہے کیا شادی کرنا۔" میں ایک دم ہی جذباتی ہوگئی تھی۔ افروز آپا کی آنکھوں میں نمکین پانی اتر آیا۔

"پارس، تمہاری بات اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے مگر تم یہ نہیں سمجھتیں کہ جوان بیٹی کی کتنی بڑی ذمے داری ماں، باپ کے کاندھوں پر ہوتی ہے۔ بابا اور اماں بھی یہی چاہتے ہیں کہ تمہارے فرض سے سبکدوش ہوجائیں اور رہی بات ان لوگوں کے اکیلے پن کی تو شکر خدا کا ہمارے کرایے دار بہت اچھے لوگ ہیں۔ بابا کی پنشن اتنی ہے کہ کل وقتی ملازمہ رکھی جاسکتی ہے۔" میں نے دکھی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"کیا یہ خودغرضی نہیں کہ اولاد جوان ہوکر اپنی، اپنی زندگی میں، اپنے مسائل اور اپنے کاروبار میں الجھ کر ان ہستیوں کی محنت، محبت، ریاضت، بے لوث خدمات اور ..... بے پناہ چاہتوں کو بھول جائیں؟ بہت سے بہت ایک کل وقتی ملازم کے حوالے کرکے ان کے فرائض سے سبکدوش اور..... بے فکر ہوجائیں؟ کیا ماہانہ اجرت لے کر دیکھ بھال کرنے والوں کے دل میں وہ وسعت، وہ چاہت پیدا ہوسکتی ہے جو خونی رشتوں میں اولاد میں ہو؟ خدانخواستہ رات بے رات اماں یا بابا کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے تو؟ آپا تمہاری ساری باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر میرا اپنا نظریہ ہے اپنا نقطۂ نظر ہے۔ اب اسے آپ لوگ میری ہٹ دھرمی سمجھو، یا میری ضد لیکن یہی میرا فیصلہ ہے، میں شاید بابا یا اماں کے سامنے نہیں کہہ پاؤں اس لیے پلیز..... پلیز آپ میرا فیصلہ ان دونوں تک پہنچادیں۔" میں جملے کے آخر میں دونوں ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے افروز آپا کے عین سامنے آکھڑی ہوئی۔

"پارس تم خواہ مخواہ جذباتی ہورہی ہو کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈا جاسکتا ہے، یوں اٹل فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور تم کیا سمجھتی ہو ایک تم ہی بیٹی ہو۔ تمہیں خیال ہے ان کا، ہم نے جو بھی کرنا ہے سوچ سمجھ کر کرنا ہے اس لیے چپ کرکے بیٹھی رہو آئی سمجھ؟" میری بات سن کر افروز آپا واقعی ناراض ہوگئی تھیں۔

"کیا ہوا بھئی! کھانا تیار ہوا کہ نہیں، تمہارے بابا کو بھوک لگ رہی ہے؟" اسی لمحے اماں نے کچن کے دروازے میں آکر آواز لگائی۔

"جی بس اماں تیار ہے، بس لگانے لگی ہوں....." دسترخوان۔" میں نے جلدی سے جواب دیا اور سالن کا چولھا بند کیا، افروز آپا نے سلیب پر رکھا دسترخوان اٹھایا اور بچھانے کی غرض سے کمرے کی طرف چل دیں۔ میں الجھ کر رہ گئی تھی۔

لنچ کے بعد افروز آپا گھر کی صفائی کرنے لگیں، مہمانوں کی آمد شام چھ بجے طے پائی تھی ... میں نے سوچ رکھا تھا کہ میری مرضی کے خلاف جاکر اگر کوئی فیصلہ ہوگا تو پھر بھرپور احتجاج کروں گی۔ میری اپنی زندگی تھی، میرا اپنا فیصلہ پتا نہیں کیوں سب میرے اس فیصلے پر متفق نہیں تھے۔

حسب معمول کھانے کے بعد برتن سمیٹ کر چائے بنانے کچن میں آگئی، بابا اور اماں برآمدے میں ہی بیٹھے تھے۔ افروز آپا اندر کمرے کی چادر چینج کررہی تھیں اور بچے کھیل رہے تھے۔ میں چائے لے کر آئی تو کمرے میں جھانک کر افروز آپا کو بھی آواز لگائی کہ آکر پہلے چائے پی لیں، میں نے سوچا کہ اماں سے ہی بات کرلوں بابا کرسی پر نیم دراز تھے۔

"چائے لے لیں بابا؟" میں نے چائے آگے بڑھاتے ہوئے بابا کی جانب نگاہ اٹھائی تو جیسے میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ بابا اچانک سینے پر ہاتھ رکھے جھکنے لگے تھے۔ "بابا!" میں پوری قوت سے چلائی اور میرے ہاتھ سے چائے کا مگ زمین پر گر گیا۔ میری چیخ سے اماں بھی پان لگاتے، لگاتے چونکیں اور افروز آپا بھی دوڑی چلی آئیں۔

"بابا، کیا ہوا بابا آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔" میں بابا کی پیٹھ سہلاتے ہوئے رو پڑی۔ بابا کے منہ سے الفاظ نہیں



Digitized by Google

نکل پارہے تھے۔ ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار اور اذیت نمایاں تھی۔

اماں نے بابا کا سر دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا' افروز آپا ان کا سینہ سہلا رہی تھیں۔ درد کی شدت سے بابا کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔

''کفیل بھائی، کفیل بھائی جلدی سے نیچے آئیں بابا کو پتا نہیں کیا ہوا؟'' میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا تو صحن میں آکر اوپر کرایے دار کو روتے ہوئے زور، زور سے پکارنے لگی۔ شکر ہے آج اتوار کا دن تھا اور کفیل بھائی گھر پر تھے۔ میری آواز پر ان کے ساتھ ان کی بیوی نیلم بھابی اور ان کی اماں بھی بھاگی چلی گئیں۔ آتے، آتے کفیل بھائی نے ایمبولینس کو کال بھی کردی تھی۔ افروز آپا میں اور اماں بری طرح رو رہے تھے۔ بابا تو تقریباً بے ہوش ہو چکے تھے، ان کے چہرے پر تکلیف کی شدت سے میرا دل پھٹنے لگا تھا۔ اگلے بیس منٹ کے اندر، اندر بابا اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں تھے۔ بابا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا نہایت شدید اٹیک' ڈاکٹرز نا امید تھے۔ کمال بھائی فوراً ہی آگئے تھے، سب اسپتال کے کاریڈور میں بے تحاشا روتے ہوئے ایا کی زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے۔ اماں نے جائے نماز سنبھال لی تھی۔ ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے دونوں ہاتھ اٹھائے وہ رب کے سامنے گڑگڑا رہی تھیں۔ میری.... بے چینی اور بے قراری عروج پر تھی۔ مسلسل آیات قرآنی کا ورد کرتے ہوئے کتنی بار افروز آپا کے گلے لگ کر روئی تھی۔ پھر ہماری بے تحاشا دعاؤں نے شرف قبولیت کا درجہ پایا، اللہ پاک نے بابا کو گویا نئی زندگی عطا کردی تھی۔ بابا کی حالت خطرے سے باہر تھی مگر انتہائی نگہداشت میں تھے۔ کسی سے فی الحال ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہمارے لیے یہی بہت تھا کہ بابا کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت تھا۔ میں وہیں سجدے میں گر پڑی اماں سے لپٹ کر رو، رو کر اللہ پاک کا شکر ادا کیا۔ بابا آٹھ دن اسپتال میں رہے اور ان آٹھ دنوں میں افروز آپا ہمارے ساتھ، ساتھ ہی رہیں۔ مہروز آپا بھی آگئی تھیں۔ ڈاکٹرز کے مطابق بابا کا دل کمزور ہو چکا تھا' ڈھیر ساری ہدایات اور دواؤں کے ساتھ بابا اسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آگئے۔ اب مجھے لگا میری ذمے داری بڑھ گئی ہے، اماں بیچاری چوبیس گھنٹے بابا کے ساتھ، ساتھ رہتیں۔ فی الحال پروپوزل کا معاملہ بھی ٹل گیا۔ بابا کی خوب کیئر کی، دوا، غذا، ایکسرسائز ہر چیز وقت پر اور پابندی سے کی جاتی' بابا کی حالت کافی حد تک بہتر ہوگئی تھی۔ انہی چکروں اور مصروفیات میں تین ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ ان تین ماہ میں، میں نے بابا کا ایک بچے کی طرح خیال رکھا۔ ان کے روم میں ہی سوتی۔ بابا کروٹ بھی لیتے تو فوراً سامنے جا کر کھڑی ہوتی۔ اسپتال کے ٹرپ ہوتے، روٹین چیک اپ ہوتا یا کوئی ٹیسٹ میں نے بغیر کسی گھبراہٹ' پریشانی کے ہر کام مستقل مزاجی سے کیا اور ایک مرد کی طرح حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے بابا کے ساتھ، ساتھ اماں کا بھی خیال رکھا۔ کبھی، کبھی بابا فخر سے مجھے سینے سے لگا لیتے۔

''پارس کی ماں مجھے اس بات کا قطعاً ملال نہیں کہ اللہ پاک نے مجھے بیٹا نہیں دیا، میری بیٹی کسی بیٹے سے کم نہیں' کس کمال سے وہ سارے کام نمٹاتی ہے کہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ لڑکی ہے، مجھے فخر ہے کہ اللہ پاک نے مجھے ایسی بیٹی عطا کی۔'' میں بابا کے کمزور سینے سے لگ کر اب بھی خود کو محفوظ سمجھتی۔ بابا کا وجود کمزور سہی مگر اس میں سما کر نہ جانے کیسا سکون میرے اندر تک اتر جاتا میں اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔

ماؤں کی محبت اپنی جگہ ماں تو بیٹی کے لیے نمونہ ہوتی ہے، تربیت کا سکھلاپا اور گرہستی کا لیکن جہاں بابا کا ذکر ہو تو مجھے ہمیشہ سے یہی لگتا تھا کہ ایک بیٹی اور باپ کا رشتہ دنیا میں سب سے خوب صورت رشتہ تھا۔ تحفظ کا، محبت کا، چاہے بیٹی عمر کے کسی بھی حصے میں ہو اپنے بابا کے سینے سے لگ کر وہ خود کو محفوظ اور مکمل سمجھتی ہے، زندگی کے ہر موڑ پر بابا کے مشوروں کی ضرورت ہوتی ہے، اپنے چھوٹے، چھوٹے مسائل کا حل بابا کی محبت اور تجربے کی تجوری سے ہی مل سکتا ہے۔ اگر میں بابا کا فخر تھی تو بابا بھی میرا مان' میرا سہارا اور میری ضرورت تھے۔

''تم باپ، بیٹی کی جذباتی محبت میں، میں غریب کہاں جاؤں کی بھلا؟'' اماں کے لہجے میں پیار بھری خفگی والا گلہ ہوتا۔

''ارے بھئی آپ بھی تو پہیا ہیں گاڑی کا۔'' بابا ہنستے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہتے اور اماں کا ہاتھ تھام لیتے، اس عمر میں بھی اماں کے چہرے پر گلال آجاتا۔



Digitized by Google

☆☆☆

اس روز موسم بہت اچھا تھا۔ صبح سے بادل چھائے ہوئے تھے، شام کے چار بجے ہلکی، ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی۔ میں، اماں اور بابا صحن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے تب ہی افروز آپا کی کال آگئی اماں نے بات کی۔

''ہاں ابھی اس وقت، اچھا، اچھا چلو ٹھیک ہے۔'' میں اور بابا افروز آپا کی بات تو نہیں سن رہے تھے مگر اماں کے ری ایکشن پر حیران ضرور تھے۔

''چلو ٹھیک ہے ان شاءاللہ ہاں، ہاں، میں سمجھا دوں گی۔'' اماں کی بات جاری تھی۔

''وہ افروز کہہ رہی تھی کہ وہ اور کمال آرہے ہیں جو رشتے کی بات کی تھی ناں، کہتی ہے ابھی تک لڑکے کی کہیں بات نہیں چلی اور کمال کے خیال میں یہ رشتہ بہت اچھا ہے اس لیے لڑکے کو لے کر وہ آرہے ہیں، ایک گھنٹے میں پہنچ جائیں گے دراصل آج کمال بھی گھر پر ہے اس لیے اچانک پروگرام بنا ہے۔'' اماں نے کال بند کر کے تفصیل بتائی۔

''چلو کوئی بات نہیں، اللہ پاک خیر کی گھڑی لائے۔ اس نے ہر کام کے لیے وقت مقرر رکھا ہے، ہم انسان ہی.... بے صبرے اور جلد باز ہوجاتے ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی اللہ پاک نے ہمارے لیے جس کام کے لیے جو وقت رکھا ہے وہ ہی ہمارے لیے بہتر اور مناسب ہے، دیکھو چھ ماہ گزر جانے کے بعد بھی وہی رشتہ دوبارہ آرہا ہے تو یقیناً اللہ پاک کی مصلحت اور بھلائی ہوگی اس میں بھی۔'' بابا نے بات سن کر ٹھہرے، ٹھہرے لہجے میں کہا۔

''اُف توبہ، ایک بار پھر وہی موضوع۔'' میں نے خالی کپ اٹھاتے ہوئے سوچا اور ٹرے لے کر کچن کی طرف چل دی۔ بابا اور اماں کے خیال سے رشتے کے معاملے میں آمنا سامنا کروانا اور بالمشافہ دیکھ لینا بہتر تھا کیونکہ یہ شرعاً بھی جائز تھا باقی رشتوں میں بھی ایسا ہی ہوا تھا اور اب میرے معاملے میں بھی، میں نے سوچ لیا تھا کہ اپنے ایٹی ٹیوڈ سے خود ہی آنے والے کو اپنی طرف سے لال جھنڈی دکھادوں گی۔ اماں کے کہنے پر سرسری ڈرائنگ روم کی جھاڑ پونچھ کردی تھی۔ ویسے بھی ہمارے یہاں کون سے بچے تھے جو گھر گندا ہوا کرتا ہاں گرد ہوتی تھی جو ہر چیز پر جم جاتی سو میں نے ہلکی پھلکی ڈسٹنگ ضرور کردی۔ شام کو ہی نہا کر کاٹن کا فیروزی اور پرپل کامبینیشن کا سوٹ پہنا تھا اس لیے اماں کے ڈر سے ہلکا پف تھپ کر کے لائٹ لپ اسٹک لگالی اور جارجٹ ..... کے فیروزی دوپٹے کو سر پر لے کر خالص مشرقی لڑکی بن گئی۔ مقررہ وقت پر افروز آپا لڑکے کو لے کر آگئیں، میں اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اماں گیٹ کھولنے چلی گئیں۔ میں کچھ دیر میں کچن میں چائے بنانے آگئی، اماں نے محلے کے بچے سے کونے والی بیکری سے سموسے، پیٹیز اور نمکو پہلے سے منگوا کر رکھ لیے تھے۔ چولہے پر چائے کا پانی رکھ کر اور پلیٹوں میں لوازمات نکال رہی تھی کہ افروز آپا کچن میں آگئیں۔

''پارس دیکھو کوئی گڑبڑ مت کرنا تم۔ کیونکہ یہ بابا اور اماں کی بھی خواہش ہے، آگے کی باتیں ہم طے کرلیں گے تم فکر مت کرنا پلیز، کمال کے سامنے بے عزتی مت کروادینا بہن۔'' افروز آپا اپنی سسرال کو لے کر کافی جذباتی تھیں ان کا ایک نام اور مقام تھا سسرال میں اس لیے وہ پھونک، پھونک کر قدم رکھتی تھیں اور وہ اس وقت بھی کمال بھائی کی وجہ سے مجھے سمجھانے آئی تھیں۔ میں سنی ان سنی کر کے پیالیاں ٹرے میں رکھنے لگی۔ ڈرائنگ روم میں عین سامنے والے صوفے پر آنے والا مہمان بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی کمال بھائی اور اس کے برابر والے صوفے پر اماں اور بابا بیٹھے تھے۔ افروز آپا کے کہنے پر میں چائے اور لوازمات کی ٹرے لیے آہستہ، آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی کچھ فطری شرم تھی اور پھر بھی ایسی سچویشن کا سامنا نہیں کیا تھا۔ سو ساری دھما چوکڑی اور دعوے ایک طرف میں حقیقتاً نروس ہو رہی تھی۔ دل عجیب انداز سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر سلام کیا دفعتاً وہ موصوف اٹھ کھڑے ہوئے میں نے اچٹتی نگاہ ڈالی اور جیسے ہی میری نگاہ سامنے اٹھی تو آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ میرے عین سامنے اظفر فاروق نامی نوجوان کھڑا تھا جسے تقریباً چار ساڑھے چار سال پہلے دیکھا تھا۔ جس کی شباہت آج بھی مجھے کبھی، کبھی پریشان کرتی تھی، وہ بابا کے بعد زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا جس کے بارے میں، میں نے کبھی، کبھی سوچا تھا۔ ایک کسک، ایک خلش آج بھی کہیں نہ کہیں میرے اندر موجود تھی۔ میں آنکھیں پھاڑے یکلخت انہیں دیکھے جارہی تھی۔ میرے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ یہی حالت اظفر



Digitized by Google

کی بھی تھی وہ بھی آنکھیں پھاڑے مجھے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ خواب کی سی کیفیت میں ہوں یہاں اور نہ کے درمیان بابا نے پہلو بدلا تب مجھے اپنی وارفتگی کا احساس ہوا شاید اسی لیے اظفر بھی چونکے۔

”وعلیکم السلام۔“ کہہ کر اظفر جلدی سے صوفے پر واپس بیٹھ گئے، افروز آپا نے اپنے برابر میں میرے لیے جگہ بنائی میں نے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ٹرے میز پر رکھی اور افروز آپا کے برابر جا بیٹھی۔

”اظفر یہ افروز کی چھوٹی بہن بلکہ میری بھی بہن پارس عبدالرحمٰن ہیں، ماشاء اللہ ماسٹرز کیا ہوا ہے، ذہین، لائق اور بہت اچھی لڑکی ہے۔ کھانے بھی اچھے بناتی ہے اور چائے کا اندازہ تو تمہیں ابھی ہو جائے گا۔“ کمال بھائی کچھ مزاحیہ اور کچھ محبت آمیز لہجے میں اپنے طور سے میرا تعارف کروا دیا۔

اظفر نیچی نگاہیں کیے بیٹھے تھے کمال بھائی کی بات پر خفیف سا مسکرائے اور ایک اچٹتی نظر مجھ پر ڈالی اور ہلکا سا سر ہلا کر کمال بھائی کی جانب دیکھا۔ انہوں نے اپنی کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا لگتا تھا خود پر کافی قابو پایا ہوا ہے۔

”بابا، اماں! اظفر ہیں تو ہمارے دور کے رشتے دار گو کہ کم کم آنا جانا ہوتا ہے مگر میں اس بات کی گارنٹی لے سکتا ہوں کہ انتہائی سادہ مزاج، شریف اور اعلیٰ صفات کا حامل نوجوان ہے۔ بہت کم عمری میں والدین کا انتقال ہو گیا۔ دادی نے سنبھالا والد کی چھوٹی موٹی جائداد اور گھر تھا۔ ایک دکان ہے جو کرائے پر دے رکھی ہے۔ اظفر نے ماسٹرز کیا ہوا ہے اور اب ایک فرم میں اچھی جاب کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اظفر کے آجانے سے آپ کو بیٹا اور اظفر کو والدین مل جائیں گے۔ آگے آپ لوگ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔“ کمال بھائی نے شاید زندگی میں پہلی بار اتنی مختصر اور جامع گفتگو کی تھی میں حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”کمال میاں! بات دراصل یہ ہے کہ اگر تم اتنے بھروسے کا اظہار کر رہے ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن میرے خیال میں، شادی کے معاملے میں لڑکے اور لڑکی کو کھلی آزادی اور فیصلے کا حق ملنا چاہیے اس لیے میں پارس سے پوچھے بنا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، ہمیں کچھ وقت درکار ہوگا۔“

بابا نے بات شروع کی تو میں نے وہاں سے اٹھ جانا مناسب سمجھا میں اظفر کی والہانہ نگاہیں محسوس کر رہی تھی۔ لیکن دل عجیب انداز سے دھڑک رہا تھا۔ میں شش و پنج کا شکار تھی۔ بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہلنے لگی کافی دیر تک ڈرائنگ روم میں باتیں ہوئیں کبھی ہنسنے کی آواز بھی آجاتی، کافی اچھے اور خوشگوار ماحول میں اظفر نے جانے کی اجازت چاہی، کمال بھائی اور افروز آپا رک گئے تھے۔

”ہاں بھئی! لڑکا کیسا لگا تم کو بابا، اماں کو تو بہت، بہت پسند آیا ہے۔“ افروز آپا میرے کمرے میں آگئیں۔

”آپا مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر؟“ اندر جانے کیوں لفظ میرے ہونٹوں پر آکر رک گئے اور میں افروز آپا کے گلے لگ کر رونے لگی۔

”ارے، ارے پگلی! کیا ہو گیا ہے، کوئی آج ہی رخصت تھوڑی کر رہے ہیں تمہیں۔ یہ کیا حرکت ہے؟“ افروز آپا نے مجھے بانہوں میں بھر کر پیار سے میرے گال چوم لیے۔

”آپا، اماں اور بابا۔“ میں منمنائی۔

”ارے پاگل لڑکی یہی تو باتیں ہو رہی تھیں ہماری، تم کیا سمجھتی ہو صرف تمہیں اماں، بابا سے محبت ہے، ہم ان کے لیے نہیں سوچتے۔ میں تو میں، کمال کو بھی بہت خیال ہے اماں اور بابا کا اسی لیے تو انہوں نے اظفر کے رشتے پر زور دیا ہے۔“ افروز آپا نے مجھے کاندھے سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے پیار سے کہا۔

”مطلب.....؟“ میں کچھ نہیں سمجھی۔

”مطلب یہ کہ کیونکہ اظفر بھی اکیلا بندہ ہے تو اس کو اس بات پر اعتراض نہیں کہ وہ گھر داماد بن کر رہے۔ ہم اسی کوشش میں تھے کہ کوئی اچھا بھی ہو اور ایسا پروپوزل آجائے کہ تمہارے خدشات اور فکر بھی دور ہو جائے اور اماں، بابا کی ذمے داری بھی آسانی سے پوری ہو سکے۔ اظفر کو کمال نے پہلے ہی تمام حالات بتا دیے تھے اور اظفر راضی بھی ہو گیا تھا۔ اب تم شادی کی تیاری کرو کیونکہ تین ماہ بعد سطوت اور ملاحت آرہی ہیں بچوں کی چھٹیاں ہیں اس لیے تمہاری شادی کردی جائے گی فی الحال تم اظفر کے ساتھ رخصت ہو جاؤ گی اور جب سطوت، ملاحت واپس سعودیہ واپس چلے جائیں گے تو تم لوگ یہاں شفٹ ہو جاؤ گے۔ اب تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں تمہیں۔“ افروز آپا کی بات سن کر مجھے


Digitized by Google

ان سے زیادہ کمال بھائی پر پیار آگیا۔ کتنے اچھے تھے وہ کتنا سوچتے تھے میرے بارے میں، میں ہی ان کو کافی روڈ سمجھتی تھی۔ میں بھیگی آنکھوں سے مسکرادی اسی مسکراہٹ میں میری رضامندی افروز آپا کو نظر آگئی تھی۔ تب ہی انہوں نے مجھے گلے لگا کر میرے ماتھے پر بوسہ لے لیا۔ واقعی بہنیں دل کے کتنے قریب ہوتی ہیں، کتنا خوب صورت رشتہ ہوتا ہے بہنوں کا، قریب ہو یا دور، دل کے ہمیشہ قریب رہتی ہیں بہنوں کے گلے سے لگ کر، ان سے دل کی باتیں کرنا، اپنی پریشانیاں شیئر کرنا اور پھر سر جوڑ کر ان پریشانیوں کا حل ڈھونڈنا یہ سب کچھ کتنا نیچرل ہوتا ہے۔

میرے دل پر اسی ایک بات کی وجہ سے جو بوجھ گزشتہ سات آٹھ سال سے تھا وہ ایک دم جیسے اتر گیا تھا۔ اللہ پاک نے میری دعائیں قبول کرلی تھیں۔ اظفر فاروق جو میرے لیے صرف ایک یاد بن کر رہ گئے تھے بڑے خوب صورت اور ڈرامائی انداز میں میری زندگی میں آگئے تھے۔ کبھی، کبھی اللہ پاک ہماری وہ خواہشات بھی پوری کردیتا ہے جو محض ہماری سوچ میں ہمارے ذہن میں ہوا کے جھونکے کے مانند آکر گزر جاتی ہیں اور جن کے پورے ہونے کی قطعاً امید نہیں ہوتی۔ اگر کبھی خیال آتا بھی ہے تو ہم سر جھٹک کر اپنی سوچ کا رخ زبردستی کسی اور جانب موڑنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ہمارا رب جو ہم سے ستر ماؤں کی محبت رکھتا ہے وہ، وہ جب اپنی رحمت اور سخاوت کا در کھولتا ہے تو ہمارے دامن اس کی رحمتیں سمیٹتے، سمیٹتے تنگ پڑنے لگتے ہیں، وہ عطا کرنے پر آتا ہے تو خزانوں کے منہ کھول دیتا ہے، یہی حال میرا تھا دل کے کسی کونے میں ایک نام جو مدت پہلے اپنا نقش چھوڑ گیا تھا آج آج وہی میرا طلبگار بن کر میرے سامنے تھا۔

گھر میں ایک بار پھر خوشگوار چہل پہل ہوگئی۔ میری شادی کی ڈیٹ فکس ہوچکی تھی اظفر کے بارے میں جاننے اور باتیں کرنے کو جی چاہتا تھا مگر اظفر بذات خود سوبر اور سنجیدہ تھے اور پھر بابا کی فطرت اور منشا کو اچھی طرح جان چکے تھے جبھی انہوں نے بھی مجھ سے براہ راست بات کرنے کی کوشش کی، نہ ہی مجھ سے فون پر رابطہ کرنا چاہا۔ ان کی منطق بھی معقول تھی بقول افروز آپا کہ لڑکا لڑکی کا پہلے سے ملنا، بات چیت کرنا اور ایک دوسرے کو جان لینا وہ ایکسائٹمنٹ ختم کردیتا ہے جو اس وقت لڑکے، لڑکی کے دل میں ہوتی ہے۔ ان کی اپنی سوچ تھی اور شاید کسی حد تک ٹھیک بھی تھی۔ مہروز آپا وقت سے پہلے آگئی تھیں تو افروز آپا کی خاص الخاص انٹری تھی۔ اس لیے کمال بھائی نے افروز آپا کو بھی کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔ سلوت آپا اور ملاحت آپا آگئیں تو گھر میں ایک دم سے خوشگوار ہنگامے جاگ اٹھے۔ ساری بہنیں کافی دنوں بعد اکٹھی ہوئی تھیں۔ اماں، بابا کے چہروں پر بھالی آگئی تھی ہم سب مل کر خوب، خوب انجوائے کرتے۔ بڑے بہنوئی کمال بھائی، اعظم بھائی اور معظم بھائی بھی آجاتے تو گھر میں خوب رونق لگ جاتی۔ اظفر کی طرف سے اصرار تھا کہ جہیز کے نام پر کوئی چیز نہیں چاہیے گو کہ اماں اور بابا اپنے طور سے تیاریاں کررہے تھے۔ لیکن اظفر بھی بلند تھے کہ وہ اپنے زور بازو پر بھروسا کرتے ہیں اور ان کو جہیز سے کوئی دلچسپی نہیں ان کے خیال میں والدین کے لیے بیٹی سے زیادہ کوئی شے قیمتی نہیں ہوتی جسے زمانے کے سرد و گرم سے بچا، بچا کر پال پوس کر بڑا کرتے ہیں، زیور تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں اور پھر اس دل کے ٹکڑے کو کسی اور کے گھر کی زینت بنا دیتے ہیں۔ بیٹیوں کے والدین سے کوئی پوچھے کہ ان کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ اس بیٹی کے آگے لاکھوں، کروڑوں کی بے جان چیزوں کی کتنی اہمیت ہے؟ کیا وہ لاکھوں کروڑوں کے بدلے بیٹی کے اچھے نصیب خرید سکتے ہیں؟ نہیں ناں تو پھر جب اتنی قیمتی بیٹی کسی کو سونپ دیتے ہیں تو پھر یہ جہیز اور مادی اشیا کی کیا حیثیت اور کیا اہمیت؟ رشتے بنانے کے لیے، رشتے نبھانے کے لیے لاکھوں کا فرنیچر، قیمتی کپڑے، بیش قیمت سامان، گاڑی اور بنگلا نہیں بلکہ پیار، محبت، خلوص، وفاداری، اعتماد، اعتبار اور اس بھروسے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے ساتھ، ساتھ انسان جھونپڑی میں رہ کر بھی، روکھی سوکھی کھا کر بھی ذہنی طور پر مطمئن رہتا ہے۔ آپس کے تعلقات اور ذہنی ہم آہنگی کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے ضروری ہیں اور اظفر کو اس بات کا یقین تھا کہ ان شاء اللہ ہم اچھی زندگی گزاریں گے۔ انہیں ہمارے والدین کی تربیت پر بھروسا تھا تب گھر میں چاروں بہنیں، بہنوئی، اماں اور بابا نے ایک فیصلہ کیا، میں نے سنا تو احتجاجاً کھڑی ہوگئی۔

"نہیں بابا، یہ کیسی باتیں کررہے ہیں آپ لوگ، اللہ پاک آپ لوگوں کو سلامت رکھے، مجھے ایسا کچھ نہیں چاہیے۔



Digitized by Google

یہ گھر آپ کا ہے اور آپ کا ہی رہے گا، میں بھی ان چاروں کی طرح آپ کی بیٹی ہوں۔"

"پارس! تم بات کو سمجھ نہیں رہی ہو، دیکھو الحمدللہ ہم سب کی شادیاں بابا نے اچھے سے نبٹائیں۔ ہم لوگ مالی طور پر مستحکم بھی ہیں۔ اب جبکہ اظفر جہیز کے سخت خلاف ہے اور دوسری بات یہ کہ تم لوگوں نے یہیں رہنا ہے تو ہم سب کا مشترکہ یہی فیصلہ ہے کہ بابا یہ گھر تمہارے نام کردیں۔" مہروز آپا نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دوبارہ کرسی پر بٹھا کر مدلل لہجے میں سمجھایا۔

"آپا، اللہ پاک بابا کو سلامت رکھے، یہ سب مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔" میری آواز بھرا گئی۔

"اِدھر آؤ میرے پاس۔" بابا جو خاموشی سے مجھے دیکھ رہے تھے مجھے آواز دی اور میں بابا کے پہلو میں آکر بیٹھ گئی۔

"دیکھو بچے! اگر میں اپنی زندگی میں اپنا گھر تمہارے نام کرنا چاہتا ہوں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ خدانخواستہ میں وقت سے پہلے مرجاؤں گا۔"

"اللہ نہ کرے۔" میں نے تڑپ کر بابا کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"بگی! اللہ پاک نے جتنی زندگی لکھ دی، وہ لکھ دی، اب دیکھو اتنے شدید ایکسیڈنٹ کے بعد اللہ پاک نے مجھے زندگی دے دی۔ اس لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر تمہاری بہنیں اور بہنوئی اپنی خوشی اور مرضی سے یہ کرنا چاہتے ہیں تو تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور ایسا بھی ممکن نہیں کہ تم ہمیں اپنے گھر سے بے دخل کردو گی، ہے ناں؟" بابا نے آخری جملہ از راہِ مذاق کہا تھا لیکن میں بابا سے لپٹ گئی میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"بابا پلیز۔" میں نے خفگی سے ان کی جانب دیکھا، بابا نے مجھے سینے سے لگالیا۔ سب لوگ مسکرادیے۔

پھر ضروری کارروائی کی گئی کیونکہ بھی بہنیں موجود تھیں اور بابا نے گھر میرے نام کردیا، اظفر کو یہ بات بھی اچھی نہیں لگی تھی لیکن کمال بھائی نے ان کو سمجھا دیا تھا۔ شادی کی تقریبات شروع ہوچکی تھیں وہی روایتی رسومات جو شروع سے ہوتی چلی آئی تھیں، دنیا بدل گئی لیکن اماں کے گھر کے طور طریقے اور رسومات نہ بدلیں۔ آج بھی گوٹے، چمپے اور کرن والا میرا مایوں کا سوٹ اماں نے خود ہی تیار کیا تھا۔ مٹھائی بھی گھر میں بنی اور رت جگے میں گلگلے اور ملیدہ بھی چچی اور تائی اماں نے ہی بنایا، لگن تھی، ارمان تھا اور رشتے میں خلوص تھا تب ہی اچھی خاصی عمر رسیدہ خواتین اماں، تائی اماں اور چچی اماں میں آج بھی وہی پھرتی، وہی تیزی اور رسومات کی پاسداری قائم تھی۔

پھر میری برات والا دن بھی آگیا، میرے دل کے تمام خدشات، واہمے اور پریشانیاں ختم ہوچکے تھے۔ میں خاصی مطمئن تھی اظفر کے بارے میں جانتی تو بہت کم تھی مگر سنا بہت کچھ تھا سو کالج کے زمانے کا اظفر آج بھی یاد تھا سوبر، سنجیدہ اور شریف، اس سے بھی اظفر کی فطرت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا سو میں بہت مطمئن تھی۔ گھر کی آخری شادی تھی بہنوں نے بھانجے اور بھانجیوں نے بھی خوب، خوب ارمان نکالے۔ میں اماں کی نصیحت اور بابا کا ڈھیر سارا پیار اور دعائیں اپنے پلو میں باندھ کر اظفر کی زندگی میں آگئی۔ اظفر کے کچھ دور کے رشتے دار جو کمال بھائی کی فیملی سے تعلق رکھتے تھے وہ اور کچھ دوستوں نے برات میں شرکت کی۔ مجھے اظفر ہی بیڈ روم تک لائے اور پھر کچھ دیر کے لیے باہر چلے گئے۔ میں بے تاب تھی اظفر سے سب جاننے کے لیے، ان سے ان کے متعلق بات کرنے کے لیے، اظفر کے جانے کے بعد میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ صاف ستھرا کمرا جس کی بڑی، بڑی کھڑکیاں جو باہر کی جانب کھلتی تھیں۔ ہوادار کمرے مجھے ویسے ہی پسند تھے۔ باہر کی ہوا کی بات ہی الگ ہوتی ہے۔ بیڈ پر خوب صورت سی چادر بچھی تھی۔ الماری، ڈریسنگ ٹیبل اور سائڈ ٹیبل پر ساری چیزیں ظاہر ہے اظفر نے خود ہی ارینج کی ہوں گی۔ ہر چیز نفیس تھی، ابھی میں نے کمر سیدھی ہی کی تھی کہ اظفر کمرے میں آگئے، میں جلدی سے سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اظفر خراماں، خراماں چلتے ہوئے آئے اور بیڈ پر ٹک گئے۔

"پارس، تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں آج کتنا، کتنا خوش ہوں، میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تم، تم یوں اچانک سے میری زندگی میں آجاؤ گی۔ تم بتاؤ تم تو خوش ہو ناں؟" اب میں اس کا کیا جواب دیتی ہے ظاہر ہے جبھی تو دلہن بنی بیٹھی تھی۔ میں نے کچھ نہ کہا، میری خاموشی کو میری شرم وحیا سمجھتے ہوئے انہوں نے مزید کچھ نہ پوچھا بس اپنی بات جاری رکھی۔

"قسم خدا کی پارس، تم وہ واحد لڑکی تھیں جسے دیکھ کر

میرے دل نے دھڑکنا سیکھا تھا، تم مجھے پہلی ہی نظر میں اچھی لگی تھیں۔ تم سب سے منفرد اور الگ مزاج کی تھیں اس لیے کچھ کہنے کے لیے موقع کی تلاش میں رہا کہ تم نے ہمیشہ کے لیے کالج چھوڑ دیا۔ اس وقت میں بہت دکھی تھا، بہت اداس کوئی رابطے کی صورت نہ تھی اور پھر سلینہ نام کا وہ فتنہ جو ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑ گئی۔ تمہارے کالج چھوڑنے کے بعد وہ صاف کہتی تھی کہ مجھے معلوم ہے تم اس دو کوڑی کی لڑکی کے پیچھے لٹو ہو لیکن وہ تمہیں کبھی نہیں مل سکتی۔ اس نے مجھ پر بہت ڈورے ڈالے لالچ بھی دی لیکن میں اس کے چنگل سے بچتا رہا اس وقت میں نے بھی کالج جانا بہت کم کر دیا تھا، میرے دل و دماغ پر تو تم ہی تم سوار تھیں۔ یقین کرو، میں نے تم کو اللہ پاک سے ہر دعا میں مانگا۔ دیکھو میری لگن کتنی سچی تھی۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے میرے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''کمال بھائی مجھے بچپن سے جانتے ہیں، تمہارے حوالے سے انہوں نے مجھ سے کھل کر ساری بات کی مگر مجھے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ وہ لڑکی تم ہی ہوگی۔ اور جب میں تمہارے گھر آیا اور سامنے تمہیں دیکھا تو یقین کرو، اس رات گھر آ کر زندگی میں پہلی بار میں بہت رویا اپنے رب کی عطا پر اس کے اس کرم پر کہ اس نے کس طرح میری خاموش محبت کی آہ سن لی، اس نے میری خواہش کس طرح پوری کر دی۔ میں اللہ پاک کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔'' میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی اظفر جو شاید یہ سب کچھ کہنے کو مجھ سے زیادہ بے تاب تھے جذب کے عالم میں بولتے چلے جا رہے تھے اور میں دم بخود پوری آنکھیں کھولے انہیں دیکھ رہی تھی کتنے معصوم لگ رہے تھے وہ ایک، ایک لفظ سے سچائی اور... پُرخلوص جذبے نمایاں تھے۔ ان کی آنکھوں میں کتنی خوب صورت چمک تھی، جگنوؤں جیسی ان کے چہرے پر اس بچے کی طرح معصومیت اور سچی خوشی تھی جسے اس کا من پسند کھلونا جو اس کی دسترس میں نہ ہو اور اچانک سے ہی مل جاتا ہے۔ مجھے اظفر پر پیار آ رہا تھا۔

''کیا ہوا؟ پارس ایسے کیا دیکھ رہی ہو، نظر لگاؤ گی کیا؟'' اظفر کی مسکراتی آنکھوں نے مجھے محبت پاش نظروں سے دیکھ کر معصومیت سے سوال کیا تو میں گڑبڑا گئی۔

''ہاہاہا۔'' اظفر خوشدلی سے ہنس دیے۔

''ویسے سچ، سچ بتانا پارس، کیا میں تمہیں یاد تھا؟'' اظفر کی بات پر میں نے ان کو بغور دیکھا۔

''سچ پوچھیں تو اظفر، آپ زندگی میں آنے والے واحد مرد ہیں۔'' میرے ہاتھ بدستور ان کے ہاتھوں میں تھے۔ ''جسے میں نے سوچا، گزشتہ سالوں میں یاد کیا۔ اظفر مجھے آپ سے کالج والی آخری ملاقات اور آپ کی آنکھوں میں چھائی اداسی نے ہمیشہ تنگ کیا۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں بھی کبھی، کبھی آپ کے نام کی میٹھی سی کسک ضرور ہوتی تھی۔ شاید ہم دونوں کی خاموش اور پاکیزہ محبت ہی تھی کہ اتنے سالوں بعد ہم یوں مل گئے واقعی جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور اللہ پاک نے میرا نام آپ کے نام سے جوڑ دیا تھا سو ہمیں تو ملنا ہی تھا ناں، یہ آپ کی دعاؤں کا ثمر ہے اور میں بھی خوش نصیب ہوں کہ مجھے آپ ملے ہیں۔'' اب میرے بولنے کی باری تھی۔

''اچھا جی تو یہ بات ہے، بیگم صاحبہ بھی چپکے، چپکے دل لگا بیٹھی تھیں۔ وہ دیکھو چاند بھی ہمارے ملن میں کتنا خوش ہے کھڑکی میں سے جھانک کر ہمیں ہمارے ملن کی مبارک باد دے رہا ہے، سنو تو وہ کیا کہہ رہا ہے۔'' اظفر مخمور لہجے میں کہتے ہوئے مجھ سے مزید قریب ہوئے۔ کھڑکی سے جھانکتے چاند نے شرما کر بادلوں میں منہ چھپا لیا۔

اظفر کی زندگی میں آ کر میں خود کو دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی تصور کرتی تھی۔ اظفر نہ صرف اچھی صورت بلکہ نہایت اچھی سیرت کے حامل انسان تھے۔ نرم خو، نرم مزاج اور محبت سے گندھے ہوئے۔ اچھا بھلا گھر تھا۔ اچھی جاب تھی مجھے کس چیز کی کمی تھی۔ پھر ایک ماہ یونہی دعوتوں وغیرہ میں گزر گیا۔ جب بہنوں نے اپنے، اپنے گھروں کو رختِ سفر باندھا تو میں اور اظفر بھی بابا کے گھر شفٹ ہو گئے۔ کفیل بھائی کا ٹرانسفر ہو چکا تھا اس لیے اوپر کا پورشن خالی ہو گیا تھا۔ اس دوران کمال بھائی نے اسے صاف ستھرا کروا دیا تھا۔ میں اور اظفر اوپر کے پورشن میں شفٹ ہو گئے، صبح اظفر آفس جاتے تو میں نیچے آ جاتی سارا دن اماں، بابا کے ساتھ ہی گزرتا شام کو اظفر آ جاتے تو ہم سب اکٹھے چائے پیتے پھر اظفر کے ساتھ اوپر چلی جاتی۔ رات کا کھانا میں دن میں ہی تیار کر لیتی سب مل کر کھانا کھاتے کچھ دیر اماں، ابا کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے اور پھر اوپر آ جاتے۔ اظفر کے ہونے سے گھر کے بہت سے کام بہ آسانی ہو جاتے



Digitized by Google

تھے۔ بجلی، گیس کا بل جمع کروانا یا اور کوئی باہر کے کام، وہ اظفر کر لیتے باقی کام بابا اور میں کر لیتے۔ ہماری زندگی بہت پُرسکون اور قابلِ رشک تھی۔ اظفر کی محبت اور بے پناہ چاہتوں کے ساتھ وقت گزرتا چلا گیا۔ دن، ہفتے، ماہ، سال میں بدلتے چلے گئے۔

دس سال یوں پلک جھپکتے گزر گئے۔ ان دس سالوں میں مجھ پر قیامتیں بھی ٹوٹیں جب دسمبر کے سرد موسم میں بابا اور اماں یکے بعد دیگرے داغِ مفارقت دے گئے، میں کئی دن ہوش میں نہیں تھی۔ میرے لیے یہ ایسا معمولی نہ تھا۔ ایک قیامت تھی جو مجھ پر بار، بار گزری تھی ایسے میں اظفر کی چاہت اور مضبوط بازوؤں نے مجھے بھرپور سہارا دیا۔ دکھ، درد، رنج و الم اور اذیت ہر شخص کی زندگی میں آتے ہیں۔ زندگی کے نشیب و فراز میں ملے دکھ ایسے ہوتے ہیں کہ انسان سمجھتا ہے کہ اس دکھ کے آگے وہ کھڑا نہیں رہ پائے گا۔ شاید وہ خود بھی مر جائے لیکن دکھ کے ان لمحات میں کہ ہمیں ہمارے بچھڑے ہوئے پیارے واپس تو نہیں ملتے لیکن کچھ کاندھے ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر سر رکھ کر ہمارے دکھ کم ضرور ہو جاتے ہیں، دکھوں کی شدت میں کمی ضرور آجاتی ہے سو اظفر کے کاندھے نے مجھے اس قیامت سے نکالا تھا۔ وہیں عبدالرحمن اور ریطہ میری گود میں آگئے میرا سونا آنگن ایک بار پھر چہک اٹھا، اللہ پاک نے ننھے منے فرشتے دے کر ہماری زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کر دی۔ وقت کے ساتھ، ساتھ ہم نے گھر کی مزید مرمت کروائی تھی الحمدللہ آج بہترین حالت میں تھا، اظفر ترقی پر ترقی کرتے گئے آج اسی فرم میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے، میرے دونوں بچے بہترین اسکول میں زیرِ تعلیم تھے۔ میری خواہش کے مطابق اظفر نے اپنے گھر کو اسکول کا درجہ دے دیا تھا برابر والی بلڈنگ بھی کرایے پر لے کر اسکول میں شامل کر لی۔ اسکول کھولے کچھ وقت ہی ہوا تھا اور اللہ کے فضل سے مجھے کچھ اچھی ٹیچرز مل گئی تھیں۔ مگر اب بھی کچھ ٹیچرز کی ضرورت تھی۔ ماشاء اللہ دھڑا دھڑ ایڈمیشن ہو رہے تھے۔ مجھے میری امید سے زیادہ کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ اس میں اللہ کا فضل، اماں اور بابا کی دعائیں شامل تھیں۔ ہمارے قرب و جوار میں کوئی معیاری اسکول نہیں تھے اس لیے بھی کافی پزیرائی مل رہی تھی۔ دروازے کی تیز گھنٹی سے میں یک بیک بری طرح چونکی سامنے گھڑی پر نظر ڈالی۔ اُف، میں ماضی میں کس طرح کھوئی کہ وقت کا احساس ہی نہیں ہوا جلدی سے دوپٹا سر پر ڈال کر باہر کی طرف بھاگی۔ دودھ والا آیا تھا۔

''اوہ عصر کا وقت کب کا ہو چکا۔'' بچے بھی اٹھ گئے تھے۔ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو بچوں کے ٹیوٹر نعیم انکل جو کہ عمر رسیدہ تھے آگئے، بچے، کتابیں لیے ڈرائنگ روم کی طرف چل دیے اور میں چائے بنانے کی غرض سے کچن میں آگئی۔ اظفر بھی آنے والے تھے، چائے بناتے ہوئے بھی میرے ذہن میں سلینہ تھی۔ حالانکہ گزشتہ دس سالوں میں اظفر نے اس کے بارے میں بہت سی منفی باتیں بتائی تھیں، انہیں سلینہ سے نفرت تھی، خیر محبت تو مجھے بھی نہیں تھی۔ آج اس کی حالت قابلِ رحم ضرور تھی۔

''اظفر آج سلینہ اسکول آئی تھی۔'' رات کو میں تمام کاموں سے فارغ ہو کر بچوں کو ان کے کمرے میں لٹا کر اپنے بیڈ روم میں آئی تو اظفر بیڈ پر لیٹے ٹی وی دیکھ رہے تھے، میری بات پر بیڈ سے تقریباً اچھل ہی پڑے۔

''ہائیں وہ..... وہ خاتون کیسے اور کیوں تشریف لائیں؟'' اظفر کا یوں ری ایکٹ کرنا میری توقع کے عین مطابق تھا۔

''آپ کو یقین نہیں آئے گا، آج اس کو دیکھا تو میں پہچان نہیں سکی۔ وہ انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں تھی اور بہت معمولی سی عورت لگ رہی تھی۔ بکھرے بال، میلے کپڑے اور کمزور و مضمحل لگتا ہے اس کے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔''

''مگر مگر وہ تمہارے اسکول کیوں آئی تھی؟'' اظفر میری لمبی چوڑی تمہید سے چڑ کر بولے۔

''وہ اشتہار دیکھ کر ٹیچر کے لیے انٹرویو دینے آئی تھی اور مجھے دیکھ کر بے حد شرمندہ ہوئی۔ جاتے، جاتے اس نے مجھ سے معافی بھی مانگی۔'' میں نے بات جاری رکھی۔ ''دیکھو اللہ پاک نے کیسا بدلہ دیا اسے۔ وہ کروفر والی، مغرور اور بدلحاظ لڑکی، آج کتنی مجبور ہو گئی۔ سچ پوچھو تو مجھے اس پر ترس آرہا تھا۔ وقت اور حالات نے اسے نہ جانے کیسے اس حال پر پہنچا دیا۔'' میرے لہجے میں اس کے لیے ہمدردی تھی۔

''افوہ، بس بھی کرو اب یہ خدا ترسی، یاد نہیں اس نے کیا کچھ نہیں کہا تمہیں اور پھر مجھے، ہم نے تو کچھ نہیں کہا ناں اب اللہ پاک نے اسے اس کے کیے کی سزا دے دی



Digitized by Google

ہے یہی مکافاتِ عمل ہے۔ اللہ پاک کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ جب انسان آپے سے باہر ہو جاتا ہے ناں خود کو زمینی خدا سمجھنے لگتا ہے تو اللہ پاک اس کی رسی ضرور کھینچتا ہے۔ یہی اس کے ساتھ ہوا ہے۔'' اظفر کے لہجے میں اس کے لیے اب بھی غصہ تھا۔

''اظفر آپ صحیح کہہ رہے ہیں، اللہ پاک نے ہمیں بدلے کا حق دیا ہے لیکن معاف کردینے کا اجر اس سے کہیں زیادہ رکھا ہے۔ خدا کی قسم اظفر آج مجھے اس کی حالت دیکھ کر حقیقتاً افسوس ہوا اللہ پاک نے ہمارے اوپر اتنا کرم کیا ہے۔ اگر آج ایک بار پھر وہ ہم سے کوئی اچھا کام کروانا چاہتا ہے تو میرے خیال سے ہمیں بڑے دل کے ساتھ بڑے پن کا بھی ثبوت دینا چاہیے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کہیں تو ایک بار اسے بلوا کر اس سے بات کروں، میں اس کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔'' میں نے بات ختم کر کے اظفر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اظفر محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

''پارس! تم کیسی عورت ہو؟ کیسا موم کا دل ہے تمہارے پاس کسی کے لیے بھی برائی نہیں سوچ سکتیں تم اس کے لیے بھی کہ جس نے تمہارے ساتھ ایسا کیا کہ تم نے اس کی وجہ سے کالج تک چھوڑ دیا۔'' اظفر میرے ہاتھ تھامے نرم لہجے میں مجھ سے مخاطب تھے ان کی آنکھوں میں میرے لیے عزت، احترام، مان، محبت تھی، نہ جانے کیوں میری پلکیں بھیگ گئیں۔

''مجھے اور کیا چاہیے اظفر، الحمد للہ مکمل گھر، عزت آپ کا پیار، اعتماد اور آپ کا خوب صورت اور محفوظ ساتھ نصیب ہوا ہے، اللہ پاک نے اولاد کی نعمت سے نواز رکھا ہے۔ میں خود کو دنیا کی سب سے امیر ترین عورت سمجھتی ہوں اظفر۔'' میرے آنسو نکل آئے تھے۔ اظفر نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لگا لیا، میں فطرتاً حساس بھی تھی، اظفر یہ بات اچھی طرح جانتے تھے۔

دوسرے دن حسبِ معمول اسکول گئی۔ آج موسم خاصا سرد تھا اس لیے چھوٹے بچوں کی حاضری کم تھی۔ میرے پاس آنے والی لڑکیوں کے ڈیٹا میرے پاس محفوظ ہوتے تھے۔ میں نے وہ چیک کیا تو مجھے سلینہ کا سیل نمبر بھی مل گیا۔ میں نے سلینہ کو کال ملائی اس نے فوراً ریسیو کر لی تھی۔

''جی ہیلو کون؟'' اس کی آواز آئی۔

''میں، میں پارس بات کر رہی ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ گڑبڑا گئی۔

''اوہو، جی، جی السلام علیکم۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''میں، تم سے ملنا چاہتی ہوں اگر آسکتی ہو تو میرے گھر پر آجانا۔'' میری بات سن کر وہ فوراً ہی مان گئی۔

''جی، جی ضرور۔'' میں نے اسے ایڈریس سمجھا دیا تھا۔

آج اسکول کا آخری دن تھا کل سے سردیوں کی چھٹیاں تھیں اس لیے میں نے آج ہی ٹیچرز کی فائنل لسٹ تیار کرنی تھی تاکہ نئے سال کی شروعات سے نئی ٹیچرز کو اپائنٹ کرلوں۔ ضروری کام نپٹا کر میں نے کلرک کو لسٹ تھما دی تھی۔

اسی شام ساڑھے چار بجے سلینہ میرے گھر میں میرے سامنے موجود تھی۔ سلینہ کے ساتھ عبدالرحمٰن کی ہم عمر بچی بھی تھی۔ بچی نے اتنے سخت موسم میں عام سے کپڑے اور معمولی سا سوئٹر پہن رکھا تھا۔ مجھے سچ میں ان کی حالت دیکھ کر دلی افسوس ہو رہا تھا۔ میں نے بچوں کو دوسرے روم میں بھیج دیا تاکہ ان کے سامنے سلینہ سے کوئی بات نہ کروں۔ آج بھی سلینہ کی حالت، اس کے کپڑے اور اوپر اوڑھی گئی شال سے اس کی معمولی حیثیت جھلک رہی تھی۔ وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی اور بار، بار پہلو بدل رہی تھی میں نے گرم، گرم چائے اس کی جانب بڑھائی اور اس کے قریب صوفے پر جا بیٹھی۔

''دیکھو سلینہ، میں پرانی کوئی بات یاد نہیں کرنا چاہتی۔ اس لیے تم ماضی کے بارے میں شرمندہ ہونے کے بجائے مجھے صرف اپنے بارے میں بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا حادثہ ہوا اور تمہیں نوکری کی ضرورت کیوں پیش آئی اور یہ بچی کون ہے؟'' میری بات پر اس نے دزدیدہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ ٹھنڈی سانس لی، ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ سامنے ٹیبل پر رکھا اور کہنا شروع کیا۔

''پارس! تم تو جانتی ہو کہ میں امیر والدین کی بیٹی تھی اور اکلوتی بھی سو حد درجہ بدتمیز، مغرور اور بدلحاظ تھی۔ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ کالج میں ایک لڑکے کو پسند کیا مگر وہ... وہ بھی اور کو چاہتا تھا پھر ایک اور لڑکا مجھے پسند آگیا جس سے میری کسی پارٹی میں ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لڑکا فراڈ ہے، وہ دولت کا بھوکا تھا اور مجھ



Digitized by Google

جیسی حیز طرار لڑکی اس کے جال میں نہ جانے کیسے پھنس گئی۔ میرے پاپا اور مما نے مجھے منع بھی کیا لیکن میں کسی صورت اسے چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ بظاہر وہ بھی امیر لگتا تھا مگر وہ سب جھوٹ تھا فراڈ تھا، بہرحال جب مما اور پاپا نے سختی کی تو میں نے اس سے کورٹ میرج کرلی۔ کچھ دن مما اور پاپا ناراض رہے لیکن جب میری بیٹی پیدا ہوئی تو انہوں نے مجھے معاف کردیا۔ بس ریحان کو اسی دن کا انتظار تھا۔ اِدھر پاپا اور مما نے معاف کیا اُدھر اس نے مجھ سے یہ کہنا شروع کردیا کہ ہمیں مما پاپا کے ساتھ رہنا چاہیے، ان کا کاروبار کون دیکھے گا، مجھے بھی یہ بات سچ لگی اور پاپا بھی ریحان پر بھروسا کرنے لگے۔ تب مجھے اس نے بتایا کہ اس کا وہ گھر جس میں ہم رہتے ہیں کسی دوست کا تھا جو باہر تھا اور اب وہ لوگ واپس آرہے تھے اتنا اچھا فل فرنشڈ گھر تھا۔ مجھے دھچکا لگا کہ اس نے جھوٹ کیوں کہا کہ یہ اپنا گھر ہے تب اس نے کہا کہ گھر تو میرا بھی تھا مگر کاروبار میں نقصان کی وجہ سے گھر بیچنا پڑا، یہ ایک اور جھوٹ تھا۔ مجھے بہت دکھ ہوا بہرحال پاپا کے پاس کچھ کمی نہیں تھی سو ہم لوگ وہاں آگئے مگر ہمیں اندازہ بھی نہیں ہوا تھا کہ ریحان نے پاپا کے کاروبار میں ان کے ساتھ شراکت کرکے ان کو آہستہ آہستہ کھوکھلا کرنا شروع کردیا سو کاروبار میں گھاٹے پہ گھاٹا ہوتا رہا۔ اور پاپا کو اس صدمے سے ہارٹ اٹیک ہوگیا ان کی بیماری میں نہ جانے کس طرح ریحان نے پاپا سے سارا کاروبار اپنے نام کروالیا۔ وہ بیچارے اس پر اندھا اعتماد کرتے تھے سو ایک وقت ایسا آیا کہ ہمارا سب کچھ ریحان کا ہوگیا تھا۔ مما اور پاپا کا انتقال ہوگیا یہاں تک کہ گھر بھی ریحان نے جعلی دستاویزات سے اپنے نام کروالیا تھا اور بعد میں مجھے دھمکی دی کہ اگر منہ کھولا تو فیری کو قتل کردوں گا۔ میں چپ رہی، میں اپنے فیصلے پر پچھتاتی رہی۔ پھر ریحان نے دوسری شادی کرلی اور میری حالت نوکرانی سے بھی بدتر ہوگئی تھی۔ میں وہاں رہنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک بار میری اس سے شدید منہ ماری ہوگئی تو اس نے مجھے کھڑے، کھڑے طلاق دے دی۔ میں بالکل بے یارومددگار روتی پیٹتی اپنی پرانی نوکرانی نسیمہ بی بی کے کوارٹر آگئی۔ میں بھی عورت ہی ہوں اور ساتھ بیٹی بھی، رہنے کو ٹھکانا چاہیے تھا، نسیمہ بی بی نے مجھے سہارا دیا۔ اب میں دن رات روتی رہتی ہوں۔ رو، رو کر اپنے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہتی ہوں، اللہ پاک نے مجھے اتنی سزا دے دی ہے کہ اب جینے سے دل بھر گیا لیکن جب فیری کی طرف دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں میں مرگئی تو اس کا کیا ہوگا۔ میں نے تمہارا بھی بہت دل دکھایا تھا پارس، مجھے معاف کردو۔'' وہ اپنی کہانی سنا رہی تھی۔ میرے پیروں میں آبیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

''ارے یہ کیا کررہی ہو سلینہ پلیز!'' میں گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں بذاتِ خود انہماک سے اس کی کہانی سنتے، سنتے جانے کب رونے لگی تھی۔ میں نے اسے کاندھے سے پکڑ کر اٹھا کر صوفے پر بٹھادیا۔ ٹشو بکس سے ٹشو نکال کر اس کے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا۔

''سلینہ! میں نے تمہیں صدقِ دل سے معاف کیا، تم اب یہ بات مت کرنا۔ ہاں تمہارے حالات جان کر مجھے واقعتاً بہت دکھ ہوا ہے۔ میں بھی کوئی اتنی بڑی اور دولت مند خاتون نہیں ہوں لیکن تمہارے لیے جو کرسکتی ہوں ان شاءاللہ ضرور کروں گی۔ ویسے بھی گزشتہ چار پانچ سال سے دسمبر کے آتے ہی میرے اندر تک اداسی اتر آتی تھی عجیب سی کیفیت ہوجاتی ہے چھوٹی، چھوٹی بات پر رونا آجاتا ہے۔'' میں نے سلینہ کو ہر ممکن مدد کی یقین دہانی کروائی۔ جب سلینہ جانے کے لیے اٹھی تو اس میں واضح تبدیلی آچکی تھی وہ جس وقت آئی تھی۔ اس وقت شرمندہ، مغموم اور بے کل..... بے کل سی تھی مگر اس کے پپڑی زدہ ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ اور نقاہت بھرے چہرے پر قدرے اطمینان تھا۔

رات کو میں نے اظفر کو ساری کہانی سنائی وہ بھی تاسف سے سنتے رہے۔

''سچ اظفر مجھے بہت برا لگ رہا تھا اسے دیکھ کر تو، اللہ پاک نے اسے کتنا مجبور و بے کس کردیا۔'' میری بات پر اظفر سر ہلا کر رہ گئے۔

اسکول کی چھٹیاں ہوچکی تھیں اور اس بار اظفر نے بچوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بچوں کو آؤٹنگ پر لے جائیں گے۔ بچے خوش تھے، انتہائی سردی ہونے کے باوجود ہم لوگ روزانہ کہیں نہ کہیں گھومنے چلے جاتے، کبھی ڈنر باہر ہوتا تو کبھی کافی پیتے، ان دس بارہ دنوں میں سلینہ سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں نے سلینہ کو کہہ دیا تھا کہ وہ فرسٹ جنوری سے اسکول جوائن کرسکتی ہے۔ سیلری بھی میں نے عام ٹیچرز



Digitized by Google

سے زیادہ دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ آج اکتیس دسمبر تھی۔ اکتیس دسمبر میرے بابا کو ہم سے بچھڑے چھ سال ہو چکے تھے۔ اس دن میں بہت بے چین رہتی تھی۔ اظفر خاص طور پر بیس دسمبر اور اکتیس دسمبر کو میرا خاص خیال رکھتے، میرے بابا اور اماں کی وفات کے دن تھے۔ میں خاص طور پر قرآن خوانی کا اہتمام کرتی تھی۔ جہاں ساری دنیا نئے سال کی خوشیاں مناتی میں اس روز اپنے بابا کے لیے دعائے مغفرت کرتی، ان کے درجات بلند ہونے کے لیے فاتحہ خوانی کرواتی اور میری ہمیشہ سے یہی کوشش ہوتی کہ سال کے آخری ماہ میں کچھ ایسے کام کروں جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو اور ساتھ، ساتھ میرے بابا اور اماں کی روحیں بھی خوش ہوں۔ وہ کام کرتی جو بابا اور اماں کو پسند تھے، گزشتہ پانچ چھ سال سے میرا یہی معمول تھا ایسا سب کر کے مجھے دلی سکون حاصل ہوتا۔ آج بھی صبح سے میں بہت بے کل، بے کل تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر اماں اور بابا کے لیے قرآن پاک کا تحفہ بھیجا۔ ویسے بھی اکتیس دسمبر کو جہاں دنیا میں ہلا گلا اور طوفانِ بدتمیزی بپا ہوتا۔ ہمارے گھر میں اماں، ابا خصوصیت کے ساتھ شکرانے کے نوافل اور پھر اگلے برس کے لیے حاجت کے نوافل پڑھوائے جاتے۔ اور اب جب سے وہ نہ رہے تھے تو میں اس روز قرآن خوانی کرواتی اپنے بابا اور اماں کے لیے اپنی پیاروں کی آسودگی اور خوشحالی کے لیے اور اس کے ساتھ، ساتھ اپنے ملک کے لیے خصوصی دعائیں مانگتی، دعائیں مانگتے، مانگتے میرا دامن آنسوؤں سے تر ہو جاتا پھر میں کھانے کی دیگیں پکوا کر یتیم خانے بھیجتی، دو سال پہلے میں نے اپنی ماسی کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے پچاس ہزار روپے دیے تھے، مجھے اس طرح کر کے قلبی سکون حاصل ہوتا، اظفر اس سلسلے میں میری پوری، پوری مدد اور رہنمائی کرتے۔

اس سال بھی اکتیس دسمبر آ گئی تھی۔ وہی بے چینی اور بے کلی میری نس، نس میں اتر آئی تھی۔ اماں، بابا کی باتیں ان کی ذات سے وابستہ ایک، ایک یاد، ایک، ایک بات مجھے بہت بے چین کر رہی تھی۔ بے چینیاں حد سے بڑھنے لگیں تو میں نے ایک بار پھر قرآن پاک کا سہارا لے لیا۔ اس بات سے کسی بھی صورت ہم انکار ہی نہیں کر سکتے کہ جب ہم حالتِ پریشانی میں ہوں کوئی دکھ، کوئی اذیت ہمیں بے چین کر دے تو بے سکونی اور اضطراب کا عالم ہو تو ایسے میں یادِ الٰہی اور ذکر الٰہی ہی ہماری بے چینیوں کو چین بخشتا ہے۔ سکون اور قرار مل جاتا ہے، دیر تلک قرآن پاک کی تلاوت کرنے سے میرے اندر بھی سکون اتر آیا تھا۔ باہر بے حد گہما گہمی تھی اظفر اور... عبدالرحمٰن عصر کی نماز پڑھنے گئے ہوئے تھے اور ریحانہ ابھی سو رہی تھی، میں عصر کی نماز پڑھ کر اوپر چلی آئی، ٹیرس پر آ کر شدید سردی کا احساس ہو رہا تھا مگر یہاں کھڑے ہو کر باہر دیکھنا مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ گلی کے کونے پر لگا برگد کا بہت بڑا سا درخت جس کو میں نے اپنے بچپن سے اسی طرح کھڑا دیکھا تھا، گرمی کی دوپہروں میں اس پیڑ کے نیچے اکثر سبزی، فروٹ بیچنے والے ٹھیلے کھڑے کر کے کچھ دیر آرام کرتے تھے۔ سامنے کرم بخش چاچا کی پان کی بڑی سی دکان تھی جو ہمارے بچپن میں تو چھوٹے سے کھوکے جیسی تھی مگر اب پکی دکان میں تبدیل ہو گئی تھی وقت کے ساتھ، ساتھ دکان میں خاصی تبدیلی آ گئی تھی۔ اب تو خیر ان کا بیٹا بیٹھتا تھا۔ دوسری جانب سڑک کے اس طرف لڑکیوں کا گورنمنٹ سیکنڈری اسکول تھا بڑا سا اسکول جس سے مہروز آپا اور افروز آپا نے میٹرک کیا تھا۔ اسکول کے عین سامنے گورنمنٹ ڈسپنسری تھی جو کب کی بند ہو چکی تھی۔ اب تو اس کے ساتھ ایک شاپنگ مال بن چکا تھا۔ چھوٹا سا پبلک پارک مال سے ملحق تھا تو دوسری جانب کار پارکنگ تھی۔ کارنر کے گھر کا... بھرپور فائدہ تھا کہ چاروں طرف کی گہما گہمی بہ آسانی دیکھی جا سکتی تھی۔ نیو ائیر کے حوالے سے مال کے باہر بھی کچھ ایکسٹرا اسٹال لگائے گئے تھے۔ جن میں بچے زیادہ انٹرسٹڈ تھے۔ اپنے والدین کے ساتھ خریداری کرتے ہنستے، مسکراتے خوش باش بچے، ایک لمحے کے لیے میں سوچ میں پڑ گئی۔ اتنے سالوں بعد آج مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ کہ بے شک میری اداسی، میرا غم، میرا دکھ اپنی جگہ لیکن میرے بچوں کا بھی تو مجھ پر حق ہے، وہ بیچارے مجھے دیکھ، دیکھ کر سہمے رہتے، اپنے فرینڈز کی طرح نیو ائیر کی خوشیاں نہیں مناتے بلکہ اکتیس دسمبر کی صبح سے ہی میرے ساتھ گھر کا ماحول بھی سوگوار ہو جاتا۔ بچے بیچارے چاہتے ہوئے بھی کوئی فرمائش نہیں کر پاتے اس بار پھر شروع چھٹیوں میں تھوڑا بہت گھوم لیے مگر نیو ائیر کے حوالے سے کوئی ضد نہیں کی۔

مغرب کی اذان ہونے لگی تھی۔ میں ابھی تک ٹیرس پر ہی تھی۔ نماز کی تیاری کرتے، کرتے میں نے سوچ لیا۔ اس



Digitized by Google

بار کچھ نیا کروں گی، میں اپنے بابا اور اماں کی یاد میں اتنا کچھ کرتی ہوں تو کبھی یہ نہیں سوچا کہ میری اداسی سے بابا کو کتنا دکھ ہوتا ہوگا۔ بابا اور اماں تو چاہتے تھے ہم سب خوش رہیں۔ وہ ہمیشہ نصیحت کرتے تھے کہ کسی کا برا مت سوچو، ہر اک کی بھلائی کرو، غصہ آئے تو برداشت کرو اور ایسا کچھ کرو کہ زمانہ تمہیں یاد رکھے، ہمیشہ لوگوں کی دعاؤں میں رہا کرو اور میں لوگوں کی دعاؤں میں رہنا چاہتی تھی تب ہی ہر ممکن لوگوں کی مدد کرنے کی کوشش کرتی یہی وجہ تھی کہ اللہ پاک نے میری زندگی مکمل کر دی تھی۔ سلینہ کے حوالے سے بھی میں نے بہت اچھا، اچھا سوچ لیا تھا۔ میرے اندر اچانک ڈھیروں سکون اتر آیا، میں اندر چلی آئی۔ ہم ماں، بیٹی نماز سے فارغ ہوئے تھوڑی دیر میں اظفر اور عبد الرحمٰن بھی نماز پڑھ کر آگئے۔ اظفر یقیناً یہی سوچ کر آئے ہوں گے کہ ہر سال کی طرح میں اس وقت سوجی، سوجی آنکھیں لیے کچن میں کھڑی چائے بنا رہی ہوں گی لیکن ان کی سوچ کے برخلاف میں صاف ستھرے کپڑے پہنے ہلکا، پھلکا میک اپ کیے تیار کھڑی تھی۔ اظفر نے حیرت سے مجھے دیکھا تب ہی ریبطہ بھی اپنے کمرے سے باہر آئی۔ وہ بھی ایسے تیار تھی جیسے کہیں باہر جانے کا پلان ہو۔

''اظفر، میں نے سوچا ہے آج ہم کہیں باہر جائیں گے۔ بچوں کی خوشی کی خاطر انہیں رائڈز پر بھی لے جائیں اور ڈنر بھی باہر ہی کریں گے۔ آج کچھ الگ انداز میں ہم بھی تو جاتے سال کو الوداع کہیں ساحل سمندر پر جائیں آخر ایسی کون سی خوشی ملتی ہے سب کو کہ ساری خلقت وہاں جاتی ہے۔'' میری بات پر اظفر نے مجھے ایسے دیکھا جیسے انہیں میری دماغی حالت پر شبہ ہو۔

''کیا؟'' انہوں نے کیا کو قدرے لمبے انداز میں کہا۔

''تو اور کیا؟ اظفر، دکھ، سکھ، غم اور خوشی یہ سب زندگی کا حصہ ہیں۔ ہر رشتہ اپنی جگہ اپنی اہمیت رکھتا ہے، میرے بابا کہتے تھے کہ اپنے غم کو اتنا طویل مت کرنا کہ لوگ تمہارے غم کو بوجھ سمجھنے لگیں اور آج مجھے بابا کی اس بات کا شدت سے احساس ہوا ہے۔ میں بابا اور اماں کی خوشی کی خاطر خوش رہنا چاہتی ہوں۔ اس لیے اپنے بچوں کی خوشیوں کو منانا چاہتی ہوں۔'' میرے معصوم انداز پر اظفر نے پیار سے مجھے دیکھا۔

''ارے واہ بھئی بہت خوب جیتی رہو میری بیگم۔'' ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

''ہرا..... واؤ مما زندہ باد۔'' ریبطہ اور عبد الرحمٰن کے جان دار قہقہے اور بے ساختہ معصومانہ انداز پر میری آنکھیں نم ہو گئیں۔

ساحل سمندر پر تو خیر اس وقت جانا... بیوقوفی تھی کیونکہ راستے بھی بند کر دیے گئے تھے بس ہم بچوں کو رائڈز دلا کر اور کھانا کھا کر رات کے تقریباً دو بجے دل بھر کے انجوائے کر کے واپسی کے لیے روانہ ہوئے تو میں نے زندگی میں پہلی بار ریبطہ اور عبد الرحمٰن کے چہروں پر اتنی خوشی، اتنی چمک دیکھی۔ سلینہ کے لیے بھی میں نے سوچ رکھا تھا کہ ہمارے اسکول کا اکاؤنٹنٹ امجد کہ جس کی بیوی فوت ہو چکی تھی اور اس کی ایک بیٹی سلینہ کی بچی کی ہی ہم عمر تھی امجد کو میں نے اسکول میں جاب بھی دی تھی اس کی بچی کا ایڈمیشن بھی فری کروایا۔ وہ بچی کی طرف سے بہت پریشان رہتا۔ ادھر سلینہ کو بھی بچی اور اپنی فکر لاحق تھی دونوں ہی ضرورت مند تھے۔ سو میں نے سوچ لیا تھا کہ سلینہ اور امجد کا نکاح ہو جائے تو سلینہ کے لیے بھی سہارا ہو جائے گا اور امجد کی بیٹی کے لیے بھی سلینہ کی صورت ماں مل جائے گی۔ میں نے واپسی پر اپنا یہ خیال اظفر سے شیئر کیا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

''بس کر دو یار، اب تم رشتے والی خالہ تو نہ بنو۔ کتنا سوچتی ہو تم۔'' ان کی بات پر مجھے بھی ہنسی آگئی۔

''ویسے اگر ایسا ہو جائے تو برا بھی نہیں۔'' اظفر نے ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کر مجھ پر ڈالتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ان شاء اللہ، اللہ پاک ہمارے ساتھ، ساتھ سب کے لیے بہتری کے راستے پیدا کرے اور آنے والا سال سب کے لیے خوشگوار اور مبارک ثابت کرے۔''

''آمین ثم آمین!''

میرے جملے کے ساتھ، ساتھ ہی اظفر کے ساتھ بچے بھی بہ آواز بلند بولے۔ میں نے ایک پیار بھری نظر اپنی مسرور و شاداں فیملی پر ڈالی ڈھیروں ڈھیر سکون میرے اندر اتر آیا اور میں نے آنکھیں موند کر اظفر کے کاندھے پر سر ٹکا دیا تھا۔



Digitized by Google

ناولٹ

# حاصل لاحاصل

عقیلہ حق

''اُف اس قدر رش.....'' اس نے ہجوم کو دیکھتے ہوئے گاڑی روڈ پر ایک کنارے کھڑے کرتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

گاڑی سے اتر کر آہستگی سے چلتا ہوا وہ آگے بڑھا، اس نے لحہ بہ لحہ بڑھتے ہجوم کو دیکھا۔ اس نے لوگوں کی آنکھوں میں محبت، عقیدت اور احترام کے آنسو دیکھے..... وہ آگے آنا چاہ رہا تھا اور لوگوں کا سمندر اسے پیچھے دھکیل رہا تھا جیسے اس کی کوئی اوقات نہیں ہو، وہ شاخ سے ٹوٹا کوئی لاوارث پتا ہو۔

سارا ہی شہر اُس کے جنازے میں تھا شریک
تنہائیوں کے خوف سے جو شخص مر گیا

ہجوم کو قابو کرنے کے لیے پولیس کھڑی تھی جو عوام کو پیچھے کرنے کے ساتھ، ساتھ وی آئی پیز کے لیے راستہ بھی بنا رہی تھی۔



Digitized by Google

اس نے ایک بار پھر آنسوؤں سے دھندلی ہوتی آنکھوں سے کچھ دیکھنے کی کوشش کی..... لیکن آنکھوں کے پانی نے سارے منظر دھند لا دیے۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے، بے دردی سے اپنے آنسو پونچھے اور پھر اپنی خالی ہتھیلیوں کو دیکھا۔ اس کی سفید، بے رنگ ہتھیلیاں نہ جانے کیسے گاڑھے، سرخ خون سے بھر گئیں۔

اس نے گھبرا کر اپنے ہاتھ جھٹکے، خالی ہاتھ..... پھر سے خالی ہوگئے، اس نے اپنے خالی ہاتھوں میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی، وہ ان لکیروں سے بھری خالی ہتھیلیوں میں کچھ ڈھونڈنے لگا..... کیا.....؟

وہ برسوں سے ان خالی ہتھیلیوں میں کیا ڈھونڈتا ہے۔ وہ خود بھی نہیں سمجھ پاتا تھا۔ اور ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی اس کی لکیریں رو رہی تھیں۔ بھلا کیوں رو رہی تھیں؟ کیونکہ ان لکیروں میں وہ نہیں تھی جو اس کی سب کچھ تھی..... پھر ایک آنسو کا قطرہ، اس کی آنکھوں سے گر کر اس کی ہتھیلی پر سسکنے لگا۔

یہ آنسو بھی کتنے ہمدرد ہوتے ہیں، جب ہم اکیلے ہوتے ہیں، کوئی درد سننے والا نہیں ہوتا۔ تو یہ دوڑے چلے آتے ہیں، دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے..... اس نے اس سسکتے ہوئے آنسو کو ایک قیمتی سرمائے کی طرح اپنی مٹھی میں قید کرلیا..... اور پھر اس بند مٹھی کے ساتھ وہ آگے بڑھنے لگا۔

اپنے وجود کو ڈھیلا چھوڑے، دھکے کھاتا، وہ ہجوم کا حصہ بنتا جا رہا تھا۔ سسکیوں کی آوازیں اس کے کانوں میں سیسہ انڈیل رہی تھیں۔

اس کی ہتھیلی میں قید وہ آنسو، اس کے دل سے زیادہ خاموش آواز میں دہاڑیں مار، مار کر رو رہا تھا۔ اور وہ خود۔

اس سے پہلے کہ اس کا وجود ہجوم میں کہیں گم ہوجاتا یا ایک نقطہ سا بن جاتا..... شاید ہوا میں تحلیل ہوجاتا..... کوئی لپک کر اس کی طرف بڑھا۔

''ارے سر آپ.....؟ پر آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟'' اس نے خالی آنکھوں سے اپنے مخاطب کو دیکھا، وہ کوئی پولیس آفیسر تھا۔

''کیوں کھڑا ہوں؟'' اس کے دل نے سوچا۔

مٹھی میں قید آنسو آنکھ کے ذریعے باہر آنے کا رستہ ڈھونڈنے لگا، اس کا وجود آنسو کو روکنے کے باعث کپکپانے لگا۔

اس نے کشادہ کھلے گیٹ کی طرف دیکھا، وہ اس کھلے گیٹ سے اندر کیسے جاسکتا ہے، اس نے جیسے اپنے آپ سے سوال کیا۔

اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے، جیب سے سیاہ چشمہ نکال کر اپنی آنکھوں پر لگالیا..... یہ سیاہ چشمہ بھی کیا چیز ہے؟ کیا، کیا چھپالیتا ہے، آنکھ میں تڑپتے اور مٹھی میں سسکتے آنسو نے اسے جتایا۔

''سر.....''

اس نے ایک بار پھر سیاہ چشمے کے پیچھے سے اپنے مخاطب کو دیکھا..... اور پھر اس کے منہ سے... سرسراتا ہوا نکلا۔

''کیا.....؟''

☆☆☆

عورت محبت میں بڑی سچی ہوتی ہے، وہ اپنے محبوب کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار رہتی ہے۔ عورت کی محبت زیور، کپڑوں، بنگلا اور گاڑیوں سے نہیں ملتی بلکہ..... بلکہ عورت کی محبت تو بس ایک پیار بھری نظر اور پیار بھرے جملے کے عوض مل جاتی ہے۔ ایک پیار بھری تھپکی عورت کو بلی بنا دیتی ہے، وہ بلی بن کر اپنے محبوب کے پیروں میں بیٹھی رہتی ہے، وقتاً فوقتاً محبت کا گداز احساس اس کے دل اور جذبات کو توانا رکھتا ہے۔ عورت جب محبت کرتی ہے تو ٹوٹ کر کرتی ہے، انتظار کرتی ہے، بے رخی اور بے پروائی سب برداشت کرتی ہے۔ لیکن جب عورت محبت کی طلب سے ناامید ہوجائے تو پھر وہ پروا کرنا چھوڑ دیتی ہے، اس کا وجود پتھر کا ہوجاتا ہے۔ وہ دنیا کے سارے کام کرتی ہے لیکن .....لیکن کیا بتانا ضروری ہے کہ.....

قرب کے نہ وفا کے ہوتے ہیں
جھگڑے سارے انا کے ہوتے ہیں

☆☆☆

''بیٹا جب عورت گھر بسانے کا تہیہ کرلیتی ہے



Digitized by Google

ناں تو سب سے پہلے اپنی انا کو ایک پوٹلی میں باندھ کر اندھے کنویں میں پھینک دیتی ہے۔''

''کیا ہوا؟'' وہ جو برسوں پہلے کہی اپنی ماں کی بات دل میں دُہرا رہی تھی، عباس کے سخت لہجے پر چونک سی گئی۔ لیکن خاموش رہی..... لیکن اس کی خاموشی کمرے میں گونجنے لگی، ان کہے لفظ سارے کمرے میں بولنے لگے..... اس کے ان کہے لفظوں نے عباس کو سرتاپیر کھولا دیا۔

''میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ عورتوں کو اس قدر مظلوم بننے کا شوق کیوں ہوتا ہے۔'' عباس نے دل کی ساری بھڑاس نکالنے کے بعد خاموش بیٹھی زینب کو مخاطب کیا۔

''مظلوم... نہیں... نہیں نہ ہم کو مظلوم بننے کا شوق ہوتا ہے اور نہ ہی ہم ظالم ہوتے ہیں۔ آپ کیا جانیں، ہم عورتیں تو موم سے بنی، محبت کی مٹی سے گندھی، اللہ پاک کی ایسی مخلوق ہیں جو بظاہر تو نازک ہوتی ہیں لیکن دراصل وہ نازک ہوتی نہیں ہیں، ان کے کندھوں پر خاندان کا، عزت کا، بھرم کا، مان کا ایسا وزنی گٹھڑ رکھا ہوتا ہے کہ ساری زندگی اسے سنبھالتے، سنبھالتے ان کے کندھے شل ہو جاتے ہیں مگر وہ اسے گرنے نہیں دیتیں۔'' یہ سب وہ دل میں ہی سوچ سکتی تھی۔ ''ہم عورتیں..... مردوں کی طرح ایک جھٹکے میں سارے تعلق توڑ کر سیدھی تن کر کھڑی نہیں ہو سکتیں۔ عورتیں مظلومیت کا ڈھونگ نہیں رچاتیں، عورتیں تو بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ عورت نہ صرف مضبوط ہوتی ہے بلکہ وفا کا پیکر بھی ہوتی ہے۔ تم مگر..... تم مرد عورت کو بھلا کیا سمجھو...''

''بھئی میں کچھ پوچھ رہا ہوں اور آپ خیالوں میں گم بیٹھی ہیں، زینب میڈم..... سوالوں کا جواب دیا جاتا ہے، ویسے تو آپ لوگوں کی بہت زبان چلتی ہے، ذرا میکے سے فون آجائے، کوئی سہیلی یا دوست مل جائے تو آپ کی باتیں اور آپ کی ہنسی نہیں رک سکتی اور جو بیچارہ شوہر کچھ غلطی سے پوچھ بیٹھے تو آپ کے منہ پر تالے لگ جاتے ہیں۔'' عباس کے زہر آلود جملے نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑا۔

دل کی یہ سنسان حویلی
جس پر کالے سائے ہیں
آنکھوں کی دہلیز پہ فریؔ
غم کے بادل چھائے ہیں

کلام: فریدہ فری، لاہور

''کیا کہوں.....؟'' زینب کا لہجہ دھیما اور آواز بھیگی ہوئی تھی۔ اس نے عباس کی طرف دیکھا..... اُف اتنی سرد آنکھیں..... اسے کپکپی سی محسوس ہوئی۔

آج اس کی خالہ زاد کزن ایشل کی مہندی تھی اور جب اس نے عباس سے چلنے کو کہا تو عباس نے خود تو جانے سے انکار کیا ہی اس کو اور بچوں کو بھی سختی سے منع کر دیا۔ ایشل اس کی کزن تھی، اس کی دوست تھی۔ آنکھوں کی سرد مہری پورے کمرے میں پھیل چکی تھی۔ اس نے اپنے کپکپاتے وجود کو اپنے ہی خول میں سمیٹ لیا۔

☆☆☆

''کیوں.....؟'' تم آج بھی کیوں نہیں آرہیں؟ آپا نے اس قدر تاکید کی تھی۔ تم کسی بھی تقریب میں نہیں آئیں..... مایوں نہ مہندی، نہ برات..... اور آج ولیمے میں بھی نہیں آرہیں۔ تمہارا دماغ تو درست ہے زینب، اب رشتے داروں سے بھی نہیں ملو گی تو کس سے ملو گی، ارے خوشی غمی کے لیے چار لوگوں سے تو تعلق رکھو..... تم نے تو حد ہی کر دی.....'' رقیہ بیگم نے فون پر زینب پر گرجتے ہوئے کہا۔

آج جب زینب نے انہیں یہ بتایا کہ وہ ایشل کے ولیمے میں نہیں آسکتی تو انہیں ایسا لگا جیسے چھت ان کے سر پر آگری، سارے خاندان کے سوالوں کا جواب دیتے، دیتے وہ تھک گئی تھیں، اس لیے آج انہوں نے خود ہی زینب کو فون کیا تاکہ اسے تاکید کریں کہ وہ ضرور آئے..... لیکن اس کی طرف سے ہمیشہ کی طرح مصروفیتوں میں لپٹا ہوا لولا لنگڑا عذر تھا۔



Digitized by Google

''ارے بیٹا آخر کتنی مصروف رہتی ہو، دنیا سے انوکھے بچے پال رہی ہو، کیا ہم نے بچے نہیں پالے، ارے ہمارے ساتھ تو گھر کے دس جھمیلے بھی لگے ہوئے تھے پھر بھی ہر رشتہ نبھاتے تھے۔ ایک تم ہو..... ماشاء اللہ کیا کمی ہے؟ نوکر چاکر ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، تین، تین گاڑیاں ہیں، ڈرائیور ہے، ارے کوئی رکشا ٹیکسی تھوڑی لیتی ہے، کوئی گھر کے جھاڑو برتن تھوڑا ہی کرتی ہو تم کہ تم کو فرصت ہی نہیں ملتی..... میری عباس سے بات کرواؤ..... میں ان سے پوچھتی ہوں.....'' رقیہ بیگم نے زینب کی مسلسل خاموشی سے اکتا کر کہا۔ ''اگر انہیں کوئی اعتراض ہے تو میں ان سے بات کرتی کروں۔''

''عباس .....'' اس کے لب کپکپائے..... وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''بس، عباس، میں رات گیارہ بجے تک آجاؤں گی، دراصل خالہ امی کہہ رہی تھیں کہ دولھا والے آج بری لا رہے ہیں، ان کے گھر سے بس دو چار خواتین ہی آئیں گی۔ خالہ امی نے بھی صرف مجھے ہی بلایا ہے۔'' زینب نے جلدی جلدی ہاتھوں میں کنگن پہنتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن گیارہ بجے کا مطلب کیا ہوتا ہے آپ جانتی ہیں ناں.....'' عباس نے لیپ ٹاپ پر سے نظریں اٹھا کر بجی سنوری بیوی کو دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

''جی، جی بالکل، اب دیکھیے ساڑھے چھ بج رہے ہیں، اب وہاں تک جانے میں 45 منٹ تو لگتے ہیں ناں تو بس میں پونے سات یا سات بجے تک وہاں پہنچوں گی، بس تھوڑی دیر بیٹھوں گی کہ خانہ پُری ہو جائے، جلد ہی واپس آجاؤں گی، میں جانتی ہوں آپ پریشان ہو جاتے ہیں۔'' زینب کا لہجہ کچھ، کچھ بھیک مانگتا ہوا تھا۔

''یا اللہ یہ بیٹیاں، ماں، باپ سے بھی بٹتی ہیں تو اجازت لے کر، نکاح کے بعد حقدار ہی بدل جاتے ہیں کتنے مہینوں بعد آج میں امی وغیرہ سے ملوں گی، بس اللہ پاک سب کام جلدی، جلدی اور وقت پر ہو جائے۔'' اس نے روڈ پر تیزی سے رواں دواں ٹریفک کو دیکھتے ہوئے صدقِ دل سے دعا کی اور آنکھیں موند کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

''کیا کروں عباس دولھا والے، بہت دیر سے آئے، میری بات کا یقین کریں، میں نے تو کھانا بھی نہیں کھایا، بس جلدی، جلدی بری سجائی اور آگئی، میں تو بری آنے سے پہلے ہی آرہی تھی، وہ خالہ امی اور امی نے آنے ہی نہیں دیا، میں کیا کرتی۔ پھر واپسی میں اس قدر ٹریفک جام آج سیٹر ڈے نائٹ ہے ناں..... ہر شخص سی ویو ہی کی طرف آرہا ہوتا ہے۔''

زینب نے ہونٹ بھینچے، خاموش بیٹھے عباس کو وضاحت دی جو وال کلاک کو دیکھ رہا تھا اور وال کلاک رات کے ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔ اور عباس کا فیصلہ اس نے پڑھ لیا تھا۔ وہ جانتی تھی کیا.....؟

''کیا ہوا بیٹا ایک تو میں تمہارے اسی گونگے پن سے بہت پریشان ہو گئی ہوں.....'' رقیہ بیگم کی ڈانٹ بھری آواز اسے حال میں لے آئی۔

''جی.....'' اس نے چور نظروں سے سامنے بیٹھے شوہر کو دیکھتے ہوئے دبے لہجے میں کہا..... بظاہر وہ کتاب پڑھ رہا تھا لیکن وہ جانتی تھی وہ ایک، ایک لفظ سن رہا ہے۔

''ارے بیٹا، میں یہ کہہ رہی تھی کہ تم تو گونگے کا گڑ کھا گئی ہو، میری عباس سے بات کراؤ..... ماشاءاللہ .....اس قدر تابعدار اور نیک ہے، ہماری عزت کرتا ہے، تم سے محبت کرتا ہے۔''

''محبت.....'' اس نے لفظ محبت پر لاتعلق بیٹھے عباس کی طرف دیکھا۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی چبھن ہوئی اور اس نے لائن ڈسکنکٹ کر کے فون پاور ڈ آف کر دیا.....

☆☆☆

''عباس آپ مجھ سے محبت کیوں نہیں کرتے۔''

اس نے عباس کو خوشگوار موڈ میں دیکھ کر دل میں اکثر ڈوبتا ابھرتا وہ سوال آخر پوچھ ہی لیا جو اکثر راتوں کو اسے سونے نہیں دیتا تھا۔

''محبت.....؟''

دراز قد، نازک، سرخ و سفید رنگت، معصوم سے



Digitized by Google

چہرے پر چمکتی، مسکراتی، سوال کرتی سیاہ آنکھیں، کمر پر جھولتی، بل کھاتی لمبی سی چوٹی، سادہ سے لان کے سوٹ میں پُروقار، مسکراتی، ہاتھ میں چائے کا کپ تھامے اس کی رفیقِ حیات..... زینب.....

''محبت ..... تمہارے لیے لفظ محبت بہت کم ہے۔ تم بہت اچھی ہو..... تم سے محبت کرنی چاہیے، تم محبت کی حقدار ہو، تم نہ صرف ایک اچھی بیوی ہو بلکہ ایک بہت اچھی ماں بھی ہو، تمہارے وجود سے سکون کی پھواریں نکلتی ہیں، تمہارا قرب اطمینان بخش ہے لیکن..... میں کبھی نہیں کہوں گا کیونکہ.....''

''عباس.....'' زینب نے بڑے مان سے عباس کو شیریں لہجے میں پکارا۔

''کوئی محبت والی بات ہوگی تو ضرور محبت کروں گا.....'' عباس نے اپنے اندر کی اٹھتی آوازوں کو دبا کر سرد لہجے میں کہا۔

اور زینب کو ایسا لگا جیسے وہ منہ کے بل فرش پر آ گری ہو، دس سالہ رفاقت میں وہ اپنے شوہر کے دل میں اپنی محبت نہیں جگا سکی۔ زینب کو لگا اس کے وجود کے پرخچے اڑ کر فضا میں پھیل گئے ہوں اور اس کا دل..... اس کا دل شاید رو رہا تھا..... اور آنکھیں.....؟

''خیر..... آپ میرے گھر میں رہتی ہیں، آپ کے نام کے ساتھ میرا نام لگتا ہے، آپ میرے بچوں کی ماں ہیں..... تو یہ سب محبتیں ہی ہیں۔''

''محبت اعزاز ہوتی ہے، محبت گناہ نہیں ہوتی، محبت کرتے ہو تو چھپاتے کیوں ہو، اظہار کیوں نہیں کرتے، لفظوں کی تراوٹ سے میرا تن من بھگوتے کیوں نہیں، میری پیاسی روح کو سیراب کیوں نہیں کرتے، مجھے صرف ایک جسم کیوں سمجھتے ہو، مجھے جیتی جاگتی عورت کیوں نہیں سمجھتے..... میرے جذبات اور احساسات سے کیوں کھیلتے ہو، محبت کو گناہ کی طرح مت چھپاؤ اگر محبت کرتے ہو تو.....'' وہ یہ سب کہہ نہیں سکتی تھی۔

''اب آپ یہ سوچیں کہ میں کسی فلمی ہیروئن کی طرح گانے گاؤں، ڈائیلاگ بولوں تو آئی ایم سوری..... میں یہ سب نہیں کر سکتا۔'' عباس نے جیسے اس کی سوچیں پڑھ لی تھیں۔ تمسخرانہ لہجے میں سوچوں میں ڈوبتی ابھرتی زینب کو مخاطب کیا۔

''خیر وہ ہیروز بھی اسی دنیا کا حصہ ہیں، آپ کو کیا معلوم کہ خواتین رومینٹک ہیروز کو کیوں پسند کرتی ہیں، ان کی فلمیں اس قدر شوق سے کیوں دیکھتی ہیں؟ اس لیے کہ انہیں بھی وہ جملے سننے کی تمنا ہوتی ہے، ایک لڑکی جو اپنا الھڑ پن، اپنی جوانی، اس انجان شخص کے سپنے دیکھنے میں گزار دیتی ہے جو ایک دن سہرا باندھے اسے بیاہنے آئے گا جو اس سے محبت کرے گا..... جس سے وہ محبت کرے گی لیکن آپ..... آپ تو محبت کے معنی بھی نہیں جانتے۔ گھر، زیور، کپڑا تو عورت کو باپ کے گھر میں بھی میسر ہوتا ہے..... بعض اوقات شوہر کے گھر سے بھی زیادہ..... لیکن پورے خاندان، رشتے ناتے اور پھر ساری محبتیں، تین دستخطوں کے عوض وہ عورت جس شخص کے لیے چھوڑ دیتی ہے..... وہ اس کا شوہر ہوتا ہے۔'' جو کرنا ہے میاں کے گھر جا کر کرنا.....'' جملہ سنتے، سنتے بڑی ہونے والی لڑکی اپنی ساری امیدیں اپنے شوہر سے وابستہ کر لیتی ہے تو پھر شوہر لوگ بھی اسے فلمی ہیروئن اور کبھی افسانوں کے کردار کا طعنہ دیتے ہیں۔ عباس صاحب فلمیں اور ڈراما، افسانے یہ سب بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں، ہماری زندگی کی کہانیاں ہیں۔'' ہمیشہ کی طرح زینب کے لب ایک دوسرے میں پیوست تھے اور وہ سوچوں کے سمندر میں ڈبکیاں لے رہی تھی۔

☆☆☆

عباس، زینب کا تایا زاد تھا..... احمد علی اور رجب علی دو ہی تو بھائی تھے، احمد علی بڑے تھے ان کو اللہ پاک نے چار اولادیں دیں، تین واپس لے لیں اور صرف عباس کو اللہ پاک نے زندگی دی تھی۔ احمد علی اور ان کی بیگم نفیسہ خاتون کی جان عباس میں تھی اور محبتوں کی فراوانی نے عباس کو تھوڑا خودسر اور بہت ضدی بنا دیا تھا۔ اسے چھیننے میں مزہ آتا، دوسروں کے ہاتھوں سے ان کی پسندیدہ چیز چھین کر کسی کونے میں پھینک دینا اس



Digitized by Google

کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

وہ بچپن ہی سے قیمتی سے قیمتی بہت شوق اور ضد سے کھلونے خریدتا، سامان لاتا، تھوڑی دیر کھیلتا، چند دن کمرے میں سجاتا اور پھر گھر کے کسی کونے میں پھینک دیتا اور پھر پلٹ کر بھی نہیں دیکھتا، اس کو زندگی میں اتنی اہمیت دی گئی کہ پھر ہر چیز اس کے لیے ثانوی ہوگئی..... اس کی نظروں سے چیزوں کی اہمیت اور وقعت ختم ہوگئی..... گو کہ آج وہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ کامیاب ترین بزنس مین تھا لیکن کیا کبھی کسی کی فطرت بدلی ہے..... جبکہ رجب علی کا ایک بیٹا اور تین بیٹیاں تھیں، بیٹا ابراہیم سی اے کر رہا تھا جبکہ بیٹیاں شانزہ، عائزہ اور سب سے چھوٹی، سب سے لاڈلی زینب تھی۔

احمد علی نے ماں، باپ کی وفات کے بعد اپنے سے دس سال چھوٹے بھائی رجب علی کا ہمیشہ خیال رکھا اور ان سے محبت کی اور رجب علی بھی بڑے بھائی کی ایک باپ کی طرح ہی عزت کرتے تھے۔

☆☆☆

''چلو میرا بچہ جلدی، جلدی کھانا کھالو..... پھر ممی کو ایک پارٹی میں بھی جانا ہے.....'' زینب نے اپنے تو سالہ بیٹے اور سات سالہ بیٹی ایمن کی پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے چمکارا۔

زینب کے دو ہی بچے تھے احسن اور ایمن..... وہ ایک کامیاب ماں تھی، اس کے بچے اسکول کے ٹاپ ٹین بچوں میں شمار ہوتے تھے۔ وہ اپنے بچوں کو بہت وقت دیتی تھی، اس کے ساتھ، ساتھ وہ ایک معروف شاعرہ بھی تھی۔

''ممی..... بابا آپ کے مشاعرے میں جانے پر ناراض تو نہیں ہوں گے۔'' ننھے احسن نے حیرت سے ماں سے پوچھا کیونکہ عباس نے ہمیشہ اس کے کہیں آنے جانے پر ناراضی کا ہی اظہار کیا تھا۔

''عباس، ایک ادبی انجمن کی طرف سے مشاعرے کی دعوت ہے.....'' زینب نے ڈرتے، ڈرتے کہا کہ مختلف رسائل اور جرائد میں وہ لکھ تو رہی تھی لیکن کسی مشاعرے میں شرکت کا دعوت نامہ اس کو پہلی بار موصول ہوا تھا۔

''مشاعرہ..... آپ مشاعرے میں جائیں گی.....'' عباس نے حیرت سے ہاتھ میں کارڈ پکڑے کھڑی زینب سے سوال کیا۔

''مشاعرہ ہاں، ہاں؟ جائیں ضرور جائیں..... میرے بچوں کی یہ بہت نازک عمر ہے..... اس سیکھنے کی عمر میں، جب وہ اپنی ماں کو اسٹیج پر کھڑا ہوا دیکھیں گے تو ان کا confidence build ہوگا، ورنہ بچوں کو اسٹیج پر لے جانا بہت مشکل کام ہے، یہ ان کی تربیت کا حصہ ہوگا اور بچوں کی تربیت اور confidence build کرنے کے لیے میرے خیال سے یہ ضروری ہوگا۔''

''عباس!'' عباس جو اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا زینب کی آواز سے جیسے حقیقت میں واپس آ گیا۔

''آپ اور آپ کے فضول کے قسم شوق..... اور حیرت ہے کون ہیں وہ لوگ جو آپ کو شاعرہ سمجھتے ہیں، خیر چلی جائیں، میں کون ہوتا ہوں آپ کو روکنے والا.....'' عباس نے ہاتھ میں پکڑا اخبار میز پر پٹخا اور کھڑا ہوگیا۔

زینب کو ایسا لگا جیسے اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے ہوں آنسو اس کی آنکھ میں آ کر ٹھہر گئے تھے شاید آنسو بھی پتھر ہوگئے تھے۔

''ٹھیک ہے چلی جائیں لیکن وقت پر واپس آجایئے گا۔'' عباس نے اس کی حالت پر دل میں قہقہہ لگاتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے کہا..... اور وہ سوچتی رہ گئی..... جائے یا نہ جائے۔

''ممی.....'' احسن نے اس کا بازو ہلایا۔

''ہاں، ہاں میرا بچہ بابا تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ اگر بابا کی مرضی نہ ہوتی تو بیٹے میں آج اس مقام پر نہیں ہوتی..... دراصل بابا کی سپورٹ ہی تو تھی جو آج میں اس مقام پر ہوں.....'' دل کی تکلیف کو دل میں دبا کر اس نے دونوں بچوں کو بازوؤں میں سمیٹ کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

شاعری اس کا شوق تھا لیکن عباس کے مکان کو گھر بنانا اس کا جنون تھا۔ وہ دوڑتی، بھاگتی لیکن کبھی گھر



Digitized by Google

کی راہ میں شوق کو نہیں آنے دیتی۔

''یہ دیکھیے عباس' احسن اور ایمن نے کلاس میں فرسٹ پوزیشن لی ہے اور کسی بھی subject میں +A سے کم نمبر نہیں آئے۔'' زینب نے کھانے کے بعد عباس کے ہاتھوں میں بچوں کا رزلٹ کارڈ دیتے ہوئے خوشی سے بھرپور آواز میں کہا۔

''جی..... میں دیکھ چکا ہوں۔'' عباس نے دوبارہ رزلٹ کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''ماشاء اللہ آخر میرے بچے ہیں، میں خود اپنی کلاس کا ذہین ترین اسٹوڈنٹ تھا۔'' زینب بچوں کو خود پڑھاتی تھی اس لیے عباس سے کریڈٹ کی امید رکھ رہی تھی..... چپ کی چپ رہ گئی۔

''آپ کے بچے ہیں، واہ گریڈا چھے ہیں تو آپ کے بچے ہیں، ویل میرڈ ہیں تو آپ کے بچے ہیں، غلطی کریں تو میری تربیت خراب ہے، عباس صاحب یہ میرے بھی بچے ہیں، یہ دنیا میں اس وقت آئے جب میں نے انہیں خونِ جگر پلایا، ان کی اچھی تربیت کرنے کے لیے ان کو ٹائم دینے کے لیے میں نے کتنے ہی شوق ختم کردیے..... کتنی ہی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا۔ آپ کے مکان کو گھر بنانے کے جنون نے مجھے مٹی کردیا..... خیر کوئی بات نہیں..... بس حیرت ہے کہ میری محبت، میری وفاداری اور میری خدمت گزاری کچھ بھی..... کچھ بھی آپ پر اثر نہ ڈال سکی۔''

وہ سوچتی ہوئی تیار ہونے چل دی کہ ایک محفل میں اس کو as a chief guest بلایا گیا تھا۔

☆☆☆

خوب صورت لباس، مسکراہٹیں، سرگوشیوں میں ہوتی ہوئی گفتگو، رنگ، خوشبو، دھنک، لہراتے آنچل اس نے ایک نظر سارے ہال پر ڈالی۔

پھر اس کی نگاہ ایک نقطے پر جا ٹھہری اور پھر آہستہ، آہستہ وہ نقطہ وجود بن گیا۔ وہ ساکت ہوگیا..... اسے لگا جیسے سارا ہال خالی ہوگیا اور صرف وہ اور وہ وجود رہ گیا..... سیاہ نیٹ کی ساڑی میں لپٹا وہ گلابی گداز وجود، لمبی سی صراحی دار گردن پر ڈھلکا ہوا سیاہ بالوں کا بڑا سا جوڑا، چمکتے شعاعیں مارتے بازو میں مسکراتا بازو بند، خوب صورت دراز قد کو نمایاں کرتی، دودھیا پیروں سے لپٹی سیاہ ہائی ہیل کی سینڈل، گردن میں جگمگاتا ہیروں کا نازک سا نیکلس، مہارت سے کیا گیا میک اپ، مہکتا، لچکتا بدن وہ اپنے ساکت وجود کو گھسیٹنے کی کوشش کرنے لگا۔

سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس وہ باوقار شخص یورپ کے ایک ملک میں پاکستان کا سفیر تھا، آج بہت عرصے بعد پاکستان آیا تھا اور اپنے دوست کے بے حد اصرار پر اس مشاعرے میں چلا آیا تھا۔

وہ جو مجھ میں اداس رہتا تھا
آج اسے خبر نہیں میری
(فرحت جمال)

اس نے ابھی چند لمحے پہلے اپنے دوست کی زبان سے سنا تو اسی شاعرہ کا شعر زیرِ لب دُہرایا۔

وہ جس سے دور بھاگ رہا تھا، وہ..... وجود..... اس کا دماغ ماؤف ہورہا تھا لیکن وہ اس وجود کے قریب چلا آیا۔ قریب..... اور قریب..... وہ چاہتا تھا اس کی آنکھیں..... نہیں وہ فریب کھا رہا ہے۔

کیونکہ اس کے لیے وہ ایک وجود نہیں تھا..... ایک دنیا تھا۔ وہ دنیا جس سے پچھلے دس سالوں سے وہ دور بھاگ رہا ہے مسلسل بھاگتے، بھاگتے اس کا وجود شل ہوگیا تھا۔

یہ وجود..... یہ وجود وہ تھا جس کی وجہ سے اس نے اپنے اپنوں کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنی ماں کے بلاوؤں کے، منتوں کے باوجود کبھی پلٹ کر نہیں آیا لیکن آج جب برسوں کے بعد وہ آیا تو.....

وہ ایک ہپناٹائزڈ کی سی کیفیت میں اس وجود کے قریب آیا، وہ پلٹ جانا چاہتا تھا..... لیکن نہ جانے کون سی قوت تھی جو اسے پلٹنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ اس وجود کے اور قریب آیا ایک مخصوص مہک نے اسے منجمد سا کردیا۔

وہ اس کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا..... وہ چہرہ جو برسوں سے اس کی آنکھوں میں بسا ہوا تھا۔ وہ چہرہ جس



Digitized by Google

سے دور بھاگتے، بھاگتے وہ تھک سا گیا تھا۔ وہ چہرہ جو آج بھی اس کے کندھے پر سر رکھ کر روتا تھا، سسکتا تھا، جس کی آنکھوں سے بے قراری سے بہتے آنسو، آج بھی اس کا شانہ بھگوتے تھے۔

اس نے سیاہ بلاؤز میں نمایاں ہوتے اس کی کمر کے خم کو ایک سکتے کے عالم میں دیکھا۔ اس کی نگاہ اس کی صراحی دار گردن پر چمکتے سیاہ تل پر جیسے ٹھہر سی گئی۔

''یہ وہی ہے......'' اس تل نے اسے یقین دلایا۔

''پتا ہے اگر تم کہیں کھو جاؤ گی تو میں اس تل سے تم کو پہچان لوں گا......''

''تم جو ہر وقت اتنا عشق بھگارتے ہو، میں سوچ رہی ہوں پلاسٹک سرجری سے اپنا چہرہ ہی بدلوا لوں۔'' زینی اپنے مخصوص کھنکتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''ہاں، ہاں......تم ضرور پلاسٹک سرجری کیا، اسٹیل سرجری، تانبا سرجری جو چاہے کروا لو لیکن یہ تل۔'' اس نے دور سے انگلی سے اس کے تل کی طرف اشارہ کیا کہ اس نے کبھی اسے چھوا تھا اور نہ ہی کبھی اس نے اسے چھونے کی اجازت دی تھی۔

''اس تل کو ہاتھ نہ لگانا، یہ مجھے بہت پسند ہے۔''

برسوں پرانی یاد نے اس کے قدم تیز کر دیے۔

پھر یک دم وہ وجود......اس وجود نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اُف......اس کا وجود پتھر کا ہو گیا۔

اور جب اس حسینہ کی نظر سیاہ ڈنر سوٹ میں پتھر بنے اس شخص کی سلگتی، نوحہ کرتی ماتم زدہ آنکھوں سے ٹکرائیں تو......اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا......

☆☆☆

''میری سمجھ میں نہیں آتا آخر ہم اس آلو کلچر سے کب باہر نکلیں گے، ارے امی، دنیا میں آلوؤں کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے... لیکن مجھے لگتا ہے آلو صرف ہمارے لیے ہی پکتے ہیں، ہمارے لیے ہی زمین پر اتارے گئے ہیں آلو کی قتلیاں، آلو کی ترکاری، آلو کا بھرتا، آلو کے پراٹھے، آلو کے کباب، آلو، انڈے، آلو گوشت، آلو مرغی اور آج......آج یہ......''

''کھڑے مسالے کا قیمہ......'' زینی کی چہکتی ہوئی آواز نے تسلسل سے بولتے رضا کو ٹوکا۔

''ایک تو تم......ہر وقت، برے وقت کی طرح آدھمکتی ہو۔'' رضا نے اس کے ہاتھ سے سالن کی پلیٹ لے کر اس پر ڈھکی پلیٹ ہٹا کر سالن کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا۔

''تم مجھے برا وقت کہہ رہے ہو بدتمیز...... میں ہمیشہ تمہارے برے وقت پر، خوش نصیبی کی طرح آدھمکتی ہوں لیکن تم......تم اتنے بدتمیز، اتنے احسان فراموش اور ناشکرے ہو کہ اللہ کی پناہ، خیر میں تو ٹھہری برا وقت آپ برائے مہربانی سالن کی پلیٹ واپس کریں، جو میں نہ جانے کیوں لے آئی۔ مجھے عصر کی نماز کے بعد بھوک لگتی ہے، میں خود کھا لوں گی۔'' زینی نے جلے بھنے انداز میں اس کے ہاتھ سے سالن کی پلیٹ لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''خبردار جو پلیٹ کی طرف بری نظر ڈالنے کی کوشش کی بھی تو......جو چیز میرے پاس آ گئی سو آ گئی، وہ میری ہو گئی......آئی سمجھ میں۔'' رضا نے آرام سے ٹیبل پر سالن کی پلیٹ رکھ کر کھانا شروع کرتے ہوئے کہا۔

''ویسے چھوڑو ہر بات......واقعی تم کب آئیں؟''

''شکر ہے، تم کو خیال تو آیا...... ورنہ تم تو آنکھیں بند کر کے جو بولنا شروع ہوتے ہو تو پھر تمہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔'' نفیسہ بیگم نے جل کر زینی کی جگہ جواب دیا۔

''چھوڑیں خالہ جان......میں جانتی ہوں آج آپ نے اپنے ہاتھوں سے، انتہائی لذیذ آلو میتھی کی سبزی پکائی ہے اور میں وہی کھانے آئی ہوں کیونکہ میں وہ خوش نصیب ہوں جو اپنی پیاری سی خالہ کے محبت بھرے ہاتھوں سے بنی آلو میتھی کھاؤں گی۔'' اس نے نفیسہ بیگم کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہتے ہوئے بہت آرام سے ان کی گھورتی ہوئی نگاہوں سے رضا کو بچایا......جو بہت شوق سے کھڑے مسالے کے قیمے میں سے چن، چن کر ثابت مرچیں کھا رہا تھا۔

''ہاں، ہاں کیوں نہیں، آ میری بچی...... میں تیرے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا نکالتی ہوں، آلو میتھی

کے ساتھ میں نے گڑ کے چاول بھی بنائے ہیں۔'' نفیسہ بیگم نے باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے پلٹ کر زینی سے کہا کہ اسے کمال حاصل تھا ان کے غصے کو اپنی محبت سے کنٹرول کرنے میں اور رضا کی یہ بہت بڑی خوش نصیبی تھی کہ اکثر جب وہ رضا پر غصہ کر رہی ہوتیں تو زینی آجاتی اور پھر رضا سے ہزار ناراضیوں اور لڑائیوں کے باوجود اسے اُن کے غصے سے ایسے بچاتی جیسے مرغی اپنے پروں میں چوزوں کو چھپاتی ہے۔

''خدا کی قسم رضا تم بے حد ناشکرے ہو، ہر وقت، ہر بات میں شکایتیں کرتے ہو۔'' زینی نے نفیسہ بیگم کے کمرے سے نکلتے ہی اسے لتاڑا۔

''تم روز، روز آلو کھاؤ ناں تو پتا چلے اور پھر میں تم سے پوچھوں......'' رضا نے اطمینان سے قیمے کے ساتھ بھرپور انصاف کرتے ہوئے کہا۔

''تو رضا تم خود سوچو......خالہ جان کے پاس جتنے پیسے ہوں گے، اسی حساب سے تو کھانا پکائیں گی......'' اس کے لہجے میں اپنی پیاری سی خالہ کے لیے بے پناہ پیار تھا۔

''ارے یار رہنے دو بس، یہ جو ہماری امی ٹائپ کی امیاں ہوتی ہیں ناں ان کے پاس اگر قارون کا خزانہ بھی ہو ناں تو یہ پکائیں گی، آلو مٹر یا ٹنڈے گوشت ہی۔'' رضا نے روٹی کے آخری نوالے سے پلیٹ کو پونچھتے ہوئے اس طرح کہا کہ زینی کا بے ساختہ قہقہہ نکل گیا۔

''زینی ہنستی ہوئی کتنی اچھی لگتی ہے۔ خدا کرے زینی تم سدا ہنستی رہو، تمہاری ہنسی زندگی کی نوید دیتی ہے۔'' کمرے سے باہر نکلتی ہوئی زینی کی پشت کو تکتے ہوئے رضا نے بے خودی کے عالم میں سوچا۔

☆☆☆

''اُف......'' زینی جو اپنا پسندیدہ ڈراما دیکھ رہی تھی۔ گھبرا کر پلٹی، رضا دونوں ہاتھوں سے سر تھامے صوفے پر ڈھے سا رہا تھا۔

''رضا، رضا کیا ہوا؟'' زینی کی ایک نظر اسکرین اور دوسری رضا کی بگڑتی حالت پر تھی۔ یہ اس کا ایسا پسندیدہ سیریل تھا جس کا ایک سین، ایک جملہ بھی وہ مس نہیں کرتی تھی۔

''یار......زینی ایک کپ گرما گرم چائے تو پلوا دو۔''

''کیا اس وقت......میں اور چائے۔'' وہ حیرانی سے کہہ رہی تھی۔ ''رضا تم سچ مچ پاگل ہو گئے ہو، تم جانتے ہو یہ میرا پسندیدہ ترین ڈراما ہے اور اس کا میں ایک سین بھی مس نہیں کر سکتی۔'' زینی نے ٹی وی پر نظریں جمائے، جمائے کہا بلکہ ٹی وی کی آواز اور تیز کر دی تاکہ رضا کی بڑبڑاہٹ اسے ڈسٹرب نہ کرے، لیکن رضا کے منہ سے نکلنے والی کراہ اتنی تیز تھی کہ وہ بے ساختہ پلٹی۔ رضا کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور اس کا وجود بے جان سا ہو کر صوفے پر ڈھیر بنتا جا رہا تھا۔

''رضا، رضا کیا ہوا؟'' وہ چیخی۔

''ارے کیا ہوا میرے بچے کو......'' رقیہ بیگم جو عشا کی نماز پڑھ کر جائے نماز تہ کر رہی تھیں تیزی سے رضا کی طرف لپکیں۔

''ارے بیٹا اس منحوس ٹی وی کو تو بند کرو......یہاں جوان جہان بچہ، حال سے بے حال ہو رہا ہے اور تم نے اس کم بخت ٹی وی کو کھول رکھا ہے۔'' رقیہ بیگم نے میز پر سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا اور پھر زور سے ریموٹ میز پر پٹخا۔

''خالہ جان......'' رضا نے لب کپکپائے

''ہاں میری جان......خالہ کی جان......بولو۔'' رقیہ بیگم نے اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا......ان کی بیوہ بہن کا اکلوتا بیٹا، رضا۔

''خالہ جان مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔'' کپکپاتی آواز نکلی۔ زینی نے بڑھ کر لحاف اس پر ڈال دیا۔

''ارے بیٹا لحاف تو ٹھیک ہے جاؤ جلدی سے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ......ایک تو تم لوگ جو رات دن خوشبوئیں لگا کر پھرتے ہو ناں کس کی نظر لگ گئی......اچھا خاصا بچہ نڈھال ہو رہا ہے......میں آپا کو فون کرتی ہوں۔'' رقیہ بیگم نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔



Digitized by Google

”نہیں، نہیں خالہ جان امی کو فون مت کیجیے گا وہ ویسے ہی دل کی مریضہ ہیں، گھبرا جائیں گی، میں ذرا چائے پی لوں اور کمرے میں خاموشی ہوگی تو تھوڑی دیر آنکھیں بند کر کے لیٹوں گا تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“ زینی اپنی ماں کے کہنے پر جلدی سے چائے بنا لائی تھی۔

رضا نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے رقیہ بیگم کو تسلی دی۔

”تو بیٹا اب اگر تمہاری طبیعت بہتر ہے تو میں ذرا پڑوس میں چلی جاؤں، ان کی بیٹی کی سسرال والے آئے ہوئے ہیں۔ بلایا تھا انہوں نے۔“ رقیہ بیگم نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے رضا سے پوچھا۔

”جی بالکل......اب میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ آپ بالکل جائیں......دیکھو زینی اگر تم شرافت سے چائے پلا دیتیں تو نہ ہی تمہیں ٹی وی بند کرنا پڑتا اور نہ ہی یہ ریموٹ ٹوٹتا......مجھے تو بہت طریقے آتے ہیں اپنی بات منوانے کے بچو......“ رقیہ بیگم کے جانے بعد رضا نے لحاف اٹھا کر دور پھینکا اور ٹوٹے ہوئے ریموٹ میں سر کھپاتی زینی سے کہا......اور اس سے پہلے پاس رکھا گلدان زینی اس کے سر پر کھینچ کر مارتی چھلانگیں مارتا باہر نکل گیا......اور ایک دفعہ پھر بیوقوف بن جانے پر زینی کا دل چاہا کہ وہ پنکھے سے لٹک کر خودکشی کر لے کہ رضا ہمیشہ اپنی بات منوانے کے لیے کوئی نہ کوئی ایسا ڈراما رچاتا کہ وہ حقیقت سمجھتی اور پھر ڈراپ سین ہونے پر ہمیشہ اس کا دل چاہتا کہ وہ خودکشی کر لے۔

”آخر وہ رضا کو کب سمجھے گی، آخر کب......“ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

☆☆☆

”میں سوچ رہی ہوں کہ......“

”تم بالکل نہیں سوچا کرو اور ویسے بھی تم سوچ کر کیا کرو گی اور خالی دماغ سوچ بھی کیسے سکتا ہے۔“ رضا نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کا جملہ اچک لیا۔

”ہاں، ہاں میں تو گدھی ہوں، بیوقوف ہوں، عقلمند ہوتی، سمجھدار ہوتی تو تم سے بھلا دوستی کرتی......“ زینی جل کر بولی۔

”صرف دوستی؟ محبت کیوں نہیں کہتیں۔“ رضا صرف سوچ کر رہ گیا تھا۔ زینی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ رضا کا گلا گھونٹ دے وہ اسے اکثر عقل سے پیدل ہونے کا طعنہ دیا کرتا تھا۔

لیکن وہ رضا کا گلا کیسے گھونٹ سکتی تھی......رضا تو اس کے لیے سب کچھ تھا۔

لیکن نہ جانے کب سے شانوں پر دوپٹا پہننے سے بہت پہلے گڑیوں سے کھیلتے، کھیلتے جب گڑیاں طاقوں میں سجا دیں تب سے جب جہاں لیٹے وہیں سو گئے تب سے یا جب میٹھے، میٹھے سپنے سونے نہیں دیتے تب سے۔

رضا اس کے لیے بہت کچھ نہیں سب کچھ تھا گو کہ دونوں میں سے کسی نے اظہار نہیں کیا تھا لیکن جب دل ایک لے پر دھڑکتے ہوں تو شاید اظہار کی ضرورت نہیں پڑتی۔

لیکن اقرار، اقرار کی ضرورت......شاید ہمیشہ۔

☆☆☆

رضا، زینی کا خالہ زاد تھا۔ رضا کے والد عبدالکریم کا رضا کے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ رضا کی ماں، نفیسہ بیگم نے ساری جوانی، بیوگی کے سفید دوپٹے میں لپٹ کر مشین کی گھرر، گھرر میں گزار دی۔

رضا ہمیشہ سے ایک لائق طالب علم رہا......اسے اپنی ماں کی قربانیوں کا بے حد احساس تھا۔ بین الاقوامی تعلقات عامہ میں ماسٹرز کرنے کے بعد وہ آج کل css کے امتحانات کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

زینی اور اس کی بچپن سے بہت دوستی تھی اور اس کی دوستی کب محبت میں بدلی، دھڑکنیں کب گیت گانے لگیں۔ وہ دونوں نہیں جانتے تھے لیکن ہاں وہ دونوں جانتے تھے تو فقط اتنا کہ وہ ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ رضا ہمیشہ اس کی پڑھائی میں مدد کرتا تھا اور آج کل تو اس کے بی ایس سی فائنل کے ایگزامز ہو رہے تھے، رضا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ راتوں کو دیر تک جاگ، جاگ کر پڑھنے والی زینی کو سلا کر خود اس کی جگہ پیپر زدینے چلا جائے۔

''ویسے ایک عجیب سی بات ہے، پیپرز تمہارے ہورہے ہیں اور چہرے پر ہوائیاں تمہارے کزن کے اڑرہی ہیں۔'' آج جب زینی پیپرز دینے پہنچی تو اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتی اس کی بہترین دوست طیبہ نے کہا۔

''کزن.....ن.....اوہو.....خیریت، آپ تو شاید رضا بھائی کہتی تھیں۔'' زینی نے مار کر کا کور لگاتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں طیبہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ارے میری گھٹیا سوچ رکھنے والی بہن میں تو بھائی، بھائی جان، بھائی صاحب، دولھا بھائی سب کچھ کہنے کے لیے تیار ہوں لیکن تم نہ کہنا کیونکہ.....کزن کو سجن بننے میں کتنی دیر لگتی ہے.....بس تین دفعہ قبول ہے، قبول ہے.....قبول ہے.....یہی تو کہنا پڑتا ہے۔'' طیبہ نے اس کے گھورنے کی پروا کیے بغیر انتہائی اطمینان سے کہا۔ وہ ایسی ہی تھی۔

ایک لمحے کے لیے زینی کا دل بری طرح دھڑکا، اس کو لگا اس کا سارا وجود پسینے میں شرابور ہوگیا ہو۔

''چلو اندر پیپر شروع ہونے والا ہے، فضول باتوں میں تو تمہارا جواب ہی نہیں نہ جانے کیا، کیا الٹی سیدھی سوچتی رہتی ہو اور کمال یہ کہ بول بھی دیتی ہو۔'' زینی نے جلدی، جلدی کہا۔ اور تیزی سے آگے قدم بڑھادیے، وہ طیبہ کی کھوجتی نظروں سے دور جانا چاہتی تھی۔ دل کہہ رہا تھا کہ طیبہ صحیح کہہ رہی ہے لیکن دماغ۔

''ویسے رضا بھائی آپ نے خواہ مخواہ اس قدر محنت کی، محترمہ کے آثار نہیں ہیں پاس ہونے والے۔'' طیبہ نے چائے کی ٹرے اندر لاتی زینی کو دیکھتے ہوئے رضا کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

سیاہ لان کا پرنٹڈ سوٹ شانوں پر پھیلا اور نچ سلک کا دوپٹا.....میک اپ سے بے نیاز چہرہ، کاجل سے بھری سیاہ آنکھیں عارض کو چھوتی آوارہ بالوں کی لٹیں.....گلابی مائل دودھیا کلائیوں میں پھنسی چار کانچ کی سیاہ چوڑیاں اور خوب صورت پیروں کو جکڑی سیاہ انگوٹھے والی چپل..... رضا کو ایک لمحے کو تو ایسا لگا.....جیسے کائنات میں سے ہر چیز، ہر وجود ہوا میں تحلیل ہوگیا ہو.....اور جو بچا ہے وہ صرف اور صرف زینی کا وجود ہے۔ نرم.....مسکراتا، مہکتا، لچکتا، وجود.....

''ارے.....رضا بھائی میں کچھ کہہ رہی تھی اور آپ نہ جانے کہاں کھو گئے.....'' طیبہ نے ہنستے ہوئے رضا کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا اور رضا جیسے حال میں واپس آگیا۔

''کہہ رہی تھیں کیا کچھ تم طیبہ.....'' رضا نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بے ربط لہجے میں پوچھا۔

''نہیں کیا ہوا، بھئی کہیں پینے دینے تو نہیں لگے۔'' زینی نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

''لو جی.....یہاں ساری کہانی سنادی اور وہ پوچھ رہے ہیں کہ زلیخا مرد تھی یا عورت.....حد ہوتی ہے۔ بے قدری کی.....ارے میرے بھائی میں کچھ نہیں کہہ رہی بس یہ بتارہی تھی کہ آج کل آلو کافی سستے ہیں، میں سوچ رہی ہوں، دس کلو آلو خرید کر فرنچ فرائز کا ٹھیلا لگالوں۔'' طیبہ جل ہی تو گئی۔

''کیا واقعی.....! پھر میری پارٹنر شپ پکی آپ کے بزنس میں۔'' رضا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ اور طیبہ تو جیسے غصے سے ابل ہی پڑی۔

''رضا.....بھ.....بھائی.....'' طیبہ کے منہ سے نکلا۔

''ارے میری بہن.....آپ تو برا ہی مان گئیں۔'' طیبہ کے منہ بسورنے پر رضا گھبرا ہی گیا۔

''ارے چھوڑیں آپ اسے، یہ تو آدھی پاگل ہے، آپ چائے پئیں، اسپیشل الائچی والی چائے، ایسی زبردست چائے ہے کہ آپ ''چائے شائے'' کی چائے بھول جائیں گے۔'' زینی نے رضا کو چائے کا کپ پکڑواتے ہوئے ایک مخصوص جگہ کا نام لیا جہاں کی چائے آج کل نوجوانوں میں بہت شہرت پارہی تھی۔

''لو یہ ہیں آج کل کی بیسٹ فرینڈ، جن کے گھر آنے کے لیے آپ کی اماں کی ڈھیروں صلواتیں سنو، جھوٹے، جھوٹے بہانے بناؤ اور یہ محترمہ اس طرح عزت افزائی کررہی ہیں، اللہ پاک آپ دیکھ رہے ہیں ناں، اللہ پاک رحم، کراماً کاتبین بھی لکھتے ہوئے کیا



Digitized by Google

سوچ رہے ہوں گے، ایسی بے عزتی.....'' طیبہ نے منہ بسورتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دہائی دی۔

اور اس کے اس انداز پر زینی اور رضا کوشش کے باوجود اپنا قہقہہ نہیں روک سکے تھے۔

☆☆☆

''آپ آئیں گے ناں؟''

''ہاں، یار پوری کوشش کروں گا دراصل پڑھائی کا لوڈ کافی ہے۔'' رضا نے شادی کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے زینی کو تسلی دی۔ طیبہ کے بھائی کی شادی تھی اور اس نے خاص کر رضا کو بلایا تھا اور زینی شادی کارڈ لیے اصرار بھرے انداز میں اس کے سر پر کھڑی تھی۔

رضا نے کارڈ پر سے نظریں اٹھا کر زینی کی طرف دیکھا۔

''جہاں تم ہو، وہاں میرا دل چاہتا ہے، تمہارے چاروں طرف حصار بن کر چھا جاؤں، تم مجھ سے پوچھ کیوں رہی ہو..... تم یہ کیوں نہیں کہتیں میں کچھ نہیں جانتی، ہوتی رہے گی پڑھائی وڑھائی بس آپ کو آنا ہوگا۔ بس ضرور، ضرور آئیے گا، میں کہہ رہی ہوں ضرور آنا ہوگا، میں آؤں گا۔ سر کے بل آؤں گا۔''

رضا کے دل نے زینی کے دل پر دستک دیتے ہوئے سرگوشی کی۔

☆☆☆

''اُف اللہ امی میں کیا کروں.....؟ اس قدر دیر ہو رہی ہے، برات جانے کو تیار ہے۔ طیبہ کے گھڑی، گھڑی فون آرہے ہیں، میں نے رضا سے کہا تھا کہ خالہ جان بھی جائیں گی اور مجھے بھی ساتھ لے لینا، اب فون بھی ریسو نہیں کر رہے، اللہ میں کیا کروں؟'' زینی نے بے قراری سے ٹہلتے ہوئے ماں سے کہا۔

''بیٹا رضا کے پاس گاڑی تو ہے نہیں یا تو ٹیکسی نہیں مل رہی ہوگی اور ویسے بھی تمہاری سہیلی کے گھر والوں کو ضرورت کیا تھی شہر کے آخری کونے میں شادی رکھنے کی اوپر سے ہم سب کو بھی بلالیا۔'' رقیہ بیگم نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا بچی جان..... کیا بات ہے؟'' لاؤنج میں داخل ہوتے ہی زینی کے تایا زاد عباس نے انگلی میں کی رنگ گھماتے ہوئے زینی پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ میرون نیٹ کا کرتا اور گرین جامہ وار کی لائننگ اور گرین نیٹ کا دوپٹا جس کے بارڈر پر خوب صورت سلمٰی اور دبکے کا کام تھا۔ گرین کنواب کا آڑا پاجامہ پیروں میں گرین اور میرون کمبی نیشن کے سلیم شاہی کھسے، ہاتھوں میں کھنکتی چوڑیاں، کانوں میں جھولتے جھمکے، مہارت سے کیے ہوئے میک اپ سے سنوارا ہوا دل نشین چہرہ، گھٹنوں کو چھوتی چوٹی۔

''تم..... تم اتنی حسین ہو، مجھے آج سے پہلے کیوں نہیں پتا چلا..... اور حد کردی ہماری امی نے بھی..... اگر میری نظر کمزور ہوگئی تھی تو کیا اُن کو بھی آس پاس چمکتے چاند نظر نہیں آتے.....''

عباس نے زینی کا سراپا دل ہی دل میں سراہتے ہوئے اپنے آپ کو ہی لعن طعن کیا۔

☆☆☆

''بیٹا وہ تو چلی گئی.....''

''چلی گئی مگر کس کے ساتھ؟'' رضا کے منہ سے حیرت بھرے انداز میں نکلا۔

''ہاں بیٹا..... بہت دیر ہوگئی تھی ناں تو میں نے اسے عباس کے ساتھ بھیج دیا۔ طیبہ کے گھڑی، گھڑی فون آرہے تھے اور تم فون ہی نہیں اٹھا رہے تھے۔'' رقیہ بیگم نے خاموش کھڑے حیرت سے تکتے رضا سے کہا۔

''وہ میرے بغیر چلی گئی؟ اور گئی بھی تو عباس کے ساتھ..... کیا مجھے واقعی دیر ہوگئی؟''

رضا اپنے ہی سوالوں سے گھبرا گیا۔ اور پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

رضا کو کوشش کے باوجود دیر ہوگئی تھی۔ نفیسہ بیگم کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی تھی، پہلے انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا، آج ٹیوشن کی بھی چھٹی کی، اسے اسائنمنٹ بھی تیار کرنا تھا، اسے رات تک کے لیے موخر کیا اور اوپر سے جلدی میں فون دوست کے گھر بھول گیا۔

''میں کیا، کیا کرتا رہا کہ اسے میرے ساتھ جانا تھا



Digitized by Google

لیکن مجھے ذرا سی دیر کیا ہوئی، کہ وہ میرے بغیر ہی چلی گئی۔'' رضا نے شادی میں جانے کا پروگرام سرے سے کینسل کرتے ہوئے پائیک صحن کے کونے میں کھڑی کردی۔ یقین اور بے یقینی کے درمیان ڈولتے ہوئے اس نے اپنے آپ سے کہا تھا۔

وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے سوچنے اور نہ سوچنے سے کیا فرق پڑتا تھا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کا سر درد سے پھٹنے لگا..... وہ کہیں اور پہنچ گیا تھا۔

''نہیں، زینی میری پارٹنر بنے گی.....'' عباس نے زینی کی کلائی مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔

''لیکن زینی تو میری پارٹنر ہے.....'' رضا چلایا۔

''ہوگی پارٹنر..... لیکن اب میں آگیا پارٹنر شپ ختم، زینی میرے ساتھ کھیلے گی اور تم کوئی دوسرا پارٹنر ڈھونڈ لو۔'' رضا نے زینی کی طرف دیکھا اور زینی نے اپنی کلائی کو جو عباس کی گرفت میں تھی۔

عباس آج ہی ہاسٹل سے آیا تھا، دولت کی فراوانی اور ماں، باپ کے لاڈ نے بے حد خود سر بنا دیا تھا۔ بعض اوقات اسے اس چیز سے رغبت ہوتی اور نہ ہی ضرورت مگر پھر بھی وہ دوسروں سے چھین لیتا اور پھر دوسروں کی پسندیدہ چیزوں کو چھین کر اسے ایک عجیب سا احساس برتری ہوتا اور پھر چند دنوں بعد وہ بھول جاتا کہ کس کھلونے کے لیے کوئی تڑپا تھا اور وہ کھلونا اس کے گھر کے کسی کونے میں پڑا سسک رہا ہے۔ اسے احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ جس چیز کو رکھ کر بھول گیا ہے وہ کسی کی زندگی تھی۔

☆☆☆

''مجھے یقین ہے زینی، رضا بھائی تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' طیبہ نے سلاد بناتی زینی سے انتہائی راز داری سے کہا۔ اس کے انداز پر سنجیدگی سے کھیرا کاٹتی زینی کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''پتا نہیں.....'' زینی نے اس کی بے چینی کو انجوائے کیا۔

''پتا نہیں، بڑی آئیں پتا نہیں۔ ارے وہ تو تمہاری محبت کا چلتا پھرتا اشتہار بنے پھرتے ہیں، دیکھنا انہیں دیکھ کر تو کسی بھی دن گلی کے بچے عاشق، عاشق کا نعرہ لگا رہے ہوں گے بلکہ نعرے نہیں پتھر مار رہے ہوں گے اور تم باورچی خانے کی کھڑکی میں کھڑی رو، رو کر گا رہی ہوگی۔

کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو

جناب بات یہاں تک پہنچ گئی ہے مجھے یقین ہے دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔'' طیبہ نے کچھ اس طرح کہا کہ زینی کی ہنسی نکل گئی۔

''اور یہ محترمہ بڑی معصومیت سے کہہ رہی ہیں پتا نہیں، حد ہوتی ہے بھئی بے عزتی کی۔ اب میری یہی تو اوقات رہ گئی ہے کہ تم زینی تم، اُف تم..... اب مجھ سے بھی چھپاؤ گی۔ یا اللہ پاک، اس لمحے سے پہلے مجھے موت کیوں نہ آگئی۔'' طیبہ نے گلاس سے پانی انگلی کے پوروں میں لگا کر آنکھوں کو گیلا کرتے ہوئے آسمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دہائی دی۔

''پتا نہیں محبت کرتے ہیں یا نہیں، کبھی اظہار تو کیا نہیں، ہاں توجہ دیتے ہیں، خیال رکھتے ہیں شاید پسند بھی کرتے ہیں لیکن ان مردوں کو کیسے سمجھایا جائے عورت اظہار کی بھوکی ہوتی ہے، محبت کی طلب اسے صحرا بہ صحرا بھٹکاتی ہے، محبت وہ واحد حربہ ہے جو مضبوط سے مضبوط عورت کو بھی ڈھیر کر دیتا ہے۔ انا پرست عورت بھی مردوں کے پیروں میں جا بیٹھتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا اگر یہ مرد محبت کرتے ہیں تو چھپاتے کیوں ہیں، اظہار کیوں نہیں کرتے۔ کوئی زادِ راہ کیوں نہیں دیتے کوئی ایسا جملہ جسے تکیہ بنا کر عورت ساری زندگی اپنے آنسوؤں کا گواہ بنا دے مگر یہ مرد۔'' طیبہ کی بات نے اسے سوچوں کے دلدل میں اتار دیا تھا۔

☆☆☆

''میں محبتوں میں اظہار چاہتی ہوں
تمہارے لبوں سے کچھ سننا چاہتی ہوں
بس یہی ایک بات.....
یہ ایک جملہ میری جھولی میں ڈال دو
میری زندگی کے کشکول میں..... کہ
''مجھے تم سے محبت ہے.....''



Digitized by Google

اس کی ڈائری میں خوب صورت حاشیے میں اسی کی شاعری جگمگا رہی تھی۔

''زینی میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں، میں تمہارا دامن محبتوں سے بھر دوں گا۔ میری وارفتگی، میری محبت کا کیا تمہیں ذرا احساس نہیں جو تم سننا چاہتی ہو۔''

رضا نے زینی کی ڈائری کے ورق کو پلٹتے ہوئے تصور میں اسے مخاطب کیا۔ آج جب وہ اپنی خالہ کے گھر زینی کو پڑھانے گیا تو اسے بک شیلف میں رکھی یہ ڈائری نظر آ گئی جو وہ خاموشی سے اٹھا لایا اور رات کے اس پہر اس کے ایک، ایک صفحے پر درج محبت کی داستان اسے سرشار کر رہی تھی۔ ''زینی، تمہیں کیا پتا؟ تم میرے لیے کیا ہو اتم تو میری، رگِ جان......''

☆☆☆

''اگر تمہاری تمام شر انگیزیاں ختم ہو گئی ہوں۔'' زینی نے سلاد چھوڑ کر کھیرا کھاتی طیبہ کے ہاتھ سے کھیرے کی ڈش لیتے ہوئے کہا۔ ''تو پلیز ذرا یہ سلاد اور چٹنیاں ڈائننگ ٹیبل پر رکھ آؤ اور ذرا تمیز سے رکھنا۔ تایا ابا کی فیملی آج کھانے پر آ رہی ہے۔'' زینی نے سلاد اور چٹنی کی ٹرے طیبہ کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے باہر دھکا دیا۔

''کیوں؟ کیوں؟ آ رہی ہے، تمہارے تایا کی فیملی؟'' طیبہ نے کچن سے نکلتے، نکلتے اندر منہ کر کے پوچھا۔

☆☆☆

''بس اللہ کرے کوئی اچھی سی لڑکی مل جائے۔'' خالدہ نے اپنے میاں سے کہا۔

''رشتے والی تعریف تو بہت کر رہی تھی، بھئی میرا ایک ہی ایک تو بیٹا ہے مجھے تو بھئی صاف بات ہے کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آ رہی۔''

''امی!'' خالدہ بیگم جو بہت پُر جوش طریقے سے اپنے میاں سے باتیں کرنے کے ساتھ، ساتھ تیار بھی ہو رہی تھیں دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے بیٹے کی آواز پر چونک کر پلٹیں۔

آج برسوں بعد اُن کو اس کی آنکھوں میں بچپن جیسی ضد نظر آئی۔

☆☆☆

''خدا کے واسطے معاف کر دو، یہ میرے تایا کے بھائی کا گھر ہے وہ ہر وقت آ سکتے ہیں، تم ساری فضول باتیں بند کرو بلکہ آج تم بھی ہمارے ساتھ ہی کھانا، کھانا کیونکہ امی کہہ رہی تھیں تھوڑا کھانا اللہ واسطے کا نکال کر کسی ضرورت مند کو کھلا دینا......اب تم سے زیادہ مستحق کون ہوگا؟'' زینی نے گھورتی ہوئی طیبہ کی قطعی پروا نہیں کی بلکہ اسے کندھوں سے پکڑ کر کمر دروازے کی طرف دھکیل دیا۔

''تم بدتمیز......تم سے تو میں پوچھ ہی لوں گی لیکن ایک بات کہہ دوں۔'' طیبہ نے باہر نکلتے، نکلتے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر عجیب پُر اسرار انداز میں کہا۔ ''تمہاری ہنسی بہت خوب صورت ہے، ہنستی رہا کرو۔''

''دفع ہو، ڈرا ہی دیا۔'' زینی نے اس کی کمر پر.... دو ہتھڑ مارا اور پھر بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔ وہ ہنستی بھی تو بہت تھی۔

☆☆☆

''امی آپ ہنستی کیوں نہیں ہیں، میں نے اتنا اچھا جوک سنایا اور آپ ہنسی بھی نہیں......'' احسن نے منہ بنایا۔

''میرا بچہ ہنس تو رہی ہوں۔'' اس نے محبت سے احسن کو سینے میں سموتے ہوئے کہا۔

''نہیں بالکل غلط، بالکل غلط......بالکل جھوٹ، آپ کبھی نہیں ہنستیں بلکہ مسکراتی بھی نہیں ہیں۔ امی میرے سارے دوستوں کی امیاں ہنستی ہیں، قہقہے لگاتی ہیں لیکن آپ......آپ بالکل نہیں ہنستیں۔'' احسن بسورا۔

''اچھا لو، دیکھو میں ہنس رہی ہوں۔'' وہ ہنسی۔

''نہیں، آپ دل سے نہیں ہنس رہیں۔'' احسن اپنے باپ کی طرح ضدی تھا۔

''دل، دل سے کیسے ہنستے ہیں؟ یہ بات تو بیتا برسوں ہوئے میں بھول چکی ہوں، ہنسی میری زندگی سے کب نکلی، خوشی کا مفہوم کب بدلا، میں نہیں جانتی۔'' وہ سوچ کر رہ گئی۔

''اچھا چلو چھوڑو، ایک بات بتاؤ، ایک دن امی اس دنیا میں نہیں ہوں گی، تمہارے دوست تم سے



Digitized by Google

پوچھیں گے کہ تمہاری امی کیسی تھیں تو کیا بتاؤ گے، مجھے بھی تو پتا چلے، میرا بیٹا میری کون، کون سی باتوں کو پسند یا ناپسند کرتا ہے یا یوں کہہ لو کہ اپنی امی کو کتنا جانتا ہے۔'' زینب نے احسن کو دوسری طرف لگایا۔

''میں بتاؤں گا میری امی بہت پیاری تھیں، بہت محبت کرنے والی انہیں کپڑوں کا بہت شوق تھا، بلیک کلر میری امی کا فیورٹ کلر تھا۔ میری امی بہت اچھی تھیں، وہ ہمارا بہت خیال رکھتی تھیں، گھر کے سارے کام کرنے کے باوجود ہمیں بہت ٹائم دیتی تھیں۔''

''ارے واہ میرا بیٹا تو بہت پیارا ہے، امی کے بارے میں سب جانتا ہے۔'' زینب نے محبت سے احسن کو اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔

''ارے امی سنیں تو..... پوری بات تو سنیں۔'' احسن کسمسایا۔

''ارے ابھی اور بھی کچھ کہنا ہے او کے باس کہیے۔'' زینب بے ساختہ ہنس دی..... لیکن کتنے عرصے بعد وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

''میری امی دنیا کی سب سے اچھی امی تھیں وہ ایک پرفیکٹ لیڈی تھیں، وہ میرے پاپا کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں، ان سے سب محبت کرتے تھے لیکن.....'' احسن کہتے، کہتے رکا۔

''لیکن کیا میرے بچے.....'' زینب نے احسن کو ہچکچاتے ہوئے دیکھ کر محبت بھرے انداز میں پوچھا۔

''لیکن..... وہ.....''

''ہوں بولو.....''

''لیکن ان سے میرے پاپا بالکل محبت نہیں کرتے تھے۔'' اس معصوم کے لفظ تھے یا بارود، زینب کو ایسا لگا جیسے وجود کے پرخچے اڑ گئے ہوں..... اس کی بند مٹھی کھل گئی ہو۔ جس بات کو وہ اپنا دکھ سمجھ کر راز کی طرح ساری دنیا سے چھپاتی پھرتی تھی وہ اس کے معصوم سے بیٹے نے نوٹ کرلی۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ ایک دم کھڑی ہوگئی کہ بھرم کی پوٹلی بیچ چوراہے پر کھلنے پر اسے رونا تھا..... بہت رونا تھا۔

☆☆☆

''ایک تو سارے گھر کی فرمائش پوری کرتے، کرتے میں اللہ کو پیاری ہوجاؤں گی..... کسی کو چائے چاہیے تو کسی کو کافی، کس کا دل کسی پینے کو چاہ رہا ہے تو کسی کو ملک شیک چاہیے۔'' آج زینی کے گھر اس کی دونوں بڑی بہنیں افطار پر آئی تھیں اور وہ بہنوں اور ان کے بچوں کی فرمائشیں پوری کرتے، کرتے ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی۔ ''اور اچھا آپ بھی بتائیے آپ کو کیا چاہیے۔'' وہ بولتی ہوئی خاموش بیٹھے رضا کی طرف پلٹی۔

ہلکے گلابی رنگ کے لان کے سوٹ میں اس کا گلابی چہرہ ایمان ڈانواں ڈول کر رہا تھا، رضا نے بہت گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر آہستگی سے کہا۔ ''تم.....'' لفظ تھا یا کہکشاں، زینی کو ایسا لگا جیسے اس کا وجود ہواؤں میں تحلیل ہوگیا ہو اور وہ آسمان کی وسعتوں میں کہیں گم ہوتی جا رہی ہو۔ اس نے ایک نظر رضا کی جذبوں سے چور آنکھوں میں دیکھا۔ پسلیوں کو توڑے دل کو قابو کرنے میں جب ناکام ہوگئی تو خاموشی سے پلٹ گئی۔

کبھی، کبھی لفظ جیسے گونگے ہوجاتے ہیں، اس کا اسے اندازہ ہوگیا تھا اور رضا، رضا اس کی کپکپاتی پشت کو دیکھتا رہ گیا اور پھر خاموشی سے اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا کہ بعض دفعہ جذبوں پر بند باندھنا اس قدر مشکل ہوجاتا ہے کہ پھر ہم کو منظر سے غائب ہونا ہی پڑتا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا بعض اوقات منظر میں رہنا کتنا ضروری ہوتا ہے، چند لمحوں کی منظر سے غیر حاضری سارا منظر ہی بدل دیتی ہے۔

☆☆☆

''زینی مجھے تم سے بہت محبت ہے، ان شاء اللہ بہت جلد ہم پھولوں سے ڈھکا ایک خوب صورت سا گھر بنائیں گے اور پھر ان شاء اللہ آتشدان کے قریب بیٹھ کر، اپنے دل کی حکایتیں ایک دوسرے کو سنائیں گے..... بس میرا رزلٹ آجائے تو میں امی کو تمہیں مانگنے بھیجوں..... زینی تم میری ہو لیکن ایک دفعہ اپنے منہ سے بھی کہہ دو تم میری ہو.....'' رضا نے تکیے پر سر رکھ کر کھڑکی سے نظر آتے جگمگاتے تاروں پر نظر جمائے،



Digitized by Google

جمائے اپنے آپ سے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

اس کا تکیہ رات کے ساتھ، ساتھ بھیگ رہا تھا، زینی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ رات اس کی زندگی میں کیسے آگئی..... وہ تو سمجھتی تھی کہ زندگی کی ہر خوشی کی طرح یہ خوشی بھی اسے بن مانگے مل جائے گی۔ لیکن بعض اوقات گڑیوں جیسی نازک بیٹیوں کو ہاتھ کا چھالا بنا کر پالنے والے ماں، باپ سود سمیت اپنی محبت کا صلہ مانگ لیتے ہیں۔

بیٹیوں کے سروں پر مان، محبت، خاندان، یقین، امید کی گٹھڑی رکھ کر اسے اقرار میں گردن ہلانے پر مجبور کردیتے ہیں۔ بیٹیوں کے نازک کندھوں پر خاندانوں کی عزت کا بوجھ رکھنے والے ماں، باپ کس طرح اپنی محبتوں کا تاوان وصول کرتے ہیں اگر انہیں اندازہ ہوجائے تو شاید وہ کبھی اپنی نازک بیٹیوں کو آزمائش میں نہ ڈالیں۔ اور بیٹیاں، بیٹیاں شاید بلی کی طرح ہوتی ہیں، دنیا کے کسی بھی کونے میں چلی جائیں ان کی نظریں باپ کی دہلیز پر ہی جمی رہتی ہیں اور ان کے لب اپنے میکے کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔ ترازو پر رکھی محبتوں کے اونچے نیچے ہوئے پلڑوں میں سے اس کو کسی ایک کا وزن پورا کرنا تھا کسی ایک پلڑے میں اپنی زندگی رکھنی تھی۔ وہ جانتی تھی، اس کا دل رو رہا تھا۔ اس نے تصور کی آنکھوں سے اوپر پہنچتے ہوئے پلڑوں کو دیکھا۔ ایک طرف اس کی زندگی تھی۔ اس کی خوشیاں، اس کے ارمان، اس کے خواب، اس کی ہنسی تھی اور دوسری طرف وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ جانتی تھی لیکن جاننے سے کیا ہوتا ہے؟ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ سب کچھ جاننے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ سوچتے، سوچتے اس کا دماغ دکھنے لگا تھا، وہ تھکنے لگی تھی، اس کا سر اور کندھے شل ہورہے تھے، اس نے بے دردی سے الٹے ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو صاف کیے اور پھر زندگی اٹھا کر ترازو کے اس پلڑے میں رکھ دی جس پلڑے میں وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ زندگی اور سانس لینے کا فرق اسے اچانک بہت اچھی طرح سمجھ میں آگیا۔ اور پھر کمرے میں ایک طرف کھڑی آنسو بہاتی اپنی خواہشوں، آرزوؤں، خوشیوں، ارمانوں اور خوابوں کو ایک پوٹلی میں باندھ کر اس نے دل کے... تہ خانوں میں دفن کرکے تالا لگایا..... ایک ایسا تالا جس کو اب وہ خود بھی کھولنا نہیں چاہتی تھی۔

زندگی کے فیصلے اتنے آسان نہیں ہوتے، اس نے کرب سے سوچتے ہوئے اپنی خالی ہتھیلیوں کو دیکھا اور پھر پھوٹ، پھوٹ کر رو دی کہ رونا اب تقدیر ٹھہرا تھا، آنسو کبھی آنکھ سے اور کبھی دل سے نکلیں گے اور تقدیر یکتی رہے گی۔

☆☆☆

سارا کمرا سرخ گلابوں کی مہک اور حسین سجاوٹ کے ساتھ بہت مہک رہا تھا۔ قیمتی فرنیچر اور ہر چیز میں بے پناہ اعلیٰ ذوق جھلک رہا تھا، اس نے ہلکا سا گھونگٹ سرکا کر ترچھی نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر بیڈ کے سامنے لگے قد آدم فریم میں جگمگاتی اس کی اپنی تصویر پر اس کی نظر جم گئی۔

☆☆☆

''تو تم نے ہاں کردی.....؟'' وہ جو ساری دنیا سے چھپ کر اپنے کمرے میں بیٹھی تھی، اس کی آواز پر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''زینی بلکہ محترمہ زینب صاحبہ..... میرا سوال اتنا مشکل تو نہیں کہ آپ گنگ ہی ہوجائیں۔'' رضا کا لہجہ اور انداز دونوں زہریلے تھے..... اسے اپنا وجود زہر، زہر ہوتا محسوس ہوا۔

آج رضا کا CSS کا رزلٹ آیا تھا اور وہ جو اپنی کامیابی کی خوشی سب سے پہلے زینی کے ساتھ شیئر کرنے آیا تھا، سامنے میز پر رکھے مٹھائی کے ٹوکرے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''ارے خالہ جان، اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، میرا شاندار رزلٹ آیا ہے اور آپ نے مٹھائی بھی منگوالی، الحمدللہ خالہ جان امی کی پریشانیوں کے دن ختم۔ ان شاء اللہ میں جلد ہی ٹریننگ پر چلا



Digitized by Google

جاؤں گا آپ کو معلوم ہے ناں، CSS میں میری پہلی پوزیشن آئی ہے، ارے بس اسی خوشی میں، میں بھی باؤلا ہوگیا ہوں، آپ کو معلوم ہے جبھی تو آپ سے مٹھائی منگوائی ہے اور.....''

''بیٹا یہ مٹھائی زینب کی سسرال سے آئی ہے۔'' وہ جو پُرجوش لہجے میں بولے چلے جارہا تھا، رقیہ بیگم کے دھیمے لہجے میں کہے گئے جملے نے اس کے پرخچے اڑادیے۔

''زینی کی سسرال سے، کیوں؟'' رضا ہکلایا۔

''زینی کی سسرال کہاں سے آگئی؟''

''ہاں بیٹے، کل رات اس کا رشتہ عباس سے طے کردیا ہے اس کے ابو نے، اگلے مہینے شادی ہے۔'' رقیہ بیگم بھانجے کی کیفیت کو سمجھ رہی تھیں لیکن حقیقت سے کب تک نظریں چرائی جاسکتی تھیں۔ رضا کو لگا جیسے اس کا وجود ریزہ، ریزہ ہوکر ہوا میں بکھر گیا ہو، ساتوں آسمان دھڑ، دھڑا اس پر آگرے ہوں، زلزلے سے زمین پھٹ گئی ہو اور اس کا وجود چیختا چلاتا زمین میں دھنستا چلا جارہا ہو۔

''لیکن کیوں؟ عباس کے ساتھ ہی کیوں؟'' اس کا دل رویا اور اسے اپنا دل بیٹھتا اور لب سوکھتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''یار..... میری سمجھ میں تمہارا کزن نہیں آتا اسے پرابلم کیا ہے میرے ساتھ۔'' رضا، زینی پر جھنجلایا۔

''چلو چھوڑو، ایسے ہی ہیں وہ، تھوڑے ضدی ہیں۔'' زینی نے موضوع کو ٹالنے کی کوشش کی۔

''تھوڑے ضدی، بہت ضدی، بہت بدتمیز۔'' طیبہ نے لقمہ دیا۔ اچھا خاصا کیرم سیٹ تھا کہ عباس چلا آیا۔

''نہیں کیرم نہیں لوڈو کھیلتے ہیں۔'' عباس نے رضا پر نظریں جماتے ہوئے کہا..... اور ساتھ ہی اسے بگاڑنے کو بڑھا۔

''لیکن عباس بھائی.....''

''کوئی لیکن ویکن نہیں، میرا موڈ لوڈو کھیلنے کا ہے اور لوڈو میں زینب میری پارٹنر ہوگی۔'' عباس کا لہجہ حتمی تھا، ساتھ ہی کیرم کی گوٹیں بکھر چکی تھیں۔

''مجھ سے زیادہ اچھا لوڈو، طیبہ کھیلتی ہے، وہ آپ کی پارٹنر بن جائے گی۔'' زینب منمنائی۔

''اور تم، تم رضا کی پارٹنر بننا چاہتی ہو؟'' عباس غرایا۔

''تم لوگوں کا جو دل چاہے کھیلو میں جارہا ہوں۔'' عباس نے نہ صرف جل کر کیرم کی گوٹیں بکھیر دیں بلکہ دو تین اٹھالیں، سب حیران رہ گئے تھے۔ اور عباس کے چہرے پر ایک کمینی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ رضا سے اسے شدید چڑ تھی اور یہ شاید ازلی چڑ تھی۔

عباس اور رضا شروع سے ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ عباس جتنی بھی کوشش کرتا وہ رضا کو کبھی beat نہیں کرسکا تھا۔ رضا ہمیشہ کلاس میں فرسٹ آتا۔ رضا بہترین ڈبیٹر تھا، بہترین ٹینس پلیئر تھا، وہ ٹیچرز میں بے پناہ پسندیدہ تھا..... اسکول، کالج اور پھر یونیورسٹی جہاں رضا ہوتا، عباس مجمع کا حصہ بن جاتا۔

عباس کبھی رضا سے آگے تو بہت بڑی بات رضا کے برابر بھی نہیں آسکا تھا۔ اسے تو رضا سے ایک عجیب سا حسد تھا۔ وہ رضا سے ہر چیز چھین لینا چاہتا تھا۔ لیکن زینب کوئی چیز تو نہیں تھی، کوئی ٹرافی، کوئی شیلڈ یا کوئی سرٹیفکیٹ تو نہیں تھی، زینب، رضا کی زندگی تھی۔ کوئی کیرم یا شطرنج کی بازی تو نہیں تھی کہ جب عباس کا دل چاہے پلٹ دے۔ کیا اس کی زندگی اس کی محبت، اس کی خوشیاں عباس کے لیے کیرم کی ایک بازی کی طرح تھیں جب اس نے چاہا پلٹ دی۔

''ہاں.....'' زینب نے دھیمے لہجے میں کہا اور رضا جو ماضی کی بھول بھلیوں سے الجھ رہا تھا جیسے حال میں واپس آگیا۔

''تم زینی، تم میری ہو، صرف میری، ہم نے کتنے سارے خواب ایک ساتھ دیکھے، کتنے ہی ان کہے اقرار ہمارے درمیان ہوئے ہیں، ہم نے ایک دوسرے سے بہت محبت کی ہے تم..... تم ہر چیز، ہر بات بھلا کر ہاں کیسے کرسکتی ہو، مجھے تم سے محبت ہے زینی..... بولو، جواب دو.....'' رضا کو لگ رہا تھا کہ اس کا وجود پانی کی طرح بہہ جائے گا۔ اور زینی، زینی کی آنکھیں رو، رو کر شاید تھک چکی تھیں۔



Digitized by Google

''زینی تم نے ہاں کیسے کردی؟'' رضا پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔

''بیٹا تم میری وہ فرمانبردار بیٹی ہو جس سے میں اگر نہ بھی پوچھتا تو بھی مجھے یقین تھا تم انکار نہیں کرتیں کیونکہ تم جانتی ہو بڑوں کی مرضی ہی تمہاری خوشی اور فلاح ہے لیکن میں نے اپنی بڑی بیٹی کا رشتہ طے کرنے سے پہلے اس کی مرضی ضرور معلوم کی ہے تو بیٹا تم سے بھی پوچھ رہا ہوں، تمہارے تایا ابا یعنی میرے بھائی جان نے ساری زندگی مجھے دیا ہی ہے کبھی کچھ نہیں مانگا وہ میرے بھائی ہی نہیں بلکہ میرے باپ کی طرح ہیں، آج انہوں نے مجھے بڑی عزت بخشی اور آج زندگی میں پہلی بار انہوں نے مجھ سے کچھ مانگا ہے اور بیٹا میں انہیں منع نہیں کرسکتا، انہوں نے عباس کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی میری عزت اور میرا مان رکھے گی۔''

زینب جو خاموش بیٹھی اپنا اسائنمنٹ تیار کررہی تھی باپ کی تمہید پر لب سیئے خاموش بیٹھی ماں کو دیکھنے لگی۔ ماں اور بیٹی میں ایک عجیب سا رشتہ ہوتا ہے، مائیں، بیٹیوں کو اندر تک کھوج لیتی ہیں، ماں کی آنکھیں، بیٹی کے دل کا تالا کھول کر اس میں رکھی تصویر کو دیکھ لیتی ہیں۔ رقیہ بیگم نے بھی جب خاموش بیٹھی بیٹی کے دل میں سجی تصویر کو غور سے دیکھا تو ان کا لہجہ کٹ کر رہ گیا لیکن وہ بے بس تھیں، کچھ بولتیں تو اُن کی تربیت پر حرف آتا۔ ان کی بیٹی کے کردار پر انگلی اٹھتی محبت جرم تو نہیں وہ جانتی تھیں لیکن بعض اوقات محبت کو نظر انداز کرنا مجبوری بن جاتا ہے اور جب مجبوری کو چھپایا جاتا ہے تو وہ ناسور بن جاتی ہے اور وہ ناسور ساری زندگی کو چاٹ جاتا ہے۔

ان کی جہاندیدہ آنکھوں نے بیٹی کی محبت کو اس کی آنکھوں میں سسکتا دیکھا اور پھر۔ ''بیٹا دل کی بات دل ہی میں رہنے دو، اپنی محبت کو کسی اندھے کنویں میں دفن کردو، محبت کو چھپانے کا پیغام دیتی آنکھوں کے ساتھ انہوں نے کہا۔ ''جیسا کہ تمہارے ابا نے بتایا ہے کہ تمہارے تایا ابا نے تمہارا رشتہ عباس کے لیے مانگا ہے، تمہارے ابا ہاں کرچکے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''عباس!'' اس کے دل میں برسوں سے آویزاں رضا کی تصویر روئی۔

اس نے نم آنکھوں سے پہلے باپ اور پھر ماں کی طرف دیکھا، جن کی آنکھیں کہہ رہی تھیں، بیٹی انکار نہ کرنا ہماری ساری زندگی کی ریاضت پر پانی پھر جائے گا۔ ان پیاروں کی آنکھیں پڑھنے کے بعد کیا باقی رہ گیا تھا۔ اس نے خاموشی سے اثبات میں گردن ہلادی۔

''تم.....!'' رضا کے لفظ حلق میں پھنس رہے تھے۔ وہ خیالوں کی دنیا سے حقیقت میں واپس آگئی۔ اسے معلوم تھا کہ آج رضا نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی حاصل کی ہے کامیابی کی سیڑھی پر، ترقی کے زینے پر پہلا قدم رکھا ہے۔ اور آج ہی، اس نے ایک نظر غم سے نڈھال ساکت کھڑے رضا کو دیکھا جس کی آنکھیں اب بھی یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں اسے تک رہی تھیں، وہ مرد تھا اور اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔ اور پھر اس کے ساکت وجود کے پاس سے گزر کر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی کہ.....

محبتوں کا ماتم آسان نہیں ہوتا اور کچھ ماتم ساری زندگی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے دل کے نہاں خانوں میں برپا رہتے ہیں۔ کچھ نوحے ساری زندگی ہماری خاموشی میں روتے ہیں اور کچھ آنسو ساری زندگی ہمارا تکیہ بھگوتے ہیں..... ایک آنسو پلکوں کی باڑ توڑتا ہوا اس کی ہتھیلی پر گرا..... جو عباس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

☆☆☆

''میری سیج پر تمہاری آنکھ سے بہتا آنسو..... کس کے لیے ہے میں جانتا ہوں۔'' عباس سوچ کر سرتاپا سلگ کر رہ گیا۔

''آہم.....'' عباس کی کھنکھار اسے حقیقت کی دنیا میں واپس لے آئی، وہ بھول گئی تھی کہ وہ عباس کی سیج پر بیٹھی تھی..... اور.....

''تم نہیں ملتیں کوئی اور مل جاتی، تم سے زیادہ حسین، تم سے زیادہ ذہین لیکن..... اُف لیکن..... جو



Digitized by Google

مزہ چھیننے میں ہے وہ مزہ ملنے میں کب اور رضا سے چھیننا..... آہ مزہ آگیا..... ساری زندگی کے میڈل گلے میں ڈالے وہ ڈھول بجائے.....'' عباس کا دل قہقہہ مار کر ہنس دیا۔

''منہ دکھائی دینے کی تو کوئی بات ہی نہیں، بچپن ہی سے تمہارا منہ دیکھ رہا ہوں، مجھے نیند آرہی ہے، تم بھی چاہو تو کپڑے بدل کر سو جاؤ یا پھر رات بھر یونہی آنسو بہاتی رہو.....'' عباس نے بے دھیانی میں اس کی آنکھ سے ٹپکے آنسو کو جتایا اور دل ہی دل میں زینب کی حیرت کو انجوائے کرتا ہوا، کمرے سے باہر چلا گیا۔

پھر زندگی جیسے زندگی نہ رہی..... وہ جو ماں، باپ اور خاندان کی عزتوں کی گٹھڑی اٹھائے اپنی مرضی اور خوشی کے خلاف عباس کی خواب گاہ میں چلی آئی تھی، ہر روز ایک نئی ذمے داری، اس گٹھڑی میں ڈالتی اور زندگی جینے کی کوشش کرتی۔

شادی اور محبت..... دو الگ چیزیں ہیں۔ اس کے اور عباس کے درمیان کبھی محبت استوار نہیں ہوسکی لیکن کبھی کبھار خلوت کے چند لمحات اسے محبت اور ضرورت کا فرق سمجھا دیتے..... اور دل میں گرتے آنسوؤں کو پیتے ہوئے وہ عباس کی ضرورت بن جاتی۔

اور پھر حقوق و فرائض کی ادائیگی میں، تقدیر کے لکھے دو پھول اللہ پاک کی نعمت اور رحمت اس کی جھولی میں آگرے..... جنہیں اس نے اپنے صبر کا پھل سمجھ کر کھلے دل سے قبول کیا اور پھر بچے اس کے جینے کا بہانہ بن گئے۔

بیٹی..... بیوی اور پھر ماں..... ہر روپ میں وہ ڈھلتی چلی گئی لیکن عباس ویسا ہی تھا اول شب جیسا اکھڑ مزاج اور اس کی ذات سے بے پروا۔ لیکن وہ ایسی ہی تھی ایک مثالی، فرمانبردار، خدمت گزار بیوی..... ایک بہترین ماں، ایک بہترین بہو.....

جب کبھی وہ اپنی لمبی سی گاڑی میں بیٹھ کر اپنے میکے جاتی اور ابا اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر پوچھتے۔

''میری بیٹی خوش ہے ناں.....'' تو اس کا دل چاہتا زور، زور سے سر ہلا کر کہے۔ ''نہیں، میں بالکل خوش نہیں ہوں..... ابا میں سانس لیتی ہوں..... لیکن میں زندہ نہیں ہوں۔ ذمے داریوں اور عزتوں کی جو گٹھڑی آپ نے میرے سر پر رکھی تھی وقت رخصت..... اس کے بوجھ سے میرے جسم کی ہڈیاں چیخ رہی ہیں۔'' لیکن وہ کچھ کہہ نہیں پاتی تھی۔ وہ اپنے ابا کی مسکراتی آنکھوں میں دیکھتی اور پھر مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دیتی۔

''میں بہت خوش ہوں ابا.....'' اس کے منہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی نکل جاتا۔

''آپ.....!'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''جی میں رضا۔ مسز زینب عباس صاحبہ.....''

رضا کا لہجہ طنزیہ ہوا۔

زینب کو ایسا لگا، برسوں سے کھائے زخم اور سہتے دکھوں نے وہ تکلیف نہیں دی جو رضا کے لہجے نے پہنچائی۔ ایک سیکنڈ میں رضا کو اپنے لہجے کی سختی کا اندازہ زینب کی خوب صورت آنکھوں میں تیرتی نمی سے ہوگیا۔ اس سے زیادہ زینب کو کون جاسکتا تھا..... دس برس ملکوں، ملکوں، شہروں، شہروں اس کی یادوں سے پیچھے چھڑانے کی کوشش میں پھرتا رہا، اس کی بیوہ ماں کی ایک ہی تو خوشی تھی کہ وہ شادی کرلے۔

لیکن وہ شادی کیسے کرسکتا تھا، کوئی زینی جیسی ہوتی تو وہ سوچتا ناں..... لیکن کوئی زینی جیسی ہو ہی نہیں سکتی تھی..... اور آج برسوں بعد اس نے زینی کو ایسے حال میں دیکھا کہ اس کا دل جیسے اپنے قابو میں نہ رہا اور زندگی میں پہلی مرتبہ اسے عباس سے شدید حسد محسوس ہوا۔

''سوری زینی.....'' رضا کے لبوں سے نکلا۔ ایسا لگا جیسے سارا ہال خالی ہوگیا ہو، اس پورے ہال میں صرف وہ اور زینی ہوں۔ اس کی زینی اس کے پسندیدہ کلر کی ساڑی میں لپٹی، سنگ مرمر کے مجسمے کی طرح ساکت کھڑی تھی۔

''میرا نام زینب ہے رضا صاحب.....'' زینب نے چاروں طرف لوگوں کی گھورتی نظروں کو دیکھتے ہوئے چہرے پر دکھاوے کی مسکراہٹ سجائے سرد لہجے میں کہا۔



Digitized by Google

''زینی مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں.....''

''مجھے نہیں کرنیں.....پلیز میرے اور اپنے اسٹیٹس کا خیال کریں، لوگ دیکھ رہے ہیں۔''

سیاہ ڈنر سوٹ، پُروقار چہرے پر حد درجہ سنجیدہ آنکھیں ایک دوسرے میں پیوست ہونٹ' چھ فٹ سے نکلتا قد، عہدہ اور تعلیم کے امتزاج سے تراشی ہوئی باوقار شخصیت اور الٹے ہاتھ میں بندھی وہ گھڑی.....

''یہ لو بدتمیز انسان اپنی سالگرہ کا تحفہ، ایسے فقیروں کی طرح ضد کر کے اپنی سالگرہ پر تحفہ لیتے ہو کہ اللہ کی پناہ ساری پاکٹ منی ختم ہوگئی.....'' رضا کی سالگرہ کے دو دن بعد زینب نے اس کے ہاتھ میں گھڑی کا ڈبا تھماتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو.....ویسے اتنی ذلت سے کبھی کسی کو برتھ ڈے گفٹ نہیں ملا ہوگا.....لیکن خیر پھر بھی آپ کا یہ تحفہ ہمیشہ آپ کی یاد دلاتا رہے گا.....'' رضا نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے اس گھڑی کو اپنی کلائی پر باندھا۔

''ان شاء اللہ دو دن میں ہی خراب ہو جائے گی میں نے بھی اتنی سستی والی خریدی ہے۔'' زینی نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

''چلو کوئی بات نہیں کبھی تمہاری مرمت اور کبھی اس مرمت کرتا رہوں گا تو چل ہی جائے گی.....ویسے پتا ہے زینی اگر وحید مراد ہوتا تو کیا کہتا.....وحید مراد کہتا.....زینی زندگی بھر یہ گھڑی میری کلائی پر بندھی تم سے میری محبت کی گواہی دیتی رہے گی۔'' رضا نے خالص وحید مراد کے انداز میں کہا.....اور آج رضا کی کلائی پر بندھی گھڑی نے اس کے وجود کو لرزا دیا.....رضا اب تک.....لیکن وہ یہ کیوں سوچ رہی تھی وہ خود بھی تو.....

''ایکسکیوزمی سر.....!'' وہ سوچوں کے دلدل میں ابھر اور ڈوب رہی تھی کہ.....ان صاحب کی آواز پر جو رضا کے برابر میں کھڑے اس سے کوئی بات کر رہے تھے حقیقت میں واپس لے آئی۔

رضا کو مصروف چھوڑ کر وہ تیزی سے پلٹی.....اور پھر وہ رکی نہیں، گھر چلی آئی۔

رضا اسے ڈھونڈتا رہا، کھوجتا رہا.....اور ساری رات زینی کا تکیہ گیلا ہوتا رہا، شکر ہے آنسوؤں کا کوئی رنگ نہیں ہوتا، ورنہ ہر صبح نہ جانے کتنی شریف زادیوں کے راز افشا ہوتے.....وہ رات اس کے آنسوؤں سے زیادہ بھیگی ہوئی نہیں تھی۔

اس نے بہت سچائی اور نیک نیتی سے عباس کے ساتھ نکاح نامے پر دستخط کیے تھے، ہمیشہ عباس سے محبت کی، ان کے مکان کو گھر بنانے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں بروئے کار لائی۔ عباس کو ہر طرح آرام اور سکون پہنچانے کی کوشش کی لیکن عباس.....عباس نے اسے اپنا نام دیا.....گھر میں ہر اختیار دیا، دو بچے بھی دیے لیکن محبت.....محبت کے دو جملے کوئی پیار بھرا جملہ.....کوئی اپنائیت بھرا نہ بھولنے والا لمحہ کبھی اس کے دامن میں نہ ڈالا۔ اس نے ہمیشہ اسے ایک اپنی ضد سمجھا۔ رضا سے چھینا ہوا مفتوح علاقہ.....

یہ نہیں تھا کہ وہ زینب کی خوبیوں کا معترف نہیں تھا اور یہ بھی نہیں تھا کہ اسے زینب اچھی نہیں لگتی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ زینب کی مسکراہٹ رضا کی زندگی تھی۔ رضا کی خوشی تھی۔ چاہے رضا دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو اور رضا.....رضا سے اسے چڑ تھی، ازلی بیر تھا۔

☆☆☆

''ہیلو.....!''

''کیسی ہو زینی؟'' اس کے موبائل فون کے اسپیکر سے آواز ابھری وہ جو خاموشی سے کھڑی گلاس ونڈو سے باہر لان میں اپنی مرضی سے کھلکھلاتے، لہلہاتے پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ ایک دم جیسے سن سی ہوگئی۔

''رضا.....'' اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''میرا نام زینب ہے.....'' جواباً اس کا لہجہ سرد تھا۔

''ہوگی تم زینب.....لیکن میرے لیے تو تم زینی ہی ہو۔'' رضا کا لہجہ سخت تھا۔

اس نے کال ڈسکنکیٹ کر دی۔

''کیا بات ہے زینب، مسلسل آپ کے فون کی بیل بج رہی ہے فون کیوں نہیں ریسیو کر رہی ہیں آپ.....'' عباس نے اسٹڈی سے باہر آ کر بیزار لہجے



Digitized by Google

میں اس سے پوچھا۔

''زینب......زینب......تم مجھے زینی کیوں نہیں کہتے تمہارا لہجہ... مٹھاس اور شہد سے گندھا کیوں نہیں ہوتا عباس......'' اور بھی جانے وہ کیا سوچ رہی تھی۔

''یا اللہ......کیا ہوگیا ہے آپ کو، فون ریسیو کریں یا پھر اس فون کو دیوار پر کھینچ ماریں۔ میں بیزار ہوگیا ہوں اس کی آواز سے۔'' عباس نے واپس اسٹڈی میں جاتے ہوئے پلٹ کر کہا۔

اور زینی نے جلدی سے فون ریسیو کرلیا۔

''زینی......'' دوسری طرف رضا تھا، اس لیے رضا کی آواز تپتے صحرا میں بارش کی طرح لگی۔ بعض اوقات ہم اتنے دکھی اور اندر سے اتنے کھوکھلے ہوجاتے ہیں کہ صحیح اور غلط کا فرق بھول جاتے ہیں بس ہمیں کوئی کندھا چاہیے ہوتا ہے رونے کے لیے اور اس وقت رضا کا وجود اس کو وہی کندھا لگا۔

''آپ نے آج پہلی مرتبہ مجھے زینی کہا ہے۔ بہت اچھا لگا عباس......'' اس نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں تو تمہیں ہمیشہ سے زینی کہتا ہوں اور زینی میں عباس نہیں، رضا ہوں......'' رضا کا لہجہ نرم تھا اس کے بے دھیانی سے نکلے جملے نے رضا پر عباس اور زینب کے سارے تعلقات ظاہر کردیے۔

اور زینی...... جو نہ جانے کن خیالوں میں تھی اسے شدید جھٹکا لگا، وہ جانتی تھی رضا اسے بہت اچھی طرح سے جانتا اور سمجھتا ہے...... اور بے دھیانی میں منہ سے نکلے ایک جملے نے اس کی بند مٹھی کھول دی تھی۔

''میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا میرا نام... مسز زینب عباس ہے......'' اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

''تمہارا نام جو بھی ہو، تم زینی ہو اور آج بھی میرے لیے زینی ہی ہو سمجھیں۔ اور تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ کیسی ہوگئی ہو؟ تمہاری ہنسی کہاں کھوگئی ہے؟ تم اتنی فارمل کیوں اور کیسے ہو......'' رضا کا لہجہ تڑپا ہوا تھا۔

''پلیز آپ مجھے فون مت کیا کریں......؟'' زینب نے حد درجہ لہجے کو مضبوط بنانے کی کوشش کی جس میں وہ ناکام ہی رہی۔

''زینی پلیز فون بند مت کرنا......میری بات سنو، تم نہیں جانتیں ملکوں، ملکوں، شہروں، شہروں، بھٹک کر بھی میں تمہاری محبت کے حصار سے نہیں نکل سکا، اماں میری شادی کی حسرت لیے قبر میں جا سوئیں...... میں کہتا، مجھے کوئی میری زینی جیسی ملی ہی نہیں اور سچ بتاؤں میں نے کبھی ڈھونڈی بھی نہیں......اماں کہتی تھیں زینب اپنے گھر میں آباد ہے خوش ہے تو کیوں

قارئین متوجہ ہوں
پرچا نہیں ملتا
کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔
☆ بک اسٹال کا نام جہاں پر چا دستیاب نہ ہو۔
☆ شہر اور علاقے کا نام۔
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل نمبر۔
رابطے اور مزید معلومات کے لیے
مرزا ثمر عباس 0301-2454188
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت
63-C
مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کرسکتے ہیں
35802552-35386783-35804200
ای میل: jdpgroup@hotmail.com

اس کا غم مناتا ہے، تیرے اور اس کے درمیان کون سے عہد و پیمان ہوئے تھے۔''

''پلیز.....'' زینب نے اسے روکنا چاہا لیکن دل اس کا بھی سننا چاہ رہا تھا۔

ہائے پہلی محبت..... پہلی محبت تو بارش کے پہلے قطرے کے بعد سوندھی مٹی سے اٹھنے والی خوشبو کی طرح ہوتی ہے کہ پھر دنیا کا قیمتی سے قیمتی پرفیوم بھی اس خوشبو کی برابری نہیں کر سکتا.....

''نہیں زینی میری بات سنو..... تم فون بند کر دو گی تو مجھے تکلیف ہوگی۔'' رضا کا لہجہ ملتجیانہ تھا۔

وہ خاموشی سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی..... دوسری طرف رضا تھا..... وہ رضا جو آج بھی اس کے خوابوں میں آتا تھا۔ جس کی محبت اس نے اپنے ماں، باپ کی محبت اور عزت کے لیے قربان کر دی تھی۔

وہ رضا جس کا خیال سائے کی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا، جس کی وجہ سے وہ اعصابی کمزوری کا شکار ہوگئی تھی۔ وہ رضا جس کے خیالات سے بچنے کے لیے روز رات کو وہ نیند کی گولی لیتی تھی..... جب بھی عباس کا رویہ اسے تکلیف دیتا جب بھی عباس اسے اگنور کرتا تو وہ گھر کے دریچے سے لگ کر ابا کے گھر کے صحن میں پہنچ جاتی جہاں.....

''تم سن رہی ہو ناں زینی.....'' رضا کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی..... ''زینی صرف ایک دفعہ کہہ دو..... صرف ایک دفعہ کہہ دو تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو..... تمہیں مجھ سے محبت ہے۔'' وہ خاموش رہی، وہ کیا بولتی..... اس کے پاس بولنے کے لیے تھا ہی کیا..... اس نے فون بند کر دیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں اور آنسو، پلکوں کی باڑھ توڑ کر چہرے پر سے ہوتے ہوئے اس کے سینے میں منہ چھپا کر سسکیاں بھرنے لگے۔

''محبت..... اور عشق..... تمہیں تو پتا ہے محبت اور عشق میں کیا فرق ہوتا ہے؟'' زینی نے کتاب پر سے نظریں ہٹا کر کہنیاں ٹیبل پر ٹیک کر خلا میں گھورتے ہوئے طیبہ سے پوچھا تھا۔

''اوہ! میری بہن یہ سب definition تم ہی بتاؤ، مجھ بیچاری کو کیا پتا ساری زندگی چچا کے بیٹے کو بابر بھائی کہتی رہی اور اگلے ہفتے ان ہی کے ساتھ میرا نکاح ہے۔ تو بہن تم ہی بتا دو۔ بہن محبت اور بھائی عشق میں کیا فرق ہے؟'' طیبہ جو آج کل اپنے کزن کے ساتھ نکاح کی تیاریوں میں مصروف تھی بڑی بیچارگی سے بولی۔

''دیکھو..... محبت یہ ہوتی ہے کہ تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں بھی تم سے محبت کروں گی۔ لیکن تم مجھ سے محبت کرو یا نہیں کرو..... میں ضرور کروں گی..... اسے عشق کہتے ہیں اور.....''

''اور مجھے لگتا ہے تمہیں عشق ہوگیا ہے۔'' طیبہ نے اس کی بات کاٹی..... زینی نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔

''اوہ طیبہ تم مجھے کتنا جانتی ہو۔'' سوچ کر وہ مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

میرون کاٹن نیٹ کی قمیص دوپٹا، دوپٹے کے پلو پر بنا نفیس کام، گولڈن کخواب کا آڑا پاجامہ، روبی اور ایمریلڈ پرل لگے قیمتی زیورات اور نفیس مہارت سے کیا گیا میک اپ، پیروں میں قیمتی پتھروں سے سجی سلیم شاہی جوتی۔

''آپ میری بالکل تعریف نہیں کرتے.....'' زینب نے بالوں سے کلپ نکالتے ہوئے کوٹ کو ہینگر میں سیٹ کر کے الماری میں ٹانگتے ہوئے عباس سے کہا۔ آج عباس کے دوست کے بھائی کا ولیمہ تھا وہاں سے واپس آ کر زینب نے مسکراتے ہوئے عباس سے پوچھا۔

عباس نے پلٹ کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا، ایک لمحے کے لیے وہ مبہوت سا ہوگیا۔ یہ نہیں تھا کہ عباس اس کی صورت اور سیرت کا معترف نہیں تھا لیکن۔

''پتا ہے آج سب میری بہت تعریف کر رہے تھے۔'' زینی اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ زینی کے اندر بیٹھی ایک عورت تڑپ رہی تھی وہ اپنے مرد کے منہ سے تعریف سننا چاہتی تھی۔



Digitized by Google

وہ چاہتی بستر کے علاوہ بھی اس کا شوہر اسے اپنی بانہوں میں جکڑ کر گنگنا کر اس کے کان میں کہے۔

''مجھے تم سے محبت ہے! تم میری زندگی ہو۔'' یہ مرد کیا جانے..... یہ ایک جملہ عورت کی زندگی بھر کی تھکن اتار دیتا ہے اسے سرشار کر دیتا ہے۔

عباس نے پلٹ کر اس عورت کو دیکھا جو آنکھوں میں ایک عجیب سی آس لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''اگر محبت ہوتی تو ضرور کہتا.....'' عباس کے سرد لہجے نے سارے کمرے میں برف سی بھر دی، زینب کا بودا وجود برف کا ڈھیر بن گیا۔ بستر، چادر، تکیے سب برف کے بن گئے..... زینب کا دل چاہا بھاگ کر ساری کھڑکیاں اور دروازے بند کر دے ایسا نہ ہو اس کمرے کی برف سارے گھر میں پھیل جائے اور ہر رشتہ سرد ہو جائے لیکن وہ کچھ نہ کر سکی۔

زندگی کے ہر معاملے میں سمجھوتا کرنے کے باوجود صرف اظہارِ محبت کی طلب اکثر اسے بستر پر اٹھا کر بٹھا دیتی..... اور پھر وہ برابر میں سوتے اس مرد کو دیکھتی جو اس کا سب کچھ تھا جس کے لیے اس نے سب کچھ چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ اپنا نام کے ساتھ جگمگاتا باپ کا نام بھی..... وہ اس کی مکمل وفادار تھی اور وہ کہتا ہے کہ۔

''اگر محبت ہو تو.....''

☆☆☆

''رضا بھائی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔'' طیبہ کے لفظوں نے جیسے اسے پتھر سا کر دیا۔

''تم..... تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو، طیبہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟ میں اٹھارہ سال کی زینی نہیں ہوں، میں... مسز زینب عباس ہوں دو بچوں کی ماں، تم جانتی ہو ناں!''

آج طیبہ اس کے گھر آئی ہوئی تھی طیبہ بہت کم آتی تھی سو زینی بہت خوش تھی، اس وقت بھی چائے کا کپ ہاتھ میں لے کر دونوں ٹیرس میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ اچانک طیبہ نے رضا کا ذکر چھیڑ دیا۔

''تم خود سوچو زینی، رضا بھائی تمہاری شادی کے بعد اپنی اتنی اچھی جاب سے ریزائن کر کے ملک ہی چھوڑ گئے تھے پھر جتنی دفعہ وہ پاکستان آئے کبھی تم سے یا خاندان میں کسی سے حتیٰ کہ تمہاری امی تک سے رابطہ نہیں کیا، وہ تمہاری یادوں سے نکلنا چاہتے تھے لیکن اس دن تمہیں دیکھ کر وہ وہی رضا بھائی بن گئے جو اکثر سناتے تھے تم کو یاد ہے ناں وہ خوب صورت غزل۔

اگر یہ کہہ دو بغیر میرے نہیں گزارہ تو میں تمہارا
یا اس پر بنی کوئی ناٹر، کوئی اشارہ تو میں تمہارا
غرور پرور، انا کا مالک کچھ اس طرح کے نام ہیں میرے
مگر تم سے جو تم نے ایک نام بھی پکارا تو میں تمہارا
تم اپنی شرطوں پر کھیل کھیلو، میں جیسے چاہوں لگاؤں بازی
اگر میں جیتا تو تم ہو میرے اگر میں ہارا تو میں تمہارا
تمہارا عاشق، تمہارا مخلص، تمہارا ساتھی، تمہارا اپنا
رہا نہ ان میں سے کوئی دنیا میں جب تمہارا تو میں تمہارا
یہ کس پہ تعویذ کر رہے ہو، یہ کس کو پانے کے ہیں وظیفے
تمام چھوڑو بس ایک کر لو جو استخارہ تو میں تمہارا''

آج زینب کی سرپرائز برتھ ڈے پارٹی تھی، طیبہ اور رضا دونوں نے زینب کو سرپرائز دیا تھا اور اب کیک کٹنے کے بعد چائے کے کپ لے کر وہ تینوں صحن میں آ بیٹھے تھے۔

سیاہ لان کا سوٹ جس پر گرین رنگ کے دھاگے سے کڑھائی ہوئی تھی۔ کندھے پر پڑا سیاہ نیٹ کا دوپٹا جس کا پلوز مین کو چھو رہا تھا۔ بڑی سیاہ آنکھیں جو کاجل کی لکیروں سے ساتھ اور غضب ڈھا رہی تھیں، سفید دودھیا کلائی میں پھنسی چار شیشے کی چوڑیاں، سفید کبوتر جیسے پیروں میں سیاہ انگوٹھے والی چپل.....

زینی سادگی میں بھی کمال ڈھا رہی تھی، رضا کا بس نہیں چل رہا تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہیں دور چلا

## ہائیکو

محبت عام ہے جاناں
مجھے اپنے خزانوں سے
کوئی انمول غم بھیجو

مرسلہ: زرمین خالد، گجرات



Digitized by Google

جائے جہاں صرف وہ اور اس کی زینی اور محبتوں کے پھول بس اور کچھ نہیں.....

اور جو طیبہ نے فرمائش کردی کہ سب اپنی، اپنی پسند کے اشعار سنائیں تو جیسے رضا کو دل کا حال کہنے کا موقع مل گیا۔

زینی کا پورا وجود، جیسے پسینے میں شرابور ہوگیا اسے امید نہیں تھی، رضا یوں سرِ محفل اس قدر خوب صورت انداز میں اپنے دل کا حال بیان کردے گا۔ طیبہ نے ایک نظر آنکھوں میں اشتیاق اور محبت لیے زینی کو تکتے رضا کو دیکھا اور دوسری نظر ماتھے پر سے دسمبر کی سرد رات میں پسینہ پونچھتی زمین پر نظریں گاڑے بیٹھی زینی کو دیکھا۔

''ڈبے میں ڈبا، ڈبے میں کیک
میری دوست زینی لاکھوں میں ایک''

طیبہ نے بے ڈھنگا سا شعر پڑھ کر ماحول پر چھایا ہوا سحر توڑنے کی کوشش کی، رضا اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور زینی خاموشی سے اٹھ کر جانے لگی۔

''ہائے میں مرا، ہائے میرا دل.....'' رضا بہت بے چینی سے سینہ ملتے ہوئے تخت پر ڈھے سا گیا۔

''یا اللہ.....!'' طیبہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''کیا ہوا رضا بھائی کیا ہوا۔'' طیبہ تقریباً رونے کو تھی۔

زینی جو ہاتھ میں چائے کی ٹرے لیے اندر کی طرف جارہی تھی وہیں فرش پر ٹرے رکھ کر رضا کی طرف لپکی۔

''اللہ رضا کیا ہوگیا آپ کو۔'' وہ بے ساختہ اس کا الٹا ہاتھ دبانے لگی۔

''میں مرجاؤں گا زینی۔'' اس کی سانس جیسے اکھڑ رہی تھی۔

''اُف میرے اللہ میں کیا کروں، طیبہ پلیز تم ایمبولینس کو ہی... کال کردو..... گھر میں اس وقت کوئی ہے بھی تو نہیں۔'' زینی رو رہی تھی۔

رضا نے ایک نظر روتی ہوئی زینی کو دیکھا اور دوسری نظر ایمبولینس کے لیے کال ملاتی طیبہ کو۔ ارے یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہوگیا، رضا نے سوچا اور پھر.....

''بس... ایک بار کہہ دو میں تمہاری.....'' ہنستے ہوئے کہہ کر اٹھنے لگا۔

''آپ ٹھیک ہوگئے رضا بھائی۔'' طیبہ حیران تھی۔

''میں ٹھیک ہی تھا مری بہن.....'' رضا ہنسا۔

''کسی دن تمہارا اس طرح کا مذاق میری جان لے، لے گا۔ مرجاؤ تم رضا.....'' زینی نے غصے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور تیزی سے اندر کی طرف چلی گئی اور رضا کا قہقہہ سارے گھر میں گونجنے لگا۔

اور پھر تو جیسے رضا کا تکیہ کلام بن گیا۔ ''میں تمہارا، میں تمہارا.....''

پرانی یاد نے زینب کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

''سب یاد ہے طیبہ.....'' زینب کا لہجہ افسردہ تھا۔

''تو پھر..... زینی ایک دفعہ..... صرف ایک دفعہ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں، تم سے بات کرنا چاہتے ہیں..... پھر وہ چلے جائیں گے..... میرے گھر آئے تھے رضا بھائی ان کی آنکھوں کی افسردگی میں بھی تم تھیں..... وہ آج بھی تمہارا پسندیدہ کلون استعمال کرتے ہیں، وہ آج بھی تمہاری دی ہوئی گھڑی.....''

''میں جانتی ہوں.....'' زینب نے طیبہ کی بات بیچ میں کاٹتے ہوئے پست لہجے میں کہا۔ زینب نے چائے کا کپ سینٹر ٹیبل پر رکھا، کمر کے پیچھے کشن صحیح کیا اور پھر بولی۔

''دیکھو طیبہ..... ہم جب کسی سے محبت کرتے ہیں ناں تو وہ محبت ناسور بن کر ہمارے دلوں کے تہ خانوں میں قید ہوجاتی ہے، ہم اس محبت سے آزاد نہیں ہوپاتے اور پھر باپ، بھائیوں کی عزتوں کی گٹھڑیاں اپنے سروں پر رکھے میاں کے مکان کو گھر بنانے آجاتے ہیں۔ پھر پلٹ کر دیکھنے کی ہمیں اجازت نہیں..... ہمارے شوہر ہی ہمارے لیے سب کچھ بن جاتے ہیں، تم جانتی ہو ناں جب ہم اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتے ہیں تو ہماری تقدیر لکھ دی جاتی ہے۔ بلکہ شاید اس سے بھی پہلے ہماری زندگی، ہماری موت، ہماری کس سے شادی ہوگی اور ہمارا رزق..... اور اس رزق میں اولاد، محبت اور دنیا کی بہت ساری نعمتیں آتی ہیں..... اب اگر



Digitized by Google

میرے رزق میں محبت نہیں لکھی تو کیا میں تقدیر لکھنے والے سے ٹکراؤں......'' زینب نے کچھ پر توقف کہا۔

''محبت پر اختیار نہیں ہوتا طیبہ آج سوچتی ہوں تو خیال آتا ہے، ہم لڑکیاں اپنے گھروں میں ایک انجانے شخص کی امانت ہوتے ہیں، ہمیں امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔تم جانتی ہو ناں مومن، خائن نہیں ہوتا لیکن پھر بھی نوجوانی میں، بیوقوفی میں اکثر ہم سے محبت جیسی خیانت ہو ہی جاتی ہے اور پھر اس محبت کو ہم دل سے نکال نہیں پاتے۔اس زخم کو ہم زندگی کی طرح پالتے ہیں...... یہ سب ہوتا ہے ناں......لیکن ایک وفا شعار بیوی، ایک ماں، اس محبت کو continue نہیں کرسکتی، اب اگر میں رضا سے ملتی ہوں، ملنا کیا ہے تجدید محبت......تو کیا ایک بیوی، ایک بہو، ایک ماں سب سے بڑھ کر ایک مسلمان عورت کو یہ سب کرنا چاہیے......؟ نہیں، میرے خیال سے نہیں کرنا چاہیے ہرگز نہیں......اور جہاں تک دل کی بات ہے، دل تو پاگل ہوتا ہے ہم اگر دل کی باتوں پر چلیں گے تو دین ہاتھ سے نکلنے لگے گا اب تم کہوگی میں جس عباس کے لیے رضا سے بات تک نہیں کررہی وہ عباس، وہ تو کبھی تم سے محبت نہیں کرتے...... مجھے کوئی تکلیف تو نہیں دی ہے ناں اگر وہ مجھ سے لفظی محبت نہیں کرتے تو کیا میں ان سے بے وفائی کروں؟ اللہ پاک کے احکامات کو بھول جاؤں، میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں طیبہ تم کہوگی، زینی ڈیئر تم کون سی پردے کی بُوبُو ہو تم تو مخلوط محفلوں میں بھی جاتی ہو تو ایک رضا سے بات کرنے میں کیا جارہا ہے......بالکل صحیح تمہارا یہ خیال بالکل صحیح ہوگا......تو کیا اگر ایک غلط بات کرتے ہیں تو کیا ہر بات غلط کریں......اور ان مخلوط محفلوں میں کوئی مرد......میرے عشق میں گرفتار نہیں ہے۔میں مردوں سے ضرورت کے علاوہ بات نہیں کرتی، تم تو جانتی ہو......''

''تو کیا تم کو رضا بھائی سے محبت نہیں ہے؟'' طیبہ نے جیسے ہی زینب چند ثانیوں کے لیے رکی، الجھے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''محبت......محبت تو چھوٹا سا لفظ ہے، مجھے رضا سے عشق ہے، ایسا عشق جو مجھے راتوں کو سونے نہیں دیتا، ایسا عشق جو میرے دل کا ناسور بن گیا ہے جو میرے دل کے کسی کونے میں روتا رہتا ہے جو ہر خوشی کے موقع پر میری آنکھ میں آنسو بن کر ٹھہر جاتا ہے۔لیکن......''

''کیا ہوا......جواب تو دو......'' طیبہ نے سوچوں میں غرق زینب سے کہا۔

''نہیں......'' زینب نے سختی سے کہا......اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اندر چلی گئی اور طیبہ اس کی کمر پر لہراتی چوٹی کو دیکھتی رہ گئی۔اسے زینب سے محبت تھی لیکن اب محبت کے ساتھ اس کی عزت بھی اس کے دل میں... دوچند ہوگئی تھی۔

☆☆☆

ساری رات زینب کا تکیہ بھیگتا رہا، اور اس کا ساتھی اس کا ہم سفر کروٹ لیے گہری نیند کے مزے لے رہا تھا، اس نے کروٹ بدل کر عباس کی طرف دیکھا۔

''میں نے آپ کے مکان کو گھر بنانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا، آپ نے رات کو دن کہا تو میں نے بھی دن کہا، آپ کے آنگن میں دو فرمانبردار بچے کھیلتے ہیں، جن کی قدم، قدم پر میں رہنمائی کرتی ہوں تا کہ کل وہ آپ کے لیے ہی قابلِ فخر ہوں، میں نے آپ کے لیے اپنی خواہش حتیٰ کہ اپنا میکا بھی تقریباً چھوڑ دیا......کیا ہوتا اگر اتنے لمبے عرصے میں ایک دفعہ آپ میرا ہاتھ پکڑ کر کہہ دیتے۔''زینب مجھے تم سے محبت ہے......''اب پتا چلا زیور کپڑا، گاڑیاں گھر کچھ نہیں ہوتا دلہن وہی جو پیا من بھائے......''اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''کاش عباس زندگی میں صرف ایک بار آپ مجھ سے محبت کا اظہار کردیں۔''وہ سوچتی ہوئی بیڈ سے اتر کر کمرے سے باہر آگئی کہ سسکیاں روکنا مشکل ہورہا تھا۔

وہ حاصل اور لاحاصل کے درمیان کھڑی تھی حاصل کی سردمہری کو سہہ کر لاحاصل کے لیے اسے بہت رونا تھا اور بہت رونے کے لیے وہ ٹیرس پر چلی آئی تھی۔

☆☆☆

''عباس بچوں کے لیے شاپنگ کرنی ہے۔

میں بازار چلی جاؤں.....؟'' زینب نے آفس جاتے ہوئے عباس سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے لیکن بچوں کے اسکول سے آنے سے پہلے آجانا.....'' عباس نے تاکید کی اور باہر نکل گیا۔

''ہیلو.....'' وہ جو گاڑی میں بیٹھی وِنڈو سے آس پاس سے گزرتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی.....موبائل کی رنگ بجتے ہی بغیر دیکھے کہ کس کا فون ہے، فون کان سے لگا کر بولی۔

''زینی.....میں رضا.....'' رضا کے لہجے کی گرمی اور تڑپ نے اس کے وجود کو گرما سا دیا۔

''زینب.....'' اس کا لہجہ سرد تھا اس نے پھر نام کی تصحیح کی۔

''تم میرے لیے زینی ہو، میری زینی۔'' رضا کا لہجہ ضدی تھا۔

''آپ نے اپنا قاصد طیبہ کو بھیجا تھا، کیا اس نے آپ کو میرا پیغام نہیں پہنچایا۔'' زینب جلد از جلد بات ختم کرنا چاہتی تھی وہ جو پتھر کی بنی ہوئی تھی جانتی تھی کہ کتنی جلدی رضا کی باتوں سے پگھل جائے گی وہ لاکھ انکار کرے، رضا اس کی پہلی محبت تھا، ایسی محبت جو لاکھ انکار کے باوجود اس کے وجود میں خون کی طرح گردش کرتی تھی۔

''زینی میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو، دیکھو تم نے شادی کرلی، میں سہہ گیا لیکن تمہارا یہ لہجہ، یہ سرد سرد سی یہ انداز میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے میں کل واپس جارہا ہوں۔''

''نہیں جاؤ، پلیز نہیں جاؤ.....چاہے میں تم سے بات نہ کروں۔ تمہاری صورت نہ دیکھوں لیکن کم از کم اتنا اطمینان تو ہے کہ تم بھی ان ہی ہواؤں میں سانس لے رہے ہو.....''

''زینی کچھ تو بولو.....'' وہ جو سوچوں کے سمندر میں غرق تھی، رضا کی آواز پر واپس حقیقت میں آگئی۔

''میرے پاس بولنے کے لیے کچھ نہیں ہے، رضا میں شادی شدہ ہوں، ایک شریف مرد کی بیوی اور دو بچوں کی ماں ہوں، تم میری زندگی میں کہیں نہیں ہو.....'' زینب کا لہجہ حد درجہ سرد تھا۔

''تم جب میری زندگی میں ہر جگہ ہو تو تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں تمہاری زندگی میں کہیں نہیں ہوں، تم جھوٹ بول رہی ہو۔'' رضا کا لہجہ غصے سے کانپا.....

اس نے جیب سے چھوٹا سا ریکارڈ نکالا اور پلے کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

''نہیں یہی سچ ہے.....'' زینب اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

''میں جانتا ہوں زینی.....آج بھی اگر میرے پیروں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو تم اٹھارہ سال کی زینی کی طرح چھوٹ، پھوٹ کر رونے لگو گی، چلو چھوڑو ہر بات، میں کل جارہا ہوں، صرف ایک جملہ، ایک جملہ زادِ راہ کے طور پر مجھے دے دو.....میں اسی کی بازگشت میں ساری زندگی گزار دوں گا.....بس ایک بار کہہ دو.....

تمہیں مجھ سے محبت ہے۔''

''ہاں بہت محبت ہے.....'' زینی کا دل بولا لیکن لب خاموش رہے۔

''دیکھو زینی اگر تم نے نہیں کہا تو میں گاڑی سامنے سے آتے ٹرک سے ٹکرا دوں گا.....'' رضا نے دھمکی دی۔

زینب، رضا کی ضدی طبیعت سے واقف تھی ایک لمحے کے لیے اس کا دل کانپا.....لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسے اس قسم کے مذاق کرنے کی عادت ہے۔

''ٹکراؤ۔'' اس نے آرام سے کہا۔

اور رضا نے ریکارڈ کا بٹن دیا اور پھر ایک زور دار دھماکا ہوا، لوگوں کے چیخنے کی آوازیں اور شور.....

''یا اللہ.....نہیں!'' زینب بے ساختہ چیخی.....

اس کا ڈرائیور جو گاڑی کو ٹرن کررہا تھا ایک دم گھبرا گیا اور زینب کی گاڑی ایک ٹرالر سے جا ٹکرائی۔

☆☆☆

''بریکنگ نیوز.....معروف شاعرہ زینب عباس ٹریفک حادثے میں جاں بحق.....''

رضا جو گھر آکر ٹی وی کھول کر بیٹھا تھا اسے یقین تھا.....شام تک زینی کا فون آجائے گا، وہ اس کی خیریت ضرور پوچھے گی۔ اپنی جگہ پر جیسے اچھل گیا.....



Digitized by Google

اس نے ٹی وی کی آواز بڑھادی۔

''معروف شاعرہ زینب عباس جو اپنے ڈرائیور کے ساتھ کہیں جارہی تھیں ان کی گاڑی ایک ٹرالر سے ٹکرا گئی اور وہ موقع پر ہی جاں بحق ہوگئیں.....''

سارے کمرے میں کافور کی خوشبو پھیل گئی اور رضا کو ایسا لگا جیسے اس کا وجود بھی سفید کفن میں لپٹ گیا ہو۔

''آپ کے یہ مذاق کسی دن میری جان لے لیں گے.....'' برسوں پہلے کہے زینب کے جملے نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

''جی بتائیں ..... رحمت اللہ ڈرائیور کا کیا بیان ہے اس حادثے کے بارے میں.....'' نیوز کاسٹر اسپتال میں کھڑے اپنے نمائندے سے پوچھ رہی تھی۔

''جی..... ڈرائیور بھی شدید زخمی ہے، معروف شاعرہ زینب عباس کی موت پر ہر طبقۂ فکر نے رنج وغم کا اظہار کیا۔ ان کے مداح اور ان کے گھر والے اسپتال پہنچنا شروع ہوگئے ہیں۔'' ٹی وی اینکر کیا، کیا پوچھ رہی تھی اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے تو اسٹریچر پر سفید چادر سے ڈھکی اس کی زینی نظر آرہی تھی، اس کی زینی..... جسے وہ بہت چاہتا تھا، وہ بھی چاہتی تھی پر کہتی نہیں تھی..... اب رواجوں، رشتوں کی زنجیروں سے آزاد سفید چادر سے ڈھکی اس کی زینی..... اس نے ٹی وی کھلا چھوڑا اور تیزی سے باہر کی طرف لپکا کہ اس کی تدفین جلد از جلد ہوتی تھی۔

☆☆☆

''سر پلیز آپ اس طرف آجائیں.....'' پولیس آفیسر ایک بار پھر اس کی طرف آیا۔ اس نے سیاہ چشمے کے پیچھے سے مؤدب کھڑے پولیس آفیسر کو دیکھا اور پھر اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''نماز جنازہ کب ہے؟''

''سر عصر میں.....'' پولیس آفیسر مؤدبانہ انداز میں بولا..... اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر قریبی کھڑی ایک گاڑی سے ٹیک لگالی۔

اسے لگا، گلابی سوٹ میں ہنستی مسکراتی زینی اس کو غصے سے گھور رہی ہے..... ''میں نے کہا تھا ناں رضا ایک دن آپ کا مذاق میری جان لے لے گا.....''

☆☆☆

اسے قبر میں اتارا جاچکا تھا وہ دونوں ہی اس کی قبر کے کنارے کھڑے تھے ایک کے لیے وہ زینب تھی اور دوسرے کی وہ زینی تھی۔ اس کے مردہ وجود پر آہستہ، آہستہ مٹی ڈالی جارہی تھی۔ ایک کو وہ حاصل تھی اور دوسرے کو لاحاصل جسے حاصل تھی اس سے وہ محبت مانگتی تھی اور جسے لاحاصل تھی وہ اس سے محبت کا طلبگار تھا۔

جس کو وہ حاصل تھی، اس سے وہ خود محبت کی طلبگار تھی..... جسے وہ حاصل تھی وہ سمجھتا تھا، وہ اس سے محبت نہیں کرتی، اسی لیے بار، بار اظہار کرتی ہے اور جسے وہ لاحاصل تھی وہ جانتا تھا کہ وہ اس کو بے پناہ چاہتی ہے۔ بس اظہار نہیں کرتی..... وہ دونوں اپنے، اپنے خیالوں کے بھنور میں ڈوبتے اور ابھرتے رہے اور وہ قبر میں اتر گئی۔ اس کا پورا وجود مٹی میں چھپ گیا تھا۔

کوئی اس کی قبر پر پانی چھڑک رہا تھا، عباس اور رضا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

وہ جانتے تھے ایک کی ضد اور دوسرے کی محبت نے اسے مار دیا۔ رضا نے آنکھوں پر سے سیاہ چشمہ اتار دیا تو اس کے چہرے کو بھگوتے آنسو، عباس کی آنکھوں سے برستے آنسوؤں کو دیکھ کر اور تیزی سے گرنے لگے اور پھر دونوں بے ساختہ گلے لگ کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگے۔ ندامت دونوں کو تھی۔

عباس سوچ رہا تھا کاش! وہ زینب سے صرف ایک دفعہ اظہارِ محبت کردیتا..... اسے بتادیتا کہ وہ اس کے گھر کے علاوہ اب اس کے دل میں بھی رہتی ہے۔

اور.....

رضا سوچ رہا تھا کہ اگر وہ زینی سے اظہارِ محبت کی ضد نہیں کرتا تو آج سامنے مٹی کا ڈھیر نہ ہوتا، محبت کب اظہار کی محتاج ہوتی ہے؟ اور مٹی کا ڈھیر نہیں بلکہ اس کی روح ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ کاش وہ سمجھ لیتے، دنیا میں ہر چیز ہر ایک کو نہیں ملتی کسی کا کاش اور کسی کا اگر رہ ہی جاتا ہے.....



Digitized by Google

زندگی کبھی، کبھی انسان کو ایسے کربناک حادثے سے دوچار کر دیتی ہے کہ اس کا اپنی ذات اور ارد گرد کے لوگوں پر سے اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس حادثے کی وجہ بعض اوقات اس کی اپنی توقعات بھی ہوتی ہیں جو وہ کسی بے نام تعلق سے وابستہ کر لیتا ہے۔ وہ جذبے جو رشتوں کے توسط سے دل میں بسیرا کریں ان کی پزیرائی تو مذہب اور معاشرہ دونوں کرتے ہیں، ان کی حق تلفی پر جواب طلبی بھی کی جا سکتی ہے مگر وہ دلی تعلق جنہیں رشتوں کی سند نہ حاصل ہو، انہیں کسی عدالت سے بھی سزا نہیں سنائی جا سکتی، سوائے ضمیر کی عدالت کے۔ جبکہ وہ رشتے جنہیں تعلق کا نام بھی دے دیا جائے کبھی کبھی وہ اپنے جائز حق سے بھی محروم کر دیے جاتے ہیں۔ اور ان کی جوابدہی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ دنیا دارالعمل ہے جہاں انسان کے دو ہی امتحان ہیں، ایک شکر کا دوسرے صبر کا... مگر جب حضرتِ انسان حسد یا ہوس کی خاطر تقدیر سے لڑنے کی ٹھان لے تو پھر اس کے اپنے فیصلے ہی اس کی آزمائش بن جاتے ہیں۔

حادثوں میں گزری ہے راس بس تباہی ہے — زندگی کی چاہت میں زندگی گنوائی ہے

خواب اب نہیں میرے، نیند تک پرائی ہے — عارضی محبت تھی مستقل نبھائی ہے

---

امیدوں، جذبوں، فیصلوں اور احساسِ جرم پر مبنی کچھ ایسے کرداروں کی کہانی جو دل سے دیکھتے، دل سے سنتے اور دل سے ہی سوچتے ہیں

---

**سلسلے وار ناول**

# میرا سارا رنگ اتار دو

افشاں آفریدی

Digitized by Google

شیرازی ولا کے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے اسے خوشگوار حیرت نے گھیرا تھا۔ دوپہر تک جو وسیع و عریض لان اداس پڑا تھا۔ اب انتہائی نفیس انداز سے سنوارا جا چکا تھا۔

اور اس کام کے لیے شہر کے بہترین ایونٹ پلانر کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ گو کہ یہ تقریب ہوٹل میں بھی منعقد کی جا سکتی تھی مگر دادا کی فرمائش کو ٹالنا مشکل تھا جس کی زندگی کی یہ اہم ترین تقریب تھی۔

مخملی گھاس پر خوب صورت صوفے رکھے گئے تھے۔ رائل ارینجمنٹ کے ساتھ ہی خوب صورت اسٹیج نما پنڈال بنایا گیا تھا۔ جس کی سجاوٹ انتہائی حسین اور دل آویز تھی۔

وہ تمام سجاوٹ اور ارینجمنٹ کو ستائشی نظروں سے دیکھتا اوپر چلا آیا۔ مہمانوں کی آمد کسی بھی وقت متوقع تھی۔ اسے یوں بھی کافی دیر ہو چکی تھی۔ لہٰذا وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور شاور لینے کے بعد تیار ہونے لگا۔ بلیک مردانہ شلوار سوٹ میں تازہ شیو کے ساتھ وہ درحقیقت انتہائی وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نچی مونچھیں اسے بہت گریس فل بنا رہی تھیں۔

''ازارو'' کی خوشبو فراغدلی سے استعمال کر کے جس وقت وہ کمرے سے باہر نکلا۔ ساتھ والے کمرے میں جھانکا مگر دادی اپنے کمرے میں نظر نہیں آئیں۔ گویا وہ نیچے جا چکی تھیں۔ سو وہ بھی سیڑھیاں اتر آیا۔

اس نے دیکھا اس دوران تقریباً تمام مہمان آ چکے تھے۔ وہ خوش دلی سے مسکراتا آگے بڑھ آیا۔ تین ساڑھے تین سال بعد سب سے ملاقات ہو رہی تھی۔ اسے سب میں ہی کچھ نہ کچھ تبدیلی محسوس ہوئی۔

تاہم اس کے بارے میں زیادہ تر نے یہی رائے دی کہ وہ بالکل نہیں بدلا۔ البتہ گریس اس کی شخصیت میں پہلے سے زیادہ آ گیا ہے۔

جواباً مسکرا کر وہ پوچھی سب سے ملتا ملاتا اندر کے پورشن کی طرف بڑھا تھا۔

دادی باہر بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اس نے سوچا شاید کچن میں ہوں۔ سو اسی طرف چلا آیا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اس کی متلاشی نظریں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں کہ اچانک باہر نکلتے نسوانی وجود سے ٹکراتے ٹکراتے بہ مشکل بچا۔

''سنبھل کے میڈم..... are you sleeping?.....''

بھاری مردانہ آواز اس وقت ناگواری کا تاثر لیے ہوئے تھی۔ جس پر لڑکی نے خاصے گھبرائے ہوئے انداز میں اسے دیکھا تھا۔ بے اختیار دروازے کی چوکھٹ کو تھامتے ہوئے وہ سخت متوحش لگ رہی تھی۔

عکرمہ نے کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھا جو بدقت ''آئی ایم سوری'' کہہ سکی تھی۔ آواز اس قدر مدھم تھی کہ اسے گویا وہم سا ہوا۔

''اٹس اوکے.....!'' وہ قدرے نرم پڑ گیا۔ نظر اِدھر اُدھر دوڑائی۔

اس کے کہتے ہی لڑکی جیسے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی تھی۔

عکرمہ نے اپنی مصروفیت سے ذرا کی ذرا فرصت نکال کر اسے دیکھا جو اس وقت انتہائی عجلت میں لگ رہی تھی اور ایک طرف ہو کر اسے جانے کا راستہ دیا۔

اس کے چہرے پر نظر پڑنے کی دیر تھی ذہن میں جیسے جھماکا سا ہوا۔ اسے لگا، اس نے یہ چہرہ پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ وہ لڑکی اس کے لیے بھی ناآشنا نہیں مگر اس کا چہرہ دیکھا بھالا سا لگ رہا تھا۔

''مگر کہاں؟ کہاں دیکھا ہے اسے.....؟''

بیج اور میرون کنٹراسٹ والے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس ہر طرح کی زیبائش اور آرائش سے مبرا وہ آج کی ایوننگ پارٹی کی مہمان تو ہرگز نہیں لگ رہی تھی۔

اس پر مستزاد اداس کے چہرے سے جھلکتا خوف اور ہراس ایک لمحے کے لیے عکرمہ شیرازی کو چونکا گیا۔ البتہ وہ کسی سرعت سے نکل کر جا چکی تھی۔

''ارے..... دُرِی تم کہاں رہ گئی ہو.....؟'' عقب سے زوہا کی آواز آئی تو وہ سر جھٹک کر پلٹا۔ زوہا غالباً اسی



Digitized by Google

لڑکی کی متلاشی تھی جو لمحہ بھر پہلے یہاں سے گئی تھی۔

''اوہ عکرمہ تم..... کیسے ہو.....؟ کب آئے واپس..... میں کب سے آئی ہوئی ہوں۔ دادی سے تمہارے بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ آج کے دن بھی تمہاری ازلی مصروفیات ویسی کی ویسی برقرار ہیں جیسے آج سے تین سال پہلے تک تھیں۔'' عکرمہ پر نظر پڑتے ہی وہ بھول گئی کہ کس کام سے یہاں آئی تھی۔ حسب عادت وحسب سابق نان اسٹاپ بولتی تیز قدموں سے اس کے پاس آرکی۔ عکرمہ نے دیکھا رائل بلیو ساڑی میں وہ بہت فریش لگ رہی تھی۔

''الحمدللہ! میں ٹھیک ہوں..... تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے۔''

جواباً اس نے بڑی رسانیت سے کہہ کر استفسار کیا۔

''ایک دم فاسٹ فارورڈ.....'' زوہا حسب عادت ہنسی۔

''as usual..... '' وہ کہہ کر مسکرایا تھا۔

''ہوں.....'' زوہا نے ایک بار پھر خوش دلی سے سر ہلایا تھا۔ ''خیر تم سناؤ abroad جا کر کچھ افاقہ ہوا یا ابھی تک ویسے ہی ہو سنجیدہ، متین اور بردبار۔'' دلکشی سے مسکراتے ہوئے اس نے عجیب بے تکا سا سوال کر لیا تھا۔ وہ محض مسکرا کر رہ گیا۔

''ویسے پرسوں کے لیے سوری، میں سعد کے ساتھ آؤٹ آف ٹاؤن تھی۔ ورنہ تمہیں ریسیو کرنے ضرور آتی۔''

''اٹس اوکے..... سعد نے میسج کر دیا تھا مجھے.....'' اس نے بتایا۔

''بائی دا وے دادی کہاں ہیں۔ میں انہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔''

''کمال ہے عکرمہ، تم ابھی تک ویسے کے ویسے ہو، جب چھوٹے تھے تب بھی گھر میں داخل ہوتے ہی 'دادی کہاں ہیں' کی رٹ لگا لیتے تھے اور آج بھی جب ٹھیک ٹھاک بڑے ہو چکے ہو۔ اب بھی وہی حال ہے تمہارا۔'' زوہا نے شوخی سے اسے چھیڑتے ہوئے ستائشی نظروں سے اسے سرتاپا دیکھا۔

''تم بھی تو ویسی ہی ہو، بے تکی اور اول جلول۔ تم میں بھی تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ حالانکہ اب تو ایک عدد بیٹے کی اماں جان بھی بن چکی ہو۔''

''سو تو ہے..... ہم ٹھیرے پرفیکٹ اور perfection needs no change '' زوہا کی حاضر جوابی ہمیشہ کی طرح عروج پر تھی۔

''تمہارا بیٹا آیا ہے ساتھ.....؟'' اس نے مسکرا کر سوال کیا۔

''ہوں..... اوپر ہے..... اینی ویز..... دادی ابھی، ابھی لان کی طرف گئی ہیں۔ وہیں مل لو جا کر.....''

''اوکے.....!'' وہ کہہ کر ابھی ایڑیوں کے بل مڑا ہی تھا کہ ایک بار پھر وہی وحشت زدہ ہرنی سی آنکھوں والی دوشیزہ ہاتھوں میں کچھ سامان اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ اور عکرمہ کو سامنے پا کر دوبارہ ویسے ہی تاثرات اس کے حسین چہرے کا حصار کر گئے۔ جو ابھی چند ساعتوں پہلے اس کی صورت پر جھلکے تھے۔ وحشت اور حد درجہ گھبراہٹ۔ عکرمہ کی بھویں سکڑ گئیں۔ زوہا بھی متوجہ ہوئی۔

''ارے دری! تم کہاں ہو۔ میمی کب سے تمہیں آوازیں دے رہی ہیں۔ ردا کی پھپھو ساس کے لیے جو جیولری انہوں نے تمہیں رکھنے کو دی تھی وہ کہاں ہے؟''

''وہ اوپر میمی خالہ کے کمرے کی.....''

''تم خود دو جا کر انہیں، میمی کو مل نہیں رہی وہ..... اور یہ سلاد دو مجھے ... باہر سے اصغری کو بلاتی ہوں..... وہ رکھوا دے گی سب کچھ.....'' زوہا نے اس کے ہاتھوں سے سلاد کی سجی ہوئی بڑی سی ٹرے لے لی۔ لڑکی سر ہلا کر پنجوں کے بل مڑ کر باہر چل دی۔ اس کی چال میں عجلت سے زیادہ سراسیمگی تھی۔ عکرمہ نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے زوہا کو دیکھا۔

''آپ کی تعریف.....؟'' اس کا اشارہ دُرّی کی طرف تھا۔



Digitized by Google

''یہ دُرِ مکنون ہے..... میری کزن..... میمی کی بھانجی.....''

''تمہاری کزن.....؟'' اسے اچنبھا ہوا۔

بچپن سے وہ سب شیرازی ولا میں ساتھ رہتے آئے تھے اور زوہا کی سب کزنز کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ جبکہ یہ چہرہ بالکل نیا اور ناشناسا تھا۔

''ہوں..... یہ میمی کی اسٹیپ سسٹر صوفیہ خالہ کی بیٹی ہے۔ جن سے ملنا ملانا نہیں تھا ان کا۔'' دھیمے لہجے میں کہتی ہوئی وہ یک دم سنجیدہ ہوگئی تھی۔

''آئی سی..... تو اب یہ یہاں کیسے؟''

''تمہیں یاد ہے زاہد انکل؟ اس کے سوال پر زوہا نے سوال کر لیا تھا۔

اس نے ذہن پر زور ڈالا تو یاد آیا۔ زاہد انکل کا ذکر اس نے اکثر مظفر صاحب کی زبانی سنا تھا۔ کبھی، کبھی مظفر صاحب لاہور ان سے ملنے بھی جایا کرتے تھے۔

''ہوں..... یاد ہیں.....''

''وہی زاہد انکل اِن فیکٹ صوفیہ خالہ کے شوہر اور پاپا کے بیسٹ فرینڈ تھے۔ جس سال تم یو ایس گئے اسی سال ان دونوں کی یکے بعد دیگرے ڈیتھ ہوگئی۔ ایسے میں دُرِ مکنون اکیلی رہ گئی تو پاپا اسے یہاں لے آئے۔'' زوہا خلافِ معمول بہت اداس ہوگئی تھی۔ گہرا تاسف اس کی آنکھوں سے عیاں تھا۔

''اب یہ یہیں رہتی ہے شیرازی ولا میں..... اور کیسے رہتی ہے۔ وہ تو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی رہے ہو۔'' غالباً اس کا اشارہ دُرِ مکنون کی ظاہری حالت کی طرف تھا۔

''اینی ویز..... اسی کو زندگی کہتے ہیں۔ زندگی کو آگے تو بڑھنا ہی ہے۔ دری کو بھی حالات کے ساتھ چلنا آجائے گا مگر فی الحال تو وہ ابھی تک شاک سے ہی نہیں نکل سکی ہے۔ اور کچھ میمی کی غصیلی طبیعت نے بھی اسے ہراساں کر رکھا ہے۔''

عکرمہ کے لیے بیک وقت کئی خبریں حیرت انگیز تھیں تاہم وہ بنا تبصرہ کیے باہر نکل آیا۔ عجیب بات یہ تھی گزرے سالوں میں کسی نے بھی اسے دُرِ مکنون کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ دادی حسبِ اطلاع اسے لان میں مل گئیں۔

آج ردا کی منگنی کا فنکشن تھا جو اس کی واپسی کے انتظار میں پورے دو ماہ کی تاخیر سے منعقد ہو رہا تھا۔ اسے قدرے تعجب ہوا کہ جب کوئی کیٹرنگ سروس سائرہ چچی نے بلا رکھی ہے تو پھر اس لڑکی سے ملازموں کی طرح کام لینے کا کیا مقصد ہے۔

البتہ اس سے زیادہ سوچنے کی اس نے خود کو اجازت نہیں دی کہ دوسروں کی بالخصوص چچی جان یعنی سائرہ شیرازی کی نجی زندگی سے متعلق تمام امور سے اس نے خود کو ہمیشہ ہی دور رکھا تھا۔

ردا کے سسرال والے وقت پر آگئے تھے۔ جن کا شاندار استقبال کیا گیا۔ وہ آصف سے ملا۔ وہ اسے اچھا لگا۔ البتہ دادی اسے قدرے اداس نظر آرہی تھیں۔

زوہا کے بعد انہوں نے ردا کو اس کی شریکِ حیات بنانے کے بہت خواب دیکھے تھے مگر ردا اور خود عکرمہ اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھے۔

''بہت مختلف ہے ردا مجھ سے دادی اور پھر میرا اور اس کا ایج ڈفرینس بھی زیادہ ہے۔ وہ اور میں ایک دوسرے کو سوٹ نہیں کرتے۔''

اس کے جانے سے پہلے دادی نے بہت چاہا کہ کم از کم منگنی ہی کر دی جائے۔ تب اس نے انہیں رسانیت



Digitized by Google

سے سمجھایا تھا۔

''اب اتنی بھی چھوٹی نہیں ہے تم سے..... سات آٹھ سال کا فرق تو چلتا ہے ہمارے یہاں۔ رہ گئی مزاج کی بات تو ردا لڑکی ہے۔ کم عمر لڑکی شوہر کے مزاج کے مطابق زیادہ آسانی سے ڈھل جاتی ہے بیٹا۔ تم ہاں تو کرو..... دیکھنا آگے سب اچھا ہوگا۔'' دادی کے اپنے دلائل تھے وہ بحث کرنے کے بجائے خاموشی اختیار کر گیا۔

''او کے..... جیسے آپ کی منشا۔ بات کر لیجیے چچا جان سے۔''

وہ دادی کو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔ بابا اور ماما جان کے بعد دادی اور چچا جان نے اسے جس شفقت سے پالا تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ سرِ تسلیم خم کر لے۔

زوہا کی بار اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک اس کا CA مکمل نہیں ہوگا وہ شادی نہیں کرے گا۔ مگر اس بار وہ دادی کو مایوس نہیں کر سکا۔

''سچ کہہ رہے ہو عکرمہ..... راضی ہو ناں تم؟'' دادی کے معصوم چہرے پر ابھرنے والا خوشیوں بھرا تبسم اس کے لیے بہت قیمتی تھا۔ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے ان کی خوشی دیدنی تھی۔

''جی.....'' وہ بجھے دل سے مسکرا دیا تھا۔

مگر وہ جو کہتے ہیں کہ جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ انسان چاہے کتنا ہی زور لگا لے ہوتا وہی ہے جو کاتبِ تقدیر نے لکھ رکھا ہوتا ہے۔

اس سے پہلے کہ دادی چچا جان سے بات کرتیں۔ ردا کا رشتہ آصف سے طے کر دیا گیا اور اب ردا اور آصف کی آپس میں انڈر اسٹینڈنگ ہو چکی تھی۔ دونوں کی ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی تھی۔

آصف اچھی فیملی سے تھا مگر تھا برادری سے باہر کا۔ چچا جان اس رشتے کے مخالف تھے مگر سائرہ چچی کو بیٹی کی خوشی منظور تھی۔ بہت لے دے ہوئی مگر ہوا وہی جو ردا نے چاہا تھا۔ اس دوران عکرمہ اسٹیٹس چلا گیا تھا۔ بعد میں دادی کے ذریعے اسے پتا چلا کہ آصف کی تعلیم مکمل ہونے تک چچا جان نے مہلت دی ہے۔

گزرے چند سالوں میں آصف نے بھی خود کو ثابت کر دیا MBA کرنے کے بعد ایک اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہوا تو چچا جان کو ہاں کہتے ہی بنی۔

اسی دوران عکرمہ کی واپسی بھی متوقع تھی لہٰذا اس کی آمد تک یہ تقریب ملتوی رکھی گئی تاہم چند ماہ بعد شادی طے تھی۔

اسے محسوس ہوا دادی ابھی تک اپنی خواہش سے دستبردار نہیں ہو سکی تھیں۔ ان کے قریب آ کر ان کے کمزور وجود کے گرد اپنے بازو کا حصار کرتے ہوئے وہ افسردہ سا ہو گیا تھا۔

''پلیز دادی..... تھوڑا مسکرائیں..... یہ بھی تو دیکھیں کہ ردا کتنی خوش ہے۔ کیا ہمیں اپنوں کی خوشی میں خوش نہیں ہونا چاہیے۔'' دادی کی طرف ذرا جھکتے ہوئے اس نے بظاہر سامنے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ سامنے اسٹیج پر ردا اور آصف ساتھ، ساتھ بیٹھے بہت جچ رہے تھے۔

کچھ تھا اس کے لہجے میں دادی جیسے خود میں واپس لوٹی تھیں۔

''تمہیں ذرا تاسف نہیں بچے..... حالانکہ تم نے تو ہاں کہی تھی.....'' وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

ایک بے ساختہ مسکراہٹ نے اس کی گھنی مونچھوں تلے لبوں کا حصار کیا تھا۔

''میں نے صرف آپ کی خاطر ہاں کہی تھی دادی..... بلیومی!'' دادی کے کمزور جھری زدہ ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے وہ بہت ایمانداری سے کہہ رہا تھا۔



Digitized by Google

دادی اس کی سیاہ آنکھوں سے جھلکتی ہوئی سچائی کو پا کر قدرے مطمئن سی ہوگئی تھیں۔ ورنہ جب سے وہ گیا تھا انہیں لگتا تھا جیسے اس کی ازلی سنجیدگی اس کی اداسی بھی چھپائے ہوئے ہے۔ مگر آج دل کو کچھ تسلی ہوئی تھی۔

''خیر ہے..... مالک کا کرم ہے۔ میری خوشی میرے دونوں بچوں کو شاید غمگین کر دیتی۔ چلو اچھا ہی ہوا کہ اللہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔'' انہوں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

''آپ ردا کے پاس جائیں دادی دیکھیے۔ چچا جان کب سے آپ کو بلا رہے ہیں۔'' اس نے انہیں متوجہ کیا تو وہ کچھ مطمئن سی آگے بڑھ گئیں۔

عکرمہ کے دل پر سے جیسے کوئی بوجھ سرکا تھا۔ تبسم لبوں کا حصہ بن گیا۔

''تم یہاں کھڑے، کھڑے کیا کر رہے ہو..... چلو آؤ..... چل کر ایک گروپ فوٹو بنواتے ہیں۔'' زوہا اس اثنا میں اپنے بیٹے سمیت وہاں آ چکی تھی۔ اس کے نہ کرنے کے باوجود اسے لے کر ہی ٹلی۔

☆.....☆.....☆

ہاتھوں پر سے خون کے دھبے صاف کرتے ہوئے اس کا دھیان لمحے بھر کے لیے بھی اس درد کی طرف نہیں گیا جو کتنی ہی دیر سے اس کے بازو میں اودھم مچا رہا تھا۔ عجیب سی بے حسی تھی جس نے اسے آج بھی اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔

اپنے زخم کی ڈریسنگ کرنے کے بعد اس نے اب ہاتھ صاف کر لیے تھے۔ سرفراز کی دی ہوئی دوا کھانے کا حسبِ سابق کوئی موڈ نہیں تھا۔

''کہاں ہو زاویار..... اب آ بھی جاؤ..... کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے.....'' باہر سے ندیم اسے آوازیں دے رہا تھا۔

اس نے سر جھٹک کر سامنے بیسن پر پڑا پسٹل اٹھا کر ٹشو سے صاف کیا اور کچھ دیر تھکی، تھکی نظر سے اسے دیکھتا رہا۔

جدید پسٹل اس کے مضبوط ہاتھوں میں جیسے کوئی کھلونا لگ رہا تھا۔

یہ کھلونا جو کبھی جان بچا لیتا ہے اور کبھی جان داؤ پر بھی لگا دیتا ہے۔ جان اپنی ہو تو ٹھیک اور جو دوسرے کی ہو تو.....؟

شدید برستی بارش اور ٹھائیں ٹھائیں کی لگاتار آوازیں..... الٹے قدموں بھاگتے قدموں کی دھمک اور ساتھ میں کسی کی چیخیں.....

''زاویار..... سو گئے ہو کیا.....؟'' اس بار سرفراز نے اسے پکارا تھا۔

وہ جیسے کسی illusion سے باہر نکلا۔ سینے سے گہری سانس خارج کرتے ہوئے پسٹل کو ہولسٹر میں اڑس کر اس نے جیکٹ کی زپ بند کی۔ اور چہرے پر دو چار تھپکے مار کر باہر نکل آیا۔

حسبِ معمول سب سرفراز کے اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں جمع تھے۔ جو محض ان لوگوں کی خفیہ میٹنگ کے لیے مختص تھا۔

اس کا کھانے کو مطلق دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر مروت کا تقاضا تھا۔ وہ ساتھ دینے کو آ بیٹھا۔ رات کے تین بجے ندیم نے نہ جانے کہاں سے کھانا آرڈر کیا تھا۔

گو کہ صرف وہی نہیں آج کی ''مہم'' نے سب کو ہی تھکایا تھا۔ مگر یوں لگتا تھا جیسے یہ تھکن اس کے اندر اتر گئی تھی۔

''کیا بات ہے زاویار..... تم اس قدر چپ، چپ کیوں ہو؟'' زلفی نے اس کی خاموشی نوٹ کی تھی۔

سرفراز کی ٹیم کے سارے بندے یہاں موجود تھے۔

''حالانکہ آج کی کامیابی پر تو ہم سب کو جشن منانا چاہیے۔'' ندیم کھانا بہت رغبت سے کھا رہا تھا پھر بھی فرصت نکال کر بولا۔

''جبکہ تم خاموش بیٹھے ہو۔''



Digitized by Google

''کوئی خاص وجہ نہیں.....بس تھکن ہے.....''

اس نے بے پروائی سے جواب دیتے ہوئے قصداً نظر جھکائے رکھی تھی۔

''زخم گہرا لگا ہے کیا؟'' اب کے سرفراز نے استفسار کیا۔

''ہاں بہت گہرا، اتنا گہرا کہ جس کے بھرنے کے لیے زمانے بھر کے مرہم بھی ناکافی ہوں گے۔'' یہ اس کے دل کی آواز تھی۔

''نہیں معمولی ہے.....سب ٹھیک ہے.....ڈونٹ وری۔'' سرفراز کے متفکر لہجے پر اس نے سر اٹھا کر مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

''تمہیں دیکھ کر تو نہیں لگ رہا کہ سب ٹھیک ہے۔'' ندیم کے تجزیے پر مولا بخش اور سرفراز کی گہری نظریں اس پر آ ٹکی تھیں۔

اس کی جیکٹ کی آستین سے جھانکتے شرٹ کے خون آلود کف زخم کی نوعیت بتا رہے تھے۔

''اوہ.....یہ تو واقعی گہرا زخم لگتا ہے.....بلیڈنگ کافی ہوئی ہے۔'' سرفراز نے تشویش سے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے کہا ناں کہ سب ٹھیک ہے.....تم لوگ بلاوجہ ٹینشن نہ لو۔'' اس کے کشادہ ماتھے پر شکنوں کا جال سا بن گیا۔ تاہم بات کے اختتام پر وہ قصداً مسکرایا تھا۔ ایسی مسکراہٹ جو اس کی ناگواری کا تاثر دیتے چہرے کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

''ویسے تمہیں نہتے اس مسلح گارڈ کے ساتھ ہرگز بھڑنا نہیں چاہیے تھا۔'' مولا بخش کا سادہ لہجہ تفکر کا آئینہ دار تھا۔

''جو کام ہاتھوں سے لیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ہتھیار کا استعمال.....بیکار ہوتا ہے۔ میں نے اسے بنا پسٹل استعمال کیے بھی بالآخر بے بس کر ہی دیا تھا۔''

''ہاں مگر اس کوشش میں خواہ مخواہ زخمی ہوئے تم.....'' سرفراز سنجیدہ تھا۔

''اٹس جسٹ اے پارٹ آف گیم.....ٹھیک ہو جائے گا زخم بھی.....'' کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے اس نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا تھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں چلے.....؟''

''اتنی رات کو گھر تو جا نہیں سکو گے.....یہیں رک جاؤ.....صبح چلے جانا.....تھوڑی دیر سو جاؤ.....''

''نہیں.....میں چلوں گا.....فی الحال نیند بھی نہیں آ رہی.....''

اسے اس وقت اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ لہٰذا سب کے اصرار کے باوجود بھی وہ اپارٹمنٹ سے نکلتا چلا گیا۔ سی ویو کے ایریے میں بنا یہ اپارٹمنٹ سرفراز کا ذاتی تھا۔ اسے یہاں جو چیز سب سے زیادہ دلکش لگتی وہ یہاں سے سمندر کا نظارہ تھا۔

اس وقت بھی وہ پارکنگ سے کار نکال کر ساحل سے نزدیک بنی روڈ پر چلا آیا۔ کچھ دیر یونہی کار دوڑاتے رہنے کے بعد اس نے ایک جگہ پارک کر لی تھی۔

اونچے نیچے پتھروں سے اتر کر بالآخر وہ ریت پر قدم جماتا سمندر کی لہروں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ جو اس اندھیرے میں کسی عفریت کے مانند ہی لگ رہی تھیں۔

کھلا سمندر بانہیں پھیلائے گویا اس کو تھامنے کے لیے بے قرار تھا پھر اسے لہروں میں کھڑے کھڑے نہ جانے کتنی دیر گزری۔ حتیٰ کہ افق کے کناروں پر پھیلتی شفق کی لالی نے سمندر کی لہروں پر اپنا عکس چھوڑنا شروع کر دیا۔

☆.....☆.....☆



Digitized by Google

دوسری صبح خاصی خوشگوار تھی یا شاید اسے ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ چائے کا مگ تھامے وہ ٹیرس پر نکل آیا تھا۔ سورج ابھی پوری آب و تاب سے چمکا نہیں تھا۔

اواخر اکتوبر کی وہ قدرے درمیانی خنکی والی صبح تھی۔ صبح صادق کا کہر اطلوعِ آفتاب کے آگے اپنی شکست خوردگی کا اعلان کرتا فضا میں تحلیل ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس وقت نرم، نرم دھوپ دیواروں سے اترنے کی تیاری کر رہی تھی۔

اسے پاکستان واپس آئے آج تیسرا دن تھا اور آج کہیں جا کر وہ صبح اٹھنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ مسئلہ درپیش تھا jet lag کا بہ مشکل وہ رات کو سو سکا تھا۔ تاہم صبح، صبح آنکھ کھلی تو وہ خود ہی چائے بنا کر ٹیرس پر آ کھڑا ہوا۔

''ارے..... تم آج بڑی جلدی اٹھ گئے بیٹا۔'' دادی غالباً نیچے تھیں اوپر آئیں تو اسے جاگتا پایا۔ وہ ان کی آواز پر مڑا تھا۔

''جی دادی..... شکر ہے آج جلدی آنکھ کھل گئی۔''

''چائے کیوں بنائی بیٹا..... مجھ سے کہتے میں لا دیتی۔'' دادی ٹیرس پر پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے تردد سے کہہ رہی تھیں۔

''کوئی بات نہیں دادی۔ اب تو مجھے بھی اچھی خاصی کوکنگ آ گئی۔ آپ چل کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے ایک فرسٹ کلاس ناشتا بنا کر لاتا ہوں۔'' وہ ملائمت اور شگفتگی سے کہہ رہا تھا۔

''ارے نہیں میرا بچہ..... تم اتنے دنوں بعد آئے ہو پردیس میں اللہ جانے کیا، کیا مصائب جھیلے ہوں گے اور اب یہاں آ کر بھی کچن میں جاؤ۔ نہ بیٹا، یہ میں ہونے نہیں دوں گی۔''

دادی کی بات پر وہ ہولے سے ہنس پڑا۔ اور ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے دادی..... پردیس میں ایسی کوئی صعوبتیں نہیں سہنا پڑی تھیں مجھے..... بڑا کرم رہا اللہ کا۔''

''پتا ہے مجھے تمہارا..... تم نے کبھی شکوہ کیا ہے جو اب کرو گے..... پر میں بھی دادی ہوں تمہاری..... دیکھ رہی ہوں پہلے سے کتنے کمزور ہو گئے ہو۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے دادی.....'' وہ ان کی محبت پاش نظروں پر مسکرا اٹھا۔ ''ٹھیک ٹھاک وزن بڑھ گیا ہے میرا۔ کل کافی لوگوں نے ٹوکا ہے مجھے.....'' وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

''ماشاء اللہ..... ! اللہ بری نظر سے بچائے۔ لوگوں کی تو عادت ہے ایسی باتیں کرنے کی۔'' دادی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ناگواری سے کہتے ہوئے نہ جانے کیا، کیا پڑھ کر دم کیا اس پر۔ وہ زیرِ لب مسکراتا رہا۔ انہیں منع کرنے کا فائدہ نہ تھا۔ وہ اس کے معاملے میں بہت حساس تھیں۔

ان کے خیال میں اس کی انتہائی پروقار شخصیت کا شاید ہی کوئی ثانی ہو۔ وہ دادی کی بات سے صد فیصد تو خیر متفق نہیں تھا تاہم اتنا اندازہ ضرور تھا کہ دادی کی رائے صد فی صد غلط بھی نہیں ہے۔

پچھلے کچھ سالوں میں اس نے اپنی طرف کئی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کیا تھا مگر اس وقت ہمہ وقت محض اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا جنون اور حصولِ علم کا شوق اسے کسی طرف بھی متوجہ نہ کر سکا۔

اور اب جب کئی سال بعد وہ اپنے خواب کی تکمیل کر کے لوٹا تھا۔ اسے ایک بار پھر انہی توصیفی نظروں کا سامنا تھا۔

''اللہ خوشیوں بھری دراز عمر عطا کرے۔'' کچھ لمحوں بعد دادی اپنے ورد سے فارغ ہوئیں تو اسے اپنے نحیف وجود سے لگا لیا۔

کہاں تو وہ ان کی گود میں کھیلا کرتا تھا اور کہاں آج ان کا سر بہ مشکل اس کے شانے تک آتا تھا۔ وہ محسوس



Digitized by Google

کر کے خوش سی ہو گئیں۔

''چلو آؤ..... نیچے چلو..... ناشتا تیار ہو گا وہاں۔''

''آپ اب مستقل نیچے ہی کھانے لگی ہیں دادی۔''

''ہوں..... تمہیں تو پتا ہی ہے ڈاکٹر نے منع کیا ہے مجھے کچن میں کام کرنے سے..... سانس اکھڑنے لگتی ہے میری۔ اسی لیے سائرہ اور مظفر نے میرا داخلہ بند کر رکھا ہے کچن میں..... بس ذرا کچن میں ہدایات دینے چلی جاتی ہوں بچی اکیلے سب سنبھالتی ہے مگر دیکھنا تو پڑتا ہی ہے ناں.....'' وہ بتا رہی تھیں اسے خاصی حیرت ہوئی۔

''کمال ہے ردا نے کچن بھی سنبھال لیا ہے۔'' دادی کے بچی کہنے پر ردا کا ہی خیال آیا۔

''ردا کہاں بیٹے..... میں تو ڈرٹی کنون کی بات کر رہی ہوں۔''

دادی کے کہنے پر کل ہونے والی ملاقات ذہن میں تازہ ہوئی۔ وگرنہ وہ تو جیسے اس کے ذہن سے نکل ہی گئی تھی۔ اسے اچنبھا ہوا۔

''وہ لڑکی کچن سنبھالتی ہے پورا تو ملازم کہاں ہیں؟ سائرہ چچی نے تو غالباً دو، دو ملازم رکھے تھے کچن کے لیے۔ ایک بٹلر تھا دوسرا ہیلپر۔''

''ان کا کام سائرہ کو پسند نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے یکے بعد دیگرے دونوں کی چھٹی کر دی انہوں نے۔ البتہ اب دو لڑکیاں رکھی ہیں ہیلپر کے طور پر۔'' دادی نے بے اختیار نظریں چراتے ہوئے کہا تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ وہ نیچے جا رہی تھیں اسے خیال آیا کیوں نہ ناشتے سے پہلے فریش ہو جائے۔

''آپ چلیے دادی میں فریش ہو کر آتا ہوں.....'' اس نے کہا اور اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کمرے میں آ کر کپڑے نکالے اور نہانے چل دیا۔ تاہم ڈرٹی کنون کا خیال اسے آتا رہا۔ وہ نازک سی سہی، سہی لڑکی۔ زوہا کی باتوں سے تو یہی لگ رہا تھا کہ سائرہ چچی کا رویہ کافی ناخوشگوار ہے اس کے ساتھ..... جبھی اتنی اپ سیٹ لگ رہی تھی وہ۔

''کہاں دیکھا ہے اسے؟'' اس کے خیال کے ساتھ ہی یہ سوال بھی ذہن میں گردش کرنے لگا تھا۔ تاہم اس کا جواب نہ ملا حتی کہ وہ نائٹ سوٹ تبدیل کر کے نیچے چلا آیا۔

ڈائننگ روم میں داخل ہوا تو دیکھا سامنے ہی میز پر سائرہ چچی سمیت چچا جان بھی موجود تھے۔ ردا غائب تھی۔ اس کے سلام کرنے پر دونوں ہی متوجہ ہوئے۔

''وعلیکم السلام.....! صبح بخیر.....'' چچا جان خوش دلی سے مسکرائے تھے۔

''بیٹھو عکرمہ..... کیا لو گے؟'' سائرہ چچی نے استفسار کیا۔

''کچھ بھی چچی جان..... جو بھی آسانی سے بن جائے۔'' وہ تکلف نہیں کر رہا تھا بلکہ اسے تو شروع سے ہی ایسی عادت رہی تھی۔

''ارے اپنے گھر میں تکلف..... عکرمہ آخر تم کب سدھرو گے۔'' سائرہ چچی نے اپنائیت سے کہا۔ مزاجاً وہ ذرا تیز تھیں مگر عکرمہ خوش بختی سے ہمیشہ ان کی گڈ بکس میں رہا تھا۔

''میں نے اسپیشل آملیٹ اور پراٹھا بنوایا ہے اپنے بچے کے لیے..... سالوں بعد تو گھر کا ناشتا نصیب ہو رہا ہے۔'' دادی اتنے میں اندر آتے ہوئے بولیں تو وہ مسکرا دیا۔

''سچ عکرمہ بھائی..... خوش نصیب ہیں آپ..... کس قدر پروٹوکول ملتا ہے آپ کو اس گھر میں..... سچ میں اتنی اہمیت مجھے ملے تو میں تو ہواؤں میں اڑوں۔''

سیف اس کی داہنی طرف بیٹھا تھا۔ قریب جھکتے ہوئے بولا۔



Digitized by Google

''تم تو ویسے بھی کم ہواؤں میں نہیں اڑ رہے..... پہلے کسی لائق تو بنو پھر بات کرنا پروٹوکول کی۔'' ردا اس دوران سیف کی برابر والی کرسی پر آ بیٹھی تھی۔ فوراً اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''خیر..... تم بتاؤ بیٹا..... کیا ارادے ہیں۔ لیکچر رشپ ہی اختیار کرنا ہے یا کسی فرم کو ایز اے چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ جوائن کرنا ہے؟'' سائرہ چچی نے اسے متوجہ کرلیا تھا۔ ورنہ تو وہ ان دونوں بہن بھائی کی نوک جھوک سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''آئی کیپ (ICAP) میں تو لیکچر رشپ مجھے پہلے سے ہی کنفرم تھی۔ البتہ کل ICMAP (institue of cost & management account) میں اوپننگ کلاس کے لیے بات ہوئی ہے میری..... دیکھیں شاید ہاں کردوں..... البتہ فی الحال ICAP تو جوائن کرچکا ہوں۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

''کمال ہے عکرمہ بھائی..... لوگ اتنی بڑی ڈگری حاصل کرکے اول پاکستان آتے ہی نہیں اور اگر آتے ہیں تو کسی بڑی ملٹی نیشنل کمپنی کو جوائن کرکے لاکھوں بٹورتے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ لیکچر رشپ پر راضی ہو رہے ہیں واہ بھئی!'' سلائس پر مارجرین لگاتے ہوئے ردا نے تبصرہ کیا تھا۔

چچا جان اور چچی جان کے چہرے پر تائید صاف پڑھی جارہی تھی۔ جبکہ دادی اس کے لیے چائے نکالنے میں مصروف تھیں۔

وہ بردباری سے مسکرادیا۔

''پسند اپنی، اپنی..... مزاج اپنا، اپنا..... میرا تو شروع ہی سے لیکچر رشپ کا شوق تھا..... جب میں وہاں پڑھتا تھا تب سے اس وقت کا انتظار کیا کرتا تھا..... زیادہ ارننگ earning میرا ٹارگٹ نہیں رہا کبھی۔''

''پتا نہیں آپ جیسے درویش لوگ اب اس دھرتی پر قدم دھرتے بھی ہیں یا نہیں..... خاصے antique پیس ہیں آپ۔'' سیف نے تعریفی لہجے میں بے پروائی سے کہا۔

''ہاں..... ہر کوئی تمہاری طرح پیسے کے پیچھے نہیں بھاگتا..... تمہیں تو ڈاکٹر بننے کا شوق بھی اسی لیے ہے کہ زیادہ سے زیادہ کما سکو۔'' ردا نے پھر اسے لپیٹا تھا۔ وہ منہ بنا کر رہ گیا۔

''پھر کب سے جوائن کر رہے ہو..... اسی ہفتے؟''

''جی کل سے ہی ارادہ ہے۔'' گرم، گرم آملیٹ اور پراٹھا اس کے آگے لاکے رکھا جاچکا تھا۔ اس نے کافی خوش دلی سے ناشتا کیا۔ واقعی درمکنون ایک اچھی کک ہے دل ہی دل میں اس کا اعتراف بھی کیا۔

دو دن سے تو اس کی صبح ہی اتنی دیر سے ہو رہی تھی کہ ناشتے کے بجائے دوپہر کا کھانا کھایا تھا اس نے۔ مگر آج ناشتا کیا تو احساس ہوا کہ گزرے دو دنوں میں جو بھی اس نے لنچ یا ڈنر کے طور پر کھایا اسے بنانے والی کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے۔

''تو پھر آج کیا کر رہے ہیں آپ عکرمہ بھائی؟'' ردا بھی ناشتے سے فارغ ہوگئی تھی۔ دلچسپی سے پوچھا۔

''آج ذرا اپنے سرکل کی طرف جاؤں گا..... پچھلے دو دنوں میں تو ICAP اور ICMAP کی فارملیٹیز میں ہی نکل گئے۔''

''ضرور جاؤ بیٹا..... خوب گھومو پھرو..... یہی تو عمر ہے ان کاموں کی۔'' دادی نہال ہوتے ہوئے بولی تھیں۔

''تم چلو میں کپڑے استری کردیتی ہوں تمہارے۔'' دادی اس کے ساتھ ساتھ ہی اٹھی تھیں۔ سیف اور ردا ڈائننگ روم سے نکل گئے تھے۔

''آپ کو استری کرنے کی کیا ضرورت ہے..... دُرِمکنون کردے گی اماں۔'' چچی جان نے آفر کی تھی۔

''ارے نہیں بیٹا میں کرلوں گی..... کام ہی کتنا ہے میرے پاس.....'' دادی نے کہا تو عکرمہ نے اُن کی طرف دیکھا۔



Digitized by Google

ویسے تو وہ اس کے کام کرتی ہی محبت سے تھیں مگر اس وقت وہ قصداً درِمکنون سے کام کروانا نہیں چاہ رہی تھیں۔ اس کے مزاج کا اندازہ جو تھا۔

''کم آن اماں...... اب آپ کی عمر کام کرنے کی نہیں کرانے کی ہے۔ درِمکنون کر دے گی۔ آخر لڑکی ہے...... لڑکیاں تو گھر کے کام کرتی ہی ہیں۔'' چچی جان کا لہجہ حتمی سا تھا۔ اس نے دیکھا چچا جان نے شاکی انداز میں اُن کی طرف دیکھا تھا۔

''ہاں تو پھر ردا سے کہہ دو...... وہ بھی تو لڑکی ہے۔'' کافی طنزیہ انداز میں چچا جان گویا ہوئے تھے۔ چچی جان کے تو گویا تلوؤں سے لگی سر پر بجھی۔

''ہاں مگر اس گھر میں مہمان ہے وہ، کل تو منگنی ہوئی ہے اس کی، چند ماہ بعد شادی ہے، اس گھر میں مہمان ہے اب وہ......''

''مہمان تو دُرِمکنون بھی ہے......'' اُدھر جواب تیار تھا۔

''مہمان ایک دو دن کا ہوتا ہے۔ ہمیشہ کا نہیں...... ردا تو ماشاء اللہ بیاہ کے چلی جائے گی۔ مگر درِمکنون کے لیے ایسی کوئی امید ہے آپ کو؟'' تیز کٹار کی طرح زبان چلی تھی ان کی۔ اس پر زہر خند لہجہ۔

عکرمہ اور دادی خاموش تماشائی بنے کھڑے انہیں دیکھ رہے تھے۔

عکرمہ کو حیرت ہوئی بھلا اتنی خوب صورت لڑکی کی شادی کی طرف سے آخر اس قدر مایوسی کیوں تھی سائرہ بیگم کو۔ دادی البتہ افسردگی سے سر جھکا گئی تھیں۔

''بھلا کیوں نہیں ہوگی امید مجھے...... ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے وہ۔ جس گھر جائے گی اجالا ہی کرے گی۔'' چچا جان کا لہجہ شفقت اور محبت سے پُر تھا۔

عکرمہ نے تعجب سے ان دونوں کو دیکھا۔

بقول زوہا، درِمکنون، سائرہ چچی کی بھانجی تھی مگر اس وقت تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا رشتہ صرف چچا جان سے ہے۔

''اور جو تاریک سائے اس کے وجود سے چمٹے ہوئے ہیں...... ان کا کیا...... ان سے تو صرف آپ صرف نگاہ کر سکتے ہیں جبکہ دنیا تو چاند کے داغ کو بھی نہیں بخشتی مظفر صاحب......'' سائرہ بیگم کا لہجہ طنز سے ہی نہیں حقارت سے بھی اٹا ہوا تھا۔

''چھوڑو بیٹا...... اب جانے بھی دو...... کہیں وہ بچی سن ہی نہ لے......'' دادی نے بالآخر مداخلت کرتے ہوئے دبے، دبے لہجے میں بہو سے کہا۔

''چھوڑیں اماں...... اس بیچاری کو تو اب یہ سب سننے کی عادت سی ہوگئی...... اٹھتے بیٹھتے یہ زہر اس کے کانوں میں ہمہ وقت گھولا جاتا ہے۔ خدا کے قہر سے ڈرتے بھی نہیں لوگ......'' مظفر صاحب یکبارگی انتہائی کبیدہ خاطر نظر آنے لگے تھے۔

''بالکل بجا ارشاد فرمایا...... خدا کے قہر سے تو صرف آپ ہی ڈرتے ہیں...... ارے اتنے بڑے حادثے کے باوجود جوان لڑکی کی ذمّے داری لی۔ اپنی بیٹی کی شادی سر پر ہے۔ ایسے میں دس لوگوں کا گھر میں آنا جانا ہو رہا ہے...... لوگ تو سوال کرتے ہیں۔ سب کو تشویش لگی ہوتی ہے کہ یہ کون ہے اور یہاں کیوں رہتی ہے؟ میں کس طرح یہ سب مینج کرتی ہوں...... کبھی پتا بھی چلا ہے آپ کو...... کسی دن سوچ کر دیکھیے گا کہ اگر کبھی کسی کو بھنک بھی پڑ گئی ناں...... اس کے ماضی کی تو پھر سمجھ لیجیے بیٹیوں کی سسرالوں تک اس آگ کو پہنچنے سے روکنا محال ہوگا۔ یہ سب



Digitized by Google

ہوتے ہوئے بھی اسے گھر میں رکھا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ خدا کے قہر سے ڈر نہیں ہے مجھے..... خوفِ خدا ہے بھی تو اتنی بڑی مصیبت مول لی.....'' سائرہ بیگم شروع ہوئیں تو رکنے کا نام نہیں لیا۔

اس قدر تحقیر اور تنفر تھا ان کے لفظ، لفظ میں کہ سامنے کھڑا عکرمہ، دادی اور چچا جان کے شرمندگی سے بھرپور تاثرات والے چہروں کو دیکھ کر خود کو شرمسار سا محسوس کرنے لگا۔ تبھی وہاں سے چلے آنے میں عافیت جانی۔

یوں تو سائرہ چچی خاصی مہذب اور اخلاق والی خاتون تھیں تاہم جہاں معاملہ ان کی ناپسندیدگی کا آتا وہاں وہ بداخلاق ہونے میں اپنا ثانی بھی نہیں رکھتی تھیں۔

حقیقت میں تو عکرمہ محض ان کی اسی عادت کی وجہ سے ان سے ہمیشہ ہی حدِ فاصل پر رہا تھا۔ حتیٰ کہ شعور آنے کے بعد یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ان کے پسندیدہ لوگوں کی لسٹ میں شامل ہے، وہ ان کے اور اپنے درمیان موجود اس خلیج کو کبھی پاٹ نہیں سکا۔ یوں بھی وہ چچی جان کی گڈ بکس میں آتا تھا۔ جبکہ چچی جان اس کے پسندیدہ لوگوں کی لسٹ میں بالکل شامل نہیں تھیں۔

ناگواری کا بوجھ لیے وہ اوپر اپنے پورشن میں چلا آیا۔ اسے اس اجنبی لڑکی سے ہمدردی سی محسوس ہوئی جو نہ جانے کن حالات کے باعث یہاں آ پہنچی تھی۔

بے دلی سے اپنے کپڑے نکال کر وہ ابھی دادی ماں کے کمرے میں جانے کا قصد کر ہی رہا تھا کہ جہاں آئرن اسٹینڈ موجود تھا کہ دادی اندر چلی آئیں۔

''لاؤ بیٹا..... کپڑے دے دو۔ درِمکنون اوپر آ رہی ہے۔ ابھی کر دے گی پریس.....'' دادی شرمندہ، شرمندہ سی کہہ رہی تھیں۔

''پلیز دادی..... آپ منع کر دیں..... میں خود کر لوں گا۔ یہاں سے جانے سے پہلے بھی تو خود ہی کرتا تھا۔ کیا کبھی زوہا، ردا یا ملازم نے میرا کوئی کام کیا..... یا میں نے کبھی ان سے کوئی کام کرایا.....؟ تو اب کیوں کسی انجان لڑکی سے..... مائی گاڈ..... چچی جان کو ہوا کیا ہے۔'' وہ جھنجلا سا گیا..... وہ تو ملازمین سے بھی زیادہ کام نہیں لیتا تھا۔

''تب درمکنون نہیں تھی ناں یہاں..... مفت کی نوکرانی.....'' دادی عجیب بے بسی اور دکھ سے کہہ رہی تھیں۔

''نوکرانی.....؟'' وہ اس اصطلاح پر گویا متحیر ہی رہ گیا۔ ''غالباً وہ چچی جان کی بھانجی ہے ناں دادی؟''

''ہاں..... مگر سوتیلی۔''

اس کے ساتھ آخر کیا ہوا کہ اسے ناقابلِ برداشت تذلیل سے بھری زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں سوال درج تھا۔ جسے وہ الفاظ کا روپ نہ دے سکا۔

''تو کیا سوتیلے رشتوں کی کوئی عزتِ نفس نہیں ہوتی۔'' وہ تلخ ہوا۔

''بس بیٹا یہ سوتیلے رشتوں کا زہر ایسے ہی انسانیت کے تقاضوں کو کھا جاتا ہے۔ اس پر یتیم لڑکی کی ذمے داری..... وہ بھی ایسی ذمے داری جس سے سبکدوش ہونے کی امید بھی نہ ہونے کے برابر ہو.....'' گہری آہ بھرتے ہوئے دادی اس کے بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی تھیں۔ آبدیدہ سی کہتے ہوئے وہ عکرمہ کو یک دم بے چین کر گئیں۔

وہ بے اختیار ان کے پاس چلا آیا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا دادی..... آپ پلیز اسٹریس نہ لیا کریں..... ناامیدی تو کفر ہے..... میں نے دیکھا ہے درمکنون کو..... اچھی لڑکی ہے، اس پر عمر بھی کم ہے..... غالباً پڑھی لکھی بھی ہوں گی۔ ہو جائے گی ان کی بھی شادی آپ فکر مت کریں.....''

''خدا کرے ایسا ہی ہو..... خدا تمہاری زبان مبارک کرے.....''



Digitized by Google

دادی بے اختیار کہہ اٹھی تھیں..... اس نے یونہی سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ یک دم نظر چرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بہر حال..... لاؤ میں یہ کپڑے اسے دے آؤں۔'' اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر وہ قصداً اس کی سوالیہ نظروں کو نظر انداز کرتی باہر نکل گئیں تو وہ خاموشی سے ٹی وی لاؤنج میں نکل آیا۔

''بیٹا تم سائرہ کی باتوں کا برا مت منانا..... دراصل عکرمہ کئی سال بعد واپس آیا ہے ناں تو اس کے کام.....''

''کوئی بات نہیں دادی..... مجھے کوئی شکایت نہیں..... لائیں میں کپڑے پریس کر دوں۔''

دادی کے شرمسار سے لہجے کے برعکس درمکنون کا انداز قطعی سپاٹ تھا۔ لاؤنج میں بیٹھا عکرمہ ریموٹ کنٹرول سے چینل بدلتے ہوئے بھی لاشعوری طور پر اُن کی باتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

عجیب مشینی سا انداز تھا اس کا۔ دادی جب بھی اسے دیکھتی تھیں، ایک ہوک سی سینے میں اٹھتی تھی۔

عکرمہ کی نظریں غیر اختیاری طور پر دادی کے کمرے کی طرف اٹھیں۔

درمکنون استری اسٹینڈ کے پاس کھڑی میکانکی انداز میں کپڑے پریس کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایسی خاموشی ثبت تھی کہ جیسے اب کبھی بولے گی ہی نہیں۔

عکرمہ نے غور سے دیکھا تو احساس ہوا وہ خطرناک حد تک خوب صورت تھی۔ حسین تیکھے نقش، مڑی ہوئی پلکوں والی غلافی آنکھیں، انتہائی خوب صورت کٹاؤ والے بھرے، بھرے ہونٹ جو اس وقت اس نے کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے بھینچ رکھے تھے۔ شانوں سے نیچے جاتے سلکی ڈارک براؤن بال جو اس وقت موٹی سی چٹیا میں جکڑے ہوئے تھے۔ کئی سلکی لٹیں اس کے گندمی رخساروں کا حصار کیے ہوئے تھیں۔ لگتا تھا کئی دنوں سے بالوں کو ترشوایا نہیں گیا۔

درمیانہ قد اور نازک سراپا اسے حد درجہ غیر معمولی حسن عطا کر رہا تھا۔ مگر اپنے آپ سے بے نیاز وہ مشینی انداز میں اپنے کام میں مگن تھی۔

اس نے دیکھا وہ آج بھی کل والے بیج اور میرون کاٹن کے ملگجے سوٹ میں ملبوس تھی۔

''کہاں دیکھا ہے اسے.....؟'' عکرمہ کا دھیان جیسے اٹک سا گیا۔

''یہ لیجیے دادی..... کپڑے پریس ہو گئے..... میں چلتی ہوں..... لنچ میں کیا بنے گا.....؟ میمی خالہ کہہ رہی تھیں کہ آپ سے پوچھ لوں.....'' وہی سپاٹ سی آواز گونجی تو وہ جیسے خود میں لوٹا۔

''کچھ بھی بنا لو بیٹا..... بلکہ ایسا کرو تم آرام کرو..... کل رات کو بھی سارا پھیلاوا تم نے اکیلے ہی سمیٹا ہے۔ میں دوپہر میں نہاری منگوا لیتی ہوں..... عکرمہ شوق سے کھاتا ہے۔'' دادی ہمدردی سے کہنے لگیں۔

''میں بنا لوں گی دادی..... نہیں تو میمی خالہ خفا ہوں گی۔''

جواباً وہ کہہ کر مڑ گئی تھی۔ لاؤنج سے گزری بھی تو اس قدر انجان و بیزار کہ سامنے صوفے پر بیٹھے عکرمہ کو گویا دیکھ بھی نہ سکی۔

''لو بیٹا..... جاؤ تیار ہو جاؤ..... بچی نے کپڑے پریس کر دیے ہیں۔ دوپہر تک تو آ جاؤ گے ناں.....؟'' دادی ملول سی اس کے پاس چلی آئی تھیں۔

''کوشش کروں گا دادی..... ممکن ہے شام ہو جائے۔'' وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس قسم کا ماحول اس کے اعصاب کے لیے خاصا تناؤ آمیز تھا۔

کئی سال بعد گھر لوٹ آنے کی خوشی کچھ دھندلی پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ البتہ دوستوں کے ساتھ طبیعت میں



Digitized by Google

خوشگواری در آئی تھی۔

شام کو جب وہ لوٹا تو خاصا فریش تھا۔ اپنے دوستوں سے کئی سال بعد ملاقات ہوئی تھی۔ گو کہ واٹس ایپ اور وائبر کے ذریعے رابطہ تو تھا لیکن اتنے عرصے بعد آمنے سامنے بیٹھنے کا لطف ہی اور تھا۔

☆.....☆.....☆

عاصمہ لاج کی پارکنگ میں کار روکنے کے بعد اس نے جیب سے سیل فون نکال کر اسے آن کیا تھا، اٹھائیس مسڈ کالز سپلے پر جگمگا رہی تھیں۔

جس میں نو کالز شہرین کی تھیں اور بقیہ آغا جان کے مختلف نمبرز سے کی گئی کالز تھیں۔ ایک دو عاصمہ کی بھی تھیں۔

اس نے سر جھٹک کر گویا اپنا غصہ جھٹکنا چاہا اور اندر چلا آیا۔ حسبِ توقع لاؤنج میں عاصمہ اور مہران ناشتا کرتے ملے۔

''السلام علیکم..... زوی!'' عاصمہ کی نظر جونہی اس پر پڑی وہ یک دم خوشگواری سے مسکرا دیں۔ اسے اچانک سامنے پا کر ان کی آنکھوں کی چمک جیسے بڑھ سی گئی تھی۔ مہران نے ماں کی نظروں کے تعاقب میں نگاہ دوڑائی۔

''وعلیکم السلام!'' وہ چند قدم آگے بڑھ آیا تھا۔

''کیا حال ہیں bro.....؟'' مہران نے بھی متبسم ہو کر پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' خشک لہجہ..... مختصر جواب۔

مگر عاصمہ لاج کے مکین جیسے اس رویے کے عادی ہو چکے تھے۔

''تم جلدی آ گئے بیٹا..... دوپہر تک واپسی تھی ناں تمہاری.....؟'' عاصمہ استفسار کرنے لگیں۔

''جی..... مگر کام جلدی ختم ہو گیا تو جلدی واپس آ گیا میں.....''

آج دوپہر دو تین بجے تک واپسی کا کہہ کر گیا تھا وہ۔ عاصمہ اس کی جلدی واپسی پر خوش بھی تھیں مگر پوچھے بنا بھی نہ رہ سکیں۔

نہ جانے کیوں جب بھی وہ اپنے کام سے ایک دو دن کے لیے کراچی سے باہر جاتا۔ انہیں عجیب، عجیب طرح کے وہم ستاتے۔ ڈر لگتا کہ کہیں وہ واپس لاہور نہ چلا جائے۔

''بہت اچھا کیا تم نے.....'' عاصمہ بہت محبت سے بولی تھیں۔ ''ناشتا کرو گے؟''

''نہیں..... مجھے بھوک نہیں..... پوری رات سو نہیں سکا سفر میں..... اب ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو کیا آج آفس نہیں جاؤ گے؟''

''جاؤں گا.....'' عاصمہ کے استفسار پر اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر اچٹتی نظر دوڑائی۔ ''مگر دوپہر ایک بجے کے بعد.....'' بات مکمل کر کے اس نے اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھائے تو عاصمہ اٹھ کر اس کے پیچھے چلی آئیں۔

''.....تمہارا سیل آف جا رہا تھا مستقل۔ لاہور سے انصاری انکل کا فون آیا تھا تمہارے لیے.....''

''یہاں؟ آپ کے پاس.....؟'' وہ بھنا کر پلٹا تھا۔

عاصمہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر رک کر اس کے غصیلے چہرے کو دیکھنے لگیں۔ سراثبات میں ہل گیا تھا۔

''آپ نے ریسیو کیوں کی اُن کی کال؟'' بھڑک کر پوچھا تھا اس نے، عاصمہ لمحے بھر کے لیے چپ سی رہ گئیں۔

''یہ کیا بات ہوئی زوی..... انہوں نے کئی بار کال کی..... کب تک نظر انداز کرتی میں انہیں..... وہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں بیٹا.....''

''لیکن مجھے ان سے کوئی بات نہیں کرنی.....'' وہ بری طرح بھنایا تھا۔



Digitized by Google

''مگر وہ.....''

''میرا خیال ہے کہ بات مکمل ہوگئی ہے ماما۔ وہ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں مگر میں نہیں..... دیٹس اٹ.....''

یک دم انگلی اٹھا کے اس نے دوٹوک لہجے میں کہہ کر گویا ان کے مزید کچھ کہنے کی راہ ہی مسدود کر دی۔

''پلیز..... میں اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

عاصمہ ابھی کچھ کہنے کا سوچ ہی رہی تھیں کہ اس نے بظاہر مہذب لہجے میں کہا، تاہم اس کے چہرے کے تاثرات اس قدر پتھریلے تھے کہ وہ ماں ہو کر بھی مزید کچھ کہنے کا حوصلہ نہ پا سکیں۔ اور وہ کمرے کے دروازے کے اس طرف غائب بھی ہو گیا۔

عاصمہ لاؤنج میں پلٹیں تو گہری سوچ ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

''bro is just tired..... سو کر اٹھیں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے۔'' مہران نے اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر رہ گئیں۔

حقیقت کیا ہے اس سے دونوں واقف تھے مگر اسی طرح پچھلے کئی سالوں سے ایک دوسرے کو حوصلہ دیتے، شرمندگی نکالتے چلے آ رہے تھے۔ جو ان دونوں کو زاویار انصاری کے درشت رویے کے باعث اپنی لپیٹ میں لے لیتی تھی۔

زاویار نے کمرے میں داخل ہو کر سب سے پہلے کپڑے نکالے اور شاور لے کر سفر کی دھول اور تھکن سے نجات حاصل کی۔

زخم کی ڈریسنگ ایک بار پھر کرنے کے بعد اس نے خون آلود شرٹ کو اپنے لیپ ٹاپ کے بیگ میں زبردستی ٹھونسا تاکہ دوپہر کو گھر سے نکلتے وقت کسی کی نظر اس کی شرٹ پر نہ پڑے..... اور پھر بستر پر آ لیٹا۔

کئی گھنٹوں کے بعد ذہن و جسم کو سکون میسر آیا تھا۔

اور ابھی وہ مکمل یکسوئی سے کچھ سوچنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ سیل گنگنا اٹھا۔

''شہرین.....'' کا نام ڈسپلے پر جگمگا رہا تھا۔

اس نے شدید غصے سے سیل فون کو گھورا اور پھر اسے آف کر کے کروٹ بدل لی۔ آغا جان اور شہرین کا خیال اسے رہ رہ کر تلملانے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس نے بہ مشکل اپنے غصے پر قابو پایا اور سر جھٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر یہ ناممکن ہی تھا۔

اسے تو رات کو بھی ٹرنکولائزر کی بدولت چند گھنٹوں کے لیے نیند آیا کرتی تھی تو کہاں یہ دن کا روشن حصہ۔

دو گھنٹے کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد بالآخر وہ بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اس سے تو بہتر ہے کہ آفس ہی چلا جاؤں.....'' بیزاری سے سوچتے ہوئے اس نے کپڑے تبدیل کیے اور لیپ ٹاپ کا بیگ اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔

کار اسٹارٹ ہونے کی آواز پر عاصمہ تیز، تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف آئی تھیں مگر اس اثنا میں وہ کار باہر نکال چکا تھا۔

وہ پیچھے رہ جانے والی اڑتی دھول دیکھتی رہ گئیں اور وہ چلا بھی گیا۔

کل رات گزرے واقعات اس کی آنکھوں کے آگے جیسے کسی فلم کی طرح چلنے لگے تھے اور پس منظر میں کچھ دھندلے خاکے۔ اسے پتا بھی نہیں چلا کہ کب وہ عاصمہ لاج سے چلا اور کب زیڈ فائی ٹینس میں داخل ہوا..... اس کا سُونا کیبن اس کا منتظر تھا۔ پیون سے پتا چلا کہ سرفراز نے آج آفس آنے سے منع کر دیا ہے۔



Digitized by Google

اب وہ کیا کرے یہ سوچتے ہوئے اس نے سامنے میز پر رکھی فائل اٹھائی اور ذہن کو مرکوز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

☆......☆......☆

وہ نیچے لاؤنج میں داخل ہوا سامنے ہی زوہا ٹیلی ویژن کے آگے بیٹھی کسی نیوز چینل میں کھوئی نظر آئی۔ اس کے اعصاب پر خوشگوار سا تاثر پڑا۔

''السلام علیکم......! کیا حال احوال ہیں؟'' وہ خوش دلی سے مسکراتا اس کے سامنے چلا آیا تو وہ چونکی۔

''وعلیکم السلام عکرمہ۔ تھینکس گاڈ...... کم از کم تم تو گھر لوٹے...... سچ حد درجے بور ہوگئی تھی میں...... بس ابھی جانے کا ہی ارادہ کر رہی تھی۔'' اس کو دیکھتے ہی زوہا نے شکرانہ ادا کیا۔

''کیوں...... باقی گھر والے کہاں ہیں؟'' اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔

''پاپا اور میمی آنٹی تفسیر کے یہاں گئے ہیں۔ انکل کا بائی پاس ہوا ہے اس لیے۔ سیف اور ردا البتہ اپنے، اپنے فرینڈز کی طرف میں اچانک آ گئی تھی۔ سوچا تم سے مل لوں گی مگر تم بھی ندارد...... خیر سے تھے کہاں؟''

''بس ذرا اپنے دوستوں میں نکل گیا تھا۔'' اس نے مختصراً جواب دیا۔

''ہوں...... لے دے کے وہ تمہارے ڈھائی دوست...... ایک ولی دوسرا منصور اور آدھا اطہر...... کل ملا کے ڈھائی...... ویسے اس اطہر نے کچھ سمت پکڑی...... یا ابھی تک 'سگریٹ نوشی زہر ہے' کا چلتا پھرتا اشتہار ہی ہے وہ؟'' زوہا کو گویا سبھی یاد تھے۔ ہلکا سا ٹھٹھا لگا کر استفسار کیا۔

''بری بات ہے ایسے کسی کا مذاق نہیں اڑاتے۔'' اس نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے سرزنش کی۔

''مذاق کی کیا بات ہے۔ وہ ہے ہی ایسا'' زوہا پر کوئی اثر نہ تھا۔

''تمہارے نامدارا اور ولی عہد کہاں ہیں؟'' اس نے موضوع بدل دیا۔

ابھی، ابھی سعد، سی کو باہر لے کر گئے ہیں۔ پیزا کھانے کی ضد کر رہا تھا اور یہاں دادی نے تمہارے لیے نہاری تیار کروا رکھی ہے۔''

نہاری کے ذکر پر اسے صبح کا واقعہ یاد آ گیا۔ اک بے نام سا تناؤ اس کے چہرے پر صاف پڑھا جانے لگا تھا۔ زوہا نے استعجاب سے کچھ پوچھنا چاہا ہی تھا کہ ہاتھوں میں ڈرائی فروٹ کی تھالی لیے درمکنون ان کے پاس چلی آئی تھی۔

وہ غالباً اپنے ہی دھیان میں تھی جبھی عکرمہ کو دیکھ ہی نہیں سکی، چونکی تو جب، جب زوہا کے پاس پہنچ کر دائیں جانب بیٹھے عکرمہ پر نظر پڑی۔

''تھینکس دری...... پلیز بیٹھو۔'' زوہا اس کی جانب متوجہ ہوئی تو شائستگی سے کہہ کر اپنے پاس جگہ بنائی۔

''نہیں...... وہ مجھے......'' درمکنون اٹک سی گئی تھی۔

زوہا نے اس کی گھبراہٹ کا نوٹس نہ لیتے ہوئے زبردستی ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

''کوئی ایکسکیوز نہیں...... تم اس گھر کی ملازمہ نہیں ہو......'' ایسی اپنائیت بھری ڈانٹ پر درمکنون ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔

عکرمہ خاموش بیٹھا دونوں کو دیکھ اور سن رہا تھا کہ زوہا کو اچانک تعارف کرانے کا خیال آیا۔

''بہر حال ان سے ملو...... یہ عکرمہ ہے...... میرا فرسٹ کزن اور ایک بہت اچھا دوست...... مجھے یقین ہے اس سے ابھی تک تعارف تو نہیں ہوا ہوگا تمہارا۔''

زوہا کے لہجے میں یقین تھا۔ وہ سر جھکا کر رہ گئی۔



URDU TUBE
Digitized by Google

''اور عکرمہ یہ ہے میری سویٹ خالہ زاد دُرِ مکنون..... جانتے ہو انٹر میں پورے بورڈ میں دوسری پوزیشن لی تھی اس نے..... کراچی آ کر البتہ سلسلۂ تعلیم ٹوٹ گیا ہے مگر میں تو کہتی ہوں اس سے کہ آگے ایجوکیشن continue کرے اپنی..... ارے بھئی آج کل محض انٹر کی بھی کوئی ویلیو ہے بھلا۔''

''ہوں یہ تو ٹھیک نہیں کہ انسان تعلیم ادھوری چھوڑ دے۔'' عکرمہ نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''وہی تو، ماشاء اللہ سے بے حد ذہین ہے اپنی دُرِ ی۔ ہمارے خاندان کا نام روشن کیا ہے اس نے.....'' زوہا نے فخر سے کہا۔ عکرمہ نے دیکھا درِ مکنون کے چہرے پر کئی سائے آ کر گزر گئے۔ بڑی زخمی نظروں سے اس نے زوہا کو دیکھا۔

''کیا سبجیکٹ تھے آپ کے پاس.....؟'' اس کی سراسیمگی محسوس کرنے کے باوجود اس نے قصداً سوال کر لیا تھا۔

''آئی کام..... کیا ہے میں نے.....'' ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر خاصے میکانکی انداز میں جواب دیا تھا اس نے۔

''تمہارے ہی قبیلے کی ہے یہ بھی..... کامرس ہی اوڑھنا بچھونا تھا اس کا۔'' زوہا نے بات بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ ورنہ درِ مکنون تو مختصر ترین جواب دے کر چپ ہو گئی تھی۔

''یہ عکرمہ بھی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہے۔ ICAP سے CA کیا تھا اور آج وہیں پر ایز اے لیکچرار اپائنٹ ہوا ہے۔'' زوہا نے دونوں کے درمیان خاموشی محسوس کر کے دوبارہ گفتگو کا آغاز کیا۔

''ویسے آگے کیا ارادہ ہے تمہارا۔ صرف ایجوکیشن سے ہی واسطہ رکھو گے یا کوئی ملٹی نیشنل کمپنی۔ جوائن کرنا ہے؟ پاپا بتا رہے تھے غالباً کہیں سے بڑی ہینڈسم سیلری والی پوسٹ آفر ہوئی ہے تمہیں۔'' وہ ستائشی لہجے میں استفسار کر رہی تھی۔

دُرِ مکنون نے حسرت بھری نظر سے اسے دیکھا۔ کبھی ایسے ہی کسی مقام پر پہنچنے کے بڑے، بڑے خواب اس نے بھی دیکھے تھے۔

''ہوں..... آفر تو اسٹیٹس میں بھی ہوئی تھی۔ جس فرم سے انٹرن کیا تھا اسی نے آفر کی تھی مگر مجھے یہاں واپس آنا ہے..... یہ طے تھا۔''

''پتا ہے..... مجھے۔'' زوہا مسکرائی تھی۔

''اور رہ گئی پروفیشن کی بات..... تو ICAP میں کل سے جوائن کر رہا ہوں..... ساتھ میں ICMAP کی شام کی بھی دو کلاسیں لینے کا ارادہ ہے۔ کل اسی سلسلے میں گیا ہوا تھا وہاں.....''

''ارادہ تو اچھا ہے۔'' زوہا سمیت درِ مکنون بھی متاثر ہوئی۔

''میں چائے لاتی ہوں.....''

اس کی ناتمام حسرتیں جیسے دھیمی آنچ پر سلگنے لگی تھیں۔ بہانہ بنا کر اٹھتے ہوئے اس نے قصداً عکرمہ کی طرف نہیں دیکھا تھا جو اسے گہری نظروں سے گویا تول رہا تھا۔

''دادی کہاں ہیں.....؟'' بلا ارادہ عکرمہ نے اس سے سوال کیا تو وہ گڑبڑا سی گئی۔

''جی وہ..... وہ..... شاید اوپر ہیں.....''

جواب دے کر وہ رکی نہیں تھی۔ عکرمہ نے سنجیدگی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

''چائے بہت اچھی بناتی ہے دری..... تمہیں پسند آئے گی۔'' زوہا نے جیسے اسے متوجہ کیا تھا۔

''بناتی تو وہ سبھی کچھ اچھا ہیں۔ ناشتا، لنچ اور شاید ڈنر بھی..... شاید اسی لیے کک کی چھٹی کر دی گئی ہے۔''

کچھ تھا اس کے لہجے میں کہ زوہا چونک سی گئی اور جب بات سمجھی تو بے اختیار نظر چراتے ہوئے چینل بدل دیا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے زوہا..... میں بہت ان ایزی فیل کر رہا ہوں.....'' زوہا کا گریز محسوس کرنے کے باوجود بھی وہ کہہ گیا تو وہ بھی شرمندہ سی اس کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی۔



Digitized by Google

''کیا کریں عکرمہ..... میمی دری کے معاملے میں ہم سب کی توقع سے بڑھ کر تنگ دل ثابت ہوئی ہیں..... تمہیں پتا ہے وہ اپنے والدین کی اکلوتی لاڈلی اولاد تھی۔ سترہ سال کی تھی جب بورڈ میں پوزیشن لی تھی اس نے..... اور پھر ایک سانحے کے بعد جیسے سب کچھ ختم ہو گیا۔ پچھلے تین سال سے وہ اس گھر میں ہے۔ اور میمی نے اسے گھر کی ملازمہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ She is just 20) مگر کسی چالیس سالہ عورت کی طرح میچور ہو گئی ہے۔ یہ سب کچھ جو اس نے سیکھا ہے ناں..... یہاں آ کر دادی سے ہی سیکھا ہے کہ شاید اسی طرح میمی اس کے وجود اور اس کی مجبوریوں کو قبول کر لیں اور اسے اس گھر میں دو وقت کی روٹی اور محبت میسر آ جائے۔ اس ایک چھت کے لیے وہ کیا، کیا سہہ رہی ہے کیا بتاؤں۔ پہلے ہی اس سانحے نے اس کا سارا خون نچوڑ لیا تھا۔ اس پر یہ گھٹن زدہ (suffocated) ماحول.....'' زوہا جیسے افسردہ سی ہو گئی۔

''مگر میمی اس کے ساتھ رعایت کرنے کو تیار نہیں۔ صوفی خالہ نے جو زیادتی ان کے ساتھ کی، اس کا بدلہ وہ لاشعوری طور پر درمکنون سے لے رہی ہیں..... اس بات پر میمی سے میرے تعلقات کافی کشیدہ بھی رہے..... پچھلے تین سالوں میں میمی سے بہت چھڑپیں ہو چکی ہیں میری اور پاپا کی۔ مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ میری ہمدردی اس کے کسی کام کی نہیں..... وہ ہیر الڑکی..... دوسروں کے کیے کا تاوان ادا کر رہی ہے۔ حالانکہ جن حالات کا وہ شکار رہی ہے..... اس سے تو ہمدردی ہونی چاہیے میمی کو..... مگر وہ تو اس حادثے کا ذمے دار بھی اسے ہی ٹھہراتی ہیں۔'' بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں اس نے کہا تو عکرمہ کے چہرے پر تند تاثرات اتر آئے۔

''مگر یہ کوئی انسانیت تو نہیں زوہا۔ مجھے نہیں معلوم درمکنون کے ساتھ کیا سانحہ ہوا..... مگر یہ کیا کم ہے کہ وہ اپنے والدین سے محروم ہو کر یہاں دوسروں کے در پر آ پڑی ہیں..... کیا ایک بے سہارا لڑکی کے ساتھ ایسا ناروا سلوک ہمیں زیب دیتا ہے؟'' وہ اس وقت بہت خفا لگ رہا تھا۔ ناگواری اس کی ذہین آنکھوں سے عیاں تھی۔

''یہ ہی تو وہ نکتہ ہے جو میمی سمجھنے سے قاصر ہیں..... ہم تو انہیں سمجھا، سمجھا کے تھک گئے..... پاپا کا تو تمہیں پتا ہے آج تک میمی سے انہوں نے اختلاف نہیں کیا..... مگر دری کے معاملے میں وہ جتنی اس کی حمایت کرتے ہیں۔ میمی کی تنگ دلی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے..... یہی وجہ ہے کہ دری نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کی طرف داری کرنا چھوڑ دوں..... وہ میمی کا ہر ہتک آمیز تحقیر بھرا رویہ خاموشی سے برداشت کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ ہم بھی اس کا دفاع نہ کریں..... وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے کسی بھی اچھائی کی امید ہی چھوڑ دی ہے۔''

زوہا، درمکنون کے لیے اس قدر حساس ہو گی عکرمہ کو اندازہ نہ تھا۔ دوسرے درمکنون نے جس طرح خود کو حالات کے تھپیڑوں کے حوالے کر رکھا تھا۔ اس پر وہ خاصی مایوس بھی تھی۔

عکرمہ چند ثانیوں کے لیے چپ سا رہ گیا۔

اور اس سے پہلے کہ وہ دونوں دوبارہ سلسلۂ کلام جوڑتے، لاؤنج کے ادھ کھلے دروازے سے سعد اور سنی داخل ہوتے نظر آئے تو دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے..... عکرمہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

سعد نے خوش دلی سے اس کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور دونوں وہیں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

زوہا اس دوران چائے لینے خود ہی کچن کی طرف چل دی تھی۔

اگلے آدھے گھنٹے میں سائرہ بیگم اور مظفر صاحب کی آمد کے ساتھ ہی دادی بھی نیچے اتر آئی تھیں۔ سیف اور ردا کی واپسی پر کھانا لگا دیا گیا تھا۔

داماد کی آمد پر ایمرجنسی میں ایک دو ڈشوں کا اور بھی اضافہ کرا دیا گیا تھا۔ عکرمہ ڈنر ٹیبل پر آیا بھی تو اپنے پسندیدہ کھانے کے ساتھ انصاف نہ کر سکا۔ مگر ذائقے کا اسیر ہونے سے خود کو بچا بھی نہ سکا۔ اور دل ہی دل میں معترف ہوا۔



Digitized by Google

درمکنون البتہ پھر باہر نہیں آئی۔ یوں بھی اس کے پاس کرنے کو بڑے کام تھے۔

☆......☆......☆

Karsaz Shooting range سے نکلتے وقت اس نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی، دوپہر کے دو بج چکے تھے، سورج ڈھلنے کی تیاری کر رہا تھا۔

"پچیس میٹر کی شوٹ گنگ میں تمہاری پرفارمنس بہت زبردست ہے زاویار...... تم skeet اور ٹریپ شوٹنگ کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے۔"

اس کی آج کی کارکردگی سے سرفراز بہت متاثر ہوا تھا۔

"مجھے skeet میں دلچسپی نہیں ہے......" اس نے بنا رکے سرفراز کو جواب دیا تھا۔ وہ دونوں اب پارکنگ کی طرف جا رہے تھے۔

"مگر کیوں skeet تو بہت انٹرسٹنگ ہے...... نیشنل اور انٹرنیشنل کمپیٹیشن کارساز رینج خود منعقد کراتی ہے...... آئی ایم شیور...... یو ول انجوائے اٹ......"

"مگر مجھے کسی سے مقابلہ کرنے کا کوئی شوق نہیں۔"

"کمال ہے۔" سرفراز نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے مقابل کسی کا بھی ٹکنا مشکل ہے؟"

سرفراز کے توصیفی انداز پر اسے سینے سے یک دم جیسے دھواں سا اٹھتا محسوس ہوا۔

"میں نے شوٹنگ کسی سے مقابلہ کرنے کے لیے نہیں سیکھی......"

"تو پھر کس لیے سیکھی......؟" سرفراز کی تفتیش شروع ہو گئی تھی۔

"یہ میرا passion ہے......" اس کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آئی تھی۔

اور اب profession بھی۔" سرفراز نے مسکرا کر کہا تھا۔

"ہوں......" اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگا لی تھی۔

حسبِ معمول اس کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ، ساتھ تلخی بھی بکھری ہوئی تھی۔

"اچھا تو پھر کل آ رہے ہو کلب......؟" بات کرتے کرتے وہ دونوں پارکنگ تک پہنچ گئے تھے۔

"مشکل ہے...... کل کچھ کام ہے مجھے......"

"کون سی نئی بات ہے...... سوشل ہونا تو گویا زہرِ قاتل ہے تمہارے لیے......" سرفراز نے اسے قدرے خفگی سے دیکھا۔

"ایسی بات نہیں...... میرے پاس وقت کی کمی ہے اور بس...... ورنہ تم لوگوں کی کمپنی کون چھوڑنا چاہے گا۔"

اس کے انداز میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی تھی۔

سرفراز نے گہری نظر اس پر ڈالی اور مزید کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ زاویار بے ساختہ بول پڑا۔

"ٹرسٹ می......"

"I do......"

کچھ تھا اس کے انداز میں سرفراز نے خوش دلی سے جواباً کہا اور پھر کار نکال لے گیا۔

اس نے گہری سانس بھر کر قدم اپنی کار کی جانب بڑھائے تھے کہ سیل فون پہ آنے والے ٹیکسٹ میسج نے متوجہ کر لیا۔

"میری کار خراب ہو گئی ہے...... پلیز مجھے پک کر لو زوی......"

پیغام شہرین کی طرف سے تھا...... اسے یک دم شدید کوفت نے اپنی لپیٹ میں لیا...... مگر وہ شہرین کو اس طرح روڈ


Digitized by Google

پر کھڑا بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

''لوکیشن بتاؤ.....'' تلملاتے ہوئے اس نے جواب دیا اور دس منٹ کی تیز ڈرائیو کے بعد وہ وہاں موجود تھا۔

''thanks a lot زوی.....اللہ کا شکر ہے کہ تم آ گئے.....''

بریک لگتے ہی شہرین دروازہ کھول کر اندر آ بیٹھی تھی..... زاویار انصاری کھاتے کی شکنوں سے بے نیاز بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ ایک لمبے عرصے کے بعد اس سے ملاقات ہو رہی تھی۔ اس نے بغور زاویار کو دیکھا۔

''تمہیں کس حکیم نے مشورہ دیا تھا کہ تم کار ڈرائیو کرو..... بیسک ریپیئرنگ تک تو آتی نہیں تمہیں.....ڈرائیور ساتھ کیوں نہیں رکھتی ہو تم.....'' وہ بری طرح بھڑکا تھا۔

''ارے واہ.....ڈرائیور رکھنا ہوتا تو آغا جان سے چھپ کر ڈرائیونگ کیوں سیکھتی.....اچھی بھلی چل رہی تھی..... بس اچانک فیول ختم ہو گیا تو پھر بھلا کیا کرتی.....تمہیں ہی بلانا پڑا.....''

شہرین کے چہرے کی شوخی اسے سخت زہر لگ رہی تھی اس وقت.....

''مجھے بلانے کے بجائے کسی پٹرول پمپ سے جا کر کچھ پٹرول لے کر آنا چاہیے تھا تمہیں...اور پھر اسے چھڑک کر کار کو آگ ہی لگا دیتیں تو بہتر تھا۔''

وہ کس بری طرح کھولا تھا اور چونکہ شہرین کے لیے یہ سب توقع کے مطابق تھا اس لیے اطمینان سے بیک ویو مرر اپنی طرف سیٹ کر کے اس میں دیکھتے ہوئے لپ اسٹک درست کرتی رہی۔

''تم چین سے گھر نہیں بیٹھ سکتیں..... حالات دیکھے ہیں شہر کے.....اس ماحول میں ایک لڑکی کو کیا اکیلے نکلنا چاہیے گھر سے؟''

وہ چراغ پا تھا۔ اس نے مرر دوبارہ سیٹ کیا۔

شہرین نے منہ بنا کر اس کی طرف دیکھا۔

''دن کا وقت ہے زوی۔'' میں کون سا لیٹ نائٹ لانگ ڈرائیو پر نکلی تھی.....وہ بھی اکیلے.....جو تم اتنا خفا ہو رہے ہو۔''

''ہر بات مذاق نہیں ہوتی شہرین.....تمہاری ان بچکانہ حرکتوں کے نتائج سنگین بھی نکل سکتے ہیں.....آخر تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتا.....لڑکیاں گھر میں ہی محفوظ ہوتی ہیں.....اپنوں کے ساتھ اور بس.....''

اس کا غصیلا لہجہ تک دم بخود اور گہری سوچ سے اٹ گیا تھا۔

''تو اب ہوں ناں میں تمہارے ساتھ.....محفوظ.....سکیور.....''

شہرین کے چہرے پر یکلخت دوستانہ تبسم بکھر گیا۔ اس کے کسی انداز سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ تین سال بعد ملے ہیں جواباً زاویار انصاری نے ذرا سا رخ موڑ کر تند نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ دور اندھا اعتماد کرنے کا نہیں ہے.....برے وقت میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے سمجھیں تم.....'' اس کا لہجہ گہرا ہو گیا تھا۔

''ہوں.....تو جب سایہ تک ساتھ چھوڑ دیتا ہے.....تو پھر انسان کو اکیلے ہی سفر کر لینا چاہیے.....خواہ مخواہ ایک باڈی گارڈ ساتھ لیے پھرنے کا کیا فائدہ.....ہے ناں.....!'' شوخی سے اس کی بات کا الٹا جواب دیتے ہوئے.....اس نے معصومیت سے استفسار کیا تھا..... زاویار نے کوئی جواب نہ دیا اور لب بھینچے ڈرائیو کرتا رہا۔

''لہٰذا میرے خیال سے لڑکیوں کو مارشل آرٹ ٹائپ کوئی چیز سیکھنی چاہیے.....سیلف ڈیفنس کے لیے..... جیسے کہ Taekwondo.....''

شہرین اسے خاموش پا کر پھر شروع ہو گئی تھی۔



Digitized by Google

''پتا ہے نیلی بھی Taekwondo کر رہی ہے آج کل......''

یہ نیلی نہ جانے کون تھی۔ زاویار نے بھویں سکیٹر کر ذرا کی ذرا شہرین پہ نظر ڈالی۔

''نیلی...... آئی مین نیلوفر...... وہ فرنچ کلاس میں ملی تھی مجھے...... تین ہفتوں میں کافی اچھی دوستی ہوگئی ہے ہماری...... اسی نے مجھے موٹی ویٹ کیا کہ میں ٹائیک وانڈو (Taekwondo) جوائن کروں...... مما سے بات کی ہے میں نے......بس اب آغا جان کی اجازت درکار ہے......''

''جو تمہیں کبھی نہیں ملے گی......خود سے جڑے لوگوں کو خوشی دینے کی عادت نہیں انہیں......تم کسی بھول میں نہ رہنا۔''

آغا جان کے نام پر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا...... جبھی زہر خند ہوا۔

''جی نہیں......اب ایسے بھی برے نہیں ہیں وہ...... تمہیں تو بلاوجہ کی خفگی ہوگئی ہے آغا جان سے......حالانکہ انہوں نے تمہاری ہر جا بے جا ضد ہمیشہ مانی...... تمہاری چھوٹی سے چھوٹی خواہش بھی وہ کبھی نظر انداز نہیں کرتے تھے...... یقیناً اسی رویے نے تمہارا دماغ خراب کیا...... جبھی تو پہلی بار اُن کے انکار کرنے پر انہیں چھوڑ کر تم یہاں چلے آئے......ویسے بہت ناشکرے ہو تم زوی......'' شہرین اس کے کشیدہ تیور دیکھنے کے باوجود بولنے سے باز نہ آئی تھی۔

''its not your headache......'' جواباً وہ پھر سے بھڑکا تھا۔

''صرف میرا نہیں تم تو پورے انصاری خاندان کا ہیڈک (دردِ سر) ہو...... سمجھے تم......!''

شہرین پر اس کے غصے کا کوئی اثر نہیں تھا۔ وہ اسی طرح شوخی سے مسکراتے ہوئے بولے گئی۔

''اب ایک لفظ نہ بولنا ورنہ تمہیں یہیں روڈ پر اتار دوں گا۔ سمجھیں تم!'' یک دم کار کو بریک لگاتے ہوئے وہ کچھ ایسے غصے سے بولا کہ شہرین چند ثانیوں کے لیے اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ گزرے سالوں میں زاویار کتنا بدل گیا تھا۔ اس نے اس کے چہرے پر اپنائیت تلاش کرنی چاہی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ کچھ لمحے یونہی خاموشی سے گزرے۔ اس کے خاموش ہو جانے پر کار دوبارہ اسٹارٹ کر لی گئی تھی۔

''میرا پوسٹ مارٹم کر لیا ہو تو کار سے اتر جاؤ۔ گھر آگیا ہے تمہارا۔'' ذرا دیر بعد کرخت لہجے میں اسے پکارا تو شہرین نے دہل کر ناراضی سے اسے گھورا۔

''کتنی فضول باتیں کرنے لگے ہو زوی۔ اللہ نہ کرے۔''

''کیوں؟'' وہ تمسخرانہ انداز سے ہنسا تھا۔ ''موت سے اتنا ڈرتی ہو۔'' سلگتے لہجے میں استفسار کرتا زاویار انصاری اسے حیران کر گیا۔

''اپنی موت سے تو نہیں۔ ہاں مگر اپنوں کی موت سے ضرور ڈر لگتا ہے۔'' خلافِ مزاج شہرین یک بیک سنجیدہ ہو گئی تھی۔ ''مگر تمہیں نہیں لگتا ناں زوی۔ تمہیں شاید کوئی فرق نہیں پڑے اگر تم سے تمہارا کوئی اپنا چھوٹ جائے تو۔''

اس کا جملہ تھا یا زہر میں بجھا تیر...زاویار نے خود کو گویا زخمی ہوتا محسوس کیا۔

''اترو بھی اب۔'' بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے اس نے شہرین کے فقرے کو مکمل طور پر نظر انداز کیا تھا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے سانس سینے میں گھٹ رہی ہو۔ اس کی آنکھیں غیر معمولی حد تک سرخ ہو رہی تھیں۔

''تم بھی آؤ ناں زوی۔ مما سے نہیں ملو گے؟'' اس کے دل و دماغ میں ابھرتے طوفان سے لاعلم شہرین گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ لہجے میں امید کا رنگ غالب تھا۔

''نہیں۔'' زاویار کا انداز حتمی تھا جس پر شہرین نے اسے بڑی حیرت اور دکھ سے دیکھا۔

''آج نہیں......پھر کبھی آؤں گا۔'' کچھ تھا شہرین کی نگاہوں میں۔ اسے مروت سے کام لینا ہی پڑا۔



Digitized by Google

☆.....☆.....☆

اس نے انسٹیٹیوٹ جوائن کیا تو پھر دن کافی تیزی سے گزرتے چلے گئے۔ صبح وہ ''آئی کیپ'' جاتا واپسی میں گھر آ کر تھوڑا ریسٹ کرتا اور شام کو پھر سے ICMAP کی دو کلاسز لیتا۔

نیا، نیا روٹین تھا اس لیے اس میں ایڈجسٹ ہوتے ہوئے وہ درمکنون کو جزوی طور پر جیسے بھول ہی گیا۔ نہ ہی وہ دوبارہ اسے نظر ہی آئی۔ سائرہ بیگم سے اس نے نرم لفظوں میں معذرت کرلی تھی کہ اس کے کاموں کے لیے ''کسی'' کو بھی زیر بار نہ کیا جائے۔

''کیوں بیٹا..... درمکنون نے کیا کچھ غلط کر دیا ہے؟'' سائرہ بیگم نے فوراً سوال داغا تھا۔

''نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں..... آپ کو تو پتا ہے کہ مجھے عادت نہیں ہے کہ کوئی میری چیزیں چھوئے۔ میں اُن ایزی ہو جاتا ہوں..... ہوپ فلی آپ مجھے انڈر اسٹینڈ کریں گی.....''

اس نے بات کلیئر کرتے ہوئے کہا۔

''آئی انڈر اسٹینڈ بیٹا..... مگر کوئی بھی کام ہو..... تم اسے کہہ سکتے ہو۔'' انہوں نے گویا دریا دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''تھینکس!'' پھیکی سی مسکراہٹ سمیت وہ وہاں سے چلا آیا تھا۔

تاہم اسے سائرہ آنٹی کی اس گراوٹ پر سخت افسوس ہوتا رہا۔

☆☆☆

اس روز اتوار تھا۔ مگر عام دنوں کی طرح آج بھی اس کی آنکھ علی الصباح ہی کھل گئی تھی۔

کچھ دیر تو وہ بستر پر لیٹا آج کے دن کا لائحہ عمل سوچتا رہا۔ پھر اٹھ کر کچن میں آ گیا۔ جو اوپر کے پورشن میں لاؤنج کے ملحق تھا اور جسے مہمانوں کی آمد پر ایمرجنسی کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ آج کل عکرمہ استعمال کر رہا تھا۔ اکتوبر کے مہینے کی مخصوص ہلکی، ہلکی ٹھنڈ اپنے وجود کا احساس دلاتی تھی۔ حتیٰ محض صبح کو ہی اپنے وجود کا احساس دلاتی تھی۔

کافی کا موڈ ہو رہا تھا، اس نے خود ہی اپنے لیے ایک کپ اسٹرانگ سی کافی بنائی اور ٹیرس پر چلا آیا۔

ٹھنڈی، ٹھنڈی ہوائیں خاصی خوشگواریت لیے ہوئے تھیں۔ وہ مستانہ ہواؤں سے لطف لینے لگا۔ کچھ دیر اس چھیڑ چھاڑ سے محظوظ ہوتے گزری کہ اچانک پچھلے لان کی طرف نظر پڑی۔

لیمن کلر کاٹن کے سوٹ پر کالی گرم شال لیے وہ درمکنون ہی تھی۔

پچھلے لان میں عکرمہ اور زوہا نے اسکول کے زمانے میں لو برڈز اور آسٹریلین طوطوں کے بڑے بڑے تین پنجرے لا کر رکھے تھے۔ شروع میں تو زوہا نے اس کا ساتھ دیا اور طوطوں کی دیکھ بھال کی مگر دھیرے، دھیرے اس کی دلچسپی ختم ہوتی گئی اور یہ کام اکیلے اس کے سر پر آ گیا۔

بعد میں اس نے بھی سارے طوطے آزاد کر دیے تھے کہ وقت کی قلت کے باعث وہ اپنا شوق برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔

لیکن آج وہ پنجرے پھر طوطوں سے بھرے ہوئے تھے۔ درمکنون پنجروں میں پانی اور دانہ رکھنے کے بعد لان میں بکھرے پتے سمیٹ رہی تھی۔ خزاں رسیدہ پتوں میں گھری درمکنون بھی خزاں کا ہی کوئی حصہ لگ رہی تھی۔

عکرمہ کی نظروں کا ارتکاز بھی اسے متوجہ نہیں کر سکا تھا۔ وہ خود میں اس طرح گم تھی کہ اپنے اردگرد سے یکسر بے نیاز تھی۔

کچھ لمحے اسی طرح بیتے پھر اچانک وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔

عکرمہ کا مسمریزم جیسے یک دم ٹوٹا تھا۔ کافی کا مگ ہونٹوں سے لگایا تو پتا چلا کہ کافی تو کب کی ختم ہو چکی۔ وہ سر جھٹک کر اندر چلا آیا۔

دادی کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے اندر جھانکا وہ غالباً واش روم میں تھیں۔ وہ ایک بار پھر کچن کی طرف



Digitized by Google

چل دیا۔
ابھی وہ انڈے پھینٹ ہی رہا تھا کہ دادی اندر داخل ہوئیں۔
''ارے عکرمہ..... اتنے سویرے جاگ گئے تم.....'' دادی حیران سی اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔
''بس دادی خود ہی آنکھ کھل گئی تو سوچا کیوں نہ آپ کے اور اپنے لیے ناشتا بنالوں۔''
''کیوں خود کو تھکاتے ہو بچے..... اُدھر درمکنون نیچے ناشتا بنانے میں لگی ہوگی۔'' اس کے ہاتھ سے پیاز اور چھری لیتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔
''میری ایستھما کی تکلیف اب بہت بڑھ چکی ہے..... میں کچن میں کام نہیں کر پاتی۔ درمکنون کو بھی کچن کے باہر سے کھڑے ہو کر ہدایات دے، دے کر کوکنگ کرنی سکھائی ہے..... میری مجبوری ہے بیٹا..... میں تو خود اس بچی کو دیکھ، دیکھ کر کڑھتی ہوں۔'' دادی شرمسار تھیں، بیچارگی سے صفائی دینے لگیں۔
''پلیز دادی..... میں آپ کو ذمے دار نہیں ٹھہرا رہا۔ مگر سچ کہوں مجھے اس طرح ایک بے سہارا انسان کو مالِ مفت کی طرح برتنا بہت ناگوار گزر رہا ہے۔''
اس کا موقف بہت واضح تھا۔
''اسے سہارا دینے کے لیے ہی تو مظفر میاں اسے یہاں لائے ہیں بیٹا..... میں مانتی ہوں کہ سائرہ کا رویہ بدسلوکی کے زمرے میں ہی آتا ہے۔ مگر یہ بھی سچ ہے ناں بیٹا کہ ایک ''لڑکی'' کو اپنے گھر میں پناہ دی ہے انہوں نے... ذمے داری لی ہے اس کی..... درمکنون کو یہاں پیار محبت نہ سہی، پناہ تو ملی ہوئی ہے ناں بیٹا..... اور وہ بچی ناشکری نہیں ہے..... اپنے محسنوں کے احسان کو مانتی ہے وہ..... اس گھر کے کام خود اس نے اپنی مرضی سے اپنے سر لیے تھے اور اب جبکہ سائرہ اس کی عادی ہوگئی ہیں تو انہوں نے کچن کے ملازم برطرف کردیے۔''
دادی آج بہو، بیٹے کی حمایت میں بول رہی تھیں۔ مگران کا لفظ، لفظ سچائی سے بھرا تھا۔
''تمہیں نہیں معلوم بیٹا زوہا اور مظفر میاں کس قدر خیال رکھتے ہیں درمکنون کا..... مگر وہ خود کو مصروف رکھنا چاہتی ہے..... اسی لیے کسی نہ کسی کام میں لگائے رکھتی ہے خود کو۔''
''ہاں مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ پورے گھر کی ذمے داری ان پر ڈال دی جائے..... آخر چچا جان ان کی تعلیم دوبارہ کیوں نہیں شروع کرا دیتے۔'' کئی بار سوچی ہوئی بات لبوں پر آ گئی تھی۔ وہ بہت کنسرنڈ لگ رہا تھا۔
جواباً دادی نے گہری سانس کھینچ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ان ہی کی طرف متوجہ تھا۔
''کہا ہے مظفر میاں نے کئی بار..... بلکہ زوہا تو دوبار داخلہ فارم بھی لا چکی ہے اس کے لیے..... مگر وہ جو پورے بورڈ میں اول آئی تھی..... ایک حادثے کے بعد سے بس ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔'' آزردگی سے کہتے ہوئے دادی نے حقیقت بیان کی تھی۔
''درمکنون کے ساتھ کیا ہوا تھا دادی.....؟''
آنکھوں میں درج سوال آج لبوں تک آ گیا تھا۔ دادی نے کچھ بے چینی سے اس کی طرف پیٹھ موڑ کر چائے کی پتی اٹھائی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں۔ سیڑھیوں پر کسی کی آہٹ سنائی دی۔ دادی برق کی سی تیزی سے باہر نکل گئی تھیں۔
جس طرح وہ اس کے سوال کو نظر انداز کر کے گئیں اسے پختہ یقین ہو گیا کہ۔ درمکنون کے ماضی کو کسی ایسے بھیانک حادثے نے اسیر کیا ہے جس کے تصور سے ہی سب لرز جاتے ہیں اور اس کے بارے میں بات کرنے سے گھبراتے ہیں بلکہ گریزاں ہیں۔
آملیٹ تیار ہو گیا تھا۔ اس نے ٹوسٹر میں سے سنکے ہوئے ٹوسٹ نکالے اور ناشتے کی ٹرے اٹھا کر باہر نکل آیا۔



Digitized by Google

''آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے کچن میں جانے سے پھر بھی آپ نے کچن کا کام کیا۔ میں بنا رہی تھی ناں آپ کے لیے ناشتا...... نیچے تو سب ابھی سو رہے ہیں......آپ نیچے نہیں آئیں تو میں آپ کے لیے اوپر ہی ناشتا لے آئی۔''

دُرِمکنون کی بھیگی بھیگی سی متفکر آواز نے کچن سے باہر آتے عکرمہ کی توجہ جذب کرلی۔

''نہیں بیٹا...... میں تو بس......'' دادی کچھ کہتے، کہتے رک گئیں۔

''اچھا اب چھوڑیں......اور یہ لیجیے آپ کا پورج۔''

لاؤنج میں رکھی ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے درمکنون نے بڑی اپنائیت سے انہیں پکار لیا تھا۔

عکرمہ نے محسوس کیا کہ باقی لوگوں سے وہ میکانکی لہجے میں بات کرتی ہے مگر دادی کے ساتھ اس کا انداز بڑی اپنائیت اور استحقاق سے بھرپور تھا۔

درمکنون شاید اس کی آمد سے بے خبر تھی، اس لیے وہ قصداً گلا کھنکھار کر خود بھی وہیں چلا آیا اور وہ جو اس کی موجودگی سے واقعی لاعلم کسی قدر ریلیکس کھڑی تھی یک دم خود میں سمٹ سی گئی۔

''صبح بخیر......'' خاصے مگن سے انداز میں کہتا عکرمہ صوفے پر جا بیٹھا۔ اپنی ٹرے بھی وہیں ٹیبل پر رکھ دی جہاں درمکنون نے دادی کے ناشتے والی ٹرے رکھی تھی۔

ایک تو اس کی موجودگی...... اس پر براہ راست کیے جانے والے سلام سے وہ سٹپٹا سی گئی۔

''بیٹھ جاؤ بیٹا۔'' دادی نے اس کی کیفیت نوٹ کرلی تھی مگر ایک گھر میں رہتے ہوئے وہ عکرمہ سے کب تک چھپ سکتی تھی۔

تین سال پہلے جب وہ اس گھر میں آئی تھی...... جب بھی گھر کے تمام مردوں کی موجودگی اسے اسی طرح سہا دیا کرتی تھی تاہم آہستہ، آہستہ وہ مظفر صاحب، سیف اور سعد بھائی سے مانوس ہوتی گئی۔ البتہ مخاطب وہ اب بھی کسی سے نہیں ہوتی تھی۔

کسی نے کچھ پوچھا تو مختصراً جواب دے کر وہاں سے بھاگ کھڑی ہوتی۔

''نہیں...... مجھے...... وہ...... دراصل......''

گھبراہٹ کی وجہ سے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔ دادی کی طرف بیچارگی سے دیکھتی درمکنون، عکرمہ کے عین سامنے موجود تھی۔

''آپ نے ناشتا کرلیا ہے......؟'' ابھی وہ عذر تراشنے کی کوشش میں ہی تھی کہ عکرمہ نے یک دم سوال کرلیا۔

''جی...... وہ میں...... ابھی مجھے کچھ کام......''

''صبح ناشتے سے زیادہ ضروری کام کوئی نہیں ہوتا۔ جسم کی مشینری کو ناشتے سے ہی انرجی حاصل ہوتی ہے۔ آپ یہاں بیٹھیں۔ میں نے دادی کے لیے بھی آملیٹ بنایا تھا...... بھول گیا تھا...... دادی انڈا نہیں لیتیں...... اینی ویز آپ ان کے لیے ناشتا بنا لائی ہیں تو اچھا ہے۔ اب دادی کے حصے کا ناشتا آپ کریں...... آئیں بیٹھیں۔'' بڑے سادہ سے انداز میں کہتا عکرمہ اسے شش و پنج میں ڈال گیا۔

دادی بھی تائیدی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''میں نے کہا ناں یہاں بیٹھیں...... ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور مجھے ٹھنڈا آملیٹ بالکل پسند نہیں......'' اچھا خاصا تحکمانہ انداز تھا۔

درمکنون ایک جھٹکے سے کسی معمول کی طرح سامنے والے صوفے پر بیٹھی تو ایک مبہم سی مسکراہٹ عکرمہ کے سنجیدہ چہرے کو چھو گئی۔



Digitized by Google

دادی نے درکنون کی پلیٹ میں ناشتا نکال دیا تھا۔ جسے وہ بہت آہستہ، آہستہ حد درجہ بے دلی سے کھانے لگی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے باندھ کر کسی ظالم جلاد کے سامنے بٹھا رکھا ہو۔ آخر عکرمہ کو خود اس کی حالت زار پر ترس آیا۔

''ناشتا ہو گیا آپ کا؟'' اچانک استفسار ہوا تھا۔ درکنون کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ کر پلیٹ میں جا گرا۔ عکرمہ نے یک دم گہری سنجیدگی اور تشویش سے اس کی طرف دیکھا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا!'' یک دم دادی نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

وہ بے اختیار ان کا ہاتھ تھام گئی۔

''آئی ایم سوری..... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ متوجہ نہیں ہیں۔'' عکرمہ نے رسانیت سے کہا تو اس کے حواس... بہ مشکل قائم ہوئے۔

''میں چلوں.....'' کھڑے ہوتے ہوئے اس نے بڑی بیچارگی سے دادی کی طرف دیکھا تھا۔

''ہاں بیٹا..... جاؤ'' انہوں نے اس کی پشت تھپتھپا کر قصداً مسکرا کر کہا تو وہ جھک کر برتن اٹھانے لگی۔

''برتن رہنے دو..... اصغری لے آئے گی..... تم جاؤ اور ہاں دودھ گرم کر کے پیو..... سمجھیں! دیکھو تو روز بروز کس قدر کمزور ہوتی جا رہی ہو۔''

دادی کی اپنائیت پر ایک بار پھر اس کی آنکھیں جل تھل ہونے لگیں، جنہیں چھپاتے ہوئے وہ عکرمہ کی سائڈ سے نکل کر جانے لگی تھی کہ وہ بھی ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ٹھٹک گئی۔

''سامنے کچن میں دودھ رکھا ہے..... جا کر گرم کریں اور یہاں آ کر دادی کے پاس بیٹھ کر پئیں..... اور دادی میں نیچے اسٹڈی میں جا رہا ہوں..... کچھ کام ہے۔ چچا جان جاگ جائیں تو بتا دیجیے گا مجھے.....''

درکنون کو ہدایت دے کر اس نے رخ دادی کی طرف پھیرا اور انہیں بتا کر نیچے چلا آیا۔ انداز ایسا تھا جیسے درکنون اس کی کوئی اسٹوڈنٹ ہو..... وہ کچھ ہکا بکا سی رہ گئی تھی۔ سوالیہ نظروں سے دادی کو دیکھا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے وہ..... جاؤ بیٹا دودھ گرم کر لاؤ.....''

لہٰذا دادی کے کہے پر اس نے دودھ گرم کیا اور لے کر واپس لاؤنج میں چلی آئی۔

''شاباش بیٹا.....! دیکھو اپنی صحت کا خیال رکھا کرو۔ زندگی غم کھانے سے ختم نہیں ہو جاتی بیٹا..... کمزور جسم بیماریاں گلے لگا لیتا ہے تو پھر جینا اور بھی دشوار ہو جاتا ہے..... تم سمجھ رہی ہو ناں بیٹا..... لڑکی ذات ہو..... خوب کھایا پیا کرو۔'' اس کی پشت محبت سے تھپتھپاتے ہوئے وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔

''اور ہاں..... عکرمہ سے خوفزدہ مت ہوا کرو..... بہت نرم دل اور ٹھنڈے مزاج کا ہے وہ..... بس ذرا صاف گو ہے..... تم سے اس نے اسی طرح برتاؤ کیا ہے جیسے سیف اور ردا کے ساتھ کرتا ہے..... تم پریشان مت ہونا..... اپنے گھر کے ہر فرد کے لیے وہ اسی طرح فکر میں رہتا ہے..... تمہیں بھی نصیحتیں کرتا رہے گا..... تم برا مت ماننا۔''

''گھر کے افراد کے لیے فکر مند ہوتے ہیں.....! مگر میں کون ہوں ان سب کی..... اس گھر کی.....؟ کسی سے بھی کیا تعلق ہے بھلا میرا.....؟'' گھونٹ، گھونٹ کر کے گرم دودھ زبردستی اپنے اندر انڈیلتے ہوئے وہ ذہنی طور پر نہ جانے کہاں بھٹک رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''ارے اتنی جلدی واپس آ گئیں تم؟''

میمونہ بیگم نے دروازہ کھولتے ہی حیرت سے سوال کیا۔

''جی۔'' جواب میں اس نے ساری بات کہہ سنائی۔



Digitized by Google

''دیکھا تم نے۔ منع بھی کیا تھا ناں میں نے تمہیں کہ اکیلے مت جاؤ کار لے کر۔''

''افوہ مما! اکیلے ڈرائیو کرنے کے بہت سے فائدے ہیں۔ کتنا کانفیڈینس آجاتا ہے بندے میں۔'' وہ ہنستے ہوئے مزے سے بولتی اندر آگئی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں مزید کانفیڈینس کی۔ جو پہلے سے ہے وہی دردِ سر کافی ہے میرے لیے۔'' میمونہ بیگم نے جھڑکتے ہوئے کہا تو وہ منہ بنا کر انہیں دیکھنے لگی۔

''بہرحال آئی کیسے ہو؟ کوئی کیب ہائیر کی تھی؟''

''نہیں، پتا ہے مما وہ .... زوی نے ڈراپ کیا مجھے۔'' بہت جوش سے اس نے بتایا۔

''زوی؟'' میمونہ بیگم نے حیرت سے بیٹی کو دیکھا۔ ''زوی کہاں ملا تمہیں۔ کیسا ہے وہ؟''

''میسج کر کے بلایا تھا اسے میں نے۔'' ماں کی حیرت بھری خوشی پر اس نے فخر سے اپنا کارنامہ کہہ سنایا۔ جن کی ڈانٹ ڈپٹ میں کتنی اہم بات بتانا تو رہ ہی گئی تھی۔

''اور آپ کی اطلاع کے لیے ٹھیک ٹھاک ہے وہ۔ پہلے محض کڑوا کریلا تھا اب نیم چڑھا بھی ہو گیا ہے۔ بلکہ ڈریگن کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ باقاعدہ منہ سے شعلے نکلتے ہیں موصوف کے۔'' اس کا رویہ یاد آنے پر برا سا منہ بنایا تھا اس نے میمونہ بیگم نے کچھ نا سمجھنے والے انداز سے اسے دیکھا۔

''تم اسے گھر کے اندر تو بلاتیں۔ بچہ باہر سے ہی چلا گیا۔'' انہیں بلا کا افسوس ہوا تھا۔ کتنے دن بعد وہ دیکھ پاتیں اسے۔

''کیسے بلاتی ظلِ الٰہی کو۔ جان کی امان پاتی تو کچھ عرض کرتی ناں عالی جاہ کی جناب میں۔'' خاصا دل جلا لہجہ تھا اس کا۔

''اینڈ بائی دا وے مما، آپ کا وہ بچہ پورا اوور بلاؤ بن چکا ہے۔ بات، بات پر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔'' وہ سلگ کر بولی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ.....'' وہ ایک لمحے کے لیے جیسے سوچ میں پڑ گئی۔ ''زوی بہت بدل گیا ہے مما۔ وہ پہلے جیسا رہا ہی نہیں۔ اس کی فزیک اس کا انداز سب چینج ہو گیا ہے۔ آپ اسے دیکھیں تو پہچانیں ہی نہیں۔ لگتا ہے جیسے جم کر فٹنس کرتا ہے وہ۔ پہلے کلین شیو ہوتا تھا اب کسی ناکام عاشق کی طرح ہلکی ہلکی شیو بڑھالی ہے اس نے اور مزاج تو جیسے آتش فشاں... اُف۔''

وہ خود بھی حیران تھی۔ زاویار سے آج کی ملاقات نے اسے ابھی تک متعجب کر رکھا تھا۔

''وقت کے ساتھ، ساتھ انسان میں فرق آتا ہی ہے۔ تم بہت دن بعد بھی تو ملی ہو ناں اس سے۔''

''تو کیا بہت دن نہ ملنے سے انسان تبدیل ہو جاتا ہے؟'' ماں کی بات پر اس نے استفہامیہ انداز اختیار کیا تھا، پھر ان کے بولنے سے پہلے ہی نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگی۔ ''نہیں مما، لگتا ہے جیسے آغا جان سے ہی نہیں، وہ ہم سب سے خفا ہے۔''

''ٹھیک ہو جائے گا وہ بھی..... گزرتے وقت کے ساتھ بڑے سے بڑا طوفان بھی تھم جاتا ہے۔ ناخن بھی کبھی گوشت سے جدا ہوا ہے۔ اب دیکھو ناں آج تم سے بھی تو مل لیا ہے وہ۔ مجھے پوری امید ہے ایسے ہی آہستہ، آہستہ آغا جان اور شہریار بھائی سے بھی دل صاف ہو جائے گا اس کا۔'' میمونہ بیگم بہت پُرامید اور خوش تھیں۔

شہرین نے ماں کی بات پر سر ہلا کر انہیں دیکھا جن کی انگلیاں اب لاہور کا نمبر ملا رہی تھیں۔ جو یہ خوشخبری وہ جلد از جلد آغا جان کو دینا چاہتی تھیں۔

اور وہ اپنا سیل فون نکال کر خولہ کو واٹس ایپ پر میسج لکھنے لگی۔ آفس ٹائم تھا اس لیے کال کرنا بیکار تھا اسے۔ مگر شام تک صبر بھی کیسے کیا جا سکتا تھا۔

(جاری ہے)



Digitized by Google

مکمل ناول

# سایہ اور ثمر

شبینہ گل

یونیورسٹی کا لان بہار کے تمام رنگ چھلکا رہا تھا۔ چار سو پھولوں کی خوشبو تھی اور طالبات کے دوپٹوں کی رنگینیاں۔ لڑکے لڑکیاں چھوٹی بڑی ٹولیوں کی صورت جگہ، جگہ بیٹھے تھے۔ کوئی کام میں مصروف تھا تو کوئی خوش گپیوں اور کھانے پینے میں۔ منال بھی انہی میں سے ایک ٹولی میں بیٹھی ہنار کے بولے جا رہی تھی۔ یونیورسٹی میں ایک تقریب کا انعقاد ہونے والا تھا جس کے لیے منال نے ایک ڈراما لکھا تھا جس کا مرکزی خیال بچوں کی تربیت پر ماں باپ کے اثرات سے متعلق تھا۔ اسی پر اپنی ساتھیوں سے بات کرتے، کرتے بحث کا رخ اپنے، اپنے ماں باپ کی طرف مڑ گیا۔ سبھی لڑکیاں اپنی، اپنی ماؤں کی قربانیوں اور محنتوں کی داستانیں سنا رہی تھیں اور منال مسکرا کر ان سب کو باری، باری سن رہی تھی۔ اسے مسلسل خاموشی سے سب کی کہانیاں سنتے دیکھ کر دُرِ نایاب نے اسے کریدا۔

''منال، کچھ تم بھی تو کہو، تمہاری امی کا کیا کردار ہے تمہارے گھر میں؟''

وہ معنی خیزی سے مسکرائی پھر گلا کھنکھار کر جب



Digitized by Google

بولنا شروع ہوئی تو ہمیشہ کی طرح سب کو ایک فسوں میں جکڑ لیا۔

''ابا ہمیشہ کہتے ہیں، اولاد ہونے سے نسل مرد کی چلتی ہے عورت کی نہیں۔ پھر بھی مرد بس اولاد کو دنیا میں لانے کا سبب بن کر ہر بات سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ بچہ دنیا میں آ گیا اب اس کی جانے بلا۔ تعلیم سے لے کر تربیت تک ہر فرض ماں کا، ہر ذمہ ماں کا۔ ہر قسم کی کوتاہی کی صورت میں جواب دہ ماں۔ ہر برائی کے پیچھے جڑ ماں اور جب کسی خوبی یا کامیابی کا تمغہ سجانا ہو تو باپ کا سینہ حاضر۔'' اس نے سینے پر ہاتھ مار کر تقریر کے سے انداز میں کہا۔

''جب اولاد باپ کی بھی ہے تو وہ صرف پیسہ کمانے کی مشین ہی کیوں بنا پھرتا ہے۔ ابا کہتے ہیں مجھے تو اولاد کے لیے اللہ کو جواب دینا ہے اس لیے میں تعلیم سے لے کر تربیت تک ہر بات کا ذمہ خود لیتا ہوں۔ خود اپنے بچوں کو پڑھاتا ہوں، خود سمجھاتا ہوں۔ ماں بیچاری کیا، کیا کرلے۔ عورت تو اول روز سے اپنے عہدے کے ساتھ ''اچھی'' کا سابقہ جوڑے رکھنے کے لیے ہلکان ہوتی رہتی ہے۔ اچھی بیٹی، اچھی بہن سے لے کر اچھی بیوی، بہو اور ماں تک کتنے دکھ اٹھاتی ہے پھر بھی سارے کام اسی کے ذمے جسے ہم بڑے تمسخر سے صنفِ نازک کہتے ہیں۔ میں اگر صنفِ قوی ہوں تو مجھے قوی بن کر دکھانا بھی ہے۔ صرف کرسی پر بیٹھ کر حکم نہیں چلانا۔''

وہ سانس لینے کو ذرا رکی مگر فسوں ٹوٹا نہیں، سب لڑکیاں اسی طرح منتظر نگاہیں اس پر جمائے اشتیاق سے اس کی بات سننے کے لیے اسے دیکھتی رہیں۔

''میں نے تو اپنے ابا سے بڑا عورتوں کے حقوق کا کوئی حامی آج تک نہیں دیکھا۔ وہ برملا اظہار کے ساتھ، ساتھ عمل بھی کرتے ہیں۔ ہر جگہ تعلیم و تربیت کے معاملات میں آپ لوگوں نے ماؤں کو ہی سرگرداں دیکھا ہوگا لیکن میرے گھر میں معاملہ بالکل الٹ ہے۔



Digitized by Google

اماں صرف گھر گرہستی سنبھالتی ہیں۔ میری اور میرے بھائی حدید کی پڑھائی کے سب معاملات ابا ہی دیکھتے اور نبھاتے آئے ہیں۔ پہلی جماعت سے ہی ہمیں سبق پڑھانا، سمجھانا، امتحانات کی تیاری، نتائج کی فکر سب ہمیشہ سے ابا کا ذمہ تھا اور آج بھی ہے۔''

سب لڑکیاں بے حد حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ بھلا ایسا باپ بھی کسی کا ہوسکتا ہے یا منال انہیں کوئی ماورائی داستان سنا رہی تھی۔

عارف احمد کی باتیں ماورائی ہی تو لگتی تھیں، تبھی وہ ان کا ذکر کم ہی کرتی تھی۔ اسے اپنے باپ سے عشق تھا جو اس کی باتوں اور آنکھوں سے عیاں ہوتا تھا۔ عشق کی ایسی داستان کبھی کسی نے نہ سنی ہوگی۔

☆☆☆

عارف احمد جو اپنے ماں، باپ کی پانچ اولادوں میں سب سے چھوٹے تھے کی کہانی کا باقاعدہ آغاز ان کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد گھر میں شروع ہونے والی ان کی شادی (سے متعلق) چہ مگوئیوں سے ہوا۔ دو بہنوں اور دو ..... بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہونے کے باوجود سب کے بہت فرمانبردار اور سلجھی طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے کبھی کسی معاملے میں والدین، بہن، بھائیوں یا بھابیوں سے کبھی کوئی اختلاف کیا، نہ کبھی کسی کی حکم عدولی کی۔ لیکن اپنی شادی کے معاملے میں وہ پہلی بار بولے اور ایسا بولے کہ سب کو حیران و پریشان کردیا۔ یوں لگا جیسے ساری عمر کی چپ ایک اسی معاملے پر توڑنے کے لیے سنبھال رکھی تھی۔ انہوں نے کوئی بدتمیزی کی نہ بغاوت۔ بس شادی اور لڑکی کے انتخاب کے حوالے سے ان کا فلسفہ سب کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ بہن بھائی حیران تھے تو والدین پریشان۔ پہلی بار جب اماں نے انہیں پاس بٹھا کر کہا۔

''میاں اب تم بھی برسرروزگار ہوگئے ہو۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ تمہاری بھی شادی کردی جائے۔ خاندان میں تو کوئی لڑکی تمہارے جوڑ کی بچی نہیں، باہر اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو بتا دو یا پھر یہ بتا دو کہ تمہارے لیے کس طرح کی لڑکی چنی جائے۔''

اور اماں تو ان کی مرضی پوچھ کر پچھتائیں۔

عارف احمد نے اپنا موقف کچھ یوں بیان کیا۔

''لڑکی کے حوالے سے میری کوئی خاص پسند ناپسند نہیں، بس کچھ شرائط ہیں جن پر آپ لوگوں نے عمل کرنا ہے اور اسی طرح سب معاملات طے کرنے ہیں جیسے میں کہوں گا۔''

''اے کیا مطلب بھئی؟ کیسی شرائط؟'' اماں حیرت سے بولیں۔ ابا، بھائی بھابیاں سبھی متوجہ ہوگئے۔

''دیکھیں اماں، بات کچھ یوں ہے کہ آپ لوگوں نے لڑکی دیکھنے کے لیے گھر، گھر نہیں پھرنا۔ جب کوئی رشتہ بتائے تو لڑکی والوں سمیت کسی سے بھی تذکرہ کیے بنا، پہلے صرف استخارے کے ذریعے اللہ پاک سے مشورہ کریں، مثبت اشارہ ملے تو رازداری سے مناسب معلومات لیں اور پہلے فون پر رشتے کی بات کریں، لڑکی والوں کو بھی استخارے کا مشورہ دیں اور جب وہ رضامندی ظاہر کریں تب باقاعدہ رشتہ لے کر ان کے گھر جائیں۔ اگر استخارے میں مثبت اشارہ نہیں ملتا یا دل مطمئن نہیں ہوتا تو کسی سے تذکرہ کیے بنا آگے بڑھ جائیں۔ نہ کسی کا دل ٹوٹے نہ وقت برباد ہو۔'' سب کے منہ کھل گئے۔

''بھلا ایسے بھی کبھی رشتے ہوئے ہیں بھیا؟'' بڑی بھابی صفیہ ناک پر انگلی رکھ کر بولیں تو ناہید آپا بھی حمایت میں بول پڑیں۔

''اور کیا..... اور وہ جو ہم نے درجن بھر گھروں کی فہرست بنا رکھی ہے اس کا کیا؟ تم نے تو ہمارے ارمانوں پر پانی پھیر دیا بھیا۔ ہم نے تو سوچا تھا گھر، گھر پھر کر خوب چھان پھٹک کر چاندسی دلہن لائیں گے اپنے شہزادے بھیا کے لیے۔ آخر کو تینوں بھائیوں میں سب سے زیادہ قابل ہو تم۔ لڑکی کا گھر بار دیکھنا ہوتا ہے تاکہ اس کا سلیقہ اور رہن سہن پتا چلے، اس کے گھر کے طور طریقے کھلیں، ایسے کیسے بنا دیکھے بھالے لڑکی بیاہ کر لے آئیں اور کل کو سر پر ہاتھ رکھ کر روئیں۔''



Digitized by Google

باقی بھابیوں اور بہنوں نے آپا کی تائید کی۔ اماں نے بھی زمانے کی اونچ نیچ اور دیکھنے بھالنے کی اہمیت سمجھانے کی اپنی سی کوشش کر دیکھی مگر عارف احمد اپنے موقف میں ذرا بھی کمی بیشی پر آمادہ نہیں تھے۔ ان کی ایک ہی رٹ تھی۔

''آپ کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ۔ اللہ پاک کو کسی کی اصلیت معلوم نہیں؟ انسان کی چھان بین پر آپ کو زیادہ بھروسا ہے؟''

سب خواتین سٹپٹا کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ اماں سر جھٹک کر بڑبڑاتے ہوئے زور شور سے سبزی بنانے لگیں۔

''یہ انوکھے آئے ہیں بھئی۔ ماں باپ، بہن بھائی تو پاگل ہیں، یہی سب سے عقلمند ہیں۔ چار اولادوں کی شادیاں کی ہیں اپنے طریقے پر، سب کچھ اللہ کے فضل سے بہترین رہا، اب یہ انوکھے اعتراضات اور شرائط لے کر آ گئے۔''

ان کی بڑبڑاہٹ کو نظر انداز کر کے عارف احمد نے بہنوں کی طرف دیکھا۔

''پہلے وہ کریں جو میں نے کہا، ایک بار رشتہ پکا ہو جائے تو اس کے بعد شوق سے بے شک پورے خاندان کو لے جائیں لڑکی دکھانے..... لیکن بلاوجہ چائے ناشتے کے لیے گھر، گھر جانا اور معمولی توجیہات پر لڑکیاں رد کرنا مجھے پسند نہیں۔'' انہوں نے قطعیت سے کہا ''بیٹیاں نمائش کا جانور نہیں ہوتیں کہ لوگ جائیں، پرکھیں، ٹٹولیں، سوالات سے اسے زچ کریں، اس کے گھر کے ایک ہفتے کے راشن برابر لوازمات کھائیں اور پھر ذرا سی بات کو جواز بنا کر انکار کر دیں۔ شکل صورت کو کم سے کم میرے معاملے میں ہرگز اولیت نہیں دینی۔ یہ بات خاص طور سے یاد رکھیے گا۔''

''ارے بھیا، ہمارا چناؤ بھی ایسے ہی ہوا تھا اور تمہاری بھابیاں بھی ہم نے ایسے ہی پسند کی تھیں، تب تو تم کچھ نہ بولے۔''

چھوٹی آپا فہمیدہ بولیں تو وہ مسکرا دیے پھر اُن کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''چھوٹی آپا آپ دونوں کی دفعہ ہم بیٹی والے تھے اور بیٹی والے آواز اٹھاتے اس معاشرے کو برے لگتے ہیں۔ بھابیوں کی دفعہ میں نے دبے لفظوں کہا تھا مگر چونکہ وہ میرا معاملہ نہیں تھا اس لیے میں کسی کو مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ میرا اختیار اور حق میری اپنی زندگی پر ہے، اس لیے میں نے اس قصے کو اپنی باری کے لیے ٹال دیا تھا۔ ویسے بھی لڑکے والے جو بھی کریں کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ سو یہی وہ موقع ہے جب ہم مثال قائم کر سکتے ہیں۔ ایک بار مثال قائم ہو جائے تو لڑکی والوں کے لیے بھی آسانی پیدا ہو جائے گی۔''

بہنیں، بھابیاں لاجواب ہو کر چپ ہو گئیں مگر اماں سے برداشت نہ ہوا، کٹے ہوئے شلجم پر چھری پٹخ کر وہ تنک کر بولیں۔

''پہلے تو تم ہمیں نام بتاؤ اس نمونے کا جس نے یہ انوکھی سوچ تمہارے دماغ میں انڈیلی۔ پہلے تو اس کی خبر لیں ہم۔''

''فلاں مولانا صاحب کے بیانات سن رہا ہوں میں کئی سال سے۔'' انہوں نے نام بتایا جن کا شمار قابلِ احترام شخصیات میں ہوتا تھا۔

عارف احمد نے نہایت سکون سے پاؤں پسار کر جواب دیا تو ایک بار پھر سب سٹپٹا گئے۔ ابا منہ چھپا کر ہنسی روکنے لگے۔ مفتی صاحب کا حوالہ ہی ایسا تھا، وہ فرقہ واریت سے پاک سوچ رکھنے والے ایک ایسے عالم دین تھے جن کا حوالہ ہر مکتبہ فکر خاموشی سے تسلیم کرتا تھا۔ اتنے بڑے نام کو سن کر سب کو چپ لگ جانا فطری تھا۔ کچھ بھی تھا، عارف احمد کسی غلط راہ پر نہیں لگے تھے۔ یہ بات ان کے ابا کے لیے قابلِ فخر تھی۔

''ٹھیک ہے عارف میاں جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔''

ابا نے اجازت دی تو وہ خوش ہو گئے۔ بھائی کاندھے اچکا کر اپنے، اپنے روزگار کے لیے چل نکلے، بھابیاں ایک دوسرے کو خفیہ میٹنگ کا اشارہ کرتی



Digitized by Google

باورچی خانے میں گھس گئیں اور بہنیں اپنی اپنی ساس نندوں کے متوقع سوالات کے جوابات سوچتی سسرالوں کو سدھاریں۔ رہ گئے اماں ابا..... تو اماں افسردہ سی آہ بھرتی سبزی کا تسلا ایک طرف دھکیل کر اسی تخت پر اٹوائی کھٹوائی لیے پڑ گئیں اور ابا اپنی کرسی پر سر نیہوڑائے گہری سوچ میں غرقاب ہوگئے۔ پورے گھر میں ایک وہی تھے جنہوں نے عارف احمد کے موقف کو سمجھ کر ان کا ساتھ دیا تھا لیکن وہ فکرمند تھے تو بس اس لیے کہ ساری دنیا سے ہٹ کر جوان کی سوچ تھی اسے سب کے سامنے قابلِ قبول بنانے کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔

رشتے کرانے والی خالہ زاہدہ نے عارف احمد کی شرائط منہ کھول کر سنیں اور ہکا بکا عالمِ استغراق میں برقع سر پر ڈالے، سامنے تپائی پر رکھا شربت کا گلاس جوں کا توں چھوڑ اسی کھلے منہ کے ساتھ باہر نکل گئی۔ پھر ہوا یوں کہ وہ رشتے بتاتی گئی اور استخارے ہوتے رہے مگر کسی بھی لڑکی کے لیے مثبت اشارہ ملتا ہی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ خالہ زاہدہ نے تنگ آکر ہاتھ اٹھا دیے۔

''بھئی شکیلہ بیگم اب جو کرنا ہے آپ ہی کرو۔ میں تو بھر پائی اس مصیبت کے کام سے۔ بیٹیوں لڑکیاں بتا دیں پر تمہارے تو لڑکی دیکھے بنا ہی اتنے نخرے ہیں نہ جانے گھر، گھر پھرتی تو کیا کرتیں۔ ایسی، ایسی ہیرا لڑکیاں گنوا دیں تم نے۔ شکر ہے کہ ان کے ماں باپ کو خبر نہیں تھی کہ میں تمہیں زبانی رشتے بتا رہی ہوں اور تم رد کر رہی ہو۔''

''اے بہن..... (و بہویں تمہارے بتائے گھروں سے لائی تو ہوں، کب نخرہ کیا۔ یہ تو عارف احمد کی استخارے کی رٹ ہے اور وہی کسی لڑکی کا مثبت نہیں آ رہا تو کیا کروں۔ اچھا ہے ناں کسی کو خبر نہیں کہ ہم کس، کس کا استخارہ کر رہے ہیں۔''

اسی وقت عارف احمد باورچی خانے سے اپنے کھانے کی ٹرے اٹھائے باہر نکلے اور ان کی طرف دیکھ کر بولے۔

''دیکھی پھر سنت عمل کی برکت۔۔۔ نہ کسی کو کچھ خبر ہوئی نہ ہی دل آزاری ہوئی اور ہماری تلاش جاری و ساری ہے۔ اب گھر، گھر پھرتے تو وہ لوگ آپ سے لازمی جواب بھی مانگتے اور انکار کی صورت میں لڑکی اور اس کے گھر والوں کا دل الگ ٹوٹتا۔''

خالہ زاہدہ نے زور، زور سے سر ہلایا۔

''میاں کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو پر فی الحال تو میں تھک گئی اس کام سے اور جو درجن بھر لڑکیاں میرے پاس تھیں وہ تو سب بتا کر رد کروا چکی میں تم ماں بیٹے سے۔ تو میاں اب یہ نیک کام تم خود ہی کرو میں تو چلی۔''

اماں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ عارف احمد سر جھٹک کر کھانا کھانے لگے۔ کسی کام کی وجہ سے وہ گھر دیر سے آئے تھے اس لیے سب کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھا سکے تھے ورنہ ان کے گھر میں الگ، الگ کھانا کھانے کا رواج نہیں تھا۔

ایک دن اماں نے دونوں بہوؤں کو پاس بلایا۔

''صفیہ، سمیرا'' وہ دونوں ہمہ تن گوش ہوئیں۔

''تمہارے خاندانوں میں کوئی اچھی لڑکی ہو تو بتاؤ، مجھے تو اس عجیب صورتِ حال نے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔''

کچھ دن سوچ بچار کے بعد ایک لڑکی صفیہ نے اور چار سمیرا نے بتائیں مگر ان کے استخارے بھی مناسب نہیں نکلے۔ وہ اور پریشان ہوگئیں۔ مزید چند دن اسی پریشانی میں گزرے پھر اماں نے بیٹیوں کو بلا لیا۔

''ارے بھئی کچھ تم لوگ ہی کرو اپنے لاڈلے بھیا کے لیے اپنی سسرالیں کھنگالو، کوئی لڑکی تو مل ہی جائے گی۔''

دونوں ہی دماغ میں اپنے، اپنے سسرالی رشتے کھنگالتی واپس لوٹ گئیں۔ کچھ عرصہ یوں ہی گزر گیا پھر ایک دن ناہید آپا بھاگی، بھاگی آئیں۔

''مجھے تو اماں کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا پھر ایک روز زرینہ (ناہید کی نند) آئی، آپ کو تو پتا ہے میری کتنی دوستی ہے اس سے۔ بس باتوں، باتوں میں میں نے اس سے تذکرہ کیا تو اماں اس نے تو میری ساری پریشانی ہی دور کر دی۔ اس کی نند کی چھوٹی بیٹی اپنے عارف کے


Digitized by Google

جوڑ کی ہے۔ زرینہ بتا رہی تھی کہ اس کا نند کی دین دار مزاج رکھتا ہے اور وہ لوگ یقینی طور پر مان جائیں عارف کی ساری عجیب و غریب شرائط۔"

اماں نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر لڑکی کے بارے میں تو کچھ پوچھا ہوتا۔" انہوں نے بیٹی سے کہا۔ "اب عارف احمد جو مرضی شرطیں باندھے مگر کچھ نہ کچھ چھان پھٹک تو ہم بھی کریں گے ناں، لڑکی کی شکل صورت، مزاج، سلیقہ، یہ سب تو تم آسانی سے زرینہ سے معلوم کر سکتی ہو، کسی کے بھی علم میں لائے بغیر۔ یوں عارف احمد کو بھی اعتراض نہیں ہوگا اور ہمیں بھی تسلی ہو جائے گی۔"

ناہید آپا نے زور و شور سے سر ہلایا۔

"پوچھا ہے اماں...... بلکہ زرینہ کے گھر کی تقاریب میں ایک دو بار اس سے ملی بھی ہوں۔ خالدہ نام ہے، شکل صورت کی مناسب ہے پہن اوڑھ کر اچھی لگتی ہے، تعلیم بھی مناسب ہے انٹر کیا ہوا ہے اور مزید تعلیم کا کوئی ارادہ نہیں بس گھر سنبھالنے میں ماں کا ہاتھ بٹاتی ہے تو ظاہر ہے کچھ نہ کچھ سلیقہ تو ہوگا ہی۔ بقول زرینہ کے، خالدہ تمیزدار اور فرمانبردار لڑکی ہے۔ زرینہ کی نند صابرہ بھی اچھی سادہ مزاج سی عورت ہے، کوئی نخرہ نہیں، نہ ہی کبھی زرینہ سے کوئی نندوں والی عداوت رکھی۔ اس کا میاں عبدالواحد دینی رجحان رکھتا ہے اسی لیے گھر کا ماحول بھی دینی ہے۔"

اماں نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔

"چلو، استخارہ کیے لیتے ہیں۔ لیکن اگر اس کا بھی اچھا نہ آیا تو پھر کیا کریں گے۔"

"انتظار...... پھر انتظار ہی کریں گے۔ کوئی لڑکی تو ہوگی ناں عارف کی قسمت میں بھی، بس کہیں چھپی بیٹھی ہے، ڈھونڈنا تو ہے۔ بڑے بھائیوں کے لیے تو ہمیں کوئی خاص وقت ہوئی ہی نہیں، محض چند ہفتوں میں ہی لڑکیاں مل گئی تھیں اور دیکھیں اماں کتنی اچھی ہیں دونوں۔ اب یہ چھوٹے صاحب جوتے گھسوائیں گے ہمارے۔"

ناہید آپا نے منہ بنا کر کہا تو اماں فوراً تنک کر بولیں۔

"جوتے نہیں کندھے کہو بہن، استخارے کی نیت سے ساری رات دائیں کروٹ پر سوتی ہوں یہی گھسے گا۔ اب تو اتنا درد رہنے لگا ہے۔"

"اللہ میری پیاری اماں، اب یہ کس نے کہا کہ دائیں کروٹ لیٹنا ہے؟" آپا ان کے کندھے دبانے لگیں۔

"اے میں کیا جانوں، نماز کی کتاب میں مسنون دعا اور طریقہ لکھا تھا اسی میں سارے آداب لکھے تھے۔ کرنا تو تھا۔"

اماں کی بیچارگی پر آپا افسوس سے دائیں بائیں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"چلیں اماں، عارف، اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یہ سب کر رہا ہے، ایک اور استخارہ کر دیکھیں، اللہ کرم کرے گا شاید یہی ہو عارف کی قسمت کی لڑکی۔"

اور پھر جیسے وہی وقت قبولیت کا تھا۔ یوں لگا جیسے خالدہ ہی عارف احمد کا مقدر تھیں تبھی کسی اور جگہ بات نہیں بن رہی تھی۔ اماں کو استخارے میں بھی مثبت اشارہ ملا، اردگرد معلومات اور آپا کی نند کی بتائی باتوں کے حساب سے بھی سب کچھ مناسب لگا۔ اس کے بعد خالدہ کے والدین سے فون پر بات کی گئی۔ صابرہ بیگم اپنی بیٹی کی کم صورتی، گھر کے سادہ ماحول اور اپنی سفید پوشی کی وجہ سے خالدہ کے رشتے کے لیے یوں بھی بہت پریشان تھیں۔ بڑی دو بیٹیوں کی شادیاں بھی بے حد مشکل سے کی تھیں اور یہی فکر دامن گیر تھی کہ خالدہ کے لیے جمع جتھا کچھ بھی نہ تھا۔ ایسے میں ان شرائط کے ساتھ ایسے بہترین رشتے کا سن کر تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ انہوں نے بھی چھان بین کر کے اپنی تسلی کی اور بالآخر دونوں گھرانوں کی ملاقات کا دن طے پا گیا۔ عارف احمد کی بھابیوں اور بہنوں نے جب خالدہ کو دیکھا تو وہ انہیں کچھ خاص نہیں بھائیں۔ اچھے ماحول میں ملاقات اور بات چیت ہوئی لیکن گھر آ کر انہوں نے اپنے اعتراضات کھول کر عارف احمد کے سامنے رکھ دیے۔

"رنگت کچھ دبتی ہے، پہننے اوڑھنے کا ڈھنگ بھی



Digitized by Google

کچھ خاص نہیں۔ ہمارے شاندار شخصیت والے عارف بھیا کے ساتھ چلتی زیادہ جچے گی نہیں۔'' یہ چھوٹی بھابی سمیرا کی رائے تھی جس کی چھوٹی آپا فہمیدہ نے تائید کی۔

''تو اور کیا... بڑی دونوں بھابیاں کتنی حسین لائے ہم، حالانکہ بڑے بھائی اتنے خوبرو نہیں۔ اب ہیرو جیسے بھائی کے لیے وہ خالدہ..... لوگ کیا کہیں گے۔''

بڑی چھوٹی بھابیاں اپنی تعریف پر اتر آگئیں۔

عارف احمد نے جتنے منہ اتنی باتیں کل سے سن کر جب سر اٹھایا تو اُن کے چہرے پر چھائی سنجیدگی سے سب خواتین یک دم خائف سی ہوگئیں کہ نہ جانے اب وہ کیا کہہ ڈالیں۔

''پہلی بات..... خالدہ کا استخارہ بہترین آیا ہے یعنی اسے میرے لیے میرے رب نے چنا ہے۔ دوسری بات..... شادی اور رشتے داری کے لیے صورت سے زیادہ سیرت اہم ہوتی ہے، شادی کے چار دن بعد آپ اس کے گن دیکھیں گے، شکل سے لڑکی اپسرا بھی ہو تو اس کے برے سلوک پر سب تھو تھو ہی کرتے ہیں۔ تیسری اور آخری بات..... شادی میں نے کرنی ہے لوگوں نے نہیں۔ جب مجھے شکل صورت سے کوئی مسئلہ نہیں تو دنیا کو کیوں ہو؟ بہتر ہوگا کہ آپ لوگ سطحی معیارات کو ترک کر کے کھلے دل سے خالدہ کو اپنانے کے لیے راضی ہو جائیں۔ دونوں بھائیوں اور بہنوں کی شادیوں پر آپ نے ساری دنیاداری پوری کی ہے اس لیے آپ یہ نہیں کہہ سکتیں کہ ارمان ادھورے رہ جائیں گے۔ اب میری شادی پر ہر معاملہ ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا میں چاہتا ہوں۔ رہی بات پہننے اوڑھنے کے ڈھنگ کی تو وہ آپ لوگ اسے سکھا دیجیے گا۔ ویسے بھی میں نے جہیز کے نام پر ایک دھاگا بھی نہیں لینا، اس لیے کپڑا لتا سب آپ لوگوں نے اپنی مرضی سے خریدنا ہے۔ آپ کے ذوق کے مطابق پہنے گی تو اچھی بھی لگنے لگے گی۔''

ان کا انداز ہمیشہ دوٹوک مگر نرم ہوتا۔ سب لوگ قائل ہو کر خاموش ہو گئے۔ پھر یوں ہوا کہ خالدہ کی تصویر عارف کو اور عارف کی خالدہ کو ایک جھلک کے طور پر دکھائی گئی اور گویا چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔ یہاں سے گھر کے افراد گئے اور سادگی سے بات پکی کر کے چھ ماہ بعد شادی کا پیغام دے کر آ گئے۔ سارے محلے اور خاندان میں مٹھائی بانٹی گئی کیونکہ عارف کا کہنا تھا کہ خوشی کا اعلان کرنا اور حد میں رہ کر خوشی منانا جائز ہے۔ مٹھائی کے ساتھ ساتھ وہ ایک خطیر رقم صدقے کی مد میں مستحقین کو بانٹ آئے۔

''خدا جانے ہمارے گھر میں یہ مولوی کہاں سے پیدا ہو گیا۔ میاں مولوی اب شادی کس طور سے کرنی ہے وہ بھی ایک ہی مرتبہ تفصیل سے بتا دو۔ بار، بار دھچکے برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے ہم میں، نہ ہی اب وہ عمر رہی۔ اب تو ہر نئی بات پر دل کے دورے کا خدشہ رہتا ہے۔ پھر کہیں یہ نہ کہتے پھرنا کہ اماں سے ہماری خوشی برداشت نہ ہوئی اور عین شادی کے موقع پر داغِ مفارقت دے گئیں۔'' اماں جل کر بولیں تو بھابیاں قل، قل کرتی ہنس پڑیں۔ اماں کی حسِ مزاح غصے میں بھی غضب کی ہوتی۔

''اللہ نہ کرے اماں، آپ کی عمر دراز ہو اور آپ مکمل صحت کے ساتھ ہم سب کی اولادوں کی خوشیاں بھی دیکھیں۔'' عارف احمد گھبرا کر بولے۔

''آمین.....'' بہوؤں نے زیرِ لب کہا تو وہ سر جھٹک کر رہ گئیں۔

''ہونہہ، چاپلوس کہیں کا۔''

عارف احمد نے جھینپ کر کان کھجایا پھر شرارت بھرے انداز میں بولے۔

''ویسے اماں، ایک بات تو بتائیں۔ یہ مولوی ہونا بری بات ہے کیا؟ اور دین پر عمل کرنا کیا صرف مولوی پر فرض ہے؟''

اماں گڑبڑا گئیں۔

''ارے توبہ استغفار، یہ میں نے کب کہا۔''

خوفِ خدا کچھ تو باقی تھا ان میں بس دنیا داری مجبور کرتی تھی۔ عارف احمد نے زوردار قہقہہ لگایا۔



Digitized by Google

"خالدہ کے گھر والوں کو پیغام دے دیں کہ شادی کی تیاری کے نام پر انہوں نے صرف ہم گھر والوں کے شربت اور نکاح خواں کا انتظام کرنا ہے۔"

پھر سنجیدہ ہوکر بولے۔"رخصتی کے لیے یہاں سے صرف گھر کے افراد جائیں گے۔ خاندان والوں کو سمجھا دیجیے گا کہ انہیں دعوت ولیمہ پر بلایا جائے گا۔ کپڑا، زیور، فرنیچر، برتن، کچھ بھی نہیں لیں گے ہم۔ یہ سب چیزیں میں اس کے لیے خود اپنی حیثیت کے مطابق خریدوں گا۔ جن تین کپڑوں میں وہ رخصت ہوکر آئے گی وہ بھی ہم دیں گے۔ وہ وہاں سے ایک تنکا بھی لائی تو میں واپس کردوں گا۔"

سب گھر والے سکتے میں آگئے۔ عارف احمد ایک کھانے پینے والے سرکاری محکمے میں بنا کھائے پیے نوکری کررہے تھے۔ ایسے میں خود پر اتنا بار لینا سب کی عقل سے ماورا تھا مگر جو عارف احمد کی مرضی۔

"ہم نے تو جہیز لیا بھی اور دیا بھی۔ اب یہ انوکھی رسم کررہے ہیں۔"

اماں سارا دن بڑبڑاتی رہتیں مگر کوئی بھی زیادہ مخالفت اس لیے نہیں کررہا تھا کیونکہ دل سے ہر کوئی جانتا تھا کہ ان کا ایک بھی مطالبہ ناجائز نہیں تھا۔ خالدہ کے گھر والوں تک یہ پیغام پہنچا تو ان کے پورے خاندان میں عارف احمد کی شخصیت اور ان کے خاندان کے اعلیٰ نسب اور شرافت کی دھوم مچ گئی۔ نہ صرف خالدہ کا خاندان بلکہ آس پاس جہاں بھی یہ بات پھیلی سب انگشت بدنداں رہ گئے۔ ایک روز تو حد ہی ہوگئی۔ ایک عورت ان کے گھر آپہنچی اور عارف احمد کے چرچے بیان کرکے بولی۔

"اے بہن آپ کا کوئی اور بیٹا بھی ہے کنوارا؟"

اماں اس کا مقصد سمجھ کر جل ہی تو گئیں۔ چمک کر بولیں۔

"نہیں بہن، ایسا نمونہ بس ایک ہی پیدا ہوا ہمارے گھر۔"

☆☆☆

عارف احمد نے یہ سب کچھ پہلے سے ہی سوچ

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں
گھر بیٹھے
جاسوسی ڈائجسٹ سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ ماہنامہ سرگزشت
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 1200 روپے
امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 10,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 9,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کردیں گے۔
بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔
0301-2454188
0333-3285269
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 35804200-35804300

رکھا تھا اور اس مقصد کے لیے انہوں نے خاطر خواہ بچت بھی کر رکھی تھی، اسی لیے دلہن کی ضرورت کی ہر شے کی فہرست بنا کر رقم سمیت اماں کو تھمائی اور اماں اور بھابیوں کے ساتھ جا کر خود ایک، ایک چیز خریدی۔ بھابیاں ان کی پسند دیکھ کر ہی دنگ رہ گئیں۔ ایک، ایک چیز اتنی نفیس اور خوب صورت کہ سب کو خالدہ کی قسمت پر رشک آنے لگا۔ نہایت مناسب حساب کتاب کے ساتھ عارف احمد نے سبھی کچھ خریدا، پانچ بھاری جوڑے، پانچ ہلکے، پانچ سردی اور پانچ گرمی کے، پانچ جوڑی جوتیاں، تین سویٹر، تین پرس، میک اپ کا سامان، پانچ بیڈ شیٹس اور دیگر ضروری سامان کے ساتھ، ساتھ عروسی ملبوسات اور زیورات بھی کچھ لیا۔ کمرا خوب صورت فرنیچر سے مزین کر کے کسی قدر سجاوٹ بھی کی۔ جب سارا سامان کمرے میں سج گیا اور کپڑے سل کر الماری میں لٹکا دیے گئے تب انہوں نے اماں سے کہا۔

''اماں آپ یوں کیجیے کہ ایک روز اپنے سمدھیانے کو دعوت دے کر بلائیں تاکہ انہیں یہ سب سامان دکھایا جاسکے۔''

''اب اس کی کیا ضرورت ہے بھلا؟'' اماں کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

''ضرورت ہے اماں، انہیں ہزار شکوک وشبہات ہوں گے کہ نہ جانے ہم ان کی بیٹی کے لیے کیسی بری بنائیں گے اور کیا خبر بنائیں گے بھی یا نہیں۔ ہوتا ہے ناں کہ لوگ کہتے ہیں ہمیں کچھ نہیں چاہیے اور پھر خود بھی کچھ نہیں دیتے یا سب سامان انتہائی گھٹیا قسم کا رکھ دیتے ہیں۔ یہ خدشات دور کرنے کے لیے بہتر ہوگا کہ آپ پہلے ہی انہیں بلا کر سب دکھا دیں اور پوچھ بھی لیں کہ اگر انہیں کسی چیز کی کمی لگ رہی ہے تو وہ بھی بتا دیں بلکہ دلہن اپنے ذاتی سامان کی فہرست بنا کر بھابی کو دے، دے تاکہ سب کچھ وقت پر آجائے۔''

اماں نے انہیں یوں دیکھا جیسے ان کے دماغی توازن پر شک ہو، جو کہ انہیں تھا بھی۔ بہرحال وہ بہ

بہ مشکل ضبط کر کے بولیں۔

''الگ سے بلا کر دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ مہندی، مایوں پر سب سامان سجا کر یہاں وہاں دونوں کے خاندانوں کو دکھایا ہی جاتا ہے تب ہی دیکھ لیں گے سب۔''

عارف احمد کو تو جیسے بچھو نے ڈنک مارا۔ وہ اچھل پڑے۔

''کیا، کیا..... کیا کہا آپ نے اماں جان..... مایوں، مہندی، سامان کی سجاوٹ..... ایک منٹ..... آپ بھول رہی ہیں کہ یہ میری شادی ہے، عارف احمد کی، جس میں کسی قسم کی کوئی خرافات نہیں ہوں گی کجا کہ مہندی، مایوں وغیرہ اور یہ سامان سجا کر نمائش لگانا تو بالکل نامناسب ہے۔ سامان دیکھنا صرف ان کے گھر والوں کا حق ہے اور انہیں ہم پہلے ہی دکھا دیں گے۔''

وہ اتنا کہہ کر چلتے بنے اور اماں سر تھام کر بیٹھ گئیں۔ بڑی بھابی سبزی دینے آئیں تو اُن کی ہنسی چھوٹ گئی، جب سے عارف احمد کی شادی کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اکثر و بیشتر اسی انداز سے سر تھامے پائی جاتی تھیں۔

''ارے سنا تم نے صفیہ، یہ لڑکا تو مار کر چھوڑے گا مجھے روز، روز بجلی کے جھٹکے دے، دے کر۔ اب بتاؤ بھلا خاندان والوں کو کیا جواب دیں گے کہ کیوں اس قدر رازداری برتی جارہی ہے۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے لوگ تو اسی کی بیوی کو طعنے دیں گے کہ شاید وہی اتنے غریب گھرانے سے ہے کہ جہیز نہ لاسکی اور سب ہمیں کرنا پڑا۔''

بھابی صفیہ سبزی کا تھال ان کے سامنے رکھ کر پاس ہی بیٹھ گئیں اور بڑے سجاؤ سے بولیں۔

''آپ کی بات بالکل درست ہے اماں بی لیکن عارف احمد نے اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹنا یہ بھی آپ جانتی ہیں۔ سو اپنا خون نہ جلائیں اور جو بھی سوال کرے اسے عارف کی طرف موڑ دیں کہ بھیا ہی سے جواب مانگو۔''

اماں بی صفیہ کو دیکھ کر رہ گئیں۔ اس کی بات ان کے دل کو لگی تھی۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ، جس کی منطق ہے وہ آپ ہی بھگتے۔



Digitized by Google

☆☆☆

دوسری طرف خالدہ کے گھر اور خاندان والے بھی طرح طرح کے خدشات کا شکار تھے۔ خالدہ کی ماں صابرہ تو بہت سادہ مزاج خاتون تھیں اور انہیں اپنی بھاوج زرینہ پر بھروسا بھی بہت تھا اس لیے لوگوں کی ہزار باتوں کے باوجود وہ مطمئن تھیں البتہ خالدہ کی چھوٹی پھوپی نیلوفر نے واویلا مچا رکھا تھا۔

''اے میری بھولی بھابی تم لوگوں کی چالاکیاں نہیں سمجھتیں اور پھر وہ زرینہ آخر ہے تو تمہاری بھابی، تمہارا بھلا کیوں چاہے گی، میں تو کہتی ہوں ہو نہ ہو خالدہ کے ساتھ کوئی بہت بڑا دھوکا ہونے والا ہے ورنہ آج کے دور میں ایسے لڑکے بھلا کہاں ملتے ہیں جو کوئی تقاضا کرنے کے بجائے سب کچھ خود دینا کردیں۔''

صابرہ نے سپاٹ نظروں سے نند کو دیکھا اور رسان سے بولیں۔

''میں بھی تو آپ کی بھابی ہوں، کیا میں نے کبھی آپ کا برا چاہا؟ بھابی کے رشتے کو تو دوش نہ دیں۔ زرینہ ایسی ہے نہ اس کی بھابی۔ آپ کے بھائی نے اپنی پوری تسلی بھی کی ہے اور استخارہ بھی۔ سلیمہ آپا بھی ملی ہیں ان لوگوں سے۔ ان سے پوچھ لیں۔''

نیلوفر سٹپٹا گئیں۔ ان کے پورے خاندان میں بس ایک سلیمہ پھوپی تھیں جنہیں عارف احمد مکمل طور پر قابلِ اعتبار لگے تھے اور سب کے اعتراضات اور خدشات کے جواب میں وہ اکیلی ہی مثبت دلائل دے، دے کر سب کو تسلیاں دیتی رہتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ موجود تھیں تبھی صابرہ نے ان کا حوالہ دیا کیونکہ نیلوفر کو وہی سنبھال سکتی تھیں۔ نیلوفر کی ان جلی کٹی باتوں کا مقصد وہ دونوں ہی سمجھتی تھیں۔ دراصل انہوں نے خالدہ کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگا تھا۔ سرفراز ان کا اکلوتا بیٹا تھا، خوبرو بھی تھا اور کماتا بھی اچھا تھا مگر اس کی بدمزاجی پورے خاندان میں مشہور تھی بلکہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ سرفراز کے علاوہ ان کی ایک بیٹی شبانہ تھی جو ماں اور بھائی کے بالکل الٹ، بے حد خوش مزاج..... اور سلیمہ بیگم کی اکلوتی بہو کے درجے پر فائز تھی۔ اب سرفراز کی بدمزاجی کی وجہ سے خاندان میں تو ہر جگہ انہیں رشتے سے انکار ہی ہوتا تھا۔ صابرہ اور عبدالواحد سادہ مزاج کے تھے تو نیلوفر کو لگا وہ انہیں شیشے میں اتار لے گی لیکن انہوں نے بھی صاف انکار کردیا۔ وہی جلن تھی جو اس رشتے پر نیلوفر نکال رہی تھیں کیونکہ جانتی تھیں کہ ایک خالدہ ہی تھی جو اُن کے تنک مزاج بیٹے کے ساتھ گزارہ کرسکتی تھی، خاندان کی ہی کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو لحاظ کرلیتی لیکن اب انہیں باہر رشتہ دیکھنا پڑے گا۔ پرائی لڑکی خدا جانے کس مزاج کی ہو اور کتنے دن گزارہ کرے یہی غم انہیں کھائے جاتا۔ سلیمہ آپا خوب سمجھتی تھیں اور صابرہ ان کی چہیتی بھابی تھی سو انہوں نے بہن کو ہی لتاڑ دیا۔

''اے نیلو یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے میں نے، دھوکے بازوں کی شکلیں اور ہی ہوتی ہیں، ابھی دنیا میں ایسے اچھے لوگ ہیں تبھی یہ دنیا قائم ہے۔ چند لوگوں کی برائی کی وجہ سے اچھے لوگوں کی اچھائی پر شک کرنا زیادتی ہے۔ لڑکے کی بھابی نے مجھے خود بتایا کہ عارف احمد شروع ہی سے منفرد سوچ کا حامل بچہ ہے اور اپنی بھابیوں کے حقوق کے لیے بھی ہمیشہ بولتا رہا ہے، اب کسی کی بھابی یوں تعریف کرے تو شک کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے بھلا۔ تم لوگ بھی اللہ پر بھروسا رکھو۔ اپنی خالدہ کو دیکھو اس قدر تابعدار، خدمت گزار اور بے زبان گائے جیسی بچی کو کچھ تو صلہ ملنا تھا ناں بھلا اس کے ساتھ کچھ برا کرسکتا ہے میرا سوہنا رب؟''

صابرہ اپنی اس نند کی جہاندیدہ نگاہوں کی خوب قائل تھیں اس لیے وہ تو بالکل مطمئن رہتی تھیں لیکن نیلوفر کو فساد ڈالے بنا چین نہیں آتا تھا۔

☆☆☆

اس روز اماں، ملازمہ سے سر پر تیل کی مالش کروا رہی تھیں جب عارف احمد کو کہیں باہر جاتے دیکھا تو بلا کر پاس بٹھالیا اور سوالات شروع کردیے۔

''ارے میاں اب یہ بھی بتادو کہ مہندی مایوں نہیں



Digitized by Google

کرنا تو بارات، ولیمے کا کیا کرنا ہے، کیا وہ بھی نہیں ہوگا؟''

ملازمہ نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر ہنسی روکی۔ عارف احمد کھسیا گئے۔

''اماں، نکاح مسجد میں ہوگا۔ دلہن کی والدہ سے کہیے کہ صرف گھر کے افراد ہوں گے اور وہ ان کے لیے صرف ایک، ایک گلاس شربت کا اہتمام کریں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا۔ نکاح ہوتے ہی ہم رخصتی کروالیں گے البتہ ولیمہ پوری شان سے ہوگا۔''

انہوں نے عارف احمد کے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے جھٹک کر ہٹائے، ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا پھر تنک کر بولیں۔

''بارات غریبانہ اور ولیمہ شاہانہ، یہ کون سا دین ہے بھئی۔''

''ارے میری پیاری اماں، لڑکی والوں پر بار ڈالنا دین میں منع ہے۔ البتہ ولیمہ اپنی حیثیت کے مطابق کرنے کا حکم ہے اور جو کچھ بھی میں کر رہا ہوں وہ سب دین کا حصہ ہے۔''

اماں نے اس بات پر تیوریاں چڑھا کر ان کا تازہ شیو کیا چہرہ دیکھا اور تنک کر بولیں۔

''کس دین کی بات کر کے ٹوپیاں گھما رہے ہو میاں؟ ہمیں بھی سب پتا ہے لیکن تم شاید کچھ بھول رہے ہو۔ جس نبیؐ کی سنت کو تم اپنی شادی کے ذریعے زندہ کرنے جا رہے ہو اسی نبیؐ کی ایک اہم سنت تم ہر روز بھلا دیتے ہو۔''

عارف احمد کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

''کیا مطلب اماں؟''

اماں نے ان کی ٹھوڑی تھام کر ہلائی اور بولیں۔

''یہ داڑھی، جو تم ہر روز مونڈ کر سنت کا مذاق اڑاتے ہو پھر اس منہ کے ساتھ قرآن و سنت کی بات کچھ جچتی نہیں۔''

اتنا کہہ کر انہوں نے تیل کنگھی اٹھائے اور اپنے کمرے میں گھس گئیں۔ پیچھے عارف احمد کو گویا سکتہ ہی ہوگیا۔ اتنی سامنے کی بات انہیں کیوں نہ سمجھ آئی، اتنی واضح بات کی طرف ان کا دھیان کیوں نہ گیا۔ وہ خود کو کوسنے لگے۔ اماں کی بات بالکل درست تھی۔ سنت کی دھجیاں اڑا کر دین کی بات کرتے وہ واقعی اپنا مضحکہ خود اڑا رہے تھے، وہ شرم سے پانی، پانی ہوگئے۔ اگلے دن سے ہی انہوں نے شیو ترک کردی۔ شادی میں ایک ماہ باقی تھا وہ اچھی داڑھی بڑھا سکتے تھے۔ پھر اماں نے دیکھا کہ انہوں نے داڑھی بھی رکھ لی۔ تب ان کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ انہیں یقین آگیا کہ عارف احمد واقعی سنجیدہ ہیں اور دین کے نام پر کوئی ناٹک نہیں کر رہے ورنہ حقیقت تو یہی تھی کہ وہ ان کی ماں ہونے کے باوجود ان ساری باتوں کو وقتی ابال گردان رہی تھیں اور لاشعوری طور پر اس کے ٹھنڈا ہوجانے کے انتظار میں تھیں لیکن عارف احمد نے گویا انہیں حیران کردینے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ اماں ان کی باتوں سے قائل ہوتی یا نہیں مگر خاموش ضرور ہوجایا کرتی تھیں۔ پھر شادی کا دن بھی آن پہنچا اور حسب وعدہ خالدہ سسرال کے بھیجے خوب صورت عروسی لباس میں خالی ہاتھ رخصت ہو کر آگئیں۔ رخصتی کے وقت عارف احمد بے حد اعتماد سے اپنے سسر کی طرف مڑے اور ایک انوکھی فرمائش کی۔

''عبدالواحد صاحب آپ کو کچھ دیر کے لیے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

قدم، قدم پر حیران کرنے والے اس انوکھے داماد نے ایک بار پھر انہیں حیران کردیا۔

''وہ کس لیے بیٹا؟''

''ایک چھوٹی سی رسم کرنی ہے۔''

''رسم.....؟''

دلہن کے گھر والوں میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ جس بندے نے ساری رسموں کو جوتی تلے مسل کر سادگی سے شادی کی بنیاد ڈالی وہ اب اس وقت سسر کو گھر لے جا کر بھلا کون سی رسم نبھانے چلا ہے۔ سب کے ذہنوں میں یہی سوال ابھرا۔

''ہر بات میں دین اور سادگی کا پرچار کرنے والے اب اپنا اصل روپ ضرور دکھائیں گے، میں نہ



Digitized by Google

کہتی تھی، لو اب خود دیکھ لو بہن۔‘‘ نیلوفر نے سلیمہ آپا کے کان میں زہر اگل کر آنکھیں نچائیں تو اُن کے چہرے پر بھی پریشانی جھلکنے لگی۔ عبدالواحد صاحب بھی دل میں کچھ پریشان سے ہوگئے۔

’’کیسی رسم بیٹا؟‘‘

’’آپ چلیے، میں آپ کو سمجھا دوں گا پریشانی کی کوئی بات نہیں مجھ پر بھروسا رکھیے، آپ کے اعتماد کو بھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔‘‘

عارف احمد نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر دبائے تو انہوں نے سر ہلا دیا۔ انہوں نے اپنے سسر پر اپنا اتنا بہترین تاثر قائم کیا تھا کہ وہ انکار نہ کر سکے اور ساتھ ہو لیے۔ گھر پہنچ کر خالدہ کو لیے وہ کمرے میں گئے، پانی منگوایا اور سسر صاحب کے ہاتھ میں ایک پرچہ تھمایا۔

’’یہ چند آیات ہیں انہیں پڑھ کر پانی پر دم کیجیے، یہ پانی ہم دونوں پئیں گے اور کچھ پانی آپ ہم دونوں پر چھڑک دیجیے۔ اچھی زندگی کی ابتدا کے لیے یہ مسنون عمل ہے جو ہمارے پیارے نبیؐ نے اپنی پیاری بیٹی بی بی فاطمہؓ کی رخصتی پر کیا تھا۔ ازدواجی زندگی کی ابتدا مسنون طریقے سے ہوگی تو نیک صالح اولاد پیدا ہوگی۔‘‘

عبدالواحد صاحب چند ثانیے انتہا کی بے یقینی سے انہیں دیکھتے رہ گئے، یکایک ان کے ہونٹ کپکپائے اور فرطِ جذبات سے آنکھیں بھر آئیں، کہنا تو وہ بہت کچھ چاہتے تھے مگر بے اختیار انہوں نے عارف احمد کا ماتھا چوم کر بس اتنا کہا۔

’’خدا تمہیں ساری زندگی شاد و آباد رکھے۔‘‘

یہی وہ لمحہ تھا جب خالدہ ان کی محبت میں اس شدت سے مبتلا ہوئیں کہ پھر ساری زندگی ان کی تابعداری کی حد کر ڈالی۔

☆☆☆

رسم کے بعد عبدالواحد صاحب سرشار سے گھر لوٹے تو وہاں کا ماحول ہی بدلا ہوا تھا۔ نیلوفر کی زبان کتر، کتر چل رہی تھی، سلیمہ آپا کی زبان بند، صابرہ کا چہرہ روہانسا...... انہیں دیکھ کر صابرہ ان کی طرف اس بے تابی سے لپکیں کہ کیا کبھی اپنی جوانی میں لپکی ہوں گی۔

’’کیا ہو رہا ہے یہ سب نیلوفر، یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم نے؟‘‘

سدا کے نرم خو بھائی کی پہلی بار گرج دار آواز سنی تو نیلوفر دبک گئیں جبکہ باقی سب حیران رہ گئے کیونکہ ان کی اونچی آواز تو کبھی کسی نے سنی ہی نہ تھی۔ نیلوفر کا واویلا ان کے کانوں میں پڑ چکا تھا، صورتِ حال کے ساتھ ساتھ وہ اپنی بہن کا مقصد بھی خوب سمجھ چکے تھے اور اسے سبق سکھانے کا یہی مناسب وقت تھا اس لیے انہوں نے آواز بلند کی۔

’’بھیا کیا بنا خالدہ کی سسرال میں؟ کیا رسم کروائی آپ سے؟ کوئی رقم تو نہیں اینٹھ لی؟ یہاں تو ہمارا مارے صدمے کے برا حال ہے۔‘‘ نیلوفر منمنا کر بھی زہر گھولنے سے باز نہ آئی۔ عبدالواحد صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

’’بس نیلو بس...... بہت ہوگیا تماشا۔‘‘

سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اس کے بعد جب انہوں نے رسم کی تفصیل بتائی تو نیلو کا سر جھک گیا۔ سلیمہ آپا نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا اور طیش سے بولیں۔

’’کوشش کرنا کہ آئندہ تمہارا یہ سر کسی فساد کے لیے نہ اٹھے۔‘‘

صابرہ کے دل میں سکون ہی سکون سرایت کر گیا۔

☆☆☆

اگر خالدہ کے ہاں رشتے داروں کے فسادات اور اعتراضات تھے تو کچھ ایسا ہی ماحول عارف احمد کے گھر کا بھی تھا۔ فرق بس یہ تھا کہ صابرہ اور عبدالواحد کی نسبت عارف احمد کے اماں ابا دبنگ مزاج کے تھے اور سب سے بڑھ کر وہ لڑکے والے تھے اس لیے سب اعتراضات کو بڑھنے سے پہلے سکون سے دبا رہے تھے۔ ان کے رشتے داروں کا خیال یہ تھا کہ عارف احمد نے خرچے سے جان چھڑانے کے لیے یہ شوشا چھوڑا ہے اور انہیں پورا یقین تھا کہ بری کا سامان انتہائی



Digitized by Google

خراب معیار کا ہوگا اور ولیمہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔ انہیں تو بارات کے ساتھ نہ لے جانے پر بھی شکوے تھے اور اس کے لیے انہوں نے یہی بات سب طرف پھیلائی تھی کہ ہو نہ ہو لڑکی میں کوئی عیب ہے یا اس کے گھر والوں میں کوئی مسئلہ ہے جو یوں راز داری برتی جارہی ہے۔ کچھ نے تو یہ تک کہہ دیا کہ لگتا ہے عارف احمد نے خود لڑکی پھنسائی ہے اور دونوں طرف گھر والے راضی نہیں اس لیے ہر رسم سے جان چھڑا رہے ہیں ورنہ باقی اولادوں کی شادیاں تو تمام رسم و رواج کے مطابق ہی ہوئی تھیں۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

مسنون رسم کے بعد سب رشتے دار خواتین دلہن سے کمرے میں جا کر ملیں اور وہاں سجا سامان دیکھ کر سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ان سب کے اصرار پر اماں کو زیور اور بری بھی دکھانی پڑی۔ ایک سے ایک قیمتی کپڑا، مہنگا فرنیچر، بڑی بہوؤں جتنا حق مہر اور اتنا ہی زیور تھا۔ ایک خاتون جو رشتے میں عارف احمد کی چچی لگتی تھیں نے یہاں تک کہہ ڈالا۔

''عارف میاں، اتنا مہنگا عروسی لباس، اتنا زیور، اتنا سنگار اور شادی میں کسی کو بلایا تک نہیں، رشتے داروں اور عزیزوں نے دلہن کا یہ روپ نہیں دیکھا تو کیا فائدہ.....؟''

خالدہ نے گھبرا کر عارف احمد کی طرف دیکھا جنہوں نے مسکرا کر بے حد تحمل اور ادب سے انہیں جواب دیا۔

''چچی اماں، دلہن کا سنگار دنیا کے لیے نہیں، اس کے شوہر کے لیے ہوتا ہے اور ہمارے معاشرے میں بدقسمتی سے یہ قبیح رسم رائج ہے کہ شوہر ہی اپنی بیوی کا یہ سنگار دیکھنے والا سب سے آخری شخص ہوتا ہے جبکہ پہلا اور واحد حق اسی کا ہوتا ہے۔ میری دلہن کا سنگار دنیا نے نہیں دیکھا، مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، میرے لیے یہ اہم ہے کہ وہ میرے لیے سجی ہے اور میں اسے دنیا کے سامنے نمائش کرنے کے لیے بیاہ کر نہیں لایا۔''

ان کے الفاظ گو سخت تھے مگر انداز بے حد نرم تھا۔

خالدہ کے دل میں ان کا مقام کچھ اور بڑھ گیا جبکہ چچی اماں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ پھر وہ دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتی عارف احمد کی اماں کے پاس جا بیٹھیں اور بولیں۔

''بھئی شکیلہ، تمہارا یہ لڑکا تو بہت ہی بے حیا ہے۔ توبہ توبہ ایسی باتیں.....''

اماں سمیت گھر کی سبھی خواتین منہ دبا کر ہنسی روکتی اِدھر اُدھر ہو گئیں۔

☆☆☆

اگلی صبح خالدہ کے گھر سے فون آیا کہ ناشتا لانے کی رسم کی جائے گی یا نہیں۔ فون صفیہ بھابی نے اٹھایا اور اس سوال پر خوب ہنسیں۔ پھر عارف احمد کو بلایا اور حسبِ توقع انہوں نے اس رسم سے منع کر دیا کیونکہ لڑکی والے اس خصوصی ناشتے پر ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں جو انہیں گوارا نہ تھا۔ البتہ بھابیوں کو بھی ناشتا بنانے سے منع کر کے وہ بازار سے متعدد لوازمات خرید لائے تاکہ خالدہ کو پہلی صبح کے بہترین ناشتے کی کمی محسوس نہ ہو۔ ویسے بھی ولیمے کی صبح کا ناشتا دلہن کا سسرال میں پہلا کھانا ہوتا ہے جو دعوت سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ پہلی ہی صبح دلہن کے گھر والوں سے خرچوں کی ابتدا کروانا بالکل بھی مناسب عمل نہیں۔ اس رسم پر پابندی لگانے پر بھی اماں کچھ خفا ہوئیں مگر خاموش رہیں۔ ناشتے کے بعد خالدہ کو سب کے ساتھ بٹھا کر تعارف کرایا گیا، ابا نے گھر کے ماحول اور معمولات کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ ناہید آپا نے سب افراد کی عادات و مزاج پر تبصرہ کیا اور کافی دیر ہلکی پھلکی گپ شپ چلتی رہی۔ ولیمہ رات کا تھا اس لیے دن کا کھانا ناہید اور نہیدہ آپا نے مل کر پکایا اور سب نے مل کر خوشگوار ماحول میں کھایا۔ خالدہ کو اس گھر کا ماحول بہت آرام دہ لگا۔ دوپہر میں کچھ دیر آرام کر کے انہیں پارلر جانا تھا۔ ناہید آپا نے انہیں ان کا ولیمے کا لہنگا دکھایا اور زیورات سمیت سب سامان صفیہ بھابی کے حوالے کر دیا کیونکہ انہوں نے ہی خالدہ کو پارلر لے جانا تھا۔

عارف احمد کے عزیز و اقارب نے بارات پر نہ



Digitized by Google

بلانے پر خفگی کا اظہار تو کیا مگر سب کی خفگی ولیمے پر دور ہو گئی۔ عارف احمد نے خاندان اور ملنے والوں کے ایک، ایک فرد کو بلایا اور شاندار ولیمہ دے کر سب کو انگشت بدنداں کر دیا۔ خالدہ کے خاندان والے جو یہ سوچ بیٹھے تھے کہ ولیمے میں کوئی اہتمام نہ ہوگا انہیں بھی اتنے شاندار انتظامات، بہترین لذیذ کھانے اور خالدہ کا بیش قیمت لباس دیکھ کر جہاں حیرت کا شدید جھٹکا لگا وہیں خالدہ کے والدین کو فخر و انبساط کا احساس بھی ہوا کہ ان کی بیٹی کو ایسا بے لوث شریک حیات نصیب ہوا۔ سلیمہ پھوپی ایک ایک فرد کے پاس جا جا کر جتا رہی تھیں۔

"دیکھی میری تجربے کاری، میں صحیح کہتی تھی ناں۔"

خالدہ گلابی کامدار لہنگے میں ان سب کے اندازوں سے کہیں زیادہ خوب صورت لگ رہی تھیں۔ ساری زندگی سادگی سے گزارنے والی خالدہ نے زندگی میں پہلی بار سنگھار کیا تھا، روپ کیوں نہ آتا۔

☆☆☆

عارف احمد نے صرف شادی ہی مسنون طریقے سے نہیں کی بلکہ اس کے بعد بھی خالدہ کے حقوق کا پورا خیال رکھا۔ اپنے گھر میں وہ واحد شخص تھے جو بھابیوں کے حقوق پر بھی ہمیشہ آواز اٹھایا کرتے تھے اور جہاں کہیں ماں یا بہنوں کو بھابیوں سے زیادتی کرتا دیکھتے وہیں طریقے سے ٹوک کر سمجھا دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سبھی کو عزیز تھے اور بھابیاں تو انہیں اپنے سگے بھائیوں سے بڑھ کر مانتی تھیں کیونکہ ان کی چھوٹی، چھوٹی خوشیوں کے لیے جتنا عارف احمد آواز اٹھاتے تھے اتنا تو کبھی ان کے سگے بھائی بھی نہ سوچتے۔ دونوں بھابیوں کو گھر میں جو اعلیٰ مقام حاصل تھا وہ عارف احمد کے ہی مرہونِ منت تھا۔ اسی لیے اپنی شادی پر انہوں نے جتنی بھی من مانیاں کیں ان پر کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ بھابیوں نے ابتدا میں چند ایک بار کے اختلاف کے بعد ہر بات پر ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ ویسے بھی دل سے سبھی ان باتوں کے قائل تھے مگر عمل کرنا سب کو مشکل لگتا تھا اور اس مشکل کی وجہ بھی وہی معاشرتی و خاندانی جملہ کہ "لوگ کیا کہیں گے" والا دباؤ تھا۔ عارف احمد کی شادی سے کئی لوگوں کو مثال بھی ملی اور ہمت بھی۔ وہ جو کہتے تھے کہ یہ سب پیسہ بچانے کے لیے کیا گیا ہے ان کی زبانیں بھی بہترین سامان اور بری دیکھ کر بند ہو گئیں۔

شادی کے بعد پندرہ دن دعوتوں میں گزرے، اس کے بعد عارف احمد نے دو روز کے لیے خالدہ کو میکے چھوڑ دیا۔ اس پر اماں خاصی برگشتہ ہوئیں۔

"یہ اچھے رواج نکال رہے ہو تم میاں۔ ارے میکے جانا ہے سو بار جائے مگر بڑوں کی اجازت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ ہم نے کون سا منع کر دینا تھا پر بندہ مان بڑھانے کو ہی سہی، اطلاع ہی دے، دے کہ بیگم کو میکے چھوڑنے جا رہا ہوں۔ اپنا بیٹا ہی احمق ہے تو بہو سے کیا امید رکھوں تابعداری کی، وہی کچھ منہ سے پھوٹ دیتی کہ اماں میکے جانا ہے۔"

عارف احمد جز بز ہو گئے۔ ان کی ناراضی اتنی بے جا بھی نہیں تھی، آخر وہ گھر کی بزرگ تھیں، ماں تھیں، اتنا حق تو ان کا بنتا تھا۔

"اماں جب آپ نے اسے منع نہیں کرنا تھا تو پھر پوچھنے کا کیا سوال۔ مجھے لگا وہ میری ذمے داری ہے اور وہ مجھے ہی جواب دہ ہے اسی لیے دھیان نہیں رہا کہ آپ سے بھی پوچھ لیتے یا تذکرہ کر دیتے۔"

ان کی اس بات پر تو اماں کا جلال اتنا بڑھا کہ الاماں۔

"ہاں بھئی ہاں، تمہاری بیوی ہے، تمہاری ذمے داری ہے صرف تمہیں ہی جواب دہ ہے وہ، اچھا دین پھیلا رہے ہو میاں، ماں باپ کی وقعت ہی ختم ہو گئی بھئی۔ یہ جو بیٹھی ہیں تمہاری بھابیاں اور بہنیں، اتنے سالوں بعد بھی آج تک میکے جاتے ہوئے اجازت لیتی ہیں۔ یہ تو ایک مان ہوتا ہے جو چھوٹے بڑوں کو دیتے ہیں، مگر تم نے تو چھوٹا بڑا سب برابر کر دیا۔"

وہ اس قدر برانگیختہ ہوئیں کہ ابا کو میدان میں کودنا پڑا۔

"آپ بھی حد کرتی ہیں بیگم، بہو پر روک ٹوک یا سوال جواب کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ آپ کی بات ٹھیک



Digitized by Google

ہے کہ اسے یا عارف کو بڑوں کا مان رکھنے کی خاطر پوچھ لینا چاہیے تھا لیکن آپ یہ بھی تو سوچیں کہ پہلی، پہلی بار ان کی شادی ہوئی ہے۔ بہو کو یہ اونچ نیچ اور طور طریقے آپ ہی نے سکھانے ہیں اور یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں جس پر آپ اس قدر برہم ہو جائیں۔ جب بہو گھر واپس آئے تو یہی باتیں پیار محبت سے اسے سمجھا دیں۔ میرا نہیں خیال کہ اس کے بعد وہ کبھی اس معاملے میں آپ کو شکایت کا موقع دے گی۔ وہ کیا جانے کہ آپ کس بات سے خوش اور کس سے خفا ہوتی ہیں۔ یہ بات اسے آپ ہی نے سمجھانی ہے، اسے کٹہرے میں کھڑا کر کے نجی زندگی سے بیزار نہ کریں تاکہ آپ کے سپوت کی زندگی بھی خوشگوار رہے۔"

"ہمیں تو کسی نے یہ سب پیار محبت سے نہیں سکھایا تھا، خود ہی ٹھوکریں کھا، کھا کر سمجھا کہ ساس کے ماتھے کے بل کس بات سے سیدھے ہوتے ہیں۔ اب یہ انوکھی آئی ہیں جنہیں ہم ننھی بچی کی طرح بٹھا کر سمجھائیں۔"

انہوں نے جل کر کہا تو ابا ہنس دیے۔

"آپ کو کسی نے نہیں سمجھایا تھا تبھی تو آپ کے دل میں ساس نندوں کے لیے کتنی کدورت ہے۔ کیا آپ چاہتی ہیں یہی کدورت نسل در نسل منتقل ہوتی رہے؟ کم از کم میں تو ایسا نہیں چاہتا۔"

اماں منہ سے تو کچھ نہیں بولیں مگر چند لمحے انہیں گھورتے رہنے کے بعد خاموشی سے منہ پھیر لیا۔

"تمہاری اماں شاید بہو کو ویسے نہ سمجھا پائیں، یہ اب تمہاری ذمے داری ہے کہ تم اسے گھر کے تمام اصول و قوانین اور ماں کی پسند ناپسند اس طرح سمجھا دو کہ اسے ناگوار بھی نہ گزرے اور بات بھی بن جائے۔" ابا نے عارف احمد کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور محبت سے بولے۔

تبھی اس نے تشکر و محبت سے باپ کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

خالدہ گھر واپس آئیں تو عارف احمد نے انہیں طریقے سے سب کچھ سمجھا دیا۔ وہ تابعدار فطرت کی مالک تھیں اس لیے برا منائے بنا ہر بات پر سر جھکا دیا۔

اگلے روز ناشتے کی میز پر بڑے بھائی آصف احمد نے ان سے پوچھا۔

"ہنی مون کا ارادہ نہیں ہے چھوٹے بھیا؟" رغبت سے پراٹھا کھاتے عارف احمد نے بے دھیانی میں کہہ دیا۔

"دفتر سے ایک ماہ کی چھٹی لی تھی اب چودہ باقی رہ گئیں، سوچ رہا ہوں ایک ہفتے کے لیے مری نتھیا گلی چلے جائیں پھر تو وہی روز و شب ہونے ہیں فرصت ہی نہیں ملنی۔"

ان کا کہنا قیامت ہوا اور اماں تو جیسے انتظار میں بیٹھی تھیں۔

"اب یہ ہنی مون کون سے دین میں لکھا ہے میاں، ہمارا علم ذرا ناقص ہے کچھ رہنمائی فرما دیں۔"

خالدہ سہم گئیں اور عارف احمد محتاط ہو گئے۔ آصف تو سب کے سامنے سوال کر کے پچھتائے۔ بھابیوں نے بھی انگلیاں دانتوں تلے دبا لیں جبکہ ابا دائیں بائیں سر ہلا کر رہ گئے۔ عارف احمد نے گلا صاف کیا اور بولے۔

"شادی کے بعد مناسب وقت تنہا کسی پُرفضا مقام پر گزارنا اور ایک دوسرے کو سمجھنا دین میں جائز ہے بلکہ اسے اچھا سمجھا جاتا ہے، اب انگریزوں نے اسلام کی اچھی باتوں کو اپنا کر اپنے نام دے ڈالے تو ہم کیا کر سکتے ہیں اماں۔"

واصف بھیا کا دل چاہا ان کی اس درجہ معصومیت پر ان کا منہ چوم لیں۔ سب کو ہنسی دباتا دیکھ کر اماں کا جلال عود کر آیا مگر اسی پل ابا نے ایک جملہ کہہ کر انہیں ٹھنڈا کر دیا۔

"بھئی تمہاری اماں نہیں چاہتیں تو اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر لو، ماں کو ناراض مت کرو۔"

اماں جز بز ہو گئیں۔ ابا نے عارف احمد کو آنکھ سے اشارہ کیا تو انہوں نے سمجھ کر سر ہلایا۔ خالدہ بھی سب دیکھ رہی تھیں بس ایک اماں کو کچھ نہیں پتا تھا کیونکہ ابا ان کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ عارف احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، آپ ناراض مت ہوں اماں اگر آپ



Digitized by Google

نہیں چاہتیں تو ہم نہیں جاتے، ویسے بھی ابھی میں صرف سوچ ہی رہا تھا کوئی حتمی فیصلہ تو نہیں لیا تھا۔ آپ سے مشورہ کیے بغیر بھلا کیسے جا سکتا ہوں میں۔" عارف احمد نے تابعداری کی حد کر دی۔ اماں نے غصے سے سر جھٹکا۔

"ہونہہ، آپ سے مشورہ، شادی پر جو تماشے کیے وہ تو جیسے میرے مشورے سے کیے تھے ناں، میاں الو کسی اور کو بنانا میں تمہاری ماں ہوں۔"

عارف احمد نے منہ دبا کر سر جھکا لیا اور خاموشی سے ناشتا ختم کرنے میں ہی عافیت جانی۔ اماں کا جلال اسی طور کم ہو سکتا تھا۔ بس پھر چند دن خاموشی سے گزرے اور اماں کو بے چینی لاحق ہو گئی۔ ان کی سب اولادوں نے ہنی مون منایا تھا، اب آخری اور سب سے لاڈلا بیٹا ان کے غصے کی وجہ سے اس سے محروم رہ جاتا، یہ ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ خود سے پوچھنا بھی ان کی انا کے منافی تھا اور عارف احمد نے اس کے بعد ایسی کوئی بات ہی نہ کی بلکہ بار، بار ان سے خالدہ سے گھر کے کام کاج شروع کروانے پر اصرار کرتے رہتے۔ بھلا ہنی مون گزارے بنا وہ کیسے بہو کو گھر گرہستی میں جھونک دیتیں۔ وہ غصہ ور اور جلالی ضرور تھیں مگر غاصب اور ظالم ہرگز نہیں تھیں۔ ان کا ضمیر انہیں مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔ پھر انہیں موقع مل ہی گیا۔ اس رات کھانے کے بعد جب سب برآمدے میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے تب خالدہ، عارف احمد کے کپڑے اٹھائے استری کی میز تک آئیں اور استری شروع کر دی۔

"استری دن میں کر لینا خالدہ ابھی سب کے ساتھ مل کر بیٹھو۔" صفیہ بھابی نے عام سے انداز میں کہا تو خالدہ آہستگی سے بولیں۔

"کل سے انہوں نے دفتر جانا ہے بھابی اسی لیے ابھی استری کر رہی ہوں۔"

"کیوں بھئی عارف میاں، تمہاری تو ابھی چھٹی باقی ہے، یہ کل سے دفتر جانے کا کیا قصہ ہے؟" اماں کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ عارف احمد کی طرف مڑیں۔

سب چوکنے ہو گئے کیونکہ سبھی اصل بات سے واقف تھے۔

"جی اماں چھٹیاں ابھی باقی ہیں لیکن گھر میں فالتو بیٹھ، بیٹھ کر بور ہو گیا ہوں، دعوتیں بھی ختم ہو چکیں، اب تو خالدہ کے بھی کام کاج کے دن شروع ہونے کو ہیں تو میں نے سوچا چھٹیاں کینسل کروا دوں، آئندہ کسی ایمرجنسی میں کام آ سکتی ہیں۔"

اماں ایک لمحے کو چپ سی ہو گئیں، ماحول میں غیر محسوس انداز سے بوجھل خاموشی در آئی۔ انہیں دکھ ہوا۔ پھر ہمت کر کے وہ بولیں تو انداز میں ہچکچاہٹ واضح تھی۔

"کیوں، وہ تمہارا ہنی مون کہاں گیا؟"

سب نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"آپ خفا ہو رہی تھیں تو ارادہ ختم کر دیا۔ میرے دین نے مجھے صرف بیوی کے نہیں بلکہ ماں کے حقوق بھی سکھائے ہیں اماں، میں بھلا آپ کو ناراض کر کے جا سکتا ہوں؟ اگر میں ایسا کرتا تو میرے ساتھ کچھ نہ کچھ برا ضرور ہوتا، یہ میرا ایمان ہے۔"

عارف احمد نے ازحد سنجیدگی سے کہا تو اماں دہل گئیں اور انہیں ایک چپت رسید کی۔

"خدا نہ کرے، احمق، نالائق، ڈرامے باز، سب جانتی ہوں تیری چالاکیاں۔ بڑا آیا ماں کا فرمانبردار، سب فرمانبرداریاں دیکھی ہیں میں نے تیری شادی پر یہ کوئی کسی اور کو کھلانا۔"

عارف احمد سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گئے۔ شادی کا طعنہ نہ جانے کب تک سننا تھا۔ وہ کراہ اٹھے۔ بھابیاں قل، قل کرتی ہنس پڑیں۔ کپڑے استری کرتی خالدہ نے شکر کیا کہ ان کی سب کی طرف سے پشت تھی، ورنہ وہ اپنی ہنسی کیسے چھپاتیں۔

"دفتر جانے کی کوئی ضرورت نہیں، صبح پہلی گاڑی سے نکل جانا مری کے لیے۔ بلکہ واصف کی گاڑی لے جاؤ۔ لوکل کنوینس میں خوار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"سچ اماں...... میری پیاری اماں......"



Digitized by Google

انہوں نے ماں کا ماتھا چوما تو وہ سرخ پڑ گئیں۔

''چل ہٹ پرے، نسرین صحیح کہتی ہے تو واقعی بڑا بے حیا ہے۔''

خالدہ استری چھوڑ کر اماں کی طرف لپکی اور ان کے گھٹنے تھام کر فرش پر بیٹھ گئی۔

''آپ بھی ساتھ چلیں ناں اماں، مزہ آئے گا۔''

اماں نے انہیں بری طرح گھورا۔

''اری باؤلی ہوئی ہے کیا، میرا کیا کام ہنی مون پر۔ میاں کی طرح یہ بھی چاپلوس ہے۔ جاؤ جا کر تیاری کرو۔ بند کرو یہ استری کے ڈرامے، ماں کو بھی سمجھ رکھا ہے۔''

وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر کمرے میں چلی گئیں، پیچھے سب کھلکھلا کر ہنس دیے۔

☆☆☆

مری، نتھیا گلی اور پھر باڑا گلی میں گزارے وہ سات دن ان کی زندگی کے حسین ترین دن تھے۔ وہاں جا کر خالدہ نے جانا کہ عارف احمد سیاحت کے رسیا تھے اور مری نتھیا گلی کے چپے، چپے کی تاریخ سے یوں واقف تھے جیسے یہیں پلے بڑھے ہوں۔ انہیں وہاں کے ایک، ایک درخت تک کی تفصیلات معلوم تھیں۔ وہ ایک ماہر گائڈ کی طرح انہیں سب کچھ بتاتے۔ وہ دل کے ساتھ، ساتھ جیب کے بھی کھلے تھے، یہ بھی خالدہ نے وہیں جانا۔ وہ کہتے۔

''بیوی بچوں پر خرچ کرنا عین ثواب ہے اور اس کا اجر بھی ملتا ہے۔''

خالدہ کو اپنی قسمت پر رشک آتا جو انہیں ایسا جیون ساتھی ملا۔ ان کے ساتھ شب و روز گزار کر خالدہ نے جانا کہ ان کے پیسے میں بہت زیادہ برکت تھی اور اس برکت کی وجہ یہ تھی کہ وہ صدقہ خیرات کے معاملے میں بے حد دیالو تھے۔ ورنہ ان کی آمدن تو گزارے لائق ہی تھی۔

مری سے واپسی پر انہوں نے اپنے گھر والوں کے..... ساتھ، ساتھ خالدہ کے گھر والوں کے لیے بھی تحائف لیے، انہیں ہر فرد کا احساس تھا، ہر فرد سے محبت تھی پھر خالدہ کو ان کی محبت سے محبت کیوں نہ ہوتی۔

☆☆☆

ہنی مون سے واپسی ہوئی، شادی کا مہینہ مکمل ہوا، عارف احمد کا دفتر شروع ہوا اور خالدہ کی گھریلو ذمے داریوں کا بھی آغاز ہو گیا۔ بیٹھا پکا کر کام کاج کا آغاز کروانا ایک بے ضرر سی رسم تھی جس کے لیے ماں کی خوشی کی خاطر عارف احمد نے منع نہیں کیا اور یوں کھیر پکا کر خالدہ نے کام کاج میں ہاتھ ڈال دیا۔ اماں نے کپڑے دھونے اور صفائی ستھرائی کے لیے جز وقتی ملازمائیں رکھی ہوئی تھیں اور باورچی خانے کا کام دونوں بہوؤں میں برابر بانٹ رکھا تھا جس میں وہ خود بھی ان دونوں کی بھرپور مدد کرواتی تھیں۔ ان کے بچوں کے لیے بھی ایک کل وقتی ملازمہ جمیلہ بوا موجود تھیں جو اُن کی ذمے داریاں بڑھنے کے بعد عارف احمد کے کہنے پر ہی رکھی گئی تھیں۔ خالدہ کا اضافہ ہوا تو کام کاج کی تقسیم کا نقشہ دوبارہ سے بنایا گیا۔ اس نقشے کے مطابق اس روز صبح کا ناشتا خالدہ کے ذمے تھا جس میں انہوں نے سسرال کے معمول کے مطابق آملیٹ اور پراٹھے پکائے۔ بڑی اور چھوٹی دونوں بھابیاں پہلے ہی سے ہر کام میں طاق تھیں لیکن جب اماں نے ناشتے کی میز پر موٹے اور کچے کنارے والے ٹیڑھے میڑھے پراٹھے اور ٹوٹے ہوئے آملیٹ دیکھے تو اُن کی کشادہ پیشانی پر ان گنت بل پڑ گئے۔ بڑی چھوٹی بھابیاں منہ دبا کر ہنسی روکنے لگیں جبکہ خالدہ اپنی ساس کے ماتھے کے بل گنتی ادھ موئی ہونے لگیں۔

''چھوٹی بہو..... تمہیں پراٹھے پکانے نہیں آتے کیا؟ یہ کیا بنا لائیں؟ یہ کھائے گا کون؟''

ان کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا۔ خالدہ نے خوف کے مارے عارف احمد کو دیکھا تو انہوں نے مسکراتی نظروں سے پُرسکون رہنے کا اشارہ دیا۔ شوہر کی حوصلہ دیتی نگاہوں سے سہارا ملا تو وہ دھیرے سے لرزتی آواز میں بولیں۔

''میں جلد سب سیکھ لوں گی اماں جان آپ فکر نہ کریں۔''

راج دلارے دیور کی دلہن مشکل میں تھی اور



Digitized by Google

بھابیاں چپ رہتیں تو زیادتی تھی۔ اس لیے احسان کا بدلہ چکانے کی خاطر بڑی بھابی صفیہ بولیں۔

''جی، جی اماں جان ہم دونوں ہیں ناں بہت جلد خالدہ کو سب کچھ سکھا دیں گے۔ ابھی نئی، نئی ہے ناں غلطی تو ہو ہی جاتی ہے، جانے دیں، ہم کھا لیں گے، اتنی محبت سے بنائے ہیں خالدہ نے۔''

چھوٹی بھابی سمیرا نے بھی تائید کی تو اماں خاموش ہوگئیں اور خالدہ نے بھی سکون کی سانس لی۔ باقی ہر دو البتہ ایسے مواقع پر خاموش ہی رہا کرتے تھے کہ ان کے ٹوکنے پر اماں کو بہوؤں کے سامنے اپنی ہتک محسوس نہ ہو۔ پھر اگلی باری پر خالدہ سے قورمے کا گوشت کچا رہ گیا اور اس سے اگلی باری پر پلاؤ کے چاول نرم ہوگئے تو اماں کی برداشت جواب دے گئی۔ انہوں نے خالدہ کو تو کچھ نہیں کہا کیونکہ بڑی بہویں اس کی حمایت میں بول کر انہیں خاموش کرا دیتی تھیں مگر اس بار انہوں نے عارف احمد کے کان کھینچنے کا ارادہ کر کے انہیں بلا بھیجا۔

''دیکھو میاں جو تم نے کہا جیسا کہا ہم نے ویسا ہی کیا۔ اب اس کا نتیجہ ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ارے ہم اگر گھر، گھر پھر کر چھان پھٹک کرتے ہیں تو ہیرا بھی تو چن کر لاتے ہیں۔ ماشاء اللہ صفیہ اور سمیرا دونوں سلیقہ مند ہیں مجھے کسی کام کے لیے ان پر محنت نہیں کرنا پڑی۔ اب یہ تمہاری چہیتی بیگم ہیں، نہ جانے کون سا امتحان بن کر آئی ہیں، کوئی کام جو انہیں ڈھنگ سے آتا ہو۔ تنگ آ گئی بھئی میں تو.....''

عارف احمد نے مسکراتے ہوئے ان کی شکایات سنیں پھر ان کا ہاتھ تھام کر آرام سے بولے۔

''اماں ہر کام میں طاق بہو لے آنا تو کوئی کمال نہ ہوا بلکہ یہ کمال تو لڑکی کی ماں کا ہوا کہ اس نے تراشیدہ ہیرا آپ کے حوالے کر دیا۔ ہر لڑکی ہیرا ہوتی ہے مگر ہر لڑکی تراشیدہ ہیرا نہیں ہوتی۔ لوگ اپنے خزانے کا ہیرا آپ کو دے کر پہلے ہی ایک احسان آپ پر کر رہے ہیں کہ وہ آئے اور آپ کی نسل بڑھائے۔ اپنا جسم، اپنی صحت، اپنا چین، سکون، آرام سب کچھ داؤ پر لگا کر وہ آپ کے خاندان کی آبیاری کرنے آئی ہے تو اگر صرف ایک کام اسے نہیں بھی آتا تو یہ اتنا بڑا گناہ نہیں ہوا۔ وہ آپ کی عزت کرتی ہے آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ سب کچھ سیکھ لے گی تو آپ اس پر اعتبار کریں اور اسے وقت دیں۔ بہو گھر کی رانی ہوتی ہے اور ہم اسے نوکرانی بنا دیتے ہیں۔ اسے رانی بنا کر محبت دیں تو وہ آپ پر جان نچھاور کر دے گی۔ یہ سب کام اس کے فرائض میں شامل نہیں۔ اسلام نے اسے ان تمام مشقتوں سے بری رکھا ہے لیکن ہمارا معاشرہ یہ سب نہیں سمجھتا۔ اس لیے اگر بہو آپ کا گھر سنبھال رہی ہے تو اسے اس کا احسان سمجھیں اور اسے ڈگنی محبت دیں۔ محبت دینے میں کون سا پیسہ خرچ ہوتا ہے اماں۔ ذرا سی محبت سے وہ آپ کی بے دام .... غلام بن جائے گی۔ میں جانتا ہوں آپ کا غصہ مجھ پر ہے جس طریقے سے میں نے اپنی شادی کروائی، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ بالکل بھی روایتی ساس نہیں ہیں، اپنی بہوؤں سے بہت محبت کرتی ہیں اور اسی طرح آپ خالدہ سے بھی محبت کرنے لگیں گی۔ آپ سمجھ رہی ہیں ناں میری بات؟''

وہ مسکرائے تو اماں نے اثبات میں سر ہلا دیا مگر خاموش ہی رہیں۔ وہ انہیں زن مرید نہیں کہہ سکتی تھیں کیونکہ یہ سب اسباق وہ انہیں اپنی بھابیوں کی باری پر بھی پڑھایا کرتے تھے۔ وہ عادت سے مجبور ہو کر اکثر بھول جاتی تھیں اور وہ اپنا فرض سمجھ کر انہیں پھر سے یاد دلاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے گھر کا ماحول مثالی تھا اور دونوں بہویں سب گھر والوں پر جان چھڑکتی تھیں کیونکہ سازشوں اور شکووں کا کوئی جواز تھا ہی نہیں۔ وہ دونوں عارف احمد کو اپنے لیے فرشتہ سمجھتی تھیں اور برملا کہتی تھیں کہ آج اگر وہ اس گھر میں خوشحال بسی ہوئی ہیں تو اس میں سارا ہاتھ ان کے اس دیور عارف احمد کا ہے۔ پھر جب وہ اپنی بھابیوں کا اتنا خیال رکھتے تھے تو اپنی بیوی کا کیوں نہ رکھتے۔

☆☆☆



Digitized by Google

پھر یوں ہوا کہ جب بھی خالدہ کی پکانے کی باری ہوتی تو صفیہ اور سمیرا باری، باری ان کے ساتھ کھڑی ہو کر رہنمائی کرتیں، طریقہ سکھاتیں اور یوں کھانا بھی اچھا بن جاتا اور خالدہ بھی ڈانٹ سے بچ جاتیں۔ وہ دونوں بھابیوں کی بے حد شکر گزار ہوتیں اور ہر بار جو بھابی ان کے ساتھ مدد کرواتیں وہ سب کے کھانا کھا لینے کے بعد ان کا شکریہ ادا کرتیں۔

''میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں کیسے آپ دونوں کا شکریہ ادا کروں۔ آپ دونوں نہ ہوتیں یا مجھ سے دیورانی جیٹھانی والا روایتی جلن کا تعلق رکھتیں تو میرا کیا ہوتا۔'' سمیرا بھابی مسکرا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہتیں۔

''ارے شکریہ کیسا خالدہ، ہم تو اپنے عارف بھیا کی محبتیں تمہیں لوٹا رہے ہیں۔'' صفیہ بھابی ان کی بات آگے بڑھاتیں۔

''بالکل خالدہ، ہم تم سے بھی زیادہ شکر گزار ہیں عارف بھیا کے، جنہوں نے ہمیشہ ہمارے حق کے لیے آواز بلند کی اور ہمیں اس گھر میں اس قدر آرام اور عزت فراہم کروائی کہ اتنا آرام اور سکون تو ہمیں اپنے میکے میں بھی نہ ملا تھا۔ اماں بری ساس نہیں ہیں اور ظالم تو بالکل بھی نہیں۔ لیکن ساس بہو کا تعلق ہی ایسا ہے کہ کچھ نہ کچھ چپقلش جنم لے ہی لیتی ہے۔ ایسے میں عارف بھیا نے ہمیشہ ثالثی کا کردار ادا کیا، دونوں طرف کے فریقین کو الگ، الگ سمجھاتے، ایک دوسرے کے حقوق اور دل کشادہ رکھنے کی باتیں بتاتے اور کسی رنجش کی صورت میں بڑی، چھوٹی آپا کو بھی وہی سنبھالتے۔ سسرال میں مسائل سب کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن کوئی مصالحت والا بندہ مل جائے تو معاملات سلجھ جاتے ہیں بگڑتے نہیں اور ایسا مصالحت والا شخص تو کسی بھی سسرال میں نہیں پایا جاتا بہنا۔ عارف بھیا اس قدر مثبت سوچ کے حامل ہیں کہ کبھی، کبھی تو ان کے اپنے ابا بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تو اتنی اچھی تربیت نہیں کی تھی، یہ لڑکا ہماری کسی نیکی کا ثمر ہی لگتا ہے۔ اگر ہماری تربیت اتنی اچھی ہوتی تو آصف اور واصف بھی ایسے ہی ہوتے۔ برے تو خیر وہ دونوں بھی نہیں ہیں لیکن عارف جتنے اچھے بھی نہیں۔ تم بہت خوش قسمت ہو خالدہ کہ تمہیں عارف احمد جیسا شریک سفر ملا۔''

''بے شک، الحمدللہ۔''

خالدہ شکر گزاری کے سجدے بجالاتی نہ تھکتیں۔

☆☆☆

اور پھر زندگی نے ایک نئی کروٹ لی، نئی خوشیاں ان کی جھولی میں ڈالیں، خالدہ امید سے ہو گئیں۔ شروع کے چند ماہ تو عارف احمد انہیں ہر ہفتے میکے ملوانے لے جاتے رہے لیکن جب وہ امید سے ہوئیں تو انہوں نے خود ہی جانا کم کر دیا۔ پھر بھی وہ کوشش کرتے کہ مہینے میں ایک بار انہیں ضرور میکے لے جائیں۔ انہوں نے تو جیسے خالدہ کو ہتھیلی کا چھالا ہی بنا لیا۔ ہر روز شام کو دفتر سے واپسی پر تازہ پھل لاتے، کھانے کے بعد خود کاٹ کر انہیں کھلاتے، تازہ رس نکال کر صبح ناشتے کے وقت انہیں دیتے، ملک شیک بنا کر دن میں پینے کی تاکید کر کے فریج میں رکھتے اور دفتر جاتے ہوئے بڑی یا چھوٹی بھابی کو تاکید کر دیتے کہ خالدہ کو اپنے سامنے پلا دیں۔ گھر کے اخراجات تینوں بھائیوں اور ابا کی آمدن میں برابر تقسیم تھے اور سودا سلف کا بجٹ اماں خود بناتی تھیں۔ خوراک کی ہر شے مہینے کے حساب سے منگوایا کرتی تھیں اور اس دوران جو بہو امید سے ہوتی اس کے کھانے پینے کا وہ خود خیال کرتی تھیں، کچھ چیزوں کی ترتیب بدل کر پھل اور گوشت ان دنوں زیادہ منگواتیں اور بہو کی خوراک پر خود توجہ دیتیں۔ البتہ خالدہ کی باری پر عارف احمد خود سے سامان لانے لگے۔

بڑی دونوں بھابیاں بھی اس کا خیال رکھتیں، اماں بھی کچھ عرصہ کھنچی، کھنچی رہیں مگر پھر بہو کی محبت اور احترام کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ پھر جب وہ امید سے ہوئیں تو انہوں نے ان کی حالت کا احساس کر کے اپنا رویہ مزید نرم کر لیا۔ ان کا رویہ تبدیل ہوتا دیکھا تو



Digitized by Google

خالدہ نے ان کی اطاعت وخدمت میں اضافہ کردیا اور پھر جلد ہی وہ بھی انہیں بڑی بہوؤں جیسی چہیتی اور پیاری لگنے لگیں اور زندگی پُرسکون ہوگئی۔ انہوں نے خالدہ پر کام کی ذمّے داریاں بھی ہلکی کردیں۔ ان کے حصے کا کام وہ خود کروا دیتیں اور وہ صرف مددگار کی طرح تھوڑی بہت مدد کرواتیں۔ خالدہ کی دونوں بڑی بہنیں، شادی شدہ تھیں اور دونوں ہی اپنے گھروں میں خوش تھیں مگر جو سکھ خالدہ کو سسرال سے ملا وہ ان کی بہنوں کو نہیں ملا تھا۔ ان کی بہنوں نے محنت، خدمت اور کوشش سے اپنی، اپنی سسرالوں میں مقام بنایا تھا اور ان کا سفر بے حد کٹھن رہا تھا۔ لیکن خالدہ کو بنا کسی کوشش کے ایسا گھر انا نہ ملا کہ جس کی مثال دیتے وہ لوگ نہ تھکتے۔ ان کی بہنیں یہی کہتیں کہ چونکہ انہوں نے بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ اپنے ماں باپ کی خدمت اور اطاعت کی تھی اسی کے صلے میں انہیں ایسا سسرال اور ہیرے جیسا شریکِ حیات ملا۔

☆☆☆

گھر کے سبھی بچے گود سے نکل کر تعلیمی میدان میں قدم رکھ چکے تھے اور سمجھدار تھے۔ ایسے میں عرصے بعد ننھے بچے کی آمد گھر کے ہر فرد کے لیے خوشی کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ عارف احمد کی اولاد کا بھی سب کو..... بے صبری سے انتظار تھا۔ اماں بھی عرصے سے نیا بچہ گود میں کھلانے کے لیے بے قرار تھیں۔ وقتِ مقررہ پر حدید پیدا ہوا تو گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ عارف احمد نے ٹھیک ساتویں دن اس کے بال اتروا کر صدقہ دیا، ختنہ کروایا اور عقیقے کے لیے دو بکرے قربان کر کے سارا گوشت غریبوں کی بستی میں بانٹ دیا۔ خاندان میں صرف مٹھائی بانٹی۔ چالیس روز اسے زم زم کے قطرے پلائے اور گاہے بگاہے مجوہ کھجور چٹائی۔ ننھا حدید سب کی آنکھ کا تارہ بن گیا۔ جمیلہ بوا تو اسے کیا خاک سنبھالتیں، گھر کے افراد ہی جھگڑتے رہتے، ہر وقت مجھے دو، مجھے دو کا شور مچا رہتا، حتیٰ کہ اماں کو سب کی باریاں لگانی پڑتیں۔ اس کھینچا تانی میں حدید خوب بہلا رہتا اور خالدہ کو بھی بھرپور آرام ملتا۔ پورا چلہ سب نے ان کی خدمت کی، اچھی خوراک، بھرپور نیند اور آرام دیا کیونکہ اس کے بعد آگے کی زندگی کٹھن ہوتی ہے۔ دن بھر حدید گودیوں میں کھیل، کھیل کر اتنا تھک جاتا کہ رات بھر سکون سے سوتا۔ پھر جب سب کا دل بھر گیا، مناتھوڑا بڑا ہوگیا تو سب معمول پر آگئے اور پھر خالدہ پر مکمل ذمّے داری آپڑی تو وہ گھبرا گئیں۔

''سب نے کیسے سنبھالا ہوا تھا مجھے تو پتا ہی نہیں، اب تو یہ سنبھلتا ہی نہیں۔''

دن میں جمیلہ بوا ان کی مددگار ہوتیں مگر رات میں تو انہیں تنہا ہی اسے سنبھالنا ہوتا۔ ایسے میں عارف احمد ان کا بھرپور ساتھ دیتے۔ بچے کو کوئی تکلیف ہوتی یا کوئی بیماری، وہ رات کو جگاتا یا رات بھر روتا، آدھی رات عارف احمد جاگتے اور باقی رات خالدہ، وہ ان کے ساتھ مل کر اسی طرح بچے کو سنبھالتے جیسے ایک ماں سنبھالتی ہے۔ خالدہ کو بہت ڈھارس ہو جاتی۔ کبھی، کبھی انہیں شرمندگی بھی ہوتی کہ عارف احمد کو صبح دفتر بھی جانا ہوتا تھا جبکہ وہ دن میں اپنی نیند پوری کرلیا کرتی تھیں۔ ایسے میں ان کی نیند نہ ہو پاتی۔ وہ اس فکر کا اظہار کرتیں تو وہ محبت سے مسکرا کر کہتے۔

''اولاد چیز ہی ایسی ہے کہ اس کی محبت..... نیند اور آرام پر حاوی ہو جاتی ہے۔ اب تو کم گھنٹوں میں پوری نیند لینے کی عادت ہوگئی ہے۔ ویسے بھی، پورا دن آپ کو بھی بچہ سنبھالنے کے علاوہ بھی کئی کام کرنے ہوتے ہیں، مجھے وہ سب تو نہیں کرنا پڑتا ناں۔ اس لیے آپ کا بوجھ مجھے اپنے سے زیادہ لگتا ہے۔ یوں بھی بچے آپ سے پہلے میری ذمّے داری ہیں، میں محض انہیں پیدا کرنے کا سبب بن کر نہیں رہنا چاہتا۔ میں ان کا محافظ ہوں، ان کا جواب دینا ہے مجھے رب کو۔ آپ سے زیادہ یہ ذمّے داری میری ہے۔ بلکہ مجھ پر تو دُہری ذمّے داری ہے، میں تو آپ کے لیے بھی اللہ کے آگے جواب دہ ہوں۔ مجھے اس حساب کتاب سے بہت خوف آتا ہے اس لیے میں اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتا۔''



Digitized by Google

بعض اوقات خالدہ کو ان کی سوچ پر حیرت ہوتی کہ کیا کوئی مرد اتنا بھی حساس اور ذمے دار ہوسکتا ہے۔ اس دور میں کہاں کوئی ایسی سوچ رکھتا ہے جو اُن کی تھی۔ اب تو ہر شخص اپنی ہر ذمے داری سے جان چھڑا کر بھاگنے کی کوششوں میں رہتا ہے۔ ایسے میں عارف احمد ایک عجوبہ ہی تھے۔ وہ جو اُن کی ماں تھیں، وہی ہر لمحہ حیران ہوکر سوچ میں پڑ جاتی تھیں کہ وہ اپنی اس اولاد کو کبھی جان بھی پائیں گی یا نہیں اور یہ کہ وہ ان کی کون سی نیکی کا ثمر تھا۔

عارف احمد نے بیٹے کی پرورش کو اپنا اولین مقصدِ حیات بنا لیا، اس کی خاطر انہوں نے گھومنا پھرنا، دوستوں سے ملنا ملانا، باہر کھانا پینا سب ترک کردیا۔ جمیلہ یوا مغرب کے وقت سے ذرا پہلے چھٹی کرکے چلی جاتی تھی۔ وہ دفتر سے سیدھے گھر آتے اور بیٹے کو بیوی سے لے لیتے۔ ایسے میں اکثر اماں بڑبڑاتیں۔

''سارا دن مرد دفتر میں دماغ کھپا کر آئے اور گھر آکر یہ بچہ تھما دیں، بندہ پوچھے بھلا کتنا تھک جاتی ہوآدھے دن سنبھال کر، بچے تو ہم نے بھی پیدا کیے، تنہا سنبھالے اور پالے، ابا کو تو نہ خبر نہ دلچسپی اور یہ آج کل کی مائیں، ایک ذرا سا بچہ دو گھڑی ان سے سنبھلتا نہیں، جھٹ میاں کو پکڑا دیتی ہیں اور میاں تو دیکھو، جورو کے غلام.....''

وہ بولتی رہتیں اور بہویں منہ دبا کر ہنستی رہتیں۔ وہ روایتی ظالم ساس جیسی نہیں تھیں، ان تینوں کا خیال بھی بہت رکھتی تھیں، ان کے بچے بھی کھلاتی تھیں۔ بہو کی حیثیت سے گھریلو اور خاندانی معاملات میں مشورے بھی لیتی تھیں اور ان کے مشوروں کو اہمیت بھی دیتی تھیں۔ ایسے میں کبھی، کبھی کسی بات پر چڑ کر کچھ بول دیتیں تو وہ تینوں ہنس کر برداشت کر لیتی تھیں کیونکہ وہ انہیں براہ راست کبھی کچھ نہیں کہتی تھیں بس اسی طرح بڑبڑا کر اپنی بھڑاس نکالتیں، اس بیچ اگر کوئی بہو انہیں مخاطب کر لیتی تو وہ اس کا جواب اچھے انداز سے ہی دیتی تھیں۔ پھر ایسی ساس کی بے ضرر سی بڑبڑاہٹوں کو وہ کیوں دل پر لیتیں۔

حدید بیمار ہوتا تو عارف احمد کی گویا جان پر بن آتی۔ راتوں کو جاگ کر تیمارداری کرتے، دنیا جہاں کے ٹوٹکے آزماتے، ڈاکٹر کو دکھاتے، اپنا چین، سکون اور نیند سب بالائے طاق رکھ دیتے۔ سکون سے تبھی بیٹھتے جب وہ مکمل صحت یاب ہوجاتا۔ ان کے بڑے دونوں بھائی آصف اور واصف بھی بیوی بچوں کا خیال رکھتے تھے مگر جو حال عارف احمد کا تھا وہ کسی کا نہ تھا۔ ان کی حساسیت گھر کے ہر فرد کے لیے یکساں تھی۔ وہ اپنے ماں، باپ، بہن، بھائیوں کی بیماری میں بھی اسی طرح ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر تیمارداری کرتے تھے اور بھابیوں کے آنے کے بعد ان کے مسائل میں ان کی تیمارداری تو نہیں کر سکتے تھے مگر ان کے بچوں کی دیکھ بھال یا ان کے کام کاج میں مدد ضرور کرواتے تھے۔ بھابیاں ہر وقت یہی کہا کرتی تھیں کہ عارف میاں کی اپنی بیوی تو بے حد خوش قسمت ہوگی اور وہ خوش قسمت اب ان کے درمیان موجود تھی۔ کبھی، کبھی تو خالدہ حیران ہوتیں کہ عارف احمد انہی چوبیس گھنٹوں کو سب گھر والوں کی یکساں دیکھ بھال اور خبر گیری میں کیسے بانٹ لیتے ہیں کہ کسی کو بھی ان سے کوئی شکایت ہوتی نہ ان سے خود کبھی کوئی کوتاہی ہوتی۔ حدید کے سونے جاگنے، کھانے پینے، پڑھنے لکھنے، آداب سیکھنے سے لے کر اس کی بیماری، مسائل، شکوے شکایات تک ہر کام میں عارف احمد، خالدہ کے ساتھ ساتھ رہتے، کبھی یہ نہ کہا کہ تم ماں ہو لہٰذا یہ کام تمہاری ذمے داری ہے۔

بچوں کی پیدائش اور وقفے سے متعلق ان کی اپنی ایک سوچ تھی۔ ان کا ماننا تھا کہ بچے کی عمر کے ابتدائی تین برس بہت اہم ترین اور نازک ترین ہوتے ہیں۔ تین برس کے بعد بچہ خود کو سنبھالنے لائق ہوجاتا ہے اس لیے دو بچوں کے درمیان تین برس کا وقفہ لازم ہے۔ تین برس کی عمر تک وہ حدید کو کئی چھوٹی، چھوٹی سورتیں، ضروری دعائیں، اسکول کا بنیادی سبق اور ادب آداب سکھا چکے تھے۔ چلنا پھرنا، بھاگنا دوڑنا، چھلانگ لگانا، غسل خانہ استعمال کرنا، یہ سب معاملات انہوں نے خود حدید کو سکھائے۔ وہ بے حد ذہین اور سمجھدار بچہ تھا۔ اسے



Digitized by Google

کوئی بھی بات دوسری بار نہیں سمجھانی پڑتی تھی وہ پہلی بار ہی ہر بات ذہن نشین کر لیتا تھا۔

وہ تین برس کا ہو چکا تو منال پیدا ہوئی۔ اتفاق سے منال کی دفعہ خالدہ کے ساتھ ساتھ اتنے سالوں بعد بڑی بہو صفیہ بھی امید سے ہو گئیں، وہ جو سوچے بیٹھی تھیں کہ ان کا خاندان مکمل ہو چکا ہے، انہیں اللہ نے دو بیٹوں کے بعد مزید اولاد بھی دینی تھی۔ منال کی پیدائش کے دو ماہ بعد صفیہ نے جڑواں بچیوں کو جنم دیا جو شکل صورت میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ اماں نے ان کے نام اسوہ اور مصباح رکھے۔ گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے گھرانے میں بیٹا بیٹی میں کوئی فرق نہیں رکھا جاتا تھا۔ وہ دونوں کی یکساں خوشی مناتے۔ اور ویسے بھی صفیہ کے پاس اللہ کی اس رحمت کی کمی تھی۔ عارف احمد نے ٹھیک ساتویں دن منال کے بال اتروا کر صدقہ دیا اور ایک بکرا قربان کر کے عقیقے کی رسم ادا کر دی۔ اسی جوش و خروش سے خاندان بھر میں مٹھائی بانٹی جیسے حدید کی پیدائش پر بانٹی تھی۔ سب لوگ ان کی مثالیں دیتے نہ تھکتے۔ عزیز و اقارب میں کئی لڑکوں نے ان کی پیروی کرتے ہوئے سادگی سے شادی کی اور سنت کے مطابق نبھائی۔ اماں یہ سب سنتیں تو بہت خوش ہوتیں۔ شادی کے بعد پہلے سال انہوں نے جو بات، بات پر عارف احمد کو انوکھی شادی کے طعنے دیے تھے، وہ روش انہوں نے ترک کر دی کیونکہ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ کس قدر صحیح تھے۔

آصف احمد نے بھی وقت مقررہ پر بیٹیوں کا عقیقہ کیا اور پورے خاندان کی دعوت کی جس میں تینوں بچیوں کی آمد کی خوشی منانا مقصود تھا۔ اماں اب برملا کہنے لگی تھیں کہ آصف اور واصف کی اولادوں کے بیاہ بھی اسی نہج پر کرنے ہیں۔ بیٹے، بہوئیں سب ان کے ہم نوا تھے۔ ایسے خوشی کے موقع پر جب سب اولادیں یکجا تھیں، ابا نے ایک مختصر تقریر کی۔

''میرے بچو، مجھے فخر ہے کہ عارف احمد نے اپنی شادی سے ایک بہترین رواج کا بیج بویا ہے اور وہ تمام

## غزل

کٹے گی یہ اب زندگی روتے، روتے
یہ کہہ کر گئی ہے خوشی روتے، روتے

غمِ داستاں اپنی اشکوں سے یک دم
سرِ بزم ہم نے پڑھی روتے، روتے

یہ سوچا نہیں تھا کبھی زندگی میں
کہ روٹھے گی ہم سے ہنسی روتے، روتے

پریشاں ہوئے چاند تارے فلک پر
یوں رخصت ہوئی چاندنی روتے، روتے

انتخاب: صبا نور، لیہ

## زندگی

عمرِ رواں کی آہٹ پہ ترے نام کے الجھے افسانے
بوجھ لے جو کوئی بس اِک ایسی پہیلی ہو

سراپا حسن کی دیوی ہو
یوں لگتا ہے جیسے چمپا چنبیلی ہو
مری رسوائیوں پہ کیوں ہنستی ہو
کیا تم میری پکی سہیلی ہو
کیوں مری پریشاں حالی پہ جلتی ہو
شاید اس بزم میں نئی نویلی ہو
پل، پل میرے ہر پل کو پلّو سے باندھے ہوئے
جیسے کہ تم میرے آبا کی حویلی ہو
اِک عمر یہ خوف ستاتا رہا مجھے
کہ تم مری طرح ہی اکیلی ہو

کلام: عبدالحفیظ قصوریہ
پسند: ریحانہ، پشاور



Digitized by Google

معاملات میں دینی احکامات کو مدِنظر رکھتا ہے۔ اس خوشی کے موقع پر میں ایک خواہش کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، اختلاف کا حق آپ سب رکھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ سب کو اپنی، اپنی اولادوں کی شادیوں کے موقع پر وہی روش اختیار کرنی چاہیے جو عارف احمد نے کی۔ کیا آپ لوگ میری بات سے متفق ہیں؟''

''جی ابا بالکل، بالکل۔ بالکل متفق ہیں، ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ایسا ہی ہو۔''

سب باری، باری بولنے لگے۔ ابا مسکرائے اور سر ہلایا۔

''رشتے کرنے کے لیے باہر نکلنا پڑتا ہے اور باہر ہر شخص ہمارا ہم خیال نہیں ہوتا۔ ایک عارف احمد کی شادی پر پورے خاندان کی مخالفتیں دونوں گھرانوں نے بھگتی ہیں۔ اس رواج کو فروغ دینے کا ایک ہی طریقہ میری سمجھ میں آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ پانچوں بہن، بھائی اگر چاہیں تو اپنی اولادوں کے رشتے آپس میں جوڑ لیں تاکہ یہ خاندان مزید بڑا ہو جائے اور اس سے آگے جو نسل جنم لے وہ بھی اسی طریقے پر عمل پیرا ہو۔ یوں ہوتے، ہوتے خاندان پر خاندان بنتے جائیں گے جو اسی خوب صورت سوچ کے حامی ہوں گے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب ضرب دیتے، دیتے دین پر چلنے والے دس خاندان اور پھر بیس ہو جائیں گے۔ کون جانے کل پورا معاشرہ سدھر جائے۔ تبدیلی کبھی پورے معاشرے میں جبر کے ذریعے نہیں پھیلائی جاسکتی۔ تبدیلی اپنی ذات سے ہی شروع ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔ ایک عارف احمد کی ذات سے شروع ہونے والی تبدیلی بڑھ کر پورے خاندان کو بدل دے تو یہی خاندان کل کو پورا معاشرہ بنے گا۔ یہی بہترین حکمتِ عملی ہے۔''

کھلے صحن میں مکمل خاموشی طاری ہوگئی۔ عارف احمد کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ یکا یک ایک شور بلند ہوا۔ سب نے ایک دوسرے کو مبارک بادیں دینی شروع کردیں۔

''مستقبل کی رشتے داری مبارک ہو۔'' آصف احمد نے نعرہ لگایا اور باقی سب نے قہقہے۔

''ہم آپ سے متفق ہیں ابا جان۔''

بڑے داماد شجاع حیدر نے ابا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور ناہید کو دیکھ کر مسکرائے۔

''جی بالکل ابا جان، ایسا ہی ہوگا۔ ہم سب اپنی اپنی اولادوں کے رشتے آپس میں ہی جوڑیں گے اور دینی طرز پر ہی بیاہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔''

یہ چھوٹے داماد سعید صالح تھے۔ فہمیدہ نے ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ بیٹے تو باپ کی مان ہی لیتے ہیں، دامادوں کا متفق ہونا مشکل ہوتا ہے لیکن ان کے دامادوں نے ان کا مان بڑھایا تھا۔

☆☆☆

خالدہ کے لیے ایک بار پھر وہی محاذ تھا اور اب منال کی پرورش کا معاملہ درپیش تھا، وہی عارف احمد تھے وہی ان کا صبر و تحمل اور ان تھک ساتھ۔ عارف احمد نے ایک فکرمند ماں کی طرح اپنا آپ تج دیا۔ حدید اور منال بچپن ہی سے مثالی اولاد کا نمونہ تھے۔ ان کی تربیت پر سب رشک کرتے، خالدہ بیگم اکثر کہتیں۔

''عارف صاحب سے شادی نے میری زندگی کو اس قدر سہل بنا دیا کہ میں کبھی گمان بھی نہیں کرسکتی تھی۔ یہ میری ہر ذمے داری کو ایسے بانٹ لیتے ہیں کہ میرا رواں، رواں شکر گزار ہو جاتا ہے۔ ایک طرف یہ خوشی کہ اللہ نے مجھے کسی نیکی کے صلے میں ایسا انمول ساتھی عطا کیا تو دوسری طرف یہ دعاؤں پر جاری رہتی ہے کہ خدا میری منال کو بھی ایسا ہی ہم سفر عطا کرے۔''

دوسری طرف ابا اٹھتے بیٹھتے ایک ہی بات کرتے۔

''جس طرح سنت کے مطابق عارف نے شادی کی رسومات پوری کیں اور بیوی کے حقوق کا خیال رکھا، زندگی کی ایسی حسین اور مسنون شروعات کا ثمر ایسی ہی اولاد کی صورت ملنا تھا۔''

ان کی بات کی صداقت میں کوئی شک نہ تھا۔ اللہ کو ناراض کرکے کی جانے والی شادیوں کا انجام ہمیشہ بے سکونی کی شکل میں ہی ہوتا ہے۔ پھر اللہ کی رضا کو



Digitized by Google

مقدم رکھ کر کی جانے والی شادی اور اس کے بعد بھی سنت کے مطابق اٹھایا جانے والا ہر قدم ان دونوں کے لیے سودمند کیوں نہ ثابت ہوتا۔

☆☆☆

بچے بڑے ہونے لگے تو وہ بچوں کو زیادہ سے زیادہ وقت دینے کی کوشش کرنے لگے۔ اسکول میں داخلے کا مرحلہ آیا تو اپنی حیثیت کے مطابق اچھا اسکول تلاش کر کے داخلہ کروانے میں بھی ان کی جیب پر خاصا بار پڑا۔ تب انہیں اندازہ ہوا کہ اب زندگی مزید مشکل مراحل میں داخل ہوا چاہتی ہے۔ پہلے اخراجات محدود تھے، اسکول کا آغاز ہوتے ہی اخراجات کی فہرست طویل ہونے لگی۔ انہی دنوں سب سے بڑے بھائی آصف احمد نے علیحدہ رہائش اختیار کرلی کیونکہ ان کے لیے بڑے ہوتے بچوں کے ساتھ اسی گھر میں گنجائش بنانا محال ہوگیا تھا۔ ان کا الگ ہونا ناگزیر تھا۔ لیکن اکٹھے اتنے برس اس قدر محبتوں میں گزار کر الگ ہوجانے کا تصور سوہانِ روح تھا۔ اسی لیے اسی محلے میں گھر ڈھونڈا گیا لیکن پھر بھی گھر سے جاتے وقت سب لوگ ایک دوسرے سے مل کر زار زار روئے۔ ایک دنیا نے یہ منظر اور محبتوں کا یہ عالم رشک بھری نظروں سے دیکھا۔ گھر علیحدہ ہوئے تو اخراجات بھی جدا ہوگئے۔ ابا ریٹائر ہوچکے تھے، اب گھر صرف واصف اور عارف احمد کی آمدن سے چلنا تھا جو کہ بہت کٹھن دکھائی دے رہا تھا۔ اماں نے بجٹ میں ردوبدل کیا اور ایک بار پھر گزر بسر ہونے لگی لیکن اس بار قدرے ہاتھ کھینچ کر۔

عارف احمد کا دن معمول تھا۔ دونوں بچوں کو اسکول کا کام کروانا، اُن کے مسائل سننا اور پھر انہیں حل کرنا، شام کو قریبی پارک میں چہل قدمی کے لیے جانا، رات کو کوئی اسلامی و اصلاحی کہانی سنانا، یوں لگتا جیسے وہ بچوں کے باپ نہیں ماں ہوں۔ خالدہ پر بچوں کے حوالے سے تو کوئی بار تھا ہی نہیں۔ وہ دونوں کس مضمون میں اچھے ہیں کس میں کمزور، انہیں کون سا مضمون پسند ہے کون سا ناپسند، اسکول میں کیا مسائل ہیں کیا شکایات، خالدہ کو کچھ پتا نہ ہوتا۔ جب ٹیچر سے میٹنگ ہوتی تو اس رات عارف احمد انہیں سب کچھ تفصیل سے بتاتے تاکہ وہ ٹیچر سے بات کرسکیں۔

☆☆☆

اس روز عارف احمد صحن میں کرسیاں میز رکھے بچوں کی کتابوں کاپیوں کا جائزہ لینے اور کام کروانے میں مصروف تھے۔ ابا بھی وہیں ایک کرسی پر براجمان صبح کے اخبار کا بقیہ ادھورا حصہ پڑھ رہے تھے۔ ابا نے کئی بار نظر اٹھا کر دیکھا مگر عارف احمد کی محویت اور بچوں پر توجہ ہٹی نہیں۔ تب انہوں نے اخبار رکھ کر چشمہ اتارا اور بولے۔

''میاں، اب تم دوستوں سے نہیں ملتے، کچھ وقت دوستوں کو بھی دینا چاہیے، اپنے آپ کو بھی دینا چاہیے، ہر وقت گھر اور بچوں میں ہی گھسے رہتے ہو، ان کی ماں ہے ناں ان کی دیکھ بھال کرنے کو، کچھ وقت تفریح بھی کیا کرو۔''

''ابا تفریح اور اپنی ذات کے لیے وقت نکالنے کا حق تو خالدہ کو بھی اتنا ہی ہے جتنا مجھے۔ مگر وہ گھر اور بچوں میں مصروف رہتی ہے کیونکہ وہ عورت ہے وہ کہیں باہر بھی جائے گی تو بچوں کو ساتھ لے کر جائے گی۔ بحیثیت عورت اس کی تو کوئی ذاتی زندگی ہی نہ ہوئی۔ ہم نے عورت کے لیے شادی کو اس قدر مشکل امتحان کیوں بنا دیا ہے، ایک قید خانہ، جس میں آجانے کے بعد وہ باہر نکلے گی بھی تو زنجیروں کے ہمراہ۔ حدید اور منال میری اولاد زیادہ ہیں، خالدہ سے زیادہ ان کی ذمے داری اللہ نے مجھ پر عائد کی ہے ابا اور میں اتنی بھاری ذمے داری اس اکیلی کمزور عورت پر لاد کر نہیں نکل سکتا۔ جب سے حدید اور منال پیدا ہوئے ہیں، میرے اندر کا لاابالی پن جڑ سے ختم ہوگیا ہے۔ میں ہمہ وقت کوتاہی کے خوف میں مبتلا رہتا ہوں، اس بیوی کے ساتھ، ساتھ مجھے اس اولاد کا بھی جواب دینا ہے اپنے رب کو..... کیونکہ یہ تینوں میری رعیت میں ہیں۔



Digitized by Google

بس اس لیے میں نے بچوں کو مکمل اپنی ذمے داری مان لیا ہے۔ ان کی تربیت میں کوئی بھی کوتاہی ہوئی تو اس کی قصوروار اکیلی خالدہ نہیں ہوگی، سب سے پہلے میں ہوں گا۔'' انہوں نے بے حد ادب سے جواب دیا۔

ابا انہیں دیکھتے رہ گئے تھے۔ کئی لمحے اسی طرح گزرے پھر وہ عالم حیرت میں بولے۔

''تم بچوں کی تربیت اکیلے تمہاری ماں نے کی اور لازمی بات ہے اس نے سب کی یکساں تربیت کی پھر تم اور تمہاری سوچ باقی سب سے اتنی الگ کیسے ہے بیٹا عارف؟''

''ابا، اگر آپ نے براہ راست ہمیں وقت نہیں دیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ہماری تربیت میں حصے دار ہی نہیں بنے اور ہم نے آپ سے بالکل کچھ سیکھا ہی نہیں..... ایسا نہیں ہے۔ قرآن وسنت سے متعلق کئی کتب آپ کی الماری میں رکھی ہیں جو میں نے آپ کو اکثر پڑھتے دیکھا اور آپ کی کتابوں سے محبت میرے اندر بھی سرایت کر گئی۔ بس وہی کتابیں پڑھ کر، اور کچھ مفتی صاحب کے بیانات سن کر میرے خیالات میں انقلاب آیا۔''

ابا کے چہرے پر ناقابل فہم تاثرات سج گئے۔

''کیا ہوا ابا؟'' جب وہ جواب میں کچھ نہ بولے تو انہیں کسی سوچ میں ڈوبا دیکھ کر عارف احمد نے پکارا۔

''کچھ نہیں، میں بس ایک بات سوچ رہا تھا۔'' وہ چونکے۔

''کیا بات ابا، کہیے۔''

وہ چند لمحے گہری نظروں سے ان کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔

''میری منتخب کردہ کتابیں پڑھ کر تمہاری سوچ میں انقلاب آیا تو وہی کتابیں پڑھ کر کبھی میری سوچ کیوں نہ بدلی۔ میں نے کیوں نہ ہمت کی عارف احمد؟ مجھے بس یہی بات چبھ رہی ہے۔''

''شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہمارے معاشرے میں کتابیں محض وقت گزاری کے لیے یا مشغلے کے طور پر پڑھنے کی سوچ ذہن پر حاوی ہے، ہمیں لگتا ہے کہ تبدیلی کی باتیں محض کتابی باتیں ہوتی ہیں، ہمیں لگتا ہے کہ جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے وہ حقیقت میں کبھی ہو ہی نہیں سکتا یا شاید یہ کہ جو کام کبھی ہو نہیں سکتا اسے کتابوں میں لکھ کر دل خوش کر لیا جاتا ہے۔ رہ گئیں قرآن وسنت کی باتیں تو ان کے لیے ہماری سوچ یہ بن گئی ہے کہ یہ بس انبیاء اور صحابہؓ کے کرنے کے کام تھے جو اسی دور میں ہو سکتے تھے، اب نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم نے ان پر عمل کر لیا تو لوگ کیا کہیں گے، ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے۔''

ابا بے حد غور سے ان کی بات سن رہے تھے۔

''تو تم نے پھر کیسے عمل کر لیا، کیا تم نے یہ سب نہیں سوچا؟ کہیں ان سوچوں نے تنگ نہیں کیا کہ لوگ کیا کہیں گے؟''

عارف احمد کے تو وہ بے تابی سے بولے۔

''نہیں ابا۔'' وہ سر جھکا کر مسکرا دیے۔

''میں جاننا چاہتا ہوں، کیوں اور کیسے؟'' ابا بدستور انہیں دیکھے جا رہے تھے۔

''کیونکہ میں لوگوں کو نہیں اپنے اللہ کو جواب دہ ہوں ابا۔'' عارف احمد نے سر اٹھایا اور اعتماد سے بولے۔ ''اس لیے میں اپنے دل میں لوگوں کا نہیں، اللہ کا ڈر رکھتا ہوں۔''

وہ گنگ رہ گئے۔ یکا یک ان کا دل فخر وانبساط سے لبریز ہو گیا۔ وہ اٹھے اور دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر عارف احمد کو کھڑا کیا اور گلے لگا کر زور سے بھینچ لیا۔

''مجھے تم پر فخر ہے میرے بیٹے۔''

''آپ یہ مت سوچیں کہ آپ نے عمل کیوں نہیں کیا، آپ اب عمل کر لیں، میرا ساتھ دے کر۔ ویسے بھی، عمل میں کروں یا آپ، کچھ خاص فرق نہیں، کیونکہ میں آپ کا صدقۂ جاریہ ہوں۔'' وہ ابا سے الگ ہوئے اور بولے۔

ابا کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

(دوسرا اور آخری حصہ اگلے ماہ)



Digitized by Google

# پردہ پوشی......صفت الٰہی

تمام تر حمد وثنا اور تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جو ہمارا مالک اور خالق ہے......اس عظیم رب نے انسان کو اپنے دستِ قدرت سے تخلیق کیا۔

اللہ معبود ہے وہ اپنے دوستوں کو توفیقِ بندگی دے دیتا ہے، اللہ رحمان ہے، وہ اپنے بندوں پر رحمت کی بارش کرتا ہے، وہ رحیم ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رحم بھی فرماتا ہے۔ اللہ ودود ہے کہ وہ لوگوں کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ اللہ غفور ہے جس نے اس سے مغفرت چاہی اس نے اس کے گناہ معاف کر دیے۔ اللہ ہادی ہے، غنی ہے، کفیل ہے، قدوس ہے اور اللہ ستار ہے، وہ اپنے بندوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔

درود وسلام ہو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر......ان کی آل پر ان کے اصحاب پر۔

ہمارا آج کا موضوع ''پردہ پوشی'' ہے۔ اللہ تعالیٰ ستارِ عیوب ہے۔ یعنی وہ اپنے بندوں کے تمام عیب ڈھانپ لیتا ہے۔ ان کا پردہ رکھتا ہے، اس لیے وہ مخلوق سے بھی یہی چاہتا ہے کہ اگر کوئی کسی شخص میں کم عقلی والا فعل دیکھے تو اس پر پردہ ڈال دے اور اللہ کے حضور اس کی اصلاح کی دعا کرے، اس طرح معاشرے میں محبت اور الفت کو فروغ ملے گا۔ اس کے برعکس اگر کوئی دوسرے کے عیب نہ چھپائے گا تو کل کو وہ بھی اس کے عیب تلاش کر کے اس کی تشہیر کرے گا، جس سے ... بے سکونی اور بدامنی پیدا ہوگی جو اسلامی معاشرے کو تباہ و برباد کردے گی اس لیے پردہ پوشی کی عادت کو اپنانا چاہیے۔ پردہ پوشی کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''میری تمام امت عافیت سے رہے گی سوائے اعلانیہ گناہ کرنے والوں کے اور یہ کہ آدمی رات کو ایک کام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا ہے لیکن صبح کے وقت وہ کہے کہ اے فلاں رات میں نے فلاں کام کیا حالانکہ رات کو اس کے رب نے پردہ ڈالے رکھا لیکن صبح کو اس نے اپنے رب کا پردہ خود ہٹایا۔''

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''جس نے کسی کا پوشیدہ عیب دیکھ کر چھپایا، یہ ایسا ہے کہ گویا اس نے زندہ درگور لڑکی کو زندہ کیا۔'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور جو کوئی کسی مسلمان کی تکلیف دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیفوں میں سے اس کی ایک تکلیف دور فرمائے گا اور جو کوئی مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کرے گا۔'' حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو بندہ دنیا میں کسی کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ''ان کے پاس ایک آدمی لایا گیا۔ اس کے بارے میں بتایا



Digitized by Google

گیا کہ یہ فلاں شخص ہے جس کی داڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں..... آپ نے فرمایا۔ ہم کو تجسس سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ اگر کوئی بات ہمارے سامنے ظاہر ہو جائے تو ہم گرفت کریں گے۔" تو پردہ پوشی بہت اچھا وصف ہے۔

سورۂ تحریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات کہی تو اس نے دوسری کو بتادی۔ اس بات کے ظاہر ہونے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بھی آگاہ کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ بات جتادی اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی تو جب نبیؐ نے اسے خبر دی تو پوچھنے لگیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس نے بتلایا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... "مجھے علم رکھنے والے باخبر (اللہ) نے بتایا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے راز داری کا حکم اخذ ہوتا ہے یعنی اگر کسی کو کوئی راز کی بات بتائی جائے تو اسے راز سمجھ کر دوسروں کو نہیں بتانا چاہیے۔ یہ راز بھی دراصل پردہ پوشی ہی کی ایک صورت ہے۔

راز داری اور پردہ پوشی میں تھوڑا سا فرق ہے..... راز داری میں کسی بات پر پردہ رکھنے کے لیے خود راز کی تلقین کرنے والا تقاضا کرتا ہے جبکہ پردہ پوشی میں انسان بذاتِ خود کسی کے عیب پر پردہ ڈال دیتا ہے مگر مقصد دونوں کا کسی نہ کسی صورت میں بات کو افشا نہ کرنے کا ہوتا ہے۔

درحقیقت پردہ پوشی بہت بڑی عبادت ہے، اللہ کے خاص بندوں کو چھوڑ کر عیب کس میں نہیں ہے..... بے عیب ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس لیے اگر کسی مسلمان بھائی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اخوتِ ایمانی کا تقاضا ہے کہ اسے لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لیے اس کا عیب جگہ جگہ نہ بیان کیا جائے بلکہ اس کے عیب پر پردہ ڈال دیا جائے، اس کا بھرم رکھ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے عیوب اور گناہوں پر قیامت کے دن پردہ ڈال دے گا۔

☆☆☆

حضرت ابوالہیثمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے عرض کیا کہ "ہمارے چند پڑوسی ہیں جو شراب نوشی کرتے ہیں اور میں ان کے لیے سپاہیوں کو بلانے والا ہوں تاکہ وہ انہیں گرفتار کریں۔ عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا..... ایسا نہ کرو اور انہیں نصیحت کرو اور ڈراؤ..... وہ بولے۔ میں نے انہیں منع کیا لیکن وہ رکے نہیں اور میں ضرور ان کے لیے سپاہیوں کو بلاؤں گا تاکہ ان کو گرفتار کریں۔ حضرت عقبہؓ نے فرمایا..... تیری خرابی ہو ایسا نہ کر..... پس بے شک میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے پردہ پوشی کی گویا کہ اس نے زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو زندہ کیا ہے۔"

ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "مدینے میں مجھے ایک خاتون ملیں تو میں ان کے انتہائی قریب گیا اور صرف اس کو چھونے کا عمل کیا ہے، اب آپ میرے بارے میں حکم فرمائیں..... یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا..... جو اس بزم میں بیٹھے تھے کہ اگر تو اپنی پردہ پوشی کرتا تو بہتر تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی پردہ پوشی فرمائی ہے۔ لیکن اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا..... تو یہ شخص اٹھا اور چل دیا..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو بھیج کر انہیں بلوایا اور ان کے سامنے آیت تلاوت فرمائی..... "دن کی ابتدا اور انتہا پر اور رات کے تھوڑے حصے میں نماز قائم کرو، بے شک نیکیاں، برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اور یہ ہدایت و نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔" حاضرین میں سے کسی صاحب نے دریافت کیا..... یا نبیؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حکم صرف ان ہی کے لیے ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... "یہ حکم عمومی اور سب کے لیے ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے دریافت کیا کہ "اگر تمہارا کوئی ساتھی سوتا ہو اور ہوا نے اس کے کپڑے کھول دیے ہوں (اس کا ستر کھل جائے) تو تم



Digitized by Google

کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اس کو چھپاتے ہیں اور ڈھک دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا..... ایسا نہیں ہے بلکہ تم اس کا عیب ظاہر کر دیتے ہو۔ حواریوں نے کہا۔ سبحان اللہ ایسا کب ہوتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ اس طرح کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے بارے میں اس کی کوئی نامناسب بات سنتا ہے تو وہ اسے خوب بڑھا چڑھا کر لوگوں میں پھیلاتا اور اس کی تشہیر کرتا ہے۔"

☆☆☆

صوفیا حضرت کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں اور ہم جلسیوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔

حضرت حاتم اصمؒ کا واقعہ ہے کہ "ایک بار ایک عورت آپ کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آئی تو اتفاق سے اس کی ریح خارج ہوگئی جس پر وہ بے حد زیادہ نادم ہوئی۔ لیکن آپ نے بالکل انجان بن کر کہا۔ "بی بی زور سے اپنی بات کہو میں بہرہ ہوں....." آپ کی بات سن کر وہ عورت سنبھل گئی کہ حضرت نے یہ محسوس نہیں کیا..... اس لیے عورت نے بلند آواز میں اپنا مسئلہ بیان کیا آپؒ نے جواب دے دیا۔ مگر درحقیقت آپؒ بہرے نہیں تھے بلکہ اس عورت کی شرمندگی دور کرنے کے لیے جان بوجھ کر بہرے بن گئے تھے اور جب تک وہ عورت زندہ رہی آپ مسلسل بہرے بنے رہے اور یہ محض اس عورت کا پردہ رکھنے کے لیے تھا تو اسی مناسبت سے آپ کو اصم کہا جاتا ہے۔

حضرت صالح بن کرزؒ سے روایت ہے کہ "یہ اپنی ایک ایسی جاریہ (کنیز) جس سے زنا کا گناہ سرزد ہو گیا تھا وہ حکم بن ایوبؒ کے پاس لائے۔ تب ہی اچانک وہاں حضرت انس بن مالکؓ تشریف لائے اور بیٹھ گئے انہوں نے دریافت کیا کہ یہ جاریہ (کنیز) تمہارے پاس کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا یہ میری کنیز ہے اور گناہ میں مبتلا ہوگئی ہے میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس کا معاملہ امام کے سامنے پیش کروں تاکہ وہ اس پر حد قائم کرے۔ حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا ایسا نہ کر اپنی اس جاریہ (کنیز) کو واپس لے جاؤ اور اللہ سے ڈرو اور اس کی پردہ پوشی کر..... میں نے کہا کہ میں ایسا کرنے والا نہیں۔ حضرت انسؓ نے فرمایا..... تو اپنے ارادے سے باز آجا اور میری بات مان لے۔ حضرت انسؓ بار، بار مجھ سے یہی کہتے رہے..... یہاں تک کہ پھر میں اس کنیز کو واپس لے گیا تاکہ اس کی پردہ پوشی ہو جائے۔"

سلطان محمود غزنوی کے وزیر حسن میمندی سے ایک دفعہ سلطان کے چند درباریوں نے پوچھا۔ "آج سلطان نے فلاں معاملے میں آپ سے کیا باتیں کیں.....؟ حسن میمندی نے کہا کہ سلطان کی رائے آپ سے بھی پوشیدہ نہ ہوگی۔ انہوں نے کہا..... کہ ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے کیونکہ سلطان آپ سے جو باتیں کرتا ہے وہ ہمارے ساتھ کرنا پسند نہیں کرتے..... تب حسن میمندی نے کہا۔ سلطان تنہائی میں جو باتیں میرے ساتھ کرتے ہیں وہ اسی اعتماد پر کرتے ہیں کہ میں کسی سے نہیں کہوں گا تو پھر آپ لوگ کیوں پوچھتے ہیں؟" حسن کے جواب پر وہ خاموش ہو گئے..... یقیناً یہ باتوں کا پردہ رہنے کا معاملہ تھا۔

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ فرمایا کرتے تھے۔ "حق تعالیٰ اپنے بندوں کے جو بھی گناہ دیکھتے ہیں اس سے درگزر فرماتے ہیں لیکن اگر بندہ اپنے جیسے کسی بندے میں کوئی عیب و گناہ دیکھتا ہے تو وہ اسی وقت اسے اس کی پاداش میں ذلیل و خوار کرتا ہے۔ لیکن حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں اس لیے بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی پردہ پوشی کریں تاکہ ان کی اپنی پردہ پوشی کی جائے۔"

☆☆☆

مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ "آدمی اپنا راز خود ہی چھپا سکتا ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص بھی کہ جسے اس کی اپنی برائی..... دوسرے لوگوں کی عیب جوئی سے محفوظ رکھے۔



Digitized by Google

سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ کسی کی وہ برائی بیان کرو جو خود تم میں بھی موجود ہو۔

انسان زبان کے پردے میں چھپا ہوا ہے۔

لوگوں کے عیوب کی تلاش میں رہنا بجائے خود عیب کی بات ہے۔ اگر تو اپنے عیبوں پر نظر کرے تو لوگوں کے عیب ٹٹولنے سے محفوظ رہے گا۔

نیک انسان کا زیادہ فضیلت والا وہ عمل ہے کہ اگر وہ کسی کی کوئی چیز (عیب) جانتا ہے تو اس سے چشم پوشی کرتا ہے۔

لوگوں کے عیبوں سے چشم پوشی کرنے والوں کے اپنے عیب بھی چھپے رہتے ہیں اور جو لوگوں کے عیبوں کی تلاش میں رہتا ہے اس کے اپنے عیب بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ درزیؒ ایک بزرگ تھے۔ "ایک کافر ان سے کپڑے سلواتا اور ہر بار ان کو کھوٹے سکے دے جاتا..... آپؒ وہ لے لیتے اور اس کو ضائع کر دیتے..... ایک روز آپؒ دکان پر نہ تھے..... وہ کافر آیا اور حسب معمول کھوٹا سکہ سلائی میں دینے لگا۔ شاگرد نے وہ واپس کر دیا۔ جب حضرت عبداللہؒ دکان پر آئے تو شاگرد نے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا، وہ کافر برسوں سے میرے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے لیکن میں نے کبھی اس پر (یعنی اس کا عیب) ظاہر نہیں کیا۔ اس خیال سے کھوٹے سکے لے لیتا ہوں کہ یہ ان سے کسی اور مسلمان کو دھوکا نہ دے۔"

ایک دن حضرت ابو ذر غفاریؓ کسی سے لڑ پڑے اور اسے ابن الحمرا (لونڈی بچہ) کہا۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو ذرؓ! آج تم نے کسی کا عیب بیان کیا اس کی ماں کے سبب سے خوب سمجھ لو کہ تم کسی سیاہ اور سرخ سے افضل نہیں..... مگر یہ کہ تقویٰ میں اس سے زیادہ ہو....."

حضرت ابو ذر غفاریؓ نے اس شخص سے معافی مانگ لی۔

☆☆☆

ایک جوان بعض واعظین اور علما کی مجالس میں شرکت کرتا تھا جب واعظ "یا ستار" کہتے تو وہ جوان ایک وجدانی کیفیت میں لہرانے لگتا اور ایک شاخ کے مانند حرکت کرتا تھا۔

آخر اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میں ہر شادی اور ولیمے کی تقریب میں جہاں عورتیں ہوتی تھیں وہاں عورتوں کا لباس پہن کر جایا کرتا تھا..... ایک بار ایک بادشاہ کی بیٹی کی شادی میں، میں اسی طرح موجود تھا کہ وہاں بادشاہ کی بیٹی کا ہار چوری ہو گیا، اسی وقت آواز دی گئی کہ دروازے بند کر دو اور تمام عورتوں کی تلاشی لو اور پھر ایک، ایک کر کے سب کی تلاشی لی گئی یہاں تک کہ میں اور ایک عورت رہ گئے..... میں نے بہت خلوص نیت اور توبہ کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا کی..... کہ اے میرے اللہ میرا پردہ رکھ لے آئندہ پھر کبھی یہ حرکت نہیں کروں گا..... تب ہی وہ ہار میرے ساتھ والی عورت کے پاس سے نکلا..... تو پھر لوگوں نے کہا کہ اس دوسری عورت (یعنی مجھ کو) چھوڑ دو۔ چنانچہ مجھے چھوڑ دیا گیا۔ اور میرے رب نے میرا پردہ رکھ لیا۔ میری حالت ان لوگوں سے پوشیدہ رہی۔ بس اس دن سے جب ستار کا نام آتا ہے تو اپنا عیب اور اس رب کا پردہ پوشی کرنا یاد آجاتا ہے اور پھر ایک وجد مجھ پر طاری ہو جاتا ہے..... سبحان اللہ..... تو پردہ پوشی وصف الٰہی ہے..... ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے لوگوں کے عیب ڈھانپ لیں ان کی تشہیر نہ کریں، اللہ پاک ہمیشہ ایک دوسرے کے عیبوں کی پردہ پوشی کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین.....

☆☆☆

## حرفِ آخر:

اپنے بے حد عظیم رب کی بارگاہ میں نادم دل کے ساتھ دعا گو ہوں کہ اس مضمون میں مجھ سے کوئی غلطی، کوئی کوتاہی، کوئی کمی ہو گئی ہو تو میرا مہربان رب مجھے معاف فرما دے کہ وہ اپنے بندوں کی خطاؤں کو معاف کرنا پسند کرتا ہے اور اس مضمون کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے، آمین۔ اور ان تمام بزرگان دین اور قابل احترام ہستیوں کے حق میں دعا گو ہوں کہ جن کی کتب سے استفادہ کیا گیا۔


Digitized by Google

# پاکیزہ کے مہمان

شائستہ زریں

## باصلاحیت اور خوبرو ٹی وی آرٹسٹ

## وہاج علی

## کے ہمراہ بنے پاکیزہ کے مہمان

وہاج علی پاکستانی ڈراما صنعت کے معروف فنکار ہیں۔آپ نے بطور ماڈل مختلف فیشن ڈیزائنرز کے ساتھ کام کیا ہے۔وہاج نے اداکاری کا آغاز معاون اداکار کے طور پر کیا لیکن بہت جلد اپنی خداداد فنکارانہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر خود کو منوالیا اور مرکزی کرداروں میں زیادہ نظر آنے لگے۔یوں تو وہاج کا شمار ورسٹائل فنکاروں میں ہوتا ہے لیکن ناظرین کی کثیر تعداد انہیں ...رومانوی کرداروں میں



Digitized by Google

پسند کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہاج اپنی بے ساختہ رومانوی اداکاری کی بنا پر رومانوی ہیرو کے طور پر ناظرین میں بالخصوص نئی نسل میں بے حد مقبول ہیں۔ آپ کے مشہور ڈراموں میں سے چند ایک عشق عبادت، دلنواز، ہری ہری چوڑیاں، تم میرے ہو، میرا درد نہ جانے کوئی، ماہِ تمام اور حیوان ہیں۔ اپنے فنی سفر کے آغاز ہی میں وہاج بہترین میل سوپ ایکٹر کے طور پر نامزد ہوئے۔ آپ نے بی بی اے کے بعد NCA سے فلم میکنگ کا امتحان پاس کیا اور فلم میکنگ میں ایم فل ہیں۔ آپ ابتدا میں جیو ٹی وی سے بحیثیت پروڈیوسر وابستہ ہوئے۔ ایک اتفاقی ملاقات میں ثنا فاروق آپ کو پہلی نظر ہی میں بھا گئیں۔ جلد ہی آپ نے ثنا کو اپنی شریکِ حیات بنالیا۔ ثنا فاروق نے ''جینڈر اسٹڈیز'' میں ایم فل کیا ہے۔ ثنا نہایت سمجھدار اور بے حد محبت کرنے والی ہم سفر اور ایک ذمے دار ماں ہیں۔ مزید جاننے کے لیے ملاقات کرتے ہیں وہاج علی اور ثنا فاروق سے۔

وہاج علی

پاکیزہ ❖..... ''پوت کے پاؤں پالنے میں دیکھے جاتے ہیں''۔ یہ مثل آپ پر کتنے فیصد صادق آتی ہے؟

وہاج علی ❖..... سو فیصد یہ مثال مجھ پر لاگو ہوتی ہے کہ بچپن ہی سے ایکٹنگ اور دوسری سرگرمیوں کا سلسلہ جاری ہے۔

پاکیزہ ❖..... گویا اداکاری کے جراثیم بچپن ہی سے تھے؟ کس نے آپ کی صلاحیتوں کو اعتماد دیا؟

وہاج علی ❖..... بالکل اداکاری کے جراثیم شروع ہی سے تھے۔ جب بزنس اسکول سے BBA کر رہا تھا تو وہاں ہمارے استاد یعقوب ترین صاحب بچوں کو پرفارمنگ آرٹ کے لیے تربیت دیتے تھے۔ ان سے بہت کچھ سیکھا اور اس کا کریڈٹ میں ان ہی کو دیتا ہوں۔

پاکیزہ ❖..... فن کی دنیا سے کیسے متعارف ہوئے؟

وہاج علی ❖..... ایک موقع ملا تھا۔ ہم ٹی وی کا ایک ڈراما ''عشق کے بادل'' کے آڈیشن چل رہے تھے۔ میں نے بھی آڈیشن دے دیا۔ توقع نہیں تھی کہ انتخاب ہو جائے گا۔ لیکن میں منتخب ہو گیا۔ مجھے بہت اچھا لگا کام کر کے لیکن میں نے گھر والوں کو نہیں بتایا تھا۔

پاکیزہ ❖..... گھر میں کیوں نہیں بتایا تھا؟ اچھا پھر معلوم ہونے پر والدین کا کیا ردِعمل تھا؟

وہاج علی ❖..... مجھے لگ رہا تھا وہ خاص خوش نہیں ہوں گے سن کر۔ ڈراما آن ائر جانے سے دو چار دن پہلے ہی گھر پر بتایا تھا۔ لیکن خلافِ توقع سخت ردِعمل سامنے نہیں آیا۔

پاکیزہ ❖..... کس موضوع پر ڈراما وقت کی اہم ضرورت ہے؟

وہاج علی ❖..... آج کل بننے والے ڈراموں میں خواتین کو زیادہ فوکس کیا جا رہا ہے۔ لیکن صرف ان کو جو کہ صرف رو رہی ہیں۔ عورت رونے کے علاوہ بھی اور بہت کچھ کر سکتی ہے۔ ایک رول ماڈل بن کر خواتین کو موٹیویٹ بھی کر سکتی ہے۔ با اختیار اور کامیاب خواتین کی کاوشوں پر ڈراما بنایا جا سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ڈراما بنانے والے سے زیادہ عوام کا قصور ہے جو ایسے ڈراموں کو بے حد پسند کرتے ہیں۔ جب عوام کی جانب سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی تو ایسے ڈرامے نہیں بنیں گے۔ کئی سماجی موضوعات ہیں جن پر ڈرامے بن سکتے ہیں۔ ایسے ڈرامے سامنے آئیں جو ہمیں کامیاب زندگی کی سمت لے کر جائیں۔ جنہیں دیکھ کر ناظرین کو زندگی کی بہتری کے گر پتا چلیں نہ کہ زندگی کی ناکامی کی تصویر کشی کی جائے۔ وہ موضوعات جن سے ہم کوئی سبق حاصل کریں۔

پاکیزہ ❖..... فن اداکاری میں کامیابی کیسے ممکن ہے؟

وہاج علی ❖..... یہ تو کوئی کامیاب انسان ہی بتا سکتا ہے۔ میں تو ابھی طفلِ مکتب ہوں۔ اپنے تجربے کی روشنی میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک نہایت مشکل کام



Digitized by Google

ہے جتنا آپ کو سمجھ میں آتا ہے اتنا ہی مشکل لگتا ہے۔ ہر سین ایک امتحانی پرچے کی طرح ہوتا ہے۔ روز ہی کچھ نہ کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

پاکیزہ ✧......اب تک کیے جانے والے ڈراموں میں سے آپ کو اپنا کون سا کردار پسند آیا؟

دہاج علی ✧......ایک ڈراما ''دلنواز'' میں، میں نے جو فواد کا کردار کیا تھا وہ۔ اور اب عوام کی جانب سے ماہِ تمام میں میرے کام کو بہت زیادہ سراہا گیا۔

پاکیزہ ✧......آپ کے خیال میں حسنِ صورت کی بنیاد پر اداکاری کے شعبے میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے؟

دہاج علی ✧......معمولی شکل کا نظر آنے کے باوجود اگر آپ اپنے کردار کو سمجھ کر اس کے مطابق پرفارم کر رہے ہیں تو یہ آپ کی بہت بڑی کامیابی ہے ورنہ اچھے نظر آئیں اور اچھا پرفارم نہ کریں تو پھر کیا فائدہ اچھا نظر آنے کا۔ اداکاری میں صورت کی حیثیت میرے نزدیک ثانوی ہے۔ آپ کی اداکاری زور آور ہونی چاہیے۔

پاکیزہ ✧......آپ کے ڈراموں کے بارے میں رائے دیتے ہوئے ثنا بے لاگ تبصرہ کرتی ہیں یا جانبداری برتتی ہیں؟

دہاج علی ✧......بے لاگ تبصرہ، میری غلطیوں کی نشاندہی کرتی ہے، میرا حوصلہ بڑھاتی ہے۔ اور میری اس کامیابی میں ثنا کی مسلسل حوصلہ افزائی بہت اہم ہے۔ جہاں ہمت ہارنے لگوں وہاں میری کاؤنسلنگ کر کے مجھے ڈپریشن سے نکالتی ہے۔ (گویا ثنا شریکِ حیات ہونے کا حق ادا کرتی ہے۔ بہت خوب)

اور اب فنی زندگی سے سوالات کا رخ موڑتے ہیں آپ کی نجی زندگی کی جانب

پاکیزہ ✧......بچپن کیسا گزرا؟

دہاج علی ✧......ہر فکر سے آزاد، بے حد خوش، درختوں پر چڑھتے، باغوں میں گھومتے پھرتے میرے والدین سرکاری افسر تھے میری زیادہ تر پرورش میری نانو نے کی۔ میں نانو کے گھر میں رہتا تھا۔ بہت کھلنڈرا تھا، پڑھائی میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ فیل کبھی نہیں ہوا لیکن نمبر کم آنے پر اماں سے بہت مار پڑتی تھی۔ مار پڑنے پر میں بھاگ جاتا، بیڈ کے نیچے چھپ جاتا تھا۔ وہ پڑھائی کے معاملے میں ذرا سی کمی، کوئی غلطی بھی برداشت نہیں کرتی تھیں۔

پاکیزہ ✧......یہ سلسلہ کب تک جاری رہا؟

دہاج علی ✧......وقت کے ساتھ، ساتھ اماں کو خود ہی سمجھ آگئی کہ اس کا رجحان پینٹنگ کی طرف ہے، شاعری کی طرف ہے، فلم میکنگ کی طرف ہے اور جب عملی طور پر میں نے اپنی پسند کی چیزیں کرنا شروع کیں تو ہر چیز بہت اچھی ہوگئی۔

پاکیزہ ✧......کبھی اکلوتی اولاد ہونے کا ناجائز



Digitized by Google

فائدہ اٹھایا؟ یا والدین کی تربیت کے اصولوں نے اس کا موقع ہی نہیں آنے دیا؟

وہاج علی ❖..... بالکل بھی لاڈلا نہیں تھا، مجھے بہت سخت والدین ملے اس لیے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ اکلوتا ہوں تو اپنی ضدیں منوالوں بڑا اپنا تلا بچہ تھا۔ اضافی فرمائشوں اور ضدوں کی اجازت ہی نہیں تھی۔

پاکیزہ ✧..... ثنا سے پہلی ملاقات کب، کہاں اور کیسے ہوئی؟

وہاج علی ❖..... میں ایک جگہ نوکری کرتا تھا، ثنا وہاں انٹرن شپ کے لیے آئی تھی۔

پاکیزہ ✧..... کیا آپ پہلی نظر کی محبت کی قائل ہیں؟

وہاج علی ❖..... بے شک میں پہلی نظر کی محبت کا قائل ہوں لیکن اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ محبت کتنی مضبوط اور لمبی مدت کی ہے۔

پاکیزہ ✧..... اس تعلق کو شرعی بندھن میں باندھنے کا خیال کب آیا؟

وہاج علی ❖..... ثنا کی فیملی بہت سخت ہے اس لیے ثنا نے آغاز ہی میں کہہ دیا تھا کہ شادی کرنی ہے تو بات آگے بڑھے گی ورنہ اللہ حافظ۔ ثنا کی بات میں اثر تھا سو مان لی گئی۔

پاکیزہ ✧..... شادی کی تقریبات کتنے دن تک رہیں؟ کس کی طرف زیادہ تلا گلا ہوا تھا؟

وہاج علی ❖..... شادی سے ایک ہفتہ پہلے ہی سے دوست آگئے تھے۔ بہت تلا گلا ہوا۔ شادی کے ایک ہفتے بعد تک دوست میرے گھر پر رہے۔

پاکیزہ ✧..... اپنی شادی کی کون سی تقریب میں سب سے زیادہ لطف آیا؟

وہاج علی ❖..... شادی کی بہترین تقریب مہندی کی تھی۔ بہت ڈانس کیے، بہت مزہ آیا۔

پاکیزہ ✧..... شادی کے موقع پر کوئی یادگار واقعہ؟

وہاج علی ❖..... برات لے جانے میں بہت دیر ہوگئی تھی۔ ثنا کو بہت انتظار کرنا پڑا۔

پاکیزہ ✧..... دونوں میں کون زیادہ رومینٹک ہے؟

وہاج علی ❖..... یقیناً میں زیادہ رومینٹک ہوں۔ ثنا بالکل بھی رومینٹک نہیں۔

پاکیزہ ✧..... آئیڈیلزم پر کس حد تک یقین ہے؟ شریکِ حیات کا صد فیصد آئیڈیل کے مطابق ہونا ضروری ہے؟

وہاج علی ❖..... ایک فیصد بھی یقین نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ زندگی آئیڈیل ہونی چاہیے۔ شریکِ حیات کے ساتھ آئیڈیل زندگی گزاری جاسکتی ہے۔

پاکیزہ ✧..... شادی کے بعد ثنا سے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا؟

وہاج علی ❖..... اپنے کپڑے استری کروائے تھے۔

پاکیزہ ✧..... شادی کے بعد ثنا نے پہلی ڈش کون سی بنائی تھی؟ کھاتے ہی آپ نے بے ساختہ پہلا فقرہ کیا کہا تھا؟

وہاج علی ❖..... ثنا نے سب سے پہلے پاستا بنایا تھا جو بہت اچھا لگا تھا۔

پاکیزہ ✧..... کھانے کے معاملے میں دونوں کی پسند یکساں ہے؟

وہاج علی ❖..... تقریباً

پاکیزہ ✧..... شوہر کے دل میں راج کرنے کے لیے فرمانبرداری ہی کافی ہے یا اور کوئی ہنر بھی اختیار کیا جاسکتا ہے؟

وہاج علی ❖..... دل میں راج کرنے کے لیے صرف محبت کافی ہے۔

پاکیزہ ✧..... میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب قائم ہوتا ہے؟

وہاج علی ❖..... میرا ماننا ہے کہ اگر اعتبار پہلے ہی قائم ہو تب ہی پسند کی شادی ممکن ہے اور یہ ہمارے رشتے میں بھی ہوا۔

پاکیزہ ✧..... شریکِ حیات کے دل میں گھر



Digitized by Google

بنانے کے تین سنہرے اصول کون سے ہیں؟

وہاج علی ❖ .....شریک حیات سے محبت کریں، اس کی خوبیوں کو بہت زیادہ سراہیں اور اس کے گھر والوں سے بہت زیادہ محبت کریں۔

پاکیزہ ❖.....مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے اس حوالے سے آپ کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

وہاج علی ❖ .....بات تو واقعی درست ہے اور بھئی میں تو بہت شریف مرد ہوں۔

پاکیزہ ❖.....آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ ثنا اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

وہاج علی ❖ .....ہمارے معاشرے میں سب سے خطرناک عورت کے آنسو ہیں کیونکہ وہ مرد کے فیصلے کو کسی طرف بھی لے جاتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ہمیں بس ذرا اس کا دھیان رکھنا چاہیے۔

پاکیزہ ❖.....آپ کی مصروفیت کب ثنا پر گراں گزرتی ہے؟

وہاج علی ❖ .....چونکہ ہمارے درمیان بہت اچھی ذہنی ہم آہنگی ہے اس لیے جب بھی ایسا مسئلہ ہوتا ہے تو ثنا سمجھتی ہے مسئلہ بناتی نہیں ہے۔

پاکیزہ ❖.....بے حد مصروفیات کی وجہ سے ہونے والی تھکن دور کرنے کے لیے ثنا تفریح کے لیے جانا پسند کرتی ہیں یا گھر پہ آرام کرنے کو ترجیح دیتی ہیں؟

وہاج علی ❖ .....ہم کوشش کرتے ہیں کہ گھر پر رہیں۔ کیونکہ اب ماشاء اللہ امیرہ ہے۔ ہمارا زیادہ وقت امیرہ کے ساتھ گزرتا ہے۔ اس کے ساتھ کھیلنے، باتیں کرنے اور اس کے ساتھ اپنا تعلق اچھا بنانے میں۔ ہم سب ساتھ ہوتے ہیں تو ان خوشگوار لمحات میں تھکاوٹ خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

پاکیزہ ❖.....وعدوں اور دعووں میں کون طاق ہے؟ اور تکمیل میں کس کا پلڑا بھاری ہے؟

وہاج علی ❖ .....وعدوں کے معاملے میں ثنا کا پلڑا بہت بھاری ہے اور میں بھی ہمیشہ وعدے وفا کرتا ہوں لیکن دیر ہو جاتی ہے۔

پاکیزہ ❖.....اس تاخیر پر ثنا کا ردِعمل کیا ہوتا ہے؟

وہاج علی ❖ .....ثنا جانتی ہے کہ بے شک میرے وعدوں کی تکمیل میں وقت کی کوئی حد نہیں ہے لیکن میں کیے وعدے وفا ضرور کرتا ہوں۔

پاکیزہ ❖.....کون زیادہ شوخ ہے؟

وہاج علی ❖ .....میں زیادہ شوخ ہوں اور ہنس مکھ بھی۔

پاکیزہ ❖.....روٹھنے میں کون زیادہ طاق ہے؟ اور منانے میں کون زیادہ مشاق؟

وہاج علی ❖ .....ثنا جلدی مجھ سے ناراض ہو جاتی ہے اور پھر میں منا بھی لیتا ہوں لیکن اگر کبھی نہ مناسکوں تو ثنا خود ہی مان بھی جاتی ہے۔

پاکیزہ ❖.....روشنی بیگم کو منانے کے لیے کبھی



Digitized by Google

قلمی مکالموں کا سہارا لیا یا اس کے بغیر ہی رام کر لیتے ہیں؟

وہاج علی ❖......ہم دونوں ہی بہت عملی اور گھریلو نقطۂ نظر رکھتے ہیں اس لیے اگر کبھی میں ایسا کروں بھی تو اس کو لگتا ہے کہ ایکٹنگ کر رہا ہوں، اس لیے کوشش کرتا ہوں کہ بہت نیچرل ہو کر اسے مناؤں۔

پاکیزہ ❖......کیا زوجین کو ایک دوسرے پر اپنی مرضی مسلط کرنی چاہیے؟ اس کا اثر ازدواجی زندگی پر کیا پڑتا ہے؟

وہاج علی ❖......ہر گز بھی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی خوشی کا احساس کرنا چاہیے' یہ زیادہ اہم ہے' اس سے ازدواجی زندگی زیادہ مضبوط اور خوشگوار ہوتی ہے۔

پاکیزہ ❖......کیا شادی کے بعد لڑکی کے نام کی تبدیلی ضروری ہے؟ پر کیوں؟

وہاج علی ❖...... میں نے ثنا کا نام تبدیل نہیں کیا۔ وہ پہلے بھی ثنا فاروق تھی اب بھی ثنا فاروق ہے۔ یہ اس کی اپنی چوائس ہے اور ایمانداری سے بتاؤں کہ اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ میری بیٹی کے نام کے ساتھ میرے نام کے علاوہ اور کسی کا نام لگے گا تو میں عجیب سا محسوس کروں گا۔

پاکیزہ ❖......کامیاب شادی کی ضمانت آپ کی نظر میں؟

وہاج علی ❖...... ایک دوسرے پر بہت زیادہ بھروسا، پیار اور احساس کیونکہ اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک چیز بھی کم ہو جائے تو مسائل جنم لیتے ہیں۔

پاکیزہ ❖......شاپنگ ہم سفر کا شوق ہے یا جنون؟

وہاج علی ❖......شوق بھی ہے جنون بھی اور مشغلہ بھی، آج کل امیرہ کے لیے شاپنگ ثنا کا مشغلہ ہے۔

پاکیزہ ❖......وہ دلچسپ مصروفیت جو آپ کے معمول کا حصہ ہے؟

وہاج علی ❖......دلچسپ مصروفیت جم ہے، وہ میں ضرور کرتا ہوں چاہے کچھ بھی ہو جائے، چاہے سفر میں ہوں۔

پاکیزہ ❖......دونوں میں سے کس کا رجحان فیشن کی طرف زیادہ ہے؟ شریکِ حیات پر کون سا فیشن اچھا لگتا ہے؟

وہاج علی ❖...... دونوں کا ہے لیکن اس معاملے میں ثنا بہت زیادہ خیال رکھتی ہے۔ میرا بھی اور اپنا بھی۔

پاکیزہ ❖......اگر مایوسی حملہ آور ہو تو کیسے اس کا مقابلہ کرتے ہیں؟

وہاج علی ❖...... ثنا سے ڈسکس کرتا ہوں۔ ہم مل کر مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ہمت ہارنے لگوں بھی تو ثنا میری ہمت ٹوٹنے نہیں دیتی۔ میرا حوصلہ بڑھا کر میری ناامیدی کو امید میں بدل دیتی ہے۔

پاکیزہ ❖......کیا زندگی ایک منصوبہ بندی کے مطابق گزارنے کے قائل ہیں؟

وہاج علی ❖...... بے شک زندگی... منصوبہ بندی کے مطابق گزارنی چاہیے لیکن اسے خود پر مسلط نہیں کرنا چاہیے۔

پاکیزہ ❖......وہ گیت جو اکثر گنگناتے ہیں؟

وہاج علی ❖...... جب کوئی بات بگڑ جائے کوئی مشکل پڑ جائے...... تم دینا ساتھ میرا او ہمنوا

پاکیزہ ❖...... کس سے زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہا جا سکتا؟

وہاج علی ❖......میں زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکتا۔

پاکیزہ ❖......کون زیادہ حاضر جواب ہے؟

وہاج علی ❖......وہ ثنا ہے۔

پاکیزہ ❖......زندگی آپ کی نظر میں؟

وہاج علی ❖......زندگی میری نظر میں انتظار اور



Digitized by Google

کوشش ہے ایک زیادہ بہتر وقت اور خوشیوں کا انتظار ہوتا ہے۔ اس کے لیے ہم کوشش کرتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے ایک نئے امتحان اور اس میں کامیابی تک۔

پاکیزہ ✧.....قدرت کی جانب سے ملنے والا سب سے بڑا انعام؟

وہاج علی ❖.....امیرہ ہی قدرت کی جانب سے ملنے والا سب سے بڑا انعام ہے ہمارے لیے۔

پاکیزہ ✧.....پسندیدہ رشتہ، شخصیت، کتاب، موسیقی، رنگ، خوشبو، موسم، ٹی وی پروگرام، فلم، تفریحی مقام، تہوار، کھیل؟

وہاج علی ❖.....پسندیدہ رشتہ بیٹی، اپنے والد کی شخصیت سے بہت متاثر تھا۔ اس کے علاوہ اشفاق احمد صاحب کہ اپنے والد سے ان کے بارے میں بہت سنا۔ کتاب الکیمسٹ، سوفٹ اور رومینٹک موسیقی، تیز موسیقی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسکائی بلو، کوئی خوشبو متاثر نہیں کرتی اور نہ ہی میں پرفیوم لور ہوں، سردیاں مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں، گرمی کا موسم پسند ہے۔ ٹی وی ڈرامے شوق سے دیکھتا ہوں۔ کافی دودھ کرن اور بیگم نوازش علی بھی شوق سے دیکھتا تھا۔ ہر وہ مقام جہاں بہت زیادہ پنیری اور درخت ہوں، ہل اسٹیشن ہوں، کئی ہیں سنجیدت کی سوئی دھاگا میری پسندیدہ فلم ہے۔ کھیل..... کرکٹ اور ٹیبل ٹینس، تہوار بقرعید۔

پاکیزہ ✧.....اپنی شریک حیات کے اعزاز میں کوئی فقرہ یا شعر؟

وہاج علی ❖.....میں ثنا سے بے حد محبت کرتا ہوں، پیار کرتا ہوں، ہم لوگ ہمیشہ ساتھ رہیں، ہمارے تعلق میں کبھی کسی بھی قسم کا کوئی مسئلہ نہ آئے کہ ثنا ساتھ ہے تو سب ساتھ ہے۔ (ان شاء اللہ)

پاکیزہ ✧.....اپنے مداحوں کے لیے آپ کا پیغام؟

وہاج علی ❖.....ہم اپنی زندگی، اپنی سوچ اور رویّوں کو لے کر بہت منفی ہو جاتے ہیں سو جتنا ہو سکے اس کو کم کریں۔ اگر آپ جانتے بھی ہیں کہ سامنے والا آپ سے جھوٹ بول رہا ہے تو اس کو نظر انداز کر دیں۔ اگر آپ خود اچھے ہیں تو آپ کے ساتھ اچھا ہی ہوگا۔

اب بات کرتے ہیں ثنا فاروق سے

پاکیزہ ✧.....آپ کا بچپن کیسا گزرا؟

ثنا فاروق ❖.....بہت اچھا۔ مشترکہ خاندانی نظام میں۔

پاکیزہ ✧.....بچپن کی کون سی خوبی ہے جو آج تک موجود ہے؟

ثنا فاروق ❖.....کتب بینی کا شوق جو آج بھی برقرار ہے۔

پاکیزہ ✧.....کب احساس ہوا کہ وہاج سے دوستی قلبی تعلق میں ڈھلتی جا رہی ہے؟

ثنا فاروق ❖.....کچھ عرصے بعد ہی احساس ہو گیا تھا کہ اب ہم صرف دوست نہیں ہیں اور ساتھ ہی شادی کا فیصلہ بھی کہ وہاج سے پہلی بات یہی کہی تھی کہ شادی بھی کریں گے۔ شادی ہوگی تو بات آگے بڑھے گی ورنہ نہیں (بہت خوب ثنا)

پاکیزہ ✧.....وہاج نے دلی مدعا بیان کیا تو آپ کا فوری تاثر اور جواب کیا تھا؟

ثنا فاروق ❖.....کوئی خاص دلی مدعا وہاج نے بیان نہیں کیا تھا، یہ میں ہی تھی جس نے دل کی بات پہلے کہی تھی۔ ہاہاہا (ہمت نسواں مدد خدا)

پاکیزہ ✧.....اپنی شادی کی کون سی تقریب میں سب سے زیادہ لطف آیا؟

ثنا فاروق ❖.....مہندی میں سب سے زیادہ مزہ آیا کیونکہ ڈانس اور بہت زیادہ ہلا گلا ہوا تھا۔

پاکیزہ ✧.....آپ کی شادی کا کوئی یادگار واقعہ؟

ثنا فاروق ❖.....وہاج کی بھی بہت لیٹ ہو گئی تھی اس وجہ سے برات کے لیے بہت انتظار کرنا پڑا تھا۔



Digitized by Google

پاکیزہ ✧..... دونوں میں کون زیادہ رومینٹک ہے؟

ثنا فاروق ✧..... میں تو بالکل بھی نہیں ہوں ہاں وہاج بہت رومینٹک ہیں۔

پاکیزہ ✧..... آئیڈیلزم پر کس حد تک یقین ہے؟ شریکِ حیات کا صد فیصد آئیڈیل کے مطابق ہونا ضروری ہے؟

ثنا فاروق ✧..... بالکل بھی نہیں مانتی کہ ہم آئیڈیالائزڈ کیے جانے والے انسان کو پرفیکٹ تصور کرتے ہیں جو کہ اصل میں نہیں ہوتا اور نہ ہی کبھی ہوسکتا ہے۔

پاکیزہ ✧..... شادی کے بعد وہاج نے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا؟

ثنا فاروق ✧..... سب ہی کام کروائے۔ سب سے پہلے چائے بنوائی تھی۔

پاکیزہ ✧..... شادی کے بعد آپ نے پہلی ڈش کون سی بنائی تھی؟ اور کھاتے ہی بے ساختہ پہلا فقرہ وہاج نے کیا کہا تھا؟

ثنا فاروق ✧..... بریانی بنائی تھی۔ وہاج تعریف کرنے کے قائل نہیں، خود پوچھا تو بتادیا، ہاں اچھی ہے۔

پاکیزہ ✧..... کھانے کے معاملے میں دونوں کی پسند یکساں ہے؟

ثنا فاروق ✧..... بالکل برعکس۔ وہاج کو دیسی کھانے پسند ہیں۔ بہت شوق سے کھاتے ہیں، میں نہیں کھاتی۔

پاکیزہ ✧..... شوہر کے دل میں راج کرنے کے لیے فرمانبرداری ہی کافی ہے یا اور کوئی ہنر بھی اختیار کیا جاسکتا ہے؟ آپ کا تجربہ کیا ہے؟

ثنا فاروق ✧..... صرف تابعداری کافی نہیں ہوتی۔ ایک دوسرے کو عزت دینا سب سے زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ عزت ہوگی تو پیار، فرمانبرداری اور باقی سب بھی خود ہی آجائے گا۔

پاکیزہ ✧..... لڑکی کا سسرال والوں کی ہر بات کی نفی اور میکے والوں کی ہر بات پر عمل کرنے کے رویے کے لیے کیا کہیں گی؟

ثنا فاروق ✧..... لڑکی کو سسرال اور میکے میں توازن رکھنا آنا چاہیے۔ رشتوں میں ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔

پاکیزہ ✧..... آپ کے مابین عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟ اور اسے کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟

ثنا فاروق ✧..... اب تو صرف امیرہ کو سنبھالنے پر اختلاف ہوتا ہے..... کہ کب سے سنبھال رہی ہوں جواب آتا ہے میں نہیں کراچی میں ہوتا ہوں جب بھی تو سنبھالتی ہو مجھ کو میں کراچی میں نہیں ہوں۔ ہاہاہا.....

پاکیزہ ✧..... ازدواجی زندگی میں کبھی ایسا پل یا دور آیا جب آپ کو کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا؟ تب آپ نے کیا حکمت عملی اختیار کی؟

ثنا فاروق ✧..... اللہ کا شکر ہے کہ ایسا وقت نہیں آیا اور اگر کبھی آیا بھی تو ان شاء اللہ ایک دوسرے کی سپورٹ سے وہ وقت بھی گزر ہی جائے گا۔

پاکیزہ ✧..... میاں، بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب قائم ہوتا ہے؟

ثنا فاروق ✧..... ایک دوسرے پر اعتبار کرنا ہی اس رشتے کی بنیاد ہے۔ اس لیے میاں، بیوی کے درمیان یہ رشتہ اول دن ہی سے قائم ہوجاتا ہے۔

پاکیزہ ✧..... شریکِ حیات کے دل میں گھر بنانے کے تین سنہرے اصول کون سے ہیں؟

ثنا فاروق ✧..... اچھا کھانا پکانا، شوہر کے گھر والوں سے پیار کرنا، بچہ خود ہی سنبھالنا اور شوہر کو تنگ نہ کرنا۔ ہاہا.... ہاہا

پاکیزہ ✧..... مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے اس حوالے سے وہاج کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

ثنا فاروق ✧..... مجھ سے بالکل نہیں ڈرتے لیکن اپنی اماں سے بہت ڈرتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں وہ



Digitized by Google

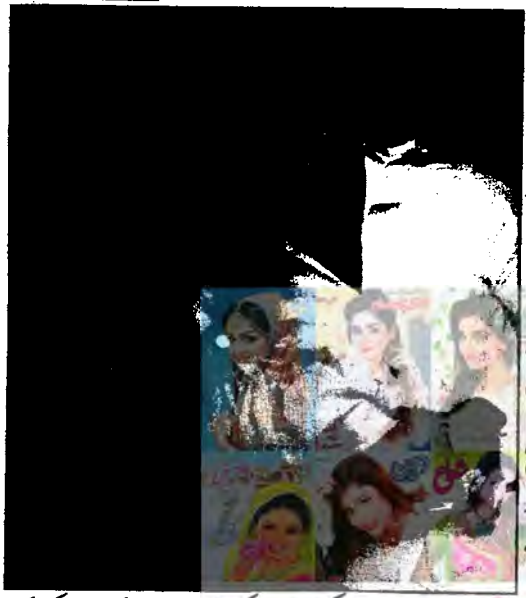

کافی شریف ہیں۔

پاکیزہ ❖.....آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، آپ اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

ثنا فاروق ❖.....بالکل، لیکن آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار اس وقت ہی بنتے ہیں جب صحیح وقت پر بہائے جائیں اپنا کام نکلوانے کے لیے۔

پاکیزہ ❖.....گھریلو بجٹ بنانے سے بچت تک کے عمل میں کون زیادہ فعال اور منظم ہے؟

ثنا فاروق ❖.....اس معاملے میں میں بالکل فری ہوں۔ گھر کا بجٹ اور انتظام سب میری ساس کے ہاتھ میں ہے اور ان سے بہتر کوئی کر بھی نہیں سکتا۔

پاکیزہ ❖.....وہاج کی مصروفیت آپ پر کب گراں گزرتی ہے؟

ثنا فاروق ❖.....اکثر امیرہ ان کے پاس ہوتی ہے اور وہ فون پر مصروف ہوتے ہیں اتنی دیر میں امیرہ کچھ نہ کچھ کر لیتی ہے۔ تب بہت غصہ آتا ہے۔

پاکیزہ ❖.....بے حد مصروفیات کی وجہ سے ہونے والی تھکن دور کرنے کے لیے وہاج تفریح کے لیے جانا پسند کرتے ہیں یا گھر پہ آرام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں؟

ثنا فاروق ❖.....وہاج تھکے ہوئے ہوں یا نہ ہوں وہ ہمیشہ گھر پر رہنا ہی پسند کرتے ہیں۔

پاکیزہ ❖.....آپ کا دل پسند مشغلہ؟

ثنا فاروق ❖.....کتاب پڑھنا اور باہر گھومنے پھرنے جانا۔

پاکیزہ ❖.....وہاج نے مستقبل کے حوالے سے کیے جانے والے کتنے وعدے وفا کیے؟

ثنا فاروق ❖.....وہاج نے جو بھی وعدہ کیا پورا کیا آج تک۔

پاکیزہ ❖.....کس کا غصہ ہوا کے جھونکے کے مانند آتا ہے اور چلا جاتا ہے یا گھٹا کی طرح چھاتا ہے اور برسے بنا نہیں جاتا؟

ثنا فاروق ❖.....ہم دونوں ہی غصے کے تیز ہیں اور دونوں ہی سے برسے بنا نہیں رہا جاتا۔ لیکن فوراً ہی ٹھیک بھی ہو جاتے ہیں۔

پاکیزہ ❖.....روٹھنے میں کون زیادہ طاق ہے؟ اور منانے میں کون زیادہ مشاق؟

ثنا فاروق ❖.....روٹھنا منانا تو چلتا ہی رہتا ہے۔ وہاج مجھے زیادہ مناتے ہیں۔

پاکیزہ ❖.....روٹھی بیگم کو منانے کے لیے وہاج نے کبھی فلمی مکالموں کا سہارا لیا یا اس کے بغیر ہی رام کر لیتے ہیں؟

ثنا فاروق ❖.....ہا، ہا، ہا وہاج اکثر مکالمے ہی بولتے ہیں۔

پاکیزہ ❖.....کیا زوجین کو ایک دوسرے پر اپنی مرضی مسلط کرنی چاہیے؟

ثنا فاروق ❖.....اپوزڈ کی ہوئی کوئی بھی چیز کبھی



Digitized by Google

صحیح نہیں ہوتی۔ایک دوسرے کی پسند کا خیال رکھنا چاہیے ساتھ ہی اسپیس بھی دینا چاہیے نہ کہ چیزیں مسلط کرنی چاہئیں۔

پاکیزہ ✧.....کامیاب شادی کی ضمانت آپ کی نظر میں؟

ثنا فاروق ❖.....ایک دوسرے کو سمجھنا، خاص طور پر تب، جب آپ کا ہم سفر کسی مشکل میں ہو اور کچھ بھی ٹھیک سے بیان نہ کر پائے۔عزت دینا اور محبت کا اظہار کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔

پاکیزہ ✧.....شاپنگ آپ کا اور آپ کے ہم سفر کا شوق ہے یا جنون؟

ثنا فاروق ❖.....ہم دونوں ہی کا شوق ہے لیکن اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے لوگ۔

پاکیزہ ✧.....وہ دلچسپ مصروفیت جو معمول کا حصہ ہے؟

ثنا فاروق ❖.....دلچسپ مصروفیت تو اب بس امیرہ کی ہی ہوتی ہے۔جیسا کہ بار، بار گھر کی صفائی کرنا۔امیرہ کے کام اور ہاں امیرہ کو اپنے ابا سے بھی زیادہ اچھی ایکٹنگ اور ڈرامے کرتے ہوئے دیکھنا۔ ہا، ہا.....امیرہ کا مجھے ساری رات جگائے رکھنا بھی بہت دلچسپ ہے۔

پاکیزہ ✧.....کیا کبھی خود اداکاری کرنے کو جی چاہا؟

ثنا فاروق ❖.....آہا، بہت جی چاہتا ہے۔پھر سوچتی ہوں وہاج اور امیرہ ہی کافی ہیں اداکاری کرنے کے لیے ایک ٹی وی میں اور ایک گھر میں۔ (واہ، بہت خوب)

پاکیزہ ✧.....کس موضوع پر ڈراما وقت کی اہم ضرورت ہے؟

ثنا فاروق ❖.....مجھے لگتا ہے جو بھی ایشو ہم فیس کر رہے ہیں وہ سب ہی اہم ہیں اور ان پر ڈرامے بن بھی رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ کچھ ہلکے پھلکے مثبت اور خوشگوار، پُرمزاح، لونگ ڈرامے بھی ہونے چاہئیں۔

پاکیزہ ✧.....وہاج کے ڈراموں کے بارے میں رائے دیتے ہوئے بے لاگ تبصرہ کرتی ہیں یا جانبداری برتتی ہیں؟

ثنا فاروق ❖.....تعریف کے ساتھ، ساتھ ہمیشہ مثبت تنقید بھی کرتی ہوں۔

پاکیزہ ✧.....اگر مایوسی حملہ آور ہو تو کیسے اس کا مقابلہ کرتی ہیں؟

ثنا فاروق ❖.....مایوسی اگر طاری ہوتی ہے تو کوشش کرتی ہوں کہ اپنے آپ کو کام میں مصروف رکھوں نہ کہ اس چیز کے بارے میں سوچتی رہوں۔

پاکیزہ ✧.....کیا زندگی منصوبہ بندی کے مطابق گزارنے کی قائل ہیں؟ کون کامیاب منصوبہ بندی کرتا ہے؟

ثنا فاروق ❖.....زندگی کبھی پلان کر کے نہیں چل سکتی لیکن کسی حد تک منصوبہ بندی ہو سکتی ہے اور وہ منصوبہ بندی وہاج کرنے میں زیادہ اچھے ہیں۔

پاکیزہ ✧.....وہ گیت جو اکثر گنگناتی ہیں؟

ثنا فاروق ❖.....johny johny yes papa امیرہ کے لیے اکثر گنگناتی ہوں۔

پاکیزہ ✧.....کس سے زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہا جا سکتا؟

ثنا فاروق ❖.....میں بالکل بھی زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکتی۔

پاکیزہ ✧.....زندگی آپ کی نظر میں؟

ثنا فاروق ❖.....زندگی بہت خوب صورت ہے۔ایک پیار کا نغمہ ہے، موجوں کی روانی ہے، زندگی اور کچھ بھی نہیں تیری میری کہانی ہے۔

پاکیزہ ✧.....قدرت کی جانب سے ملنے والا سب سے بڑا انعام؟

ثنا فاروق ❖.....میرے لیے تو وہاج اور امیرہ ہیں۔



Digitized by Google

مصور منیر احمد کے ساتھ نمل کالج میانوالی کا اسٹاف اور طلبا

# میری خوب صورت یادیں

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

وزیہ ظفر

آپ کے ساتھ آج میں اپنی زندگی کا یادگار سفر شیئر کرنے جارہی ہوں جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کیونکہ یہ سفر طے کیا میں نے انٹرنیشنل ایوارڈ یافتہ مصور منیر احمد کے سنگ جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ خوب صورت اخلاق، پُروقار لہجہ اور اپنی ثقافت سے محبت ان کی پہچان ہے۔ وہ دنیا کے کسی کونے میں بھی چلے جائیں اپنی ثقافت اور اقدار کی پگڑی ان کی الگ ہی پہچان ہے۔ 22 اکتوبر بروز سوموار وہ میری بہنوں کے ولیمے پر تشریف لائے اور نہایت اخلاق سے ملے۔ اسی دوران ادب اور فنِ مصوری پر باتیں ہوئیں اور باتوں، باتوں میں انہوں نے مجھے نمل کالج میانوالی وزٹ کی دعوت دی جو میں نے تہ دل سے قبول کی یہ علم و فن کی دنیا کا سفر تھا۔ مصور منیر احمد کی ہمارے علاقے چکوال میں اکیڈمی بھی ہے ہم سب وہیں جمع ہوئے۔ اکیڈمی میں ہمارا خوش دلی سے استقبال کیا گیا۔ گاڑیاں تیار تھیں۔ مصورہ صائمہ جو ایم ایس سی ہیں انہوں نے مجھے اپنے ساتھ بٹھالیا۔ میرے ساتھ میری بہن زوبیہ اگلی نشست پر مصور شکیل احمد اور دوسری گاڑی میں مصور منیر احمد، ان کی بہو، پوتا احمد عباس اور میری دوسری بہن تھی۔ گاڑیاں اپنے سفر کی طرف رواں دواں تھیں۔ ہم راستے کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتے چلے جارہے تھے۔ مصورہ صائمہ نے اپنے موبائل پر کچھ لینڈ اسکیپس دکھائے جہاں کائنات کے خوب صورت حقیقی رنگ محفوظ تھے جن رنگوں کو دیکھ کر دل میں سکون اتر رہا تھا اور آنکھوں میں ٹھنڈک۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ کیسے وہ حقیقی رنگوں کی خاطر صبح منہ اندھیرے اٹھ کر اللہ کی قدرت کو تلاشنے جاتی ہیں، وہ لوگوں کو خوش اور پُرسکون دیکھنا چاہتی ہیں۔ ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو



Digitized by Google

یہی ہے۔اس لیے ان کی مصوری میں ہمیشہ ہنستے مسکراتے دلکش منظر ہی ملیں گے۔انہوں نے ہنستے ہوئے مجھے بتایا۔واقعی اللہ کی قدرت کے نظارے جابجا ہیں اب یہ ہم پر ہے کہ دنیا کی خوب صورتی دیکھیں یا اس میں بدصورتی کے پہلو تلاش کریں۔ایسی نظر قدرت کا عطیہ ہوتی ہے۔موسم بہت خوب صورت تھا۔دور، دور اونچے، نیچے پہاڑ نظر آرہے تھے۔تمام راستہ شعروادب پر بھی باتیں ہوئیں اور جناب ہمارا پیارا ماہنامہ پاکیزہ بھی زیرِ گفتگو آیا اور میں نے بتایا کہ کس طرح رسالے والے میری رہنمائی کرتے ہیں اور میری ساتھی رائٹرز مجھے گائیڈ کرتی ہیں۔راستہ چونکہ بہت خوب صورت تھا اور اتنے مصور بھی ساتھ تھے سو جگہ، جگہ رک کر تصاویر بھی کھینچی گئیں۔پھر سب نے مل کر ایک جگہ گروپ فوٹو بنوایا اور اس کے بعد سب نے مل کر ایک جگہ قالین بچھایا اور مختلف اشیائے خورونوش سے لطف اندوز ہوئے کیونکہ یہ بھی ضروری تھا۔نمل کالج میں ہمارا والہانہ استقبال کیا گیا۔نمل کالج میں جگہ، جگہ مصور منیر احمد صاحب کی مصوری کے رنگ بکھرے ہوئے تھے جو مختلف انداز میں مختلف کہانیاں کہتی ہیں۔انہوں نے ساتھ، ساتھ ہمیں بریفنگ بھی دی۔سب کو ہی خوب مزہ آیا اور بہت معلومات بھی ملیں جبھی میرے ذہن میں یہ شعر در آیا۔

ملی ہر قدم پہ رفاقت تمہاری
کہاں ہم کہاں یہ عنایت تمہاری

سب نے مل کر ہمارے ساتھ تصویریں بھی بنوائیں۔پھر کیفے ٹیریا میں پُرتکلف ضیافت کا بھی انتظام تھا۔پھر اس کے بعد منیر صاحب ہمیں اپنے کلاس روم میں لے گئے جہاں پر وہ مصوری کی کلاس لیتے ہیں یہ کمرا بہت خوب صورت تھا۔زوبیہ اور شکیل بھائی نے اپنے، اپنے کیمرے نکالے اور پینگلو کے ساتھ، ساتھ ہم سب کی تصویریں لیں۔وقت کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔خوب صورت لوگوں کے ساتھ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔خیر نمل یونیورسٹی کی اچھی طرح سیر کر کے ہم نے اجازت چاہی اور اپنی، اپنی گاڑیوں میں آبیٹھے اور ایک بار پھر ہم کائنات کے خوب صورت رنگوں پر غور کرنے لگے۔ساتھ ہی مجھے ایک معصوم بچہ نظر آیا جو مفلوک الحالی کی تصویر تھا۔میرا دل رو پڑا۔دنیا میں ایک یہ نہیں ایسے کتنے بچے ہیں جو اپنا بچپن کوڑا اٹھنے کی نذر یا پھر فیکٹریوں اور ورکشاپوں میں کام کرتے بتا دیتے ہیں۔ان کے نزدیک زندگی کتنی تلخ ہوتی ہے مگر اللہ نے دنیا کو کتنا خوب صورت بھی تو بنایا ہے۔آرٹسٹ اپنی نظر سے رنگ دیکھتا ہے، شاعر خوب صورت شاعری کرتا ہے اور کہانی کار ان رنگوں پر اپنے الفاظ کا جادو چلاتا ہے مگر ایسے معصوم کی مفلوک الحالی پر کون غور کرتا ہے۔میں نہ جانے کیا، کیا سوچے جارہی تھی جبھی میڈم صائمہ نے میری سوچ پڑھ لی اور ہم یہی باتیں ڈسکس کرنے لگے۔

''دنیا میں انسانیت تو ختم ہو کر رہ گئی ہے۔'' میں افسوس سے بولی تو صائمہ میڈم نے مجھے زندگی کے روشن پہلو دکھائے۔تب ہی مجھے مصورہ نے نصیحت کی کہ میں ایسے ٹاپک پر ضرور لکھوں کیونکہ قلم میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔جو میں نے تہ دل سے قبول کی۔واپسی پر ہم مصور صاحب کے گھر بھی گئے جہاں پر ان کی بڑی بیٹی نسیم طارق سے ملے، ان کی مسز سے بھی ملے، جو بہت ہی نائس ہیں۔اس کے بعد مصور صاحب نے اپنی پینٹنگ بھی مجھے تحفے میں دی جو میں نے شکریے کے ساتھ قبول کی۔

میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا، وقت تیزی سے گزر رہا تھا، باہر میری بہن ثوبیہ اور مصور صاحب کی بہو سحرش عندلیب آسٹریلین طوطوں کے پنجروں کے پاس کھڑی شاید طوطوں کی زبان میں ہی باتیں کر رہی تھی جو بہت اچھا لگا ان دونوں ہستیوں کے لبوں پر ہر وقت مسکراہٹ بکھری رہتی ہے۔پھر میں اور میری بہنیں ثوبیہ اور زوبیہ، مصور منیر صاحب سے اجازت لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئیں یوں ایک خوب صورت اور یادگار سفر کا اختتام ہوا۔

☆☆☆



Digitized by Google

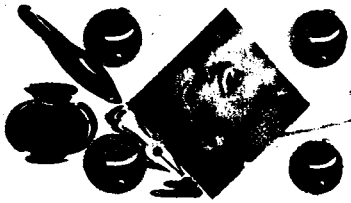

# گوشۂ ظرافت

ادارہ

مزاح نگاری، کمال کی صنفِ ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں..... مگر ایسی نشتر زنی بخاطر اصلاح کا فن بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ طرز تحریر بنتے میں دیر نہیں لگتی۔

اپنے باذوق قارئین کے لیے اس مرتبہ نامور مزاح نگار حکیم سید ارشاد کی کتاب ''کتابِ زندگی'' سے اقتباس آپ کی حسِ مزاح کی نذر.....

## اشکوں کی حقیقت

مرد کے مخلصانہ اور حقیقی آنسوؤں کو نہ کبھی سمجھا گیا ہے اور نہ ہی کبھی ان کی قدر کی گئی ہے۔ دوسری طرف جھوٹے، جعلی اور دکھاوے کے نسوانی آنسو تمام معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور لاتعداد ہاتھ ان آنسوؤں کو پونچھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اگرچہ یہ آنسو مگرمچھ کے آنسو ہوتے ہیں۔ میں نے بہت سی ایسی ظالم عورتیں دیکھی ہیں جو آنسوؤں کے ذریعے اپنی معصومیت کا ڈھونگ رچاتی ہیں۔ کیمسٹری کے ایک پروفیسر کی بیوی اس سے لڑ پڑی اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ پروفیسر نے غصے میں کہا۔ ''یہ آنسو مجھے متاثر نہیں کر سکتے۔ یہ محض تھوڑا سا فاسفورس سالٹ، معمولی سی کوڈین کلورائڈ اور باقی پانی ہے، مردانہ آنسو گوہرِ نایاب، قیمتی موتی، خالص اور بہت ہی نایاب ہوتے ہیں، نسوانی آنسو ریت کے ذرّوں کے مانند لاتعداد اور بے معنی ہوتے ہیں، جب تک ایک آرڈی نینس کے ذریعے یہ حکم جاری نہیں کیا جاتا۔ حکم دیا جاتا ہے کہ آج سے عورتوں کے آنسوؤں کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے۔ اس وقت تک بیویوں کی زیادتیاں جو وہ آنسوؤں کے ہتھیار سے شوہروں سے کرتی ہیں درست نہ ہو سکیں گی۔

ایک شوہر نے مجھے مشورہ دیا کہ آل پاکستان میمز ایسوسی ایشن قائم کی جائے تاکہ آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن کی سرگرمیوں کا تدارک کیا جا سکے۔ میں نے اس تجویز کنندہ کو ایک آئین مرتب کر کے روانہ کیا اور حماقت کرتے ہوئے اس شوہر کو اس ایسوسی ایشن کا چیئرمین تجویز کر دیا۔ وہ شوہر اتنا خوفزدہ ہوا کہ اس نے اتنی زحمت گوارا نہ کی کہ کم از کم میرے ارسال کردہ آئین کی موصولی کی اطلاع مجھے دے دیتا۔ شاید اس کے ذہن میں ایک مہذب ملک کا واقعہ گھر کر چکا تھا جہاں ''بیوی کے اشاروں پر چلنے والے شوہروں کی انجمن'' قائم ہوئی ہے۔ اس انجمن میں شامل شوہروں نے وقتاً فوقتاً شہر سے دور ویرانے میں ایک خفیہ جگہ پر جانا شروع کر دیا تاکہ اکٹھے مل بیٹھ کر دل کا بوجھ ہلکا



Digitized by Google

کرسکیں۔ان شوہروں کی بیویوں کو اس حرکت کا علم ہوگیا، چنانچہ ایک روز ان بدنصیب شوہروں کی بیویاں اس خفیہ مقام پر پہنچ گئیں اور اپنے، اپنے شوہروں کو گریبانوں، کپڑوں، ٹک ٹائیوں، بازوؤں اور گردنوں سے پکڑ لیا اور پوچھا کہ انہوں نے یہ شریرانہ اور ذلیل حرکت کیوں کی ہے۔

یہ واقعہ یہاں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ملک کے شوہر اور بیویاں ابھی اتنے مہذب نہیں ہوئے، میرے ملک کے شوہر میرے سر کے بالوں کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ وہ ابھی تک بالکل صحیح حالت میں ہیں اگرچہ مجھے شوہروں کے حقوق کے لیے سرعام لڑتے ہوئے چوبیس سال ہوگئے ہیں، غصے سے بھری ہوئی بیویوں نے مجھے خطوط لکھے جو کہ زنانہ طعنوں اور دھمکیوں سے بھرپور تھے۔کسی بھی عورت کا خط مجھے متاثر نہیں کرسکا۔میرے نزدیک کسی عورت کے خط کے لیے موزوں ترین جگہ چولھا ہوتا ہے۔

لاتعداد شوہروں کی بیویوں نے میری بیوی کو خطوط لکھ کر مشورہ دیا کہ وہ مجھے لگام دے کر قابو میں رکھے جیسا کہ انہوں نے اپنے شوہروں کو قابو میں رکھا ہے۔بہرحال میں اپنی بیوی کی ڈاک سنسر کرتا اور تمام خطوط پڑھتا رہا۔ایک شوہر کی بیوی نے مجھے خط لکھا اور کہا کہ میں پھانسی کے لائق ہوں۔ایک اور بیوی نے مجھے خط لکھ کر دھمکی دی کہ میں عورتوں کی مخالفت بند کردوں وگرنہ وہ اپنے بااثر شوہر سے کہہ کر مجھے زندگی بھر کے لیے سبق سکھادے گی، اکثر خواتین مجھے ''مولوی'' سمجھتی ہیں، میں اس الزام کو اپنے اندر پائی جانے والی تمام طاقت کے ساتھ رد کرتا ہوں، میں اتنا گنہگار شخص ہوں کہ اس خطاب کا متحمل ہی نہیں ہوسکتا۔

میرے ساتھی شوہرو! آپ نے مجھے قربانی کا بکرا بنا کر میرا ساتھ چھوڑ دیا مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا.....میرے بے وفا ساتھیو! جان کیٹس (john keats) کے نائٹ ایٹ آرم (knight at arm) کی طرح مایوسی میں نہ تو اپنا منہ لٹکاؤ اور نہ غم والم کی تصویر بنو، تمہاری بیویاں بغیر رحم کے (sans Merci) نہیں ہیں، تمہاری بیویاں تمہیں آسانی سے ناخوش کرنے کی نسبت زیادہ آسانی سے خوش کرسکتی ہیں۔ بیویاں پیاز کے مانند ہیں جو آنکھوں میں آنسوؤں کا سبب بنتی ہیں مگر یہ بہت ہی میٹھی اور خوش ذائقہ بن سکتی ہیں اگر تم انہیں مہارت سے پکاؤ۔

cheer up, sad heart, cease repining

behind the clouds is the sun still shining

اسی پُرامید شعر نے مجھے ''غیر مطبوعہ خط'' لکھنے کا حوصلہ دیا۔

مجھے اس بات پر یقین نہیں کہ نپولین (Napolean) نے کبھی یہ کہا تھا۔''اچھی مائیں'' فرانس کی اشد ضرورت ہیں، نپولین جیسا ذہین اور سینئر جرنیل ایسی گمراہ کن بات کبھی نہیں کہہ سکتا تھا۔اس نازک موضوع پر اس نے جو کچھ کہا اس کا اگر جائزہ لیا جائے تو اسے یہ کہنا چاہیے تھا۔''اچھی بیویاں'' فرانس کی اشد ضرورت ہیں، ایک سیاستدان نے کیا خوب کہا۔''مجھے اچھی بیویاں دو، میں تمہیں ایک اچھی قوم دوں گا۔'' مائیں پیدا ہوتی ہیں اور بیویاں بنائی جاتی ہیں، ایک اچھی ماں ضروری نہیں کہ ایک اچھی بیوی بھی ہو مگر ایک اچھی بیوی ہمیشہ ایک اچھی ماں بھی ہوتی ہے۔

☆☆☆



Digitized by Google

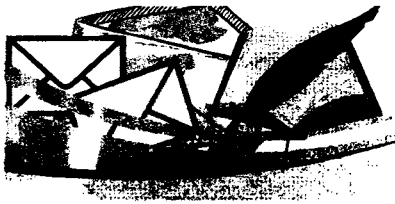

# بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:122.107

پیاری پاکیزہ بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ!

تمام حمد و ستائش اس ذات والاصفات کو زیبا جو کُل کائنات کا خلق کرنے والا ہے۔ یکتا و وحدہ لاشریک ہے اور کروڑوں درود و سلام حبیبِ خدا رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر جو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ پروردگار عالم کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں کہ اپنے خزانہ غیب سے وہ سب کچھ عطا کرے جو ہمارے حق میں بہترین ہو۔ ہمارے وطن پاکستان میں امن و سکون کی فضا اور خوش حالی رہے اور تمام اہل وطن اس کی ترقی و نیک نامی کے لیے کوشاں رہیں۔ (الٰہی آمین)

## کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری پاکیزہ بہنوں کو محبت بھرا اسلام اور پر خلوص دعائیں...... آپ سب کو سالِ نو مبارک...... ہر گزرتا برس بلاشبہ ہمیں یہی درس دیتا جاتا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے، ہمیں بحیثیت مسلمان اپنے اس عظیم مقصد کو مدِ نظر رکھنا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اشرف المخلوقات بنا کر اس دنیا میں بھیجا سو اسی کی تعلیمات اور احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی سعی خالص کرنا ہے، اللہ ہمیں توفیق سے نوازتا رہے۔ (آمین)۔

پیاری بہنو......! آپ سب میرے ساتھ ہیں جبھی تو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں...... میری پوتی کی پیدائش کے سلسلے میں آپ کی مبارک بادیں اور پر خلوص جذبات مجھ تک مسلسل پہنچ رہے ہیں۔ اللہ آپ سب کو جزائے خیر دے اسی طرح پاکیزہ بندھن میں بندھی رہیں۔

پیاری فریدہ فری تمہاری طبیعت کی فکر رہتی ہے، اللہ تمہیں جلد صحت یاب کرے۔ اس دفعہ میں خاص طور پر اپنی نند (باجی جان) کا ذکر کرنا چاہوں گی جن سے جب پچھلے ہفتے بات ہوئی تو ان کی طبیعت کچھ بحال تھی کہنے لگیں۔ ''عذرا، پاکیزہ تو خیر میں ہمیشہ ہی پڑھتی ہوں اور کئی دفعہ تو تبصرہ بھی لکھنے کا دل چاہتا ہے مگر صحت اجازت نہیں دیتی۔ آج کچھ بہتر ہوں تو میں اپنی رائے دے رہی ہوں ویسے ایک عرصے سے میرا رجحان دینی مضامین کی طرف رہ گیا ہے تو اس سلسلے میں اختر شجاعت کو بہت دعائیں دوں گی کہ جن کے ایمان افروز مضامین میری طبیعت کی بحالی میں بڑا کام کرتے ہیں میں تو اقتباس پر نشان لگا کر کئی کئی مرتبہ پڑھتی ہوں اور دوسری تحریر دردانہ نوشین خان کی ہے ''صفہ'' جسے نہایت دلچسپی سے پڑھ رہی ہوں، بہت ہی لاجواب ہے دل کو چھو جانے والی اور بے حد ایمان افروز بھی کہ کئی کئی پیراگراف بار، بار پڑھتی ہوں ان دونوں قلم کاروں کے لیے دل سے ڈھیروں دعائیں نکلتی ہیں۔'' بہنو! میں نے باجی جان سے وعدہ کیا کہ اس ماہ آپ کی یہ محبت بھری قیمتی رائے ان رائٹرز اور اپنے قارئین تک ضرور پہنچاؤں گی۔ باجی جان نے یہ بھی کہا کہ جو تم میری صحت کے بارے میں دعا کا لکھتی ہو اور یقیناً سب بہنیں دعا بھی کرتی ہیں تو ان تمام۔ بہنوں کی میں تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ شاید انہی کی دعاؤں کے باعث طبیعت کبھی کبھار سنبھل جاتی ہے، جزاک اللہ۔

اچھا بہنو! ایک اور ضروری بات کہ میرا پورا ارادہ تھا کہ پوتی صاحبہ کی آمد کے سلسلے میں ایک بڑی تقریب رکھوں گی جس میں اپنے رشتے داروں اور اپنی رائٹرز، ریڈرز وغیرہ سب کو بلاؤں گی اور اس سلسلے میں سب تیاریاں بھی کر لی تھیں مگر کچھ معراج صاحب کی طبیعت اور کچھ فاطمہ کی دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس پروگرام کو عملی جامہ نہ پہنا سکی، انشاء اللہ جب اللہ کا حکم ہوگا اور یہ بچے دوبارہ آئیں گے تو اس ارادے کو ضرور پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں گی۔

چلیں بہنو! خلوط کی محفل مختصر ہے، انشاء اللہ اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی۔

اللہ نگہبان.....دعا گو عذرا رسول.....!

☆☆☆

اچھی بہنو! پیاری، پیاری پاکیزہ بہنو کو سال نو کی مبارک باد تو خیر مل گئی پھر بھی قبول کیجیے، کتنی جلدی یہ سال بھی گزر گیا، وقت تو پر لگائے اڑ رہا ہے اور ہم اس کا ساتھ دینے میں ہانپ، ہانپ جاتے ہیں مگر کوشش کرتے ہیں کہ یہ ساتھ خوشگوار ہو، دل خوش کن ہو اور اسی وقت میں زیادہ سے زیادہ فلاحی امور انجام دے سکیں چاہیں گھریلو سطح پر یا معاشرتی اور قومی سطح پر..... جب اللہ پاک کی خوشنودی حاصل کرنا مقصدِ حیات ٹھہرا تو پھر تمام امور بلاشک اپنی اور دوسروں کی بھلائی کے لیے ہی ہوں گے۔ بس اس سے زیادہ اور کیا کہیں کہ آپ لوگ تو خود ہی بہت سمجھدار، زیرک اور خوش اطوار ہیں۔

ہماری طرف سے سال نو کے لیے نیک خواہشات، مخلص دعائیں اور خوش آئند توقعات حاضر ہیں۔ اللہ پاک ہر طرف امن، سلامتی، خیر خیریت اور شادمانی کا دور دورہ ہو، الٰہی آمین۔

اور حسبِ روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درود ابراہیمی اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہل وطن کو بھی یاد رکھیں۔ اللہ رب العزت عالم اسلام کی تمام پریشانیوں کو رفع کرے اور تمام مسلمانان عالم کو کامیابی نصیب ہو۔ (الٰہی آمین)

## مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ عذرا رسول کی دوست شائستہ انجانے اپنے شوہر اور دو بیٹی نمبرز کے ساتھ عمرے کی سعادت حاصل کی۔ (مبارک باد)

☆ اس ماہ مستقل تبصرہ نگار آسیہ عامر، کراچی کے مجتبیٰ سلمان ریاض مجتبیٰ فریال ریاض اور بھانجی آمنہ کی سالگرہ ہے۔ (بہت، بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ صحت و سلامتی عطا کرے)

☆ رائٹر نایاب جیلانی آج کل دبئی کی سیر کر رہی ہیں۔ (بہت خوب)

☆ سعدیہ ہما شیخ نے ایک نجی چینل جوائن کر لیا ہے جبکہ وہ اپنی وکالت اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی بھرپور مصروف ہیں۔ ان کے حوالے سے دوسری خبر یہ ہے کہ عالمی اردو تنظیم شریف اکیڈمی جرمنی کے زیر اہتمام آٹھواں نعتیہ مشاعرہ، لاہور میں منعقد ہوا جس کی مہمان خصوصی سعدیہ ہما شیخ ایڈووکیٹ تھیں جس میں انہوں نے اپنی تازہ ترین نعت بھی سامعین کی ساعتوں کی نذر کی۔ (مبارک باد) سعدیہ ہما شیخ کی بیٹی اور خود ان کی اس ماہ سالگرہ ہے۔ (بہت مبارک ہو)

☆ مصنفہ سعدیہ رئیس کے ہونہار فرزند محمد سفیر نے کراچی یونیورسٹی کے پیٹرولیم ٹیکنالوجی ڈیپارٹمنٹ میں ایم ایس سی کے امتحان میں گولڈ میڈل حاصل کیا ہے۔ (بے حد مبارک ہو)

☆ رائٹر طیبہ عنصر مغل کی پیاری بیٹی بابل کے آنگن سے بخیر و خوبی وداع ہو گئیں۔ (اللہ خوش آباد رکھے)

☆ مصنفہ، شاعرہ اور پاکیزہ دوست انیلا طالب کی پُر لطف ہائیکو شاعری کا مجموعہ چھولو آسمان شائع ہو گیا ہے۔ پُرکشش سرورق لیے اس کتاب کی قیمت صرف دو سو روپے ہے اور اس کی ڈیزائننگ اور اشاعت فائن گرافکس اینڈ پبلشرز کا مونگے کے بینر تلے ہوئی ہے۔ کتاب کے ملنے کا پتا ارفع کریم میڈیکل اسٹور، نوشہرہ روڈ تھلے عالی ہے۔ کتاب کے فوری حصول کے لیے ڈاکٹر الطاف حسین 03015409597 سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کا انتساب انہوں نے مصنف اور استاد محترم جناب قاسم علی شاہ کے نام کیا ہے۔ (مبارک ہو انیلا)

## دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ مستقل قاری عصمت، اوکاڑہ کے پیارے بیٹے مسعود کی صحت و سلامتی کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

☆ ہم سب کی پیاری امینہ عندلیب، سلانوالی کی کلی کی صحت و سلامتی کے لیے خصوصی دعا۔

☆ مستقل تبصرہ نگار، رائٹر اور شاعرہ ہما علی، اسلام آباد ان دنوں پتے کے عارضے میں مبتلا ہیں اور انہیں فوری آپریشن بتایا گیا ہے۔

☆ مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ اور ہماری بے حد شفیق بزرگ اور پاکیزہ کی مداح فریدہ ہاشمی خفی ان دنوں بسترِ علالت پر ہیں



Digitized by Google

انہوں نے اپنے بیٹے سے خاص طور پر فون کروا کر تمام بہنوں سے دعا کی درخواست کی ہے۔ (اللہ فریدہ ہاشمی کا سایہ ان کے خاندان سمیت ہم سب پر تادیر قائم رکھے، آمین)

## انتقالِ پُرملال

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار پروین افضل شاہین بہاول نگر کے چچا جان اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔
تمام مرحومین کے درجات کی بلندی کے لیے دعائے مغفرت کی استدعا ہے۔

☆☆☆

☆ اب آتے ہیں آپ بہنوں کے کھٹے میٹھے خطوط کی جانب......

ﮪ شمع تفسیر، کراچی سے۔ ”یہ کہاں بچپیں کہ دل ہے میں رفعت سراج مسحور کرتی چلی جا رہی ہیں ساحل کی ہمشیرہ کے مکالمے پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ صفہ، دردانہ نوشین کی بہت ہی منفرد اور خوب صورت تحریر ہے۔ اگلے حصے کا بے چینی سے انتظار ہے۔ بہنوں کی محفل ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی۔ نزہت جی میری تحریروں کی اشاعت کے لیے بہت، بہت شکریہ......عذرا آپی کے چند جملے جو وہ بہنوں کی محفل کی ابتدا میں تحریر کرتی ہیں بہت لطف دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے صدقے ان کے شوہر کو سلامت رکھے، آمین اور ان کو پوتی کی بھی ڈھیروں مبارک باد۔ نزہت جی آپ کی محنت کے تو کیا ہی کہنے......ورنہ میں نے چند رسائل وہ بھی دیکھے ہیں جہاں ہر ماہ مخصوص نام لکھاریوں کے نظر آتے ہیں، اس میں ایڈیٹر کی محنت تھوڑی کم ہوتی ہے کیونکہ وہ مستند نام ہوتے ہیں ان تمام کے برعکس آپ کا کمال ہی یہ ہے کہ آپ ذرّے کو آفتاب بنانا جانتی ہیں پھر چاہے اس میں کتنی ہی محنت کیوں نہ کرنی پڑے۔ یہ تعریف نہیں میرے دل کی آواز ہے۔“ (بہت شکریہ حوصلہ افزائی کا ایڈیٹر تو خیر سب ہی محنت کرتی ہیں پھر اپنی، اپنی پالیسی ہوتی ہے۔ پاکیزہ سے وابستہ رائٹرز اور قاری بہنوں کا تعاون واقعی قابل ستائش ہے۔)

ﮪ نیلوفر خان، بہارہ کہو سے۔ ”سب سے پہلے تو عذرا آپی کو پوتی کی مبارک باد......اللہ نصیب روشن کرے، آمین۔ ماہ دسمبر سردی کی شدت لیے اختتام پر ہے اس ماہ دلہن نمبر میں شامل تحریریں سب ہی بہت عمدہ تھیں، مزہ آیا۔ شیریں حیدر کے ناول کا اختتام بھی اچھا رہا۔ اب لگتا ہے رفعت سراج آپی بھی اختتام کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ میں تو سفینہ اور پرنس کی شادی کے انتظار میں ہوں۔ اس ماہ طیبہ عنصر مغل کی کہانی کاجل کوٹھری کچھ ہضم نہیں ہوئی حالانکہ طیبہ تو بہت اچھا لکھتی ہیں۔ میں ان کی فین ہوں اس تحریر میں کافی غلطیاں ہیں، سرپرائز کے چکر میں لڑکی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا وہ بھی ایک میڈیکل اسٹوڈنٹ......آج کل کی لڑکی جب سفر میں نکلی تو موبائل چارج کیوں نہیں کیا، وہ کہیں سے بھی چارج کر سکتی تھی۔ اتنا بھی کوئی سنگ دل ہمسایہ نہیں ہوگا اور وہ اس ٹیکسی ڈرائیور کی نیت نہ پہچان سکی ایک لڑکی ہو کر بھی......بہرحال ایسی ہی کئی غلطیاں تھیں، لگتا ہے کافی جلدی میں لکھا گیا ہے۔ اپنی اتنی اچھی رائٹر کی ایسی تحریر پڑھ کر مزہ نہیں آیا۔ (ارے طیبہ تو بہت دیکھ بھال کر لکھتی ہیں بہرحال اپنی، اپنی پسند اور رائے جس کا ہم احترام کرتے ہیں چلیں طیبہ اب اپنی بہت جان دار سی کہانی جلدی سے دیں) نفیسہ سعید کی گواہ رہنا اداس کر گئی۔ ٹوٹی صراحی، ایمل رضا کی کافی علامتی کہانی تھی اور ہاں بلاعنوان میں اسما قادری نے تو کچھ زیادہ ہی دکھا دیا اللہ رحم کرے، دیگر سلسلے بھی بہت اچھے تھے۔“ (تبصرے کا شکریہ)

ﮪ عائشہ خان، لاہور سے۔ ”امید ہے آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیر و عافیت سے ہوں گی۔ میرا افسانہ ضمیر کی آواز پاکیزہ کے دلکش صفحات کی زینت بنانے کا بے حد شکریہ......(تحریر اچھی ہو تو فوری جگہ پاتی ہے) اس معذرت کے ساتھ کہ یہ شکریہ ادا کرنے میں خاصی تاخیر ہو گئی۔ (کوئی بات نہیں) عذرا آپی نے جیسے جھٹ پٹ دردانہ نوشین خان کے ساتھ محفل سجانے کا اہتمام کیا وہ ان کا اپنی رائٹرز کے ساتھ محبت کا اظہار ہے، آپ سب سے مل کر اچھا لگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ محفلیں آباد رہیں سدا......آمین۔“ (مکمل تبصرہ بھی بھیجیں ڈیئر)

ﮪ ثمینہ کوکب، ضلع جہلم سے۔ ”ہمیشہ کی طرح خوب صورت اور جاذب نظر سرورق دل کو بھا گیا۔ سب سے پہلے تو عذرا آپی اور معراج صاحب کو دادا، دادی بننے کی مبارک باد......اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ معراج بھائی اور تمام بیمار بہنوں کو اپنی رحمتِ خاص سے اور پیارے نبیؐ کے صدقے میں شفائے کاملہ عطا فرمائیں، صحت و تندرستی والی زندگی کے ساتھ آمین یارب العالمین (بہت شکریہ



Digitized by Google

اور جزاک اللہ) نزہت اصغر صاحبہ نے اداریہ ہمیشہ کی طرح موضوعاتی اعتبار سے بہت خوب صورت وبھرپور لکھا۔ دین کی باتیں ہمیشہ دل ونگاہ کے سکون اور رحمت و برکت کا باعث بنتی ہیں۔ اختر شجاعت صاحبہ کا مضمون حسد، لعنت الٰہی بہت پُراثر و معلوماتی مضمون تھا کاش ہم سب حسد جیسی بیماری سے ہمیشہ محفوظ رہیں، آمین...... غزالہ فرخ صاحبہ سے ملاقات بہت اچھی لگی...... تمام افسانے بھی بہترین تھے اور تمام ناولز خاص طور پر یہ کہاں بچیں کہ دل ہے خوب صورت انداز سے آگے بڑھ رہا ہے اور دردانہ نوشین صاحبہ کا صفہ بہت منفرد طرز تحریر لیے ہوئے ہے، صفہ کی تعریف کے لیے الفاظ کم ہیں، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ، آمین...... رسالے کے باقی تمام سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح بہترین ہیں مگر رسالے میں اپنا خط و نام شامل نہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ آخر میں سب بہنوں کو پاکیزہ اسٹاف کو نئے سال کی مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ سب کو زمینی و آسمانی آفات سے محفوظ رکھیں اور سب کو صحت و زندگی ولا زوال خوشیاں عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین'' (پیاری بہن، پیارے سے تبصرے کا شکریہ...... آپ باقاعدگی سے مراسلات و تبصرہ بھیجتی ہیں اور ہماری بھی کوشش ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ شامل رکھیں، کبھی رہ جائے تو دل پہ نہ لیا کیجیے...... ہزاروں خطوط میں جس کی باری پہلے آجائے بہرحال بہت شکریہ......)

☜ تسنیم ماپارا، کراچی سے۔ ''آپ کی کاوشوں سے سجا ہوا سال کا آخری شمارہ بھی خوب رہا۔ آپ سب کی محنت قدم، قدم پر نظر آرہی ہے۔ اللہ مزید بلندیوں پر لے جائے، آمین۔ پیاری عذرا کے گھر ننھی پری کی آمد باعث رحمت ہو۔ اللہ نیک نصیب کرے، آمین۔ چلیے اب کچھ تبصرہ ہوجائے۔ بی بی امرت کی نیا بھی شکر ہے ٹھکانے لگی۔ ناول کچھ طوالت اختیار کرگیا لیکن اچھا لگا۔ دردانہ، صفہ کو بڑے سلیقے طریقے سے لیے چل رہی ہیں دیکھیے کہانی کیا نیا موڑ لیتی ہے۔ رجوع، ریحانہ آفتاب کی پُراثر و جاندار تحریر...... گواہ رہنا، نفیسہ سعید نے پھر پرانے زخموں کو ادھیڑ دیا۔ ننھے منوں کی شہادت ہمیشہ زندہ اور یاد رہے گی۔ (جی بالکل) اسما قادری کے بلاعنوان کے لیے روگ کا عنوان سمجھ میں آرہا ہے۔ سکینہ فرخ کی حسنہ نے اچھا سودا کیا۔ کوئی تو stand لے۔ (واہ بھئی ایک سے ایک عنوان سب لکھ رہے ہیں) عورت کہانی پرانی طرز پر نئے کردار لیے اچھی لگی۔ ایمل رضا کی ٹوٹی صراحی بہت ہی خوب صورت تحریر...... سرخاب کے پر نے مزہ دیا۔ ایسے لوگوں کا انجام یوں ہی ہونا چاہیے۔ بہرحال اختتامی پرچہ مجموعی طور پر بہت اچھا رہا...... ہر تحریر نگینے کی طرح فٹ لگی۔ اختر شجاعت کی شمع ہدایت یوں ہی جلتی رہے، آمین۔ تو ہم سب کی رہنمائی کررہی ہیں، اللہ انہیں صحت و سلامتی سے رکھے وہ اسی طرح لکھتی رہیں۔ شائستہ کے سروے دلچسپ اور غزالہ فرخ سے ملاقات اچھی رہی۔ اپنی محفل کی تو بات وشان ہی اور ہے۔ (آپ لوگوں کی شمولیت سے ہی اس کی رونق ہے۔) معراج صاحب کا بویا ہوا بیج عذرا کی ہمت اور آپ سب کی محنتوں سے مزید پھلے پھولے، آمین۔'' (دعاؤں کے لیے جزاک اللہ، ہماری رہنمائی و بہتری کے لیے اکثر اظہارِ خیال کردیا کیجیے تسنیم، خوش رہیں)

☜ صدف علی، ہما سید، کراچی سے۔ ''ہم بہت عرصے سے پاکیزہ کی خاموش قاری ہیں، ہم جامعہ کراچی میں اردو ادب میں ایم اے کے طالبہ ہیں، دیگر کتب کے ساتھ اور عصر حاضر کے اردو ادبی رجحان کے لیے پاکیزہ و دیگر ڈائجسٹ پڑھنے شروع کیے مگر یقین جائیں جو لطف پاکیزہ کی تحریریں پڑھ کر آتا ہے وہ کہیں نہیں...... اس لیے دیگر ڈائجسٹ کے ساتھ تو آنکھ مچولی کا سا تعلق ہے مگر پاکیزہ کے ساتھ پکی والی دوستی ہوگئی ہے۔ (جی ہاں بالکل) تمام ہی سلسلے نہایت خوب صورت ہیں، دین کی باتیں، ڈاکٹر ذکیہ کی کتاب کے اقتباس، مزیدار پکوان اور تراکیب، حسن و زیبائی کے مشورے اور روحانی علاج وغیرہ...... گوشہ ظرافت تو اکثر نصابی اسائنمنٹ کے لیے ideas کی فراہمی کرتا ہے۔ آپ یقینی طور پر اس قدر رنگارنگ محفل اتنے طویل عرصہ سے سجائے چلے آنے کے لیے بہت، بہت مبارک باد کی حقدار ہیں۔ اب چلتے ہیں اس منی ناول کی طرف جو کہ آج کل ہماری توجہ کا مرکز ہے، دردانہ نوشین خان صاحبہ کا قسط وار ناول صفہ۔ اس ناول کا ٹاپک ہمارے thesis یعنی مقالے سے کافی لگا کھاتا ہے جو کہ کچھ یوں ہے۔ ''عورت کا نشاۃ اسلام میں کردار'' ہم دونوں آپس میں بھی اکثر اس موضوع پر بحث کرتے ہیں کہ عورت کا دین داری اور اس سے متعلق معاملات میں کردار ایک اچھی بیوی، اچھی ماں سے ہٹ کر کیا ہے؟ اس کا خدا سے تعلق، ولایت اور تصوف کس رنگ میں ہے؟ تاریخ میں اس سلسلے میں کردار ملتے تو ہیں مگر چیدہ، چیدہ...... دردانہ صاحبہ اس لیے مبارک باد کی حقدار ہیں کہ انہوں نے اردو ادب کے ایک نئے موضوع کو چھوا ہے۔ کہانی تو عمدہ ہے ہی مگر مکالمے اور بیچ میں بیان کیا گیا فلسفہ، یقین کیجیے کئی جملے بہت گہری سوچ میں مبتلا کردیتے



Digitized by Google

ہیں۔ عشقِ حقیقی تو خیر موضوع ہی گویا سمندر کی سی گہرائی کا ہے۔ اس دفعہ کی قسط میں صفہ کے ساتھ سندری کا کردار بھی دلچسپ بن کر سامنے آیا ہے۔ کیا صفہ بخاری کا کردار مزید اہمیت حاصل کرے گا؟ وہ بھی دین کی طرف چلے گی یا ملامتی درویش بن جائے گی؟ ادارے کو مبارک باد ایک نئے اور گہرے موضوع پر لکھے گئے ناول کو صفحات میں جگہ دینے کے لیے..... یقیناً یہ ہمارے لیے کئی سوالات کا جواب لائے گا، ایسے سوال جو ایک خاتون، مولانا صاحب سے پوچھے تو جواب صبر کرنے کا آتا ہے، ہمارا مقالہ اسی موضوع پر ہے سو مزید اقساط کا بے صبری سے انتظار ہے۔" (پاکیزہ محفل میں خوش آمدید، تمام سلسلے سراہنے کا شکریہ، آپ جیسوں کی رائے اہمیت رکھتی ہے، جی دردانہ نے بہت اچھوتے موضوع کو چنا ہے اور الحمدللہ پسندیدگی کی سند بھی پا رہی ہیں، ہماری بھی کوشش ہے کہ خواتین میں ادبی شعور اور ذوق وشوق کو ابھارا جائے۔)

☆ حدیث اختر، حاصل پور سے۔ "پاکیزہ تو حسبِ معمول بہت اچھا جا رہا ہے۔ ویسے ذکیہ آپا کا مضمون قرآن ختم ہونے سے ایسا لگتا ہے جیسے بہن بھائی تو گھر میں ہوں اور ماں گھر میں نہ ہو تو آپ پلیز اختر شجاعت کا مضمون وہاں سیٹ کر دیں (اچھی تجویز ہے مگر کچھ صفحات کی سیٹنگ ہوتی ہے اختر بہن کا مضمون کم، زیادہ ہو تا رہتا ہے اس لیے مسئلہ ہو جاتا ہے ہمیں دو، چار یا چھ صفحات اس جگہ سیٹ کرنے ہوتے ہیں، شکریہ رہنمائی کا ویسے اب سب عادی ہو چکے ہیں ایک مخصوص جگہ مضمون دیکھنے کے ہم عذرا صاحبہ کو پوتی کی مبارک باد..... ساری پاکیزہ ٹیم کے لیے دعائیں اور سلام۔" (جزاک اللہ)

☆ ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ سے۔ "کافی عرصے سے غیر حاضر تھی..... آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے یاد رکھا، شادی کی مبارک باد بھی دی۔ بیماری کی وجہ سے میں رابطہ نہیں کر سکی لیکن پاکیزہ پڑھتی رہی ہوں کیونکہ یہ میری رگوں میں خون کی طرح شامل ہو چکا ہے۔ مجھے یاد ہے جنوری 1992ء میں، میں نے پہلی دفعہ پاکیزہ میں خط لکھا تھا فروری کے رسالے میں چھپ بھی گیا تھا اور وہ خوشی میں آج تک بھول نہیں پائی ہوں۔ امینہ عندلیب کا کیا حال ہے، بہت دعا کرتی ہوں اس بہن کے لیے، باجی طاہرہ، خوشاب کو میری طرف سے السلام علیکم....." (جی انہیں دعاؤں کی شدید ضرورت ہے، جی ناظمہ محفل میں آپ کی حاضری اچھی لگی اب باقاعدگی سے آیئے گا، آپ کی پاکیزہ سے وابستگی کی قدر کرتے ہیں)

☆ شہلا نواز، لاہور سے۔ "ٹائٹل میں دلہن کی نتھ کے سوا سب کچھ ٹھیک تھا۔ رفعت سراج کے ناول میں صندل کو گولی لگنے کا پڑھ کر ہم تو ڈر ہی گئے کہ شاید صندل پھڑک گئی ہے شکر ہے بچ گئی، زارا کی اکڑ بہت بری لگتی ہے، دشت میں آب میں عفرا کی نیکی بہت اچھی لگی۔ رجوح میں عنبرین نے طلاق لے کر خاور کے منہ پر طمانچہ مارا اچھا لگا۔ یہ طمانچہ ہر اس شخص کو پڑا جو نکاح کو کھیل سمجھتے ہیں، عنبرین نے یہ ثابت کر دیا کہ عورت کمزور نہیں ہے، واہ مزہ آ گیا۔ شکر ہے امرت ختم ہو گیا۔ پورا ناول ہمیں تو پسند نہیں تھا۔ (کیوں بھئی کیا آپ نے ناول پڑھا ہی نہیں، خیر اپنی، اپنی پسند ہے، اب..... نئے ناولز پر اظہارِ رائے کیجیے گا) ٹوٹی صراحی پڑھ کر دل بوجھل ہو گیا۔ سلیمان تو لگتا ہی فلرٹ تھا۔ اسما قادری کا بلاعنوان بھی اچھا لگا بیچارے کو کس چیز کی سزا ملی..... ویسے مجموعی طور پر دلہن نمبر شاندار تھا۔ پیاری، پیاری دلہنیں اپنی چھب دکھلا رہی تھیں۔ شائستہ زریں کا سروے حسبِ سابق شاندار تھا۔ غزالہ فرخ سے ملاقات پسند آئی، بلاعنوان کے عنوان نے تو ہمارے چھکے چھڑا دیے ہمارے کوڑھ مغز دماغ میں تو بھوسا بھرا ہوا ہے ایک ہی سمجھ میں آیا ہے اچھا لگے تو انعام دے دیجیے گا ورنہ....." (تبصرے کا شکریہ ہاں عنوان نوٹ کر لیا ہے دیکھتے ہیں کس کا ہمارے طے شدہ عنوان سے مطابقت رکھتا ہے)

☆ سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ "اس مرتبہ بلا مبالغہ ہر افسانہ بہترین، با مقصد اور دل کو چھو لینے والا تھا..... ریحانہ آفتاب کا رجوح زبردست اور فرح بھٹو کے دشت میں آب کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے کیونکہ وہ سندھی ہیں مگر ان کی تحریر اہلِ زبان سے کم نہیں اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اردو کی جتنی خدمت اہل پنجاب اور اہل سندھ نے کی ہے وہ ان سیاستدانوں کے منہ پر طمانچہ ہے جو عصبیت پھیلانے کے ذمے دار ہیں۔ میرا خود تعلق ٹھٹھہ سے ہے، سندھی بولنا آتی ہے لیکن لکھنا نہیں آتی جبکہ فنون کے میدان میں قربان جیلانی، شفیع محمد شاہ، مہتاب راشدی، قیصر نظامانی، یاسر نواز، صلاح الدین کا بیٹا فہد مصطفیٰ اور نہ جانے کتنے سندھی اسپیکنگ ہیں جنہوں نے اداکاری کے میدان میں اچھے اچھوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم صرف پاکستانی ہیں خواہ زبان کوئی بھی بولیں۔ (جی بالکل درست کہا آپ نے) سلسلے وار نہ پڑھنے کے باوجود حیا بخاری کو مستقل پڑھ رہی ہوں کہانی



Digitized by Google

اچھی ہے لیکن ایسے کردار ہیں کہ ذہن الجھ جاتا ہے کیا ہی اچھا ہو کہ ڈراموں کی طرح پچھلی کہانی مختصراً دہرا دیں۔ (جی انشاء اللہ نئے ناول سے ایسا ہی کریں گے) اپنا دامن اپنی آگ بس ٹھیک رہا۔ خوش قسمت کون، حنا دیہ احمد کا لاجواب رہا اور نفیسہ سعید چھا گئیں۔ گواہ رہنا کی تعریف کے لیے الفاظ کم پڑ گئے۔ دسمبر کے مہینے میں' میں ہچکیوں سے روتی ہوں جب آئی ایس پی آر کے دو گانے چلتے ہیں اور اکثر میں یوٹیوب پر سنتی بھی ہوں۔ '' مجھے دشمن کے بچوں کو پڑھانا ہے''ہم نے جتنی بھی ملک کے لیے قربانیاں دی ہوں لیکن ان بچوں کی قربانی سب پر بھاری ہے۔ (جی ہاں) اسما قادری نے با مقصد لکھا کیونکہ ہمیشہ ہمیں تصویر کا ایک ہی رخ نظر آتا ہے یعنی عورت کی مظلومیت، سکینہ فرخ کا سودا بھی لاجواب بے مثال، کاجل کوٹھری نے مزہ نہیں دیا سوائے اس کے کہ معاشرے اور مرد کی کم ظرفی نظر آ گئی۔ ( کچھ تو سبق مل ہی گیا ناں) ٹوٹی صراحی، ایمل رضا کا سپنس سے بھرپور لگا۔ صفہ نے تو چکرا دیا ہے اس قدر صوفیانہ گفتگو اور الفاظ کا چناؤ پھر تاریخ کا حوالہ بہت مزہ آیا...... سرخاب کے پر...... مزہ دے گیا اکثر لوگوں کو عادت ہوتی ہے بہت مشکلوں سے اتنا ہی پڑھ سکی ہوں اور شمع ہدایت تو پڑھنا لازمی ہوتا ہے۔ ''حسد'' پر اختر شجاعت نے اسلام کی تاریخ کے حوالے سے جو بیان کیا ہے وہ بہت اچھا لگا خاص طور پر سورہ فلق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ...... یقین کیجیے اس قدر خوب صورتی سے انہوں نے حسد کی آگ کو اجاگر کیا ہے کہ دل پر اثر ہوا فخر اور حسد میں بھی فرق ہے۔ غزالہ فرخ کا انٹرویو بھی اچھا لگا اور غیر برادری میں شادی میں شرکت نہ کرنے کا افسوس آخر میرے میاں بھی تو پنجابی ہیں اور میں ٹھیٹ اہلِ زبان...... اُف کیا بتاؤں دل کے ارمان دل میں رہ گئے۔'' (اوہو ہمیں معلوم نہیں تھا ان شاء اللہ آئندہ بھی سروے میں آیئے گا تبصرے کا شکریہ)

✍ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ '' اس بار بھی نومبر میں شمارہ 4 تاریخ کو ملا اور 6 تاریخ کو تبصرہ ارسال کر رہی ہوں سرورق ہمیشہ ہی جاذب نظر ہوتا ہے۔ آپ نے ٹھیک فرمایا کہ ہمیں ہمیشہ یک زبان، یک جان اور یک قدم نظر آنا چاہیے۔ دین کی باتیں پڑھ کر ہمیشہ ہی برکت پاتے ہیں۔ سکینہ فرخ سے خوشگوار ملاقات اور عذرا آپی کی باغبانی پڑھ کر مزہ آ گیا۔ سروے بھی زبردست تھا۔ عذرا آپی اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوتی سے نوازا ہے ہماری طرف سے دلی مبارک باد وصول فرمائیں اور ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ معراج بھیا کو اور میری پیاری نند فریدہ جاوید فری کو، عصمت آپا کو مکمل صحت و تندرستی عطا فرمائے، آمین۔ ہماری آپی سعدیہ ہما شیخ ایڈووکیٹ کو بہت ساری مبارک بادیں قبول ہوں۔ انزلہ یمن! آپ کو میرے خطوط پسند آتے ہیں یہ آپ کا حُسنِ نظر ہے ورنہ بندی کس قابل ہے۔ میرا خط شامل بزم فرمانے کا بہت، بہت شکریہ...... پاکیزہ کی یہ خاصیت ہے کہ چھیالیس سال سے یہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور وقت پر ہی سارے پاکستان میں دستیاب ہوتا ہے۔ جیسے آپی انجم انصار نے محبت سے اسے سنوارا ویسے ہی نزہت آپی آپ بھی محبت اور محنت سے اسے سنوار رہی ہیں، عذرا آپی کے بعد انجم آپی اور آپ بھی مبارک باد کی مستحق ہیں، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ تینوں کو خوش رکھے، آمین۔ بزم پاکیزہ کا انعام مجھے نومبر میں ملا۔ میرے میاں جانی تو ملتانی سوہن حلوے کا انتظار کر رہے تھے مگر انعام میں کتاب آئی۔ (ارے بھئی آج کل سب نے میٹھا کھانا چھوڑ دیا ہے ناں) یہ بھی خوب صورت تحفہ ہے۔ میرا خط شامل فرمانے کا شکریہ، وہ بھی سب سے پہلا خط واؤ...... صائمہ اکرم ڈھول والی سرکار، اسلام آباد سے کراچی شفٹ ہو گئی ہیں۔ مبارک باد قبول ہو...... دردانہ نوشین کو ایوارڈ، یمنی احمد کو سالگرہ، طیبہ عنصر مغل کو ان کی بیٹی کی شادی کی مبارک باد قبول ہو...... میری دعا ہے کہ میری پیاری نند فریدہ جاوید فری، امینہ عندلیب کو اور اقرا جٹ کے والد کو اللہ صحت دے اور حمیرا طارق کی والدہ اور شمیم ناز صدیقی کے بھائی کو اور آپ کے والد صاحب اور بہنوئی کو جنت میں جگہ دے، آمین ثم آمین......'' (مختصر خط کا شکریہ)

✍ عابدہ پروین، ملتان سے۔ '' اللہ پاک آپ کو اور آپ کی پوری فیملی کو ہمیشہ خوش اور شاد و آباد رکھے، آمین۔ آنٹی جی میں پچھلے بیس سالوں سے آپ کا رسالہ پاکیزہ پڑھ رہی ہوں لیکن خط آج پہلی بار لکھا ہے۔ (ارے دیر آید درست آید...... اب باقاعدگی سے لکھنا) اصل میں، میں پچھلے بیس سالوں سے بیمار ہوں کافی عرصے تک چل پھر نہیں سکی اب تھوڑا بہت سہارے کے ساتھ چلنے پھرنے لگی ہوں۔ (اللہ آپ کو صحت دے) ان گزرے بیس سالوں میں، میں نے یہی کام کیے ہیں بس...... پاکیزہ پڑھنا، اپنے اللہ کو بہت شدت سے یاد کرنا دعائیں کرنا اور رونا دھونا...... اور میری فیملی کے بعد پاکیزہ میرا بہت اچھا بیسٹ فرینڈ رہا ہے جسے پڑھ کر دل و دماغ کو سکون اور تازگی ملتی ہے، میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا بھی ہے۔ بہت سی اچھی باتیں بھی اور زندگی کو اچھی امید اور حوصلے کے



Digitized by Google

ساتھ گزارنے کا فن بھی..... اللہ پاک آپ لوگوں کو اس کا اجر دے آمین..... آنٹی جی پاکیزہ پڑھتے، پڑھتے میرے دل و دماغ میں بھی لکھنے کا شوق اور امنگ پیدا ہوگئی ہے لیکن کہانی ریجیکٹ ہونے کی وجہ سے کبھی کچھ لکھا نہیں..... لیکن اس بار میں بہت ہمت کر کے ایک کہانی بھیج رہی ہوں اگر کچھ غلطیاں ہوں تو آپ اصلاح کر سکتی ہیں۔ آنٹی جی لیکن مجھے مایوس مت کرنا پلیز..... میں آئندہ بھی لکھنا چاہتی ہوں میں نے یہ کہانی بہت دل سے بہت امید سے اور بہت ہی مشکل سے لکھی ہے کیونکہ میرے ہاتھوں میں بھی کافی مسئلہ ہے میرے لیے لکھنا بھی کافی مشکل ہوتا ہے۔ پلیز آنٹی جی میری رہنمائی کریں اور جواب ضرور دینا پلیز.....“ (خط کا شکریہ..... ابھی آپ خوب مطالعہ کریں۔ مراسلات وغیرہ بھیج سکتی ہیں، کہانی بھی پڑھ کر بتا دیں گے)

بھ خولہ سعید جاوید، کراچی سے۔ ”پاکیزہ کی پچھلے سترہ سال سے مستقل قاری ہوں اور صرف پاکیزہ کی لیکن خط صرف ایک دفعہ لکھا پچھلے سال نومبر میں جب ایک افسانہ بھی لکھا آپ نے قابل اشاعت کی نوید سنائی جو تا حال نوید ہی ہے بہر حال دنیا امید پر قائم ہے۔ (جی امید ہی تو زندہ رکھتی ہے ہنر کو) خط لکھنے کی اصل وجہ دردانہ نوشین خان، اختر شجاعت ہیں، شادی سے پہلے امی کے گھر پر پاکیزہ پڑھا، خاص، خاص رائٹرز میں ذکیہ بلگرامی، عابدہ رؤف، دردانہ نوشین خان، اختر شجاعت، ہما کوکب بخاری، ہم بہنوں کی فیورٹ تھیں۔ اختر شجاعت افسانوں کے ساتھ، ساتھ اپنی بیوٹی کی وجہ سے بھی خاص اہمیت کی حامل تھیں۔ ایک تو بینک آفیسر اوپر سے ان کے خوب صورت ہاتھ ہم بہنیں مر مر جاتیں۔ پھر رسالے میں ہی ان کے شوہر کی بیماری اور پھر ان کی کایا پلٹ دیکھی۔ (اللہ انہیں زندگی دے، الٰہی آمین) اب دوبارہ سے ان کی اسلامی تعلیمات سے بھرپور تحریر سے دل واقعی منور ہو جاتا ہے۔ تمام سلسلے وار ناول اور افسانے بہت معیاری اور اصلاحی پہلو لیے ہوتے ہیں۔ دردانہ نوشین خان کو دوبارہ سے پڑھنا بہت اچھا لگا جیسے وقت تقریباً بیس سال پیچھے چلا گیا ہو جب زندگی بے فکرے پن سے عبارت تھی۔ ایک درخواست ہے کہ پرانی رائٹرز سے دوبارہ لکھوانا شروع کیجیے۔ خاص طور پر عابدہ رؤف جو کبھی نظر نہیں آتیں۔ (جی عابدہ آپی اگر پڑھ رہی ہوں تو رابطہ کیجیے) آپ رسالے کو بہت اچھی طرح سے لے کر چل رہی ہیں اور رسالہ مزید نکھر گیا ہے۔ عذرا رسول کو بہت، بہت مبارک باد ماشاء اللہ پوتی کی رحمت سے فیض یاب ہوئی ہیں آپ بھی اپنا انٹرویو شائع کریں۔ شدت سے انتظار رہے گا۔“ (میرے متعلق تو آپ ہر شمارے میں کچھ نہ کچھ پڑھ ہی لیتی ہوں گی..... مجھے تو اپنی رائٹرز کے انٹرویوز سے دلچسپی ہے۔ آپ کی کہانی بھی جلد لگے گی..... پیارے سے خط و تبصرے کا ڈھیروں شکریہ..... عذرا صاحبہ شکریہ ادا کرتی ہیں)

بھ اسما شاہد، لاہور سے۔ ”ڈیئر زینت آپی، عذرا آنٹی کو میری طرف سے پوتی کی ڈھیروں مبارک باد پہنچا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ زینب کے اور سب بچیوں کے نصیب اچھے کرے، آمین..... ماہ نومبر میں تو میت اور فلسفہ خودی کو بیان کرتا اقبالی اداریہ مجھے ماضی کے جھروکوں میں لے گیا جب کلاس میں پوچھا گیا سوال کہ گدھا دن رات کام کرتا ہے مگر اس کی وہ عزت نہیں ہے جو گھوڑے کی ہے تو جواب ملا کہ گدھے میں self respect نہیں، یہ ایک ہلکی پھلکی discussion تھی مگر سچ یہی ہے کہ اپنے آپ کو پہچاننا، اپنی قدر اور عزت کرنا انتہائی ضروری ہے جتنا دوسروں کی (بے شک) یہی صفحات سے روح کو روشن کیا، شمع ہدایت میں اختر شجاعت بہت محنت سے مضامین کو ترتیب دیتی ہیں جزاک اللہ..... افشین نعیم کی کہانی نے کچھ زیادہ متاثر نہیں کیا سیدھے سادے انداز میں لکھی گئی سیدھی سادی کہانی تھی جس میں فٹ کھانا سیکھنے پر ہیرے جڑے کنگن پہنا دیے گئے۔ رشک ہی آیا۔ صبیحہ شاہ کی کہانی میں منظر نگاری کمال کی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ گندم بو کر جو کی امید نہیں کی جا سکتی..... غزالہ رشید کے افسانے کا نام ”ال“ کے بجائے موبائل گزیدہ ہونا چاہیے تھا یہ موبائل کی سیاہ کاریاں ہی تو ہیں جو کئی عمر کے ذہنوں کو تباہ کر رہی ہیں۔ ام ایمان قاضی بہت بہترین انداز میں دل کے تاروں کو چھو لینے والا پیغام دے گئیں۔ ہمارا مذہب ہمیں ہر کام میں میانہ روی اور اعتدال کا درس دیتا ہے۔ ع عورت، خ خواب ایک بہترین کہانی تھی۔ جائز کاموں کے لیے ناجائز اور غلط طریقہ کار کا انتخاب کبھی پسندیدہ نہیں ہوتا..... علیزہ ہدایت اللہ بھی اپنے افسانے کے ساتھ رنگ جمانے میں کامیاب رہیں۔ ہم ہزاروں رشتوں کے گورکھ دھندوں میں جڑے ہوئے لوگ ہیں بس صرف اپنی خوشیوں کے بارے میں سوچنا خود غرضی ہے۔ کنیز علی کی اِدھر اُدھر سے اتفاق نہیں کیا۔ ہمیں خود ترسی سے بچتے ہوئے شکر گزاری کا انداز اپنانا چاہیے۔ ثمر کاظمی کی یقین و بے یقینی، اعتبار و نااعتباری کو بیان کرتی کہانی مزہ دے گئی۔ موضوع پرانا بھی ہو تو انداز بیاں کہانی کو جاندار بنا دیتا ہے۔ عقیلہ حق کی کہانی فلمی..... اسٹوری لگی..... سکینہ فرخ سے ملاقات اچھی رہی اور پاکیزہ تقریب بھی خوب تھی.....“



Digitized by Google

(جامع تبصرے کا شکریہ......)

☆ ایم عمر علی ساگر، فیصل آباد...... پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ......آپ ہمارے دیگر رسالوں سسپنس، جاسوسی اور سرگزشت میں تحریریں بھیج سکتے ہیں۔ہاں شاعری اور مراسلات بھیج سکتے ہیں۔اللہ آپ کے زور قلم میں اضافہ کرے، آمین۔)

✍ ثنا کنول، لودھراں سے۔ ”میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ میرا لکھا ہر حرف اس قابل ہو کہ اسے پاکیزہ کی زینت بنا کر آپ مجھے شکریہ کا موقع دیں۔مگر میں ہوں تو انسان ناں غلطی یا پھر غلطیاں ہونا تو طے ہے۔مگر اب یہ آپ پہ ہے کہ ان غلطیوں کو سدھارنے کا موقع دیں گی یا پھر ریجیکٹ کر کے بے مول کر دیں گی۔(پیاری بیٹی آپ کی ایک کہانی قطع و برید کے بعد لگائی تھی۔باقی پر بھی کام کرنا ہوگا، آپ مایوس نہ ہوں بس رسالہ پڑھ کر تبصرہ بھی ضرور کریں) ہر خواب تکمیل اور ہر خواہش پوری ہونے کے لیے نہیں ہوتی......ہاں یہ سب سے بڑا سچ ہے کہ میرے رب نے آج تک میری کسی دعا کسی خواہش کو رد نہیں کیا جس کا اگر میں مرتے دم تک سجدے کی حالت میں شکر ادا کرتی رہوں تو کم ہے......میرے رب نے میری ہر دعا کو قبول کر کے میرے یقین کو بڑھایا ہے۔شکر الحمد للہ“ (بہت اچھی بات ہے آپ یقین کامل رکھ کر کوشش جاری رکھیں)

✍ صفیہ بیگم، لالہ موسیٰ سے۔ ”میں بیمار ہوگئی تھی تو خط نہ لکھ سکی۔امرت کا انجام بہت اچھا ہوا۔دردانہ نوشین نے اسلام کے بارے میں بہت اچھا لکھا۔کافی عرصے بعد ایسا ناول پڑھا۔محفل بہت اچھی ہے۔عذرا آپی کو پوتی کی مبارک باد۔طیبہ کے خط بہت بھرپور ہوتے ہیں، بہت مزہ آتا ہے۔فہرست پڑھ کر اداریے کے بعد سیدھے محفل میں جاتی ہوں، سروے بھی بہت پسند آیا۔غرضیکہ اس ماہ بھی پورا پاکیزہ بہت اچھا تھا، دلہن نمبر کی وجہ سے رونق الگ ہی تھی۔“ (بہت، بہت شکریہ صفیہ، آئندہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ آیئے گا)

✍ نادیہ، راولپنڈی سے۔ ”عذرا آپی کو پوتی کی ڈھیروں مبارک باد یں، اللہ خوشیاں نصیب کرے، آمین۔بہت اچھا اختتام کیا بہت مبارک ہو، شیریں حیدر نے ناول بہت اچھی طرح چلایا، اتنے رشتے بنائے تو انہیں نبھایا بھی اور جتنے رشتے داروں کے بارے میں کہانیاں چھیڑیں وہ انجام تک پہنچائیں۔اینڈ تو بہت اچھا لگا، بے حد مزہ آیا اور دل اداس بھی ہوا۔نئے آنے والا سال بہت مبارک ہو اور دعا ہے سب کے لیے بہت خوشیوں بھرا ہو اور مشکلات دور ہوں، رسالہ بہت اچھا ہے، ہمیں انجم آپی بھی بہت یاد آتی ہیں، وہ کیسی ہیں، (الحمد للہ ٹھیک ہیں) آپی تمام رائٹرز کو مبارک باد، بہت اچھا لکھ رہی ہیں، اب تو لگتا ہے رفعت آپی کے ناول کا بھی اینڈ ہے۔میری طرف سے تمام پاکیزہ ٹیم کے لیے بہت دعائیں۔“ (جی ہاں)

✍ کرن خان، کوٹ رادھا کشن سے۔ ”مجھے پاکیزہ کے تمام سلسلے اور کہانیاں پسند ہیں، میں بھی لکھنا چاہتی ہوں آپ پلیز کہانی کی اشاعت کے بارے میں آگاہ کریں۔“ (جی پڑھنے کی قطار میں ہے انشاء اللہ جلد بتایا جائے گا۔ رسالہ پسند کرنے کا شکریہ......)

✍ ریحانہ اعجاز، کراچی ڈیفنس سے۔ ”بہترین سرورق سے سجا اپنی پوری تابناکی لیے اپنے اندر لفظوں کے ذخیرے سمیٹے ہمیشہ کی طرح پاکیزہ کا ایک بہترین شمارہ......میں سب سے پہلے پیاری دوست سعدیہ ہما شیخ کو بہت مبارک دینا چاہوں گی ان کی کامیابیوں پر، ایک وکیل ایک شاعرہ ایک مصنفہ سعدیہ ہما کی تمام کاوشات بلاشبہ سراہے جانے کے لائق ہیں، دل خوشیوں سے معمور ہوگیا سعدیہ کی کامیابیوں پر، اللہ سے دعا ہے اللہ سعدیہ کو مزید ڈھیروں خوشیوں سے نوازے، ہر گام کامیابیاں مقدر کرے، آمین۔پیاری بہن ناہید فاطمہ کا تفصیلی جواب پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، پیاری بہنا بلاشبہ آپ کی تحریر بہت عمدہ تھی۔عقیلہ جی کا ناول عام سے خاص تک بے حد شاندار رہا بہت خوب، انداز میں باور کروایا اک عورت عام سے خاص کیونکر بنتی ہے، زری جیسی لڑکیاں عام ہرگز نہیں ہوتیں۔محبت لوٹ آتی ہے، جیسا خوب صورت ناولٹ لکھنے پر ثمر کاظمی کو دلی مبارک باد، بہت خوب صورت تشبیہات اور منظر کشی اس ناولٹ کی جان تھی۔عطیہ ہدایت اللہ کے افسانے ”مائے نی میں کنوں آکھاں“ زار زار رلایا، بے بسی سی بے بسی تھی، عورت کا کہیں کوئی چارہ گر نہیں ہوتا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شوہر جیسا بھی ہو اس کا نام ہی کافی ہوتا ہے زمانے کے سرد و گرم سے بچانے کے لیے۔ اک بات جو کرنا باقی ہے، فصل، امل، اِدھر اُدھر، ع عورت، خ خواب ہر کہانی نے دل موہ لیا، مستقل ناول تمام تر کامیابی سے اپنا سفر طے کر رہے ہیں، مستقل سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔بہنوں کی محفل اور بزم پاکیزہ میں اپنا نام دیکھ کر خوشی دو چند ہوگئی۔اللہ



Digitized by Google

آپ سب کو سلامت رکھے، یونہی ہنستا مسکراتا رکھے، آمین۔'' (تبصرے کا شکریہ)

حمیرا انجم وحید، واہ کینٹ سے۔'' پاکیزہ ایک منفرد رسالہ ہے اس کی خاص بات جو اسے تمام رسالوں سے منفرد کیے ہوئے ہے کہ یہ ہر عید اور خوشی کے موقع پر اپنے رسالے سے جڑے تمام افراد کے ساتھ رہتا ہے۔ نیا سال شروع ہونے کا احساس ہوا تو جسم میں نئی امید، رگوں میں زندگی بن کر دوڑنے لگی۔ دل بارگاہ الٰہی میں بے اختیار پکار اٹھا یا اللہ اس نئے سال کو پاکستان، امت مسلمہ اور پوری دنیا کے انسانوں کے لیے خوشی اور محبت کا سال بنادے..... الٰہی آمین۔ پاکستان کی سرحدوں کو محفوظ بنادے..... افواج پاکستان کو فتح و کامرانی سے نواز دے۔ ان کی قربانیوں کو رائگاں نہ جانے دینا، پوری دنیا کو امن کا گہوارہ بنادے..... میری ہر پاکستانی سے التجا ہے کہ وہ پاکستان کو خوب صورت، خوشحال اور پرامن بنانے کے لیے اگر اپنا، اپنا کردار ادا کریں تو پاکستان کے بہت سارے چھوٹے بڑے مسائل ہم سب مل کر حل کر سکتے ہیں۔'' (جی بالکل، بہت پیاری دعاؤں کے لیے جزاک اللہ حمیرا آپ سے گزارش ہے کہ ایک ہی صفحے پر تمام سلسلوں کے لیے مواد نہ لکھا کریں۔ اسی صفحے کو دو تین حصوں میں تقسیم کر کے الگ، الگ پرچے پر شعر، سوال یا مراسلہ لکھا کریں۔ شکریہ.....)

تسلیم کوثر، کراچی سے۔'' سب سے پہلے تو بات ہو جائے پیاری رفعت سراج کے ناول پہ کہاں بچیں کہ دل ہے کی تعریف کیے بنا نہیں رہ سکتی ماشاء اللہ اب یہ درست ٹریک پر آیا ہے۔ پڑھنے میں دل لگنے لگا ہے ورنہ اس سے پہلے زمین آسمان کی قلابازیاں، تعریفوں کے پل، امارت کے قصے بور کر رہے تھے بہرحال امید ہے آئندہ چل کر اسٹوری مزید دلکش ہو جائے گی۔ (ارے اب تو اسٹوری کلائمکس کی طرف ہے) امرت کا اینڈ بس ٹھیک رہا۔ اندازہ تھا کہ کامل اور امرت ایک ہونے تھے۔ نفیسہ سعید کا ناولٹ گواہ رہنا ایک اچھی کوشش لگی۔ اس کہانی نے سانحہ پشاور کی دکھی یاد تازہ کر دی۔ سکینہ فرخ کے خوب صورت ناول کی تو کیا بات ہے، ان کے ناولٹ سودا کی تعریف کے لیے الفاظ کم پڑ گئے ہیں۔ مصنفہ کو مبارک باد..... البتہ سائرہ مشال نے جس زود دسمبر زیادہ متاثر کن نہیں لکھا مگر اوور آل بہتر تھا۔ حیا بخاری کی کہانی محبت لفظ ہے لیکن ہمیشہ کی طرح دل کو بہت بھائی۔ حیا خوش رہیے۔ اس بار افسانے بہت عمدہ اور ایک سے بڑھ کر ایک رہے۔ خاص کر ریحانہ آفتاب کا رجوع ایک بے مثال اور حقیقت سے قریب ترین افسانے نے دل موہ لیا۔ دشت میں آب فرح جھوٹو نے بھی اچھا ہی لکھا ہے۔ البتہ اپنا دامن اپنی آگ ثریا فرح کی کہانی بچکانہ لگی۔ اس کے برعکس ایمل رضا کی ٹوٹی صراحی دل دکھا گئی، ایمل کا افسانہ بہت اچھا لگا۔ اب عرض ہے بلاعنوان افسانہ اسما قادری کی تحریر لاجواب نہایت عمدہ اور زبردست لگی۔ نزہت اس کا عنوان ضبط انتہا پھر مظلوم بنت حوا نہیں ابن آدم بھی ہے۔'' میرے خیال سے ہونا چاہیے۔ بلاعنوان افسانے کا عنوان کیا الگ صفحہ پر لکھنا چاہیے تھا پلیز بتائیے گا۔ ہم نے تو اس ہی میں لکھ دیا ہے۔ آخر میں دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پاکیزہ اسٹاف کو خوشیاں اور کامیابیاں عطا فرمائے، آمین۔'' (تبصرے کا شکریہ، عنوان نوٹ کر لیا ہے آئندہ شمارے میں بتایا جائے گا)

لاج ربانی اعوان، آمنہ ملک، بھکر سے۔'' پاکیزہ بہت اچھا رسالہ ہے ہم شوق سے پڑھتے ہیں اور بہنوں کی محفل تو بہت مزہ دیتی ہے۔ ہماری جانب سے آپی عذرا رسول کو پوتی کی مبارک باد۔ اللہ معراج بھائی کو صحت دے، آمین۔ عقیلہ حق کا ناول بہت اچھا لگا۔ ذرا اینڈ بھی خوب صورت دیا کریں اچھا لگتا ہے کہانی کے حساب سے ویسے تو خیر ٹھیک ہی ہوتے ہیں اور بھی سلسلے سب اچھے آتے ہیں۔'' (شکریہ چھوٹے سے تبصرے کا ہماری کوشش ہوتی ہے، سوا اچھے سے اچھے اینڈ دیں آئندہ خیال رکھیں گے)

سعدیہ ہمایوں، سرگودھا سے۔'' سال کا آخری شمارہ اپنی تمام تر جولانیوں کے ساتھ دلہن نمبر کی صورت میں ہمارے ہاتھوں میں ہے، نائنٹل کی دلہن کو لال جوڑے میں ہونا چاہیے تھا خیر یہ بھی اچھی لگ رہی ہے۔ (ارے آج کل نئے، نئے کلرز جو دلہنیں پہن رہی ہیں ناں) اداریے کے بعد سب سے پہلے امرت کی آخری قسط پڑھی جسے شیریں حیدر نے عجلت میں سمیٹ دیا اتنا لمبا ناول تشنگی چھوڑ گیا۔ امرت کی محبت تو کامل ہو گئی مگر پنکی کا کیا ہوا؟ چاچو کے لاکر میں کیا راز تھا ان کاغذات میں کیا لکھا تھا؟ پھر برائی کا بھی کوئی انت ہوتا ہے اتنا ظلم و ستم کرنے والا من چاہی عورت اور باپ کی وراثت پہ راج کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ (چلیں آپ کے نکات کے شیریں تسلی بخش جواب دیں گی) اسما قادری کی کہانی کا عنوان تریا چلتر ہونا چاہیے اور انعام بھی میرا ہونا چاہیے ویسے اسما مرد اتنے مٹی کے مادھو ہوتے نہیں کہ اتنے بڑے الزام پر چوں بھی نہ کریں۔ سکینہ فرخ کا سودا حقیقت پر



Digitized by Google

بنی سچ ہے، عورت کے پیروں میں ان دیکھی بیڑیاں ہیں جو قدموں کو روک لیتی ہیں۔ ع عورت دو دیر ایک باپ کی کہانی سبق آموز اولاد میں تفرقہ بہت مہنگا پڑتا ہے نفیسہ سعید کا ناولٹ پھر سے لہو، لہو کر گیا بلاشبہ اس ماہ کی بیسٹ تحریر اور اب دل بھاری ہو گیا باقی اگلے ماہ ہاں ایوارڈز کا سلسلہ شروع کریں معراج انکل کے لیے دعائیں طیبہ عنصر کو بیٹی کی شادی کی مبارک باد.....'' (بہت شکریہ سعدیہ، دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

آسیہ عامر، کراچی سے۔'' جو کہوں گی سچ کہوں گی سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی، سب سکھیوں کو بہنوں کو نیا سال بہت، بہت مبارک ہو۔ پاک پروردگار سب کی زندگیوں مین خوشیاں بھر دے آمین۔ سب سے پہلے اختر شجاعت صاحبہ سے کہوں گی کہ آپ نے تو مجھے معتبر کر دیا یہ کہہ کر آپ کی آنکھیں میرا تبصرہ ڈھونڈ رہی ہوتی ہیں، اللہ کرے یہ پیار بھرا رشتہ سدا سلامت رہے ہم سب پاکیزہ سے جڑے رہیں (آمین) پاکیزہ سے جڑے رہنے سے ایک بات یاد آئی پلیز ضرور شائع کیجیے گا کہ دو مہینے پہلے میں نے ایک مشہور ڈائجسٹ منگوایا اس کے پیرز، کہانیاں سب کچھ بہت اچھا لگا سچ کہوں تو پاکیزہ سے بھی اچھا لگا لیکن تھوڑی دیر پڑھتے رہنے کے بعد مجھے عجیب سی بے چینی ہونے لگی جیسے کسی کے محل میں چلے جائیں تو پہلی نظر میں تو بہت متاثر ہوتے ہیں لیکن اپنا گھر ہی اچھا لگتا ہے، سکون اپنے گھر میں ہی ملتا ہے تو میں نے بھی اس ڈائجسٹ کو سائڈ پر رکھا اور رکھ کر بھول گئی اور اپنا پاکیزہ پڑھا جسے پورا مہینہ پڑھ کر بھی دل نہیں بھرتا۔ (یہی اپنائیت ہی۔ ہر پاکیزہ کا خاصہ ہے) محبت لفظ ہے لیکن..... حیا بخاری جی آپ لکھیں اور ہم نہ پڑھیں ایسا ہو نہیں سکتا، کمال لکھا ہے ارے وہ اختر شجاعت کے مضمون پر تبصرہ تو ادھر ادھر ہو گیا..... تو..... میں کہہ رہی تھی کہ بہت پُر اثر مضمون ہوتے ہیں تو اثر تو اسی میں ہوتا ہے ناں جو عمل کرے..... سمجھ گئے؟ میں تو سمجھ گئی ہوں، سردی کی دھوپ جیسی شیریں حیدر جی ہم تو کھلے عام کہتے ہیں ہم آپ کے وہ فین ہیں جو سردی گرمی چلتے ہیں امرت اختتام پزیر ہو گیا اچھا اینڈ تھا۔ زیادہ مزہ شاید اس لیے نہیں آیا کہ آپ سے جو مہینہ وار ملاقات ہو جاتی تھی وہ ختم ہو گئی۔ صائمہ اکرم چوہدری کو عروس البلاد میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ کہاں بچیں اچھا رہا۔ ایمل رضا کی ٹوٹی صراحی، اپنے نام کی طرح ہٹ کر موضوع چنتی ہیں، بہت اچھا لکھا۔ کاجل کوٹھڑی، طیبہ عنصر مغل کا پڑھ کر اسمول پر بہت غصہ آیا کیسے اس نے ڈرائیور پر بھروسا کر لیا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کسی غیر مرد پر بھروسا کیا جائے..... طیبہ آپ کو بیٹی کی شادی کی مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نصیب روشن فرمائے (آمین) دیگر تحریریں ابھی زیر مطالعہ ہیں لہٰذا معذرت۔ ہاں مونگ پھلی، چلغوزے کھاتے سے مجھے بھی یاد رکھیے گا۔'' (بہن اگر تم چلغوزے کھا رہی ہو تو ہمارا نام بھی لے لینا اور ہاں جب تم تبصرہ شروع کرتی ہو تو اچھا لگتا ہے اور یوں لگتا ہے کٹہرے میں کھڑی ہو کر کسی کی گواہی دے رہی ہو اور بھئی جس کی مرضی جو رسالہ پڑھے، ہمیں تو اپنی تمام رائٹرز، ریڈرز، بہی خواہ سب عزیز ہیں جو با قاعدگی سے پڑھیں یا کبھی کبھار مگر کبھی کبھی پڑھنے والے ایسے دقیق تبصرے نہیں کر سکتے کہ انہیں پورے احوال سے آگاہی کہاں ہوتی ہے۔ بہر حال تم سب لوگ سلامت رہو اور اسی طرح ہمارا حوصلہ بڑھاتی رہو اور تحریروں پر رائے دیتی رہو کہ یہ رائٹر کا حق ہوتا ہے)

اچھا بہنو! فی الحال اس سال کی پہلی محفل کو موقوف کرتے ہیں اگر کسی کے خطوط رہ گئے ہوں تو معذرت۔ تمام قارئین خوب بڑھ چڑھ کر اپنی رائے دیتے ہیں اور ہم کوشش کے باوجود آپ سب کو ایک ہی ماہ میں جگہ نہیں دے پاتے، انشاء اللہ بقیہ محفل اگلے ماہ.....

آپ سب کے لیے صحت و سلامتی کی دعائیں..... امور خیر کی دعائیں اور اپنے پروردگار عالم کے حضور اپنے گناہوں کی، لغزشوں کی اور خطاؤں کی معافی کے طلب گار ہیں کہ ہمارا رب ہمیں اتنی مہلت ضرور دے کہ ہم اپنا نامۂ اعمال اپنے داہنے ہاتھ میں لینے کے قابل ہو سکیں، الٰہی آمین۔

آپ کی خیر خواہ
نزہت اصغر


**پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا**

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.C فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118





Digitized by Google

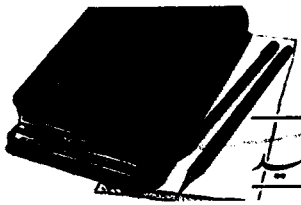

# پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

## حمد باری تعالیٰ

تجھے نزدیک دیکھا دور دیکھا
کہیں ظاہر کہیں مستور دیکھا
جہاں سے دور دیکھا پاس پایا
جہاں سے پاس پایا ، دور دیکھا
تری صورت نہ دیکھی شان دیکھی
تجھے دیکھا نہیں بس نور دیکھا
نہ دیکھی تیری جن آنکھوں نے صورت
انہی آنکھوں میں تیرا نور دیکھا
اسی شیشے پہ دیکھی تیری رحمت
کہ جس شیشے کو چکنا چور دیکھا
منور میں نے جب دل پر نظر کی
منور اِک چراغِ طور دیکھا

کلام: منور بدایونی
پسند: فضہ بتول، بہارہ کہو

## نعتِ رسولِ مقبولؐ

نعت کہنے کے لیے عشق نبیؐ ہوتا ہے
نعت لکھ لینے سے پھر عشق سوا ہوتا ہے
عشق سچا ہے مگر اس کے مدارج سمجھو
کچھ نہ سمجھو گے تو پھر درد سوا ہوتا ہے
عشق کے دریا میں ڈوب کے دیکھو تو سہی
لذتِ دریا تو ہر دکھ کی دوا ہوتا ہے
کون کہتا ہے محبت میں تو غم ہی غم ہیں
یہ تو وہ غم ہے جو راحت کا بدل ہوتا ہے
عشق مجبور ہے بے بس ہے تمنائی ہے
عشق ہو جائے تو بس ہوگیا اور ہوتا ہے
عشق آسان نہیں اس کا تو پانا مشکل
عشق والوں کو یہ قدرت سے عطا ہوتا ہے

کلام: ذکیہ بلگرامی

پیاری ریڈر نگینہ ضیا بنگش، کراچی نے تمام قاری بہنوں کے لیے بہت خوب صورت دعا ارسال کی ہے۔

## ہر صبح کی ایک خاص دعا

یاواسع العطا
یاسامع الدعا
یادافع البلا

یہ کلمات زبان پر جاری رکھ کر پہلے اپنے برادرِ مومن کے لیے پھر اپنے لیے دعا طلب کریں۔

## توفیقِ شکر

ایک بہرا اذان نہیں سن سکتا، اسی طرح اندھا بھی قرآن کے الفاظ نہیں دیکھ سکتا، اس لیے ہمیں اس نعمت پر الحمدللہ کہنا چاہیے۔ کسی ایک نعمت کا بھی شکر ساری زندگی ادا نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ سے شکر کی توفیق مانگا کرو۔

از: شہلا نواز، لاہور

## نصیحت

میرے باپ کی مجھ کو
ہمیشہ سے نصیحت ہے
کسی سے دکھ نہیں کہنا
کسی سے کچھ نہیں کہنا
اور
اپنی ذات کے پرچم کو



Digitized by Google

کبھی نہ سرنگوں کرنا

کلام: افتخار شوق، میاں چنوں

## ایک تڑپ ایک دعا

جو جا رہے ہو مدینے کو قافلے والو
مرا سلام بھی حاضر ہے قافلے والو
تڑپ رہی ہوں میں اس در کی حاضری کے لیے
گزر رہے ہیں شب و روز بس اسی کے لیے
میں خوابوں میں بھی دیکھوں اس زمیں کو
مرے مالک تو دے تعبیر میرے اس یقیں کو
دعا کرتی رہوں میں خواب کے تعبیر ہونے تک
دعائیں عرش تک جائیں مری تاثیر ہونے تک
طلب کی انتہا ہے اِک تڑپ ہے بس منتظر ہوں
بلاوا ہو، سفر ہو میں ہوں اور شہر مدینہ ہو

عقیدت گزار: فریدہ افتخار، اسلام آباد

## قرآن پاک کی طاقت

سورۂ یٰسین: قبر کے عذاب سے بچاتی ہے۔
سورۂ رحمٰن: امیر کرتی ہے، نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔
سورۂ واقعہ: فقر و فاقہ سے بچاتی ہے۔
سورۂ ملک: اسے سورۂ منجیہ یعنی نجات دلانے والی بھی کہتے ہیں۔ عذاب قبر سے بچاتی ہے۔

## اے دوست

میرے اختیار میں ہوتا اگر
تو میں چاند کا نور سارا
صبا کی ساری ٹھنڈک
پھولوں کی ساری خوشبو
تتلیوں کے سارے رنگ
تیرے نام کر دیتی
اپنی محبت کی ساری پاکیزگی
اپنی دعاؤں کے سارے رخ
اپنی خوشیوں کے سارے لمحے
اپنی قسمت کے سارے سکھ
تیرے دل میں بھر دیتی

دعا گو: مہرین ضیا بنگش، کراچی

## اچھی، اچھی باتیں

☆ بعض اوقات الفاظ وہ کام نہیں کر پاتے جو آنسو کر جاتے ہیں۔

☆ حکمت ایک درخت ہے جو دل میں اگتا ہے اور زبان سے پھل دیتا ہے۔

☆ اگر تم صحت کی قدر کرو گے تو بیماری تم سے دور بھاگے گی۔

☆ دولت، حکومت، مصیبت میں انسان کی عقل کا امتحان ہوتا ہے۔

☆ صبر ایک ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔

☆ تقدیر کو تدبیر سے ایسے سنوار کہ تقدیر مسکرا اٹھے۔

☆ اللہ دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی۔

☆ دولت مند بیوہ کے آنسو بہت جلد خشک ہو جاتے ہیں کہ اس کا نصف سہاگ قائم رہتا ہے۔

☆ غریب آدمی روٹی کے حاصل کرنے کے لیے دوڑتا ہے اور امیر آدمی روٹی ہضم کرنے کے لیے۔

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

## اصل زندگی

☆ خلائق سے اچھا تعلق اور مخلوق سے اچھا برتاؤ مومن کی نشانی ہے۔ کھانا، پینا، سونا، سانس لینا ہی زندگی نہیں۔ دوسروں کے دلوں میں زندہ رہنا اور ان کی دعاؤں میں شامل رہنا اصل زندگی ہے۔

☆ جو انسان اپنا ہونا تسلیم کر لے اس کے خاص ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ عاجزی بہت بڑی نعمت ہے جو مومن کی خاص صفت ہے۔

☆ نظر اس وقت تک پاکیزہ رہتی ہے جب تک کہ دوسری بار ارادی طور پر نہ اٹھائی جائے۔



Digitized by Google

☆ سمجھوتا کرنا سیکھو کیونکہ تھوڑا جھک جانا کسی رشتے کا ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جانے سے بہتر ہے۔
از: بلقیس جعفر، کوئٹہ

## غزل

تیرا میرا پیار کا رشتہ
چاہت کے اظہار کا رشتہ
کون بنے گا جیون ساتھی
مجھ سے ہو اقرار کا رشتہ
کب سے میں منسوب ہوئی ہوں
تم سے در و دیوار کا رشتہ
سب سے تھا مضبوط ہمارا
سات سمندر پار کا رشتہ
مجھ کو مت سمجھاؤ فری
کیا سولی کیا دار کا رشتہ

کلام: فریدہ فری یوسف زئی، لاہور

## دوست

لفظ، دوست، زبان سے ادا کرنا کس قدر سہل ہے مگر اس کے مفہوم کو سمجھنا ہر کسی کے لیے آسان نہیں ہے۔ دراصل یہ چار صفحات کا مجموعہ ہے۔ ''د'' سے دیانت داری ''و'' سے وفاداری ''س'' سے سچائی اور ''ت'' سے تابعداری مراد ہے اگر ان چار صفات کا وجود دوستوں کے درمیان قائم رہتا ہے تو دوستی کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ دوستی ایک ہمہ گیر رشتہ ہے جسے بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں۔ وہ باتیں، وہ خیالات جو ہم ماں، باپ یا بہن، بھائیوں سے شیئر نہیں کرسکتے ہیں، ہم کسی بھی اہم مسئلے کا حل اپنے اس دوست سے پوچھ سکتے ہیں۔ جب بھی میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کروں، پریشانی سے نڈھال ہوجاؤں، جب سانسوں کا ردھم ٹوٹ رہا تو ان لمحوں میں ایک ہی رشتہ، ایک ہی سہارا ایسا ہے جو مجھے کھڑا رہنے میں مدد دیتا ہے، یہ رشتہ یہ سہارا میرے پیارے دوست پاکیزہ کا ہی تو ہے۔

مرسلہ: فریدہ فضل، ڈالاس، یو ایس اے

## حسن اخلاق

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
☆ میں اعلیٰ اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔
☆ بہترین لوگ وہ ہیں جو اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔
☆ بہترین ایمان خوش خلقی ہے۔
☆ مومنوں تمہیں وہ شخص نہ بتاؤں جس پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور وہ دوزخ کی آگ پر حرام کیا گیا ہے، یہ وہ شخص ہے جو نرم مزاج کا مالک، نرم طبیعت اور نرم خو ہو اور مخلوق سے محبت کرنے والا ہو۔
☆ قیامت کے دن مومن کے میزان میں جو سب سے وزنی اور بھاری چیز رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔
☆ صاحب ایمان بندہ اچھے اخلاق سے اللہ کے ہاں وہ مرتبہ اور درجہ حاصل کرلیتا ہے جو رات بھر نفلی نمازیں پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے والوں کا ہے۔

از: شازیہ ہاشم میواتی۔ کھڈیاں قصور

## غزل

تجھے اس سے زیادہ کوئی سمجھا ہی نہیں سکتا
خدا وہ ہے جو حدِ عقل میں آ ہی نہیں سکتا
مرا دل عزتِ فانی پہ اترا ہی نہیں سکتا
ترے دھوکے میں اے دنیا کبھی آ ہی نہیں سکتا
رموزِ معرفت کو معنی بے لفظ کہتے ہیں
یہ وہ باتیں ہیں جن کو ناطقہ پا ہی نہیں سکتا
جو ہر جنبش کے پیچھے اِک سکوں محسوس کرتا ہے
کبھی وہ اضطرابِ دل سے گھبرا ہی نہیں سکتا

کلام: جوش ملیح آبادی
پسند: نگہت حسین، بہاولپور



Digitized by Google

## لاعلاج

بیوی اپنے شوہر کا موبائل چیک کر رہی تھی۔ اس میں نمبر کچھ اس طرح سے محفوظ تھے۔

دل بہلانے کا علاج، خوشی کا علاج، غم کا علاج،

بیوی نے اپنا نمبر چیک کیا تو لکھا تھا۔ ''لاعلاج''

## ہم زبان

گل خان ائیر ہوسٹس سے۔ ''تمہاری شکل ہماری بیوی سے ملتی ہے۔''

ائیر ہوسٹس۔ ''بکواس بند کرو۔''

گل خان: ماشاءاللہ زبان بھی ملتی ہے۔''

از: ثمینہ کوکب، جہلم

## فرق

زخم تازہ ہوں یا پرانے فرق کیا پڑتا ہے
احساسات سچے ہوں یا جھوٹے فرق کیا پڑتا ہے
چہرے پڑھ کر بھی جو درد نہ جان سکے
وہ حال پوچھے نہ پوچھے فرق کیا پڑتا ہے

کاوش: اریبہ ارشد، واہ کینٹ

## خواہش

کبھی پاس آ
میرے روبرو
کروں بات میں
تیرے دوبدو
مجھے کس
پہلا وہ یاد ہے
رکھا تو نے سر
میری گود میں
میری سانس
تھم سی گئی
تھی تب
تیری آنکھ میں
دکھا جو عکس
تو میرے قریب
میں تیرے قریب
جی چاہا تھا
رک جائے وقت
پر وقت، خواب
اک جیسا ہے
پلکیں اٹھیں
ڈھل جائے سب

کاوش: نبیلہ خان، ڈی آئی خان

## غزل

منزل سے آگے بڑھ کر منزل تلاش کر
مل جائے مجھ کو دریا تو سمندر تلاش کر
ہر شیشہ ٹوٹ جاتا ہے پتھر کی چوٹ سے
پتھر ہی ٹوٹ جائے وہ شیشہ تلاش کر
سجدوں سے تیرے کیا ہوا صدیاں گزر گئیں
دنیا تیری بدل دے وہ سجدہ تلاش کر
ایمان لٹ نہ جائے رہبر کے ہاتھوں سے
ایماں ترا بچالے وہ رہبر تلاش کر
ہر شخص جل رہا ہے عداوت کی جنگ میں
اس آگ کو بجھا دے، وہ پانی تلاش کر
کردے سوار اونٹ پر اپنے غلام کو
پیدل ہی خود چلے جو وہ آقا تلاش کر

از: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

## تعلیم و تربیت

ایک عام گھرانے میں جب بڑے بچے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شادی شدہ ہو کر والدین سے آزاد ہو جاتے ہیں تو وہ ماں باپ کو قدرے ''پرائے'' پرائے سے'' اور ہاتھ سے نکل جانے والے لگنے لگتے ہیں۔ اس ردِعمل کا شکار ہو کر



Digitized by Google

والدین اپنے احساسِ بے مائیگی کی تلافی کے لیے اپنا سارا وزن چھوٹے بچے (جو عموماً اس وقت تک زیرِ کفالت ہی ہوتا ہے) کے پلڑے میں ڈالتے ہیں اور سب سے چھوٹے بچے کو "اپنا" بنا کر رکھنے کی خواہش میں خاصی خودغرضی سے کام لیتے ہیں۔ اس طرح ماں باپ کو ضعیفی کے دور میں سنبھالنے کی ذمے داری (جو کہ سب بچوں کی مشترکہ ہوتی ہے) کا زیادہ دباؤ اکثر حالات میں چھوٹے بچے کے حصے میں آتا ہے۔ یہ اضافی دباؤ بچے کی ذاتی نشوونما اور تعمیرِ شخصیت کے عمل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

والدین کا فرض ہے کہ اپنے سب سے چھوٹے بچے کو خصوصی توجہ دیتے ہیں ان مسائل کا تدارک کریں جو اسے محض پیدائشی ترتیب میں پیچھے ہونے کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ ماں باپ کو چاہیے کہ وہ کبھی بچوں کا آپس میں تقابل نہ کریں اور نہ ایک بچے کو دوسرے بچے کی طرح بن جانے کی ترغیب دیں۔ ہر بچے کو قدرت نے منفرد اوصاف و دیعت کیے ہوئے ہیں اور ہر بچہ اپنے اندر چھوٹی سی کائنات لیے ہوتا ہے۔ والدین کا کام یہ ہے کہ وہ بچے کے طبعی اوصاف کو باہر آنے دیں اور مثبت انداز میں انہیں روبہ عمل آنے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "ماں باپ اپنی اولاد کو جو سب سے بڑا تحفہ دیتے ہیں، وہ ان کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔"

از: نگہت حسین۔ بہارہ کہو

## غزل

دنیا سے مہر و محبت اٹھ گئی
بڑھ گئی نفرت، مروت اٹھ گئی
راج ہے ہر سمت ظلم و جبر کا
امن کی دنیا سے نعمت اٹھ گئی
زاہد و عابد تو اب بھی ہیں مگر
پر دلوں سے اب عبادت اٹھ گئی
علم تو ہے پر فقدانِ ادب
بڑھ رہا ہے جہل حکمت اٹھ گئی
دین میں رائج ہے اب رسم و رواج
جو تھی سچی وہ شریعت اٹھ گئی

شاعرہ: نگہت غفار، کراچی

## شکر گزاری

میرے خیال میں شکر گزاری یہ ہرگز نہیں ہوسکتی کہ جب اللہ تعالیٰ مجھے دے تو میں اس کا شکر ادا کروں، شکر گزاری یہ ہوگی جب اللہ مجھ سے اپنا دیا ہوا لے تو میں تب بھی اس کی شکر گزاری ہی کروں اور کوئی شکوہ زباں پر نہ لاؤں۔ (بنام محمد، سید بلال قطب)

## تربیت

"سنو منے، اگلی گلی میں خوب لڑائی ہو رہی ہے، ذرا دیکھ کر اور سن کر تو آنا کہ کیا معاملہ ہے پھر آ کر تفصیلاً مجھے بھی بتانا۔" سات سالہ بیٹے کو ماں نے باہر بھیجا۔ بیٹا باتوں کی بھاری گٹھڑی اٹھائے واپس ماں کے پاس پلٹا اور جو کچھ بھی گٹھڑی میں تھا ماں کے آگے الٹ دیا۔ جس میں لوگوں کا حلیہ، گالیاں، طعنے اور لفظی مار دھاڑ بھی تھی، اتنی معلومات فراہم کرنے پر ماں نے بیٹے کا ماتھا چوما اور بیس کا نوٹ بیٹے کو دیا اس کی بہترین کارکردگی پر۔

از: ہمشیرہ محمد لطیف، فوجیوں والا

## نظم

محبت..... دکھ..... درد
اشتعال اور جنوں
اور فقط
وہ ایک قطرہ
جو سب کچھ بہنے کے بعد
آنکھ کے کونے میں رہ جائے
بہت نایاب ہوتا ہے

از: صائمہ سجاد بگٹش، کوہاٹ سے



Digitized by Google

☆پروین افضل شاہین.....بہاول نگر

مجھے سمیٹ کر رکھا ہے تیری چاہت نے
کوئی سوال نہیں تھا مرے سنبھلنے کا

☆پروین.....پنجاب

ٹوٹ جاتا ہے بہت جلد نظر کا رشتہ
تجھ کو دیکھوں تو تری سمت برابر دیکھوں

☆عروبہ ناز.....کوٹلی

دل کے نگر میں تو یہ محبت تلاش کر
یہ جو خلوص ہے نہیں ملتا دکان میں

☆تبسم حسین.....جہلم

خوشحال لڑکیاں تو پیا گھر چلی گئیں
وہ صرف دیکھتی رہی شہنائیوں کے خواب

☆یاسمین کنول.....پسرور

بچھڑے ہوئے لوگوں کی آنکھیں
طلب کرتی ہیں خوابوں میں آنکھیں
اس واسطے سفر کرتی ہیں

☆رسولاں بی بی.....قصور

جس لڑکی کی ماں مر جائے
اس کا میکا چھوٹ گیا
ہر رشتہ اِک شیشہ ہے
ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا

☆وزیہ ظفر.....چکوال

اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

☆حدیث اختر.....حاصل پور

نہ جانے کیا جادو ہے سجدے میں
جتنا جھکتا ہوں اتنا اٹھتا چلا جاتا ہوں

☆صبا نور.....لیہ

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

☆شازیہ ہاشم میواتی.....قصور

کبھی دریا سے مثلِ موج ابھر کر
کبھی دریا کے سینے میں اتر کر
کبھی دریا کے ساحل سے گزر کر
مقام اپنی خودی کا فاش تر کر

☆سائرہ ارم ڈوگر.....کمالیہ

نیا سال آیا ہے نئے غم ملیں گے
سنگر بہت، مہرباں کم ملیں گے

☆ایمن رانی.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

وہ سالِ نو پہ ملا بھی تو سرسری اب کے
اداس کر گئی پہلی ہی جنوری اب کے

☆ثمینہ کوکب.....جہلم

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کر اِک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے سال
اس بہار رُت کو زنجیر کرتے ہیں

☆زریں نعیم.....گجرات

تیرے ہجراں سے تعلق کو نبھانے کے لیے
ہم نے اس سال بھی جینے کی قسم کھائی ہے



Digitized by Google

☆حمیرا انجم وحید.....واہ کینٹ

تو نیا ہے تو دیکھا صبح نئی شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی

☆تسنیم کوثر.....کراچی

ان کی آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز
سونے والوں کی طرح جاگنے والوں جیسی

☆نہال اختر.....ڈی جی خان

وہ میری یاد سے رہیں غافل
میں انہیں یاد کرتی رہتی ہوں
یوں تو خاموش ہے زباں میری
دل سے فریاد کرتی رہتی ہوں

☆تسنیم.....ایف بی ایریا

لکھ چکے ہم جا چکا خط گر یہی حالت رہی
ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا

☆فرحت.....کراچی

یہ سمجھ کے مانا ہے سچ تمہاری باتوں کو
اتنے خوب صورت لب جھوٹ کیسے بولیں گے

☆شاہینہ مسعود.....کمالیہ

وہی گلیاں وہی کوچے، وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظامِ زیست برہم ہے
وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اسے کہنا کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے

☆بنت ظفر.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

کچھ خبر لے آ جنوری کی بارشوں!
بہت سونا لگے اس کے بنا یہ گھر مجھے

☆ساجدہ ظفر.....کمالیہ

نئی رتیں، نئے خواب ہیں اور چاہتوں کے سلسلے
سالِ نو کے سنگ ہیں تیری گلاب رفاقتوں کے سلسلے
کبھی دن بھر تجھے سوچنا، کبھی رات بھر سے جاگنا
تیری یاد ہے، میں ہوں اور جنوری کی شاموں کے سلسلے

فرحت احمد.....گلشن حدید

صاف کہہ دو اگر گلہ ہے کوئی
فیصلہ، فاصلے سے بہتر ہے

☆سائرہ.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

اب کا برس عظیم بڑا ہی طویل تھا
میں بوڑھا ہوگیا ہوں اسی ایک برس میں

☆شہلا نواز.....لاہور

آج وہ بھی بجھ گیا لو ہوگیا قصہ تمام
ٹمٹما کر رہ گیا تھا جو چراغِ آرزو

☆جبیں نیاز.....ملتان

مجھ کو تھکنے نہیں دیتا ضرورت کا پہاڑ
میرے بچے مجھے بوڑھا نہیں ہونے دیتے

☆ممتاز خانم.....کراچی

وہ درد بھری چیخ میں بھولا نہیں اب تک
کہتا تھا کوئی بت مجھے پتھر سے نکالو

شمیم علی.....اسلام آباد

وہ بھی اِک دور تھا جب میں نے تجھے چاہا تھا
اس کا دروازہ ہے ہر وقت کھلا کیسے ہو

☆پروین افضل.....پنجاب

میری آنکھ میں رنگ ہیں سارے تتلی کے
میری سانس میں خوشبو سرخ گلابوں کی
میرے دل میں حرفوں کی اِک فصل اگی
میری دعا میں مہک بسی ہے کتابوں کی

☆فصیحہ آصف.....ملتان

وہ خاموشی ہے کہ اب کے ظفر اس شوخ کے ساتھ
ایک آواز کا رشتہ تھا سو اب وہ بھی نہیں

☆حمیرا اقبال.....کوٹری

مجھ سے گریز پا ہے تو ہر راستہ بدل
میں سنگ راہ ہوں تو سبھی راستوں میں ہوں
مجھ سے بچھڑ کے تو بھی تو روئے گا عمر بھر
یہ سوچ کر کہ میں بھی تیری خواہشوں میں ہوں



Digitized by Google

# منتخب غزلیں

مقبول عام شاعر محسن بھوپالی کے ماہ وفات کی مناسبت سے
اس سرتبہ ان کا خوبصورت کلام آپ کی خوش ذوقی کی نذر . . .

بچھڑ کے تجھ سے میسر ہوئے وصال کے دن
ہیں تیرے خواب کی راتیں ترے خیال کے دن

فراقِ جاں کا زمانہ گزارنا ہوگا
فغاں سے کم تو نہ ہوں گے یہ ماہ و سال کے دن

ہر اک عمل کا وہ کیا، کیا جواز رکھتا ہے
نہ بن پڑے گا جواب ایک بھی، سوال کے دن

عروجِ بخت مبارک مگر یہ دھیان رہے
انہی دنوں کے تعاقب میں ہیں زوال کے دن

گزر رہے ہیں کچھ اس طرح روز و شب اپنے
کہ جس طرح سے کٹیں شاخِ بے نہال کے دن

شکایتیں بھی بہت ہیں حکایتیں بھی بہت
گزر نہ جائیں یوں ہی عہدِ بے مثال کے دن

وہ زندگی کو نیا موڑ دے گیا محسنؔ
یہی زوال کے دن ہیں مرے کمال کے دن

رات بھر جینے سے کیا شمع شبستاں کی طرح
ایک لمحہ ہے بہت شعلۂ رقصاں کی طرح

دل کے زخموں پہ بھی پھولوں کا گماں ہوتا ہے
یاد آئی ہے تری موجِ بہاراں کی طرح

کیوں ہو خاموش رفیقانِ چمن کچھ تو کہو
صبحِ گلشن بھی نہ گزرے شبِ زنداں کی طرح

لذتِ درد کو اربابِ ہوس کیا جانیں
لذتِ درد کہ ارزاں نہیں درماں کی طرح

یورشِ درد نے پندارِ وفا توڑ دیا
ہم بھی نادم ہیں بہت حسنِ پشیماں کی طرح

یاد رکھے گا سلگتا ہوا ماحول ہمیں
خارزاروں میں رہے ہم گلِ خنداں کی طرح

طبعِ خوددار پہ اک طرفہ ستم ہے محسنؔ
ان کا اندازِ کرم غیر کے احساں کی طرح

29 ستمبر 1932ء تا 17 جنوری 2007ء

URDU TUBE

پیاری بہنو! خوش ذائقہ کے ان صفحات میں ہم آپ کے لیے معروف میزبان اور شیف شگفتہ یاسمین کے تیار کردہ کھانوں کی تراکیب بعنوان ''امی کی ریسپی'' لے کر آئے ہیں۔ آپ کے پسندیدہ ماہنامہ پاکیزہ میں نت نئے سلسلے آپ ہی کے لیے ہیں۔ یوں ہر دفعہ شگفتہ کی ترکیبوں کے ساتھ، ساتھ ہماری قاری بہنوں کے بنائے ہوئے پکوان بھی انشاء اللہ ان صفحات کی زینت بنتے رہیں گے۔ (مدیرہ)

## امی کی ریسپی

### چکن ڈونٹس

اجزا: بون لیس چکن، آدھا کلو۔ آلو، دو درمیانے سائز کے پہلے کدو کش کر کے دو منٹ تک ابال لیں۔ درمیانی پیاز، کدوکش کی ہوئی دو عدد۔ ہری مرچ، دو عدد۔ ہرا دھنیا، آدھی گڈی۔ قصوری میتھی، آدھا چائے کا چمچ۔ لہسن پسا ہوا، ایک چائے کا چمچ۔ پسا ہوا ادرک، ایک چائے کا چمچ۔ پسا ہوا گرم مسالا، آدھا چائے کا چمچ۔ پسا ہوا سفید زیرہ، آدھا چائے کا چمچ۔ پسی ہوئی لال مرچ، ایک چائے کا چمچ۔ پسا ہوا دھنیا، آدھا چائے کا چمچ۔ ہلدی، ایک چٹکی۔ پسی ہوئی کالی مرچ، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ کارن فلور، ایک کھانے کا چمچ۔ میدہ، ایک کھانے کا چمچ۔ انڈے، تین عدد۔ نمک، حسب ضرورت۔ بریڈ کرمبز، حسب ضرورت۔

ترکیب: بون لیس چکن کو بلینڈر میں ڈال کر ایک بار بلینڈ کرلیں پھر تمام اجزا اس میں شامل کرلیں مگر انڈا صرف ایک مکس کریں، اب اس مکسچر کو پیالے میں نکال لیں۔ کوفتے سے تھوڑا بڑا پیڑا بنائیں، پھر کباب کی طرح اس کو دبائیں پھر لیکن چپٹا نہ ہونے دیں۔ اب کوئی بھی چھوٹا ڈھکن لے کر اس شامی کباب کے بیچ میں سوراخ کریں۔ انڈے میں لپیٹ لیں اور بریڈ کرمبز لگالیں۔ اب سارے چکن ڈونٹس تیار کرنے کے بعد اسے فریج میں رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور اس میں ایک گھنٹے بعد ان ڈونٹس کو تل کر گولڈن کرلیں۔ مزے دار چکن ڈونٹس تیار ہیں۔ بونس ٹپ: ڈونٹس کی تیاری میں پانی کا استعمال بالکل نہ کریں۔

### لاہوری فش فرائی

اجزا: مچھلی، آٹھ ٹکڑے (چوکور کاٹ لیں) (مچھلی کو کھال کے ساتھ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، بیسن، ایک کپ۔ زیرہ سفید، ایک کھانے کا چمچ (موٹا کوٹ لیں)۔ ثابت دھنیا، ایک کھانے کا چمچ (موٹا کوٹ لیں)۔ قصوری میتھی، ایک کھانے کا چمچ (موٹا کوٹ لیں)۔ نمک، حسب ضرورت۔ چاٹ مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ کٹی ہوئی لال مرچ، آدھا چائے کا چمچ۔ ہلدی، ایک چٹکی۔ پسی کالی مرچ، آدھا چائے کا چمچ۔ گرم مسالا، آدھا چائے کا چمچ۔ اجوائن، آدھا چائے کا چمچ۔ بڑی ہری مرچیں، چھ عدد (کاٹ کر فرائی کرلیں)۔ زردے کا رنگ، ایک چٹکی (اگر نہ ڈالنا چاہیں تو نہ ڈالیں)۔ ادرک لہسن کا پیسٹ، ایک، ایک کھانے کا چمچ۔ لیمن، آدھا۔

ترکیب: مچھلی میں ادرک لہسن کا پیسٹ اور نیبو کا رس، نمک کے ساتھ ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ بیسن میں سارے اجزا مکس کرلیں، تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر پیسٹ بنالیں۔ خیال رہے کہ نہ اس میں گھٹلیاں بنیں اور نہ زیادہ گاڑھا ہو نہ پتلا تاکہ مچھلی پر اچھی طرح



Digitized by Google

کوٹ ہو سکے۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں، جب تیل گرم ہو جائے تو آنچ کو درمیانہ کر دیں، اس کے بعد مچھلی کو مکسچر میں اچھی طرح الٹ پلٹ کر کے فرائی کر لیں۔ جب ایک طرف سے مچھلی گولڈن ہو جائے تو پلٹ کر دوسری طرف سے بھی گولڈن کر لیں۔ پلیٹ میں نکال کر اوپر سے چاٹ مسالا چھڑک دیں۔ تلی ہوئی ہری مرچوں سے سجائیں۔ ہری چٹنی یا کیچپ کے ساتھ پیش کریں اور تعریفیں سمیٹیں۔

## دھی مٹھائی

اجزا: دودھ، ایک لیٹر۔ دہی، آدھا کپ۔ چینی، آدھا کپ

ترکیب: دودھ کو چولہے پر رکھ کر خوب گاڑھا ہونے تک پکائیں، یہاں تک کہ دودھ کی مقدار آدھی رہ جائے۔ وقفے، وقفے سے چمچہ چلاتی رہیں۔ آنچ کو درمیانہ کر دیں اور دودھ میں آدھی چینی شامل کر دیں اور چمچہ چلاتی رہیں یہاں تک کہ چینی گھل جائے۔ بقیہ چینی کو ایک الگ پین میں تھوڑا پانی ڈال کر پکائیں جب تک کہ چینی کا شیرہ نہ بن جائے۔ خیال رہے کہ آنچ کم ہو۔ جب چینی کا شیرہ بن جائے تو اس شیرے کو دودھ میں تھوڑا تھوڑا ڈالیں اور چمچہ چلاتی رہیں۔ جب چینی اچھی طرح سے دودھ میں مکس ہو جائے تو چولہا بند کر دیں اور دودھ کو نیم گرم ہونے کے لیے رکھ دیں۔ دہی جمانے کے لیے مٹی یا اسٹیل کا برتن استعمال کر سکتی ہیں۔ اگر بڑا برتن ہے تو پہلے برتن میں چار کھانے کے چمچ دہی ڈالیں، پھر اس پر اس دودھ کو ڈالیں۔ چمچے سے مکس کر لیں۔ کسی بھی ڈھکن یا فوائل سے برتن کو ڈھانک دیں۔ روم ٹمپریچر پر رکھ دیں۔ اگر گرمیوں کا موسم ہے تو چھ سے سات گھنٹوں میں دہی مٹھائی تیار ہو جائے گی۔ اگر موسم ٹھنڈا ہے تو تیاری میں دس سے بارہ گھنٹے درکار ہوں گے۔ جمنے کے بعد دو گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔

بونس ٹپ: اگر چھوٹا پیالہ استعمال کر رہی ہیں تو دہی کی مقدار کم ہو جائے گی یعنی دو کھانے کے چمچ۔

## جھوم آلو

اجزا: آلو، چار عدد۔ پسی ہوئی کالی مرچ، ایک چوتھائی چائے کی چمچی۔ میدہ، ایک کھانے کا چمچ۔ کارن فلور، دو کھانے کے چمچ۔ پسی ہوئی لال مرچ، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ چاٹ مسالا، آدھا چائے کا چمچ۔ نمک، حسب ضرورت۔ تیل، حسب ضرورت۔ لکڑی کی اسٹکس۔ (اسکیور)

ترکیب: آلوؤں کو گول، گول کاٹ لیں۔ (آلو نہ زیادہ موٹے ہوں نہ زیادہ پتلے، اس طرح سے کاٹیں کہ آخر میں ایک دوسرے سے انجیر کی طرح چپکے، چپکے رہیں) ان آلوؤں کو لکڑی کی اسٹکس میں پرو لیں۔ ہاتھوں کی مدد سے ان آلوؤں کو تھوڑے، تھوڑے فاصلے پر سیٹ کر لیں۔

اب ایک پیالے میں میدہ، کارن فلور، کالی مرچ، لال مرچ اور نمک ڈال کر چمچے سے مکس کر لیں اس کے بعد تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر پیسٹ بنا لیں۔ (پیسٹ گاڑھا یا بالکل پتلا نہ ہو) اس کے بعد جس اسٹک میں آپ نے آلو لگائے ہیں، اسے ایک پلیٹ کے اوپر رکھ کر چمچ کی مدد سے یہ آمیزہ آلوؤں پر لگا دیں۔ جب سارے آلو تیار ہو جائیں تو ایک کڑاہی میں تیل ڈالیں، جب تیل گرم ہو جائے تو آنچ درمیانی کر دیں اور ایک، ایک کر کے تمام اسٹکس کو اس تیل میں ڈال دیں۔ آلوؤں کو الٹ پلٹ کر کے اس وقت تک پکائیں جب تک کہ آلو گل نہ جائیں۔ جب آلو گل جائیں تو ان کو ایک پلیٹ میں نکال لیں (اسٹک لگی رہنے دیں)۔ اب اس پر چاٹ مسالا چھڑکیں اور کیچپ کے ساتھ پیش کر کے داد سمیٹیں۔

بونس ٹپ: اگر اوون میں پکانا ہے تو میدہ اور کارن فلور شامل نہ کیجیے گا، بیک کرنے کے لیے 180 ڈگری پر اوون کو سیٹ کریں۔

ہمیشہ یاد رکھیں امی کی ریسپی... کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

☆☆☆



Digitized by Google

# بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

## پہلا انعام یافتہ سوال

☆شاہینہ مسعود.....کمالیہ

سوال: زبان کی لغزش اور پاؤں کی لغزش میں سے کون سی زیادہ خطرناک ہوتی ہے؟

جواب: لغزش کوئی بھی ہو خطرناک ہی ہوتی ہے، بس کردار کی لغزش نہ ہو باقی خیر ہے۔

## دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ثمینہ کوکب.....جہلم

سوال: ماں کے پیروں کے نیچے تو جنت ہوتی ہے، ساس کے قدموں کے نیچے کیا ہوتا ہے؟

جواب: تمہارے شوہر کی جنت..... چاہے تو دونوں لے لو۔

☆سائرہ ارم ڈوگر.....کمالیہ

سوال: جس انسان کی سانس نکل جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا.....اور جس انسان سے احساس نکل جائے تو وہ.....؟

جواب: زندہ درگور.....

سوال: شوگر کے مریض کے لیے چینی زیادہ نقصان دہ ہے یا نکتہ چینی؟

جواب: ہاں اچھا نکتہ اٹھایا، نکتہ چینی بھی تو نقصان کرتی ہی ہے ناں.....

☆پروین افضل شاہین.....بہاول نگر

سوال: میں نئے سال کے پہلے دن اپنے میاں جانی کی چٹنی بنانا چاہتی ہوں کوئی آسان سی ترکیب تو بتادیں؟

جواب: بہت افسوس کی بات ہے۔ تم ہم سے یہ کام لینا چاہتی ہو۔

سوال: جنوری میں میری شادی کی سالگرہ ہوتی ہے ہمیشہ ہی سالگرہ والے دن میرے میاں جانی رات گیارہ بجے آتے ہیں اور میں شادی کے گفٹ کا تقاضا کرتی ہوں تو وہ کہتے ہیں اوہو.....میں تو بھول گیا؟

جواب: بس تو پھر تیس سال بعد اب عادی ہو جاؤ ناں۔

☆ساجدہ ظفر.....کمالیہ

سوال: لوگوں کو بیوقوف بنانا مشکل ہے یا اس پر قائل کرنا زیادہ مشکل ہے کہ وہ... بیوقوف بنائے جارہے ہیں؟

جواب: یہاں تو ہر کام ہی مشکل ہے اور اسی میں بندہ خود ہی بیوقوف بنتا چلا جاتا ہے۔

سوال: کسی کا تالا توڑنے پر رپورٹ تھانے میں درج ہو جاتی ہے، کسی کا دل توڑنے پر رپورٹ کیوں درج نہیں ہوتی؟

جواب: فکر نہ کرو، اللہ کے ہاں ہر قسم کی رپورٹ درج ہوتی ہے۔

☆سعیدہ بانو.....کوہِ مری

سوال: دو اور دو پانچ کب ہوتے ہیں؟

جواب: جب نیتوں میں فتور آجائے۔

سوال: دل کی بیماری اتنی خطرناک کیوں ہوتی ہے؟

جواب: دل ہی تو سب کچھ ہے بہن.....دل بند تو سب بند۔

☆ماہ نور خان.....بہارہ کہو

سوال: اس نئے سال میں آپ نے کیا، کیا پروگرام بنائے ہیں؟



Digitized by Google

جواب: اپنی اصلاح کے ہی پروگرام ہیں، اللہ پورا کرے۔

سوال: آپی ہم تو نئے سال کی خوب خوشیاں مناتے ہیں، آپ کیا کرتی ہیں؟

جواب: ہاں خوشی تو اس کی مناتے ہیں کہ ایک سال اور اللہ کی عبادت کرنے کو مل گیا..... اپنے گناہوں کے کفارے کا وقت مل گیا مگر ایک سال ہی کیوں ہمیں تو اگلے لمحے کی خبر نہیں، گزار پائیں گے کہ نہیں..... کیوں ٹھیک ہے ناں!

☆حمیرا انجم..... واہ کینٹ

سوال: کیا آپ نے کبھی نئے سال کی منصوبہ بندی کی ہے؟

جواب: جی الحمدللہ، میں اپنی زندگی ایک ٹائم ٹیبل اور منصوبہ بندی کے تحت ہی گزارتی ہوں۔

سوال: نئے سال کی آمد، آمد ہے، آپ کی دلی کیفیات کیا ہیں؟

جواب: میرے خیال میں تمام ماہ و سال اور موسموں کی خوب صورتی و بدصورتی کا تعلق آپ کے اندرونی موسم و ماحول سے ہے اگر وہ خوشگوار ہے تو سب کچھ اچھا ہی محسوس ہوتا ہے۔

سوال: نئے سال کے موقع پر اپنے ہم وطنوں کے لیے کوئی اچھا سا پیغام دیں؟

جواب: اپنے آپس کے اختلافات بھلا کر یکجا ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ یہی وقت کا تقاضا ہے۔

تسنیم کوثر..... کراچی

سوال: کیا آپ نے کبھی اڑتی چڑیا کے پر گنے ہیں؟

جواب: بھئی اتنے ہشیار نہیں ہیں ہم۔

سوال: ذرا یہ تو بتائیں کہ تبدیلی آگئی ہے، آئے گی یا آرہی ہے؟

جواب: ٹی وی دیکھ کر اس کا تو تم خود ہی جواب ڈھونڈ لو۔

سوال: ہر چینل پر ٹوٹکوں کی بہار ہے، کیا یہ ٹوٹکے نیم حکیم خطرۂ جاں تو نہیں ہوتے؟

جواب: نہیں کافی تحقیق سے دیے جاتے ہیں، کوئی ایک تو آزمالو۔

سوال: دل کے ہاتھوں مجبور ہونا سے مطلب کیا دل کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک سب ہوتے ہیں؟

جواب: جی ہاں سب کچھ حتیٰ کہ دماغ بھی ہوتا ہے۔

سوال: زبان کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ گہرا ہوتا ہے تو کیوں نہ تمام جنگیں زبان سے ہی لڑی جائیں، کیا خیال ہے؟

جواب: لگتا ہے اپنے آس پڑوس کا گہرا مشاہدہ ہے تمہیں۔

سوال: ایک طرف محبت ہو اور ایک طرف دولت کا ڈھیر آپ کدھر نظرِ کرم فرمائیں گی؟

جواب: محبت کی نظروں سے دولت کو دیکھیں گے اور کیا.....

☆فرحت احمد..... گلشن حدید

سوال: مس سے مسز بنا کر وہ ہمیں مس کیوں کرنے لگے؟

جواب: آپ کا ٹرانسفر کیا کالا پانی ہوگیا ہے۔

سوال: قانون کے لمبے ہاتھ مجرم کے بجائے جیبوں پر ہی کیوں پڑتے ہیں؟

جواب: بہت سے مجرم بھی تو اپنی جیبوں کی بدولت پکڑتے جاتے ہیں۔

سوال: گلے میں پڑا ہار اچھا اور گلے میں پڑی ہار کیوں بری لگتی ہے؟

جواب: نادیدہ چیز تو بری ہی لگے گی ناں۔

☆شاہینہ مسعود..... کالیہ

سوال: پرفیوم کی خوشبو تو ہر کوئی محسوس کرلیتا ہے مگر نیکی کی خوشبو چاہتے ہوئے بھی کیوں محسوس نہیں کی جاتی؟

جواب: دل و دماغ نیک ہو تو صرف یہی خوشبو محسوس ہوتی ہے، آزمالو۔

سوال: ساس کو زیر کرنے کا طریقہ بتادیں؟

جواب: خدمت، خدمت، خدمت..... کو پیش کردو۔

☆☆☆



Digitized by Google

## شادی کے لیے عمل

آج کل بلکہ ہر دور میں والدین اپنے بچے، بچیوں کی شادی کے سلسلے میں پریشان ہی نظر آتے ہیں، اس کے لیے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام پاک پر توکل کریں۔ ادھر ادھر بھاگنے کے بجائے اپنے واجبات کی ادائیگی پر توجہ مرکوز رکھیں۔ یہاں ایک مختصر وظیفہ دیا جارہا ہے اس پر عمل کریں۔

نماز فجر کی ادائیگی کے بعد چودہ مرتبہ درود شریف پڑھیں پھر ایک سو مرتبہ وَھُوَ اللَّطِیفُ الْخَبِیر پڑھیں۔

پھر چودہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر صدق دل سے دعا مانگیں، یہ عمل چالیس روز تک کرنا ہے۔

## بری عادات سے نجات کے لیے

غلط صحبت میں پڑنا، والدین کو پریشان کرنا، گھر والوں سے لڑائی جھگڑا کرنا وغیرہ۔ ایسے بچے کے لیے اس کے والدین سوتے ہوئے بچے پر ایک میٹر دور کھڑے ہو کر تھوڑی اونچی آواز میں سورۂ توحید یعنی سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) ایک مرتبہ پڑھ کر 21 دن تک دم کریں۔ ان شاء اللہ فوائد حاصل ہوں گے۔

## حصول اولاد کے لیے

جس کو اولاد سے مایوسی ہو اس کو چاہیے کہ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ اس دعا کو پڑھا کرے۔ اللہ پاک محمدؐ اور آلِ محمد کے صدقے صاحب اولاد کرے گا۔ اور فرزند نیک صالح پیدا ہوگا۔ یہ دعا حضرت زکریاؑ کی ہے۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِی فَرْداً وَاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِین

☆ اگر بانجھ عورت سات روزے رکھے اور روزانہ یَا مُصَوِّرُ 32 مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کرے اور پھر اسی پانی سے روزہ افطار کرے۔ ان شاء اللہ وہ عورت حاملہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ فرزند صالح عطا فرمائے گا۔

☆ عروج ماہ میں نوچندی جمعرات کو اول و آخر درود شریف تین، تین بار پڑھ کر ایک سو گیارہ (111) مرتبہ سورۂ الحمد شریف مع بسم اللہ و آمین کے پڑھ کر پانی پر دم کریں اور تھوڑا تھوڑا پانی دونوں میاں، بیوی پی لیا کریں۔ اس طرح سات جمعراتیں عمل کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ حمل رہے گا۔

## بچیوں کی شادی کے لیے

جن بیٹیوں کی عمریں حد سے گزر رہی ہوں، کہیں سے کوئی رشتہ نہ آئے تو تنہائی میں (یَا عَلِیُّ) 110 مرتبہ اور (یَا مُعْطِی) 129 مرتبہ مع اول و آخر درود شریف 11،11 مرتبہ پڑھے۔ ان شاء اللہ غیب سے سبب ہو جائے گا۔

## امتحان میں کامیابی کے لیے دعا

عشا کی نماز کے بعد اول و آخر گیارہ، گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ تین سو مرتبہ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ الْمَلِکُ الْقُدُّوْس پڑھ کر خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگیں یہ عمل امتحان کا نتیجہ آنے



Digitized by Google

تک جاری رکھیں۔

## نمازِ روزِ جمعہ

تعداد: چار رکعت۔ وقت: طلوع آفتاب سے زوال تک۔

طریقہ: ہر رکعت میں سورۂ حمد ایک بار سورہ ملک ایک بار سورۂ حٰم سجدہ ایک بار۔

فضیلت: اس نماز کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ نے فرمایا۔

1۔نمازی کو خداوند کریم جنت عطا فرمائے گا۔

(2) اہل بیتؑ اس کے شفیع ہوں گے۔

(3) قبر کے فشار اور محشر کی ہولناکی سے محفوظ رہے گا۔

(4) جب آیۂ سجدہ واجبہ پر پہنچے تو سجدہ کر کے کھڑا ہو بقیہ سورۂ مکمل کرے (جمال الاسبوع۔ فصل۴ ص۳۹۔۴۲)

## عمل تسبیح جناب فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا

خاص شرعی حاجات کے لیے دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر نیت کرے کہ تسبیح پڑھتا، پڑھتی ہوں (قربتہ الی اللہ) پھر 512 مرتبہ یعنی 5 تسبیحات اور مزید 12 مرتبہ تلاوت کرے پنجتن پاک کے پھر وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔ ان شاء اللہ بحکم پروردگار کامیابی ہوگی۔

## تسبیح کا طریقہ

اللہ اکبر 34 مرتبہ، الحمد للہ 33 مرتبہ اور سبحان اللہ 33 مرتبہ۔

## دعا برائے سلامتی

ہر قمری (اسلامی) مہینے کی یکم کے روز دو رکعت نماز مثل صبح ادا کریں۔ پہلی رکعت میں سورۂ الحمد کے بعد تیس مرتبہ سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) پڑھیں اور دوسری رکعت میں بعد سورۂ الحمد (فاتحہ) پھر تیس مرتبہ سورۂ قدر (انا انزلناہ) پڑھیں اور نماز تمام کریں بعد نماز حسب توفیق صدقہ دے اور اپنے لیے اور اپنے پیاروں کے لیے دعائے خیر طلب کریں۔

## اعجاز سورۂ یٰسین

انتہائی مشکل کے وقت سورۂ یٰسین کا یہ مجرب عمل مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ایک جمعرات سے اگلی جمعرات تک بعد نماز مغرب سورۂ یٰسین بعد چودہ مرتبہ درود شریف کے تلاوت کریں اور جہاں لفظ مبین آئے وہاں رک کر پروردگار عالم سے اپنی حاجت طلب کریں اسی طرح ساتوں مبین پر رک کر..... (بہ گریہ وزاری) دعا مانگیں اور پوری سورۂ مکمل کریں۔ آخر میں بھی چودہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر پنجتن پاکؑ کے وسیلے سے دعا طلب کریں۔ ان شاء اللہ حاجت روائی ہوگی۔

## برائے محبت زوجین (میاں، بیوی)

اگر میاں، بیوی میں اکثر جھگڑا یا بحث و تکرار رہتی ہو تو میاں، بیوی کے لیے اور بیوی، میاں کے لیے ہر نماز کے بعد 100 مرتبہ ذیل کی آیت پانی پر دم کر کے خود بھی پیے اور مطلوب کو بھی پلائے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْھُمْ مَّوَدَّۃً ط وَاللّٰہُ قَدِیْرٌ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے قریب ہے کہ اللہ تمہارے اور ان میں سے تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی پیدا کر دے اور اللہ تو قادر ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے (الممتحنہ ۷)

☆☆☆



Digitized by Google

پیاری بہنو! حسن توجہ کا طلبگار ہے مگر آپ کے چہرے اور ہاتھ پاؤں صرف آپ کی توجہ، چاہت اور نگہداشت مانگتے ہیں۔ کیا آپ چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹا بھی اپنے آپ کو نہیں دے سکتیں جبکہ آپ بیشتر وقت کچن میں گزارتی ہیں۔ اپنے آپ کو اپنے لیے اپنے گھر والوں اور اپنے پیاروں کے لیے پُرکشش بنانے میں یقیناً کوئی حرج نہیں۔ سو جناب پہلے پڑھیں ایلو ویرا (گھیکوار) کے بارے میں جس کی اصل افادیت سے ہم واقف نہیں ہیں۔

ایلو ویرا (گھیکوار) اور t.tree آئل کیا ہے اور ان کی کیا افادیت ہے؟

چکنی جلد والے ہوں یا نارمل سب کو ہی کبھی نہ کبھی ماحولیاتی آلودگی، بے آرامی اور غذا میں بے قاعدگی کے سبب کیل مہاسوں، سفید کیلوں اور جلد کے مردہ پن کی شکایت ہو جاتی ہے۔ دن بھر میں دس سے بارہ گلاس پانی جلد کی شادابی اور متوازن رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ چکنائی سے لبریز کھانے اور گوشت خوری صحت کے لیے شدید نقصان کا باعث ہے۔ پروردگار عالم نے ہر حلال چیز کے پاس جانے سے نہیں روکا مگر ساتھ ہی ساتھ اعتدال اور میانہ روی کا بھی درس دیا ہے۔

قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہے۔ ”اپنے شکم کو جانوروں کا قبرستان مت بناؤ۔“ تو جناب اس میں بھی یقیناً حکمت ہی ہوگی کہ متوازن غذا کیوں اختیار کی جائے۔ اچھا بات ہو رہی تھی گھیکوار کی۔ جو خواتین کیل مہاسوں اور سفید کیلوں کے مسائل سے دور چار ہو چکی ہیں اور اپنی جلد کو پہلے کی طرح صاف شفاف بنانے کے لیے بے چین ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اپنے پاس ہمیشہ t.treeoil اور خالص ایلو ویرا ضرور رکھیں۔

ایلو ویرا (گھیکوار) پودا ہوتا ہے جو ہر پلانٹ نرسری میں ضرور موجود ہوگا کیونکہ یہ دونوں قدرت کے عطا کردہ عطیے ہیں جو اینٹی سیپٹک اور اینٹی بیکٹریل خصوصیات سے بھرپور ہونے کی وجہ سے مہاسوں پر حملہ آور ہو کر انہیں جلد پر برسے اس طرح ختم کر دیتے ہیں جیسے وہ جلد پر کبھی تھے ہی نہیں۔

t.tree oil اور ایلو ویرا میں چونکہ کوئی مصنوعی کیمیائی جز نہیں ہوتا اس لیے یہ جلد کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ ان کے استعمال کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ رات کو سونے سے پہلے جلد کو اچھی طرح سادہ پانی سے دھو کر (خیال رہے میک اپ وغیرہ، کلینزنگ ملک سے صاف کر لیا جائے) اس پر خالص ایلو ویرا کا ہلکا سا مساج کریں اور پھر پانی سے چہرہ دھو لیں۔

ایلو ویرا کے پتوں کو کاٹ کر جو مواد نکلے اسے استعمال کریں، پتے پہلے دھو لیں۔ چہرہ دھونے کے بعد ہمیشہ نرم سوتی کپڑے سے تھپتھپائیں۔ اس کے بعد چند قطرے t. tree آئل (جو کسی بھی کاسمیٹک شاپ پر دستیاب ہوگا) کو مہاسوں پر اور پوری جلد پر بڑی ملائمت کے ساتھ لگائیں اور سو جائیں۔

اگر آپ کی جلد خشک ہے یا آپ سردیوں میں اس کا استعمال کر رہی ہیں تو اس آئل میں چند قطرے عرق گلاب اور روغن بادام بھی شامل کر لیں، صبح اٹھ کر جلد کو پہلے روئی سے ہلکے، ہلکے صاف کریں یا پھر پانی سے دھو کر ایک دفعہ پھر صرف ایلو ویرا کا مساج کریں اور کچھ دیر بعد دھو ڈالیں۔ اس بیوٹی ٹیکنک کا متواتر استعمال یقیناً خوشگوار اثرات مرتب کرے گا۔ ان شاء اللہ..... چکنی جلد کے بارے میں کہا جاتا ہے یہ دیر سے جھریوں کا باعث بنتی ہے پھر یہ تو اس کا مثبت پہلو ہے۔



Digitized by Google

شوابے
ہومیو کلینک
SCHWABE

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)


## چہرے پر دانے

ارمغاں.....فیصل آباد

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر دانے نکل رہے ہیں جو کہ سرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔ اچانک نکلتے ہیں اور غائب ہوجاتے ہیں۔ کبھی بعض اوقات اتنے نکلتے ہیں کہ چہرہ عجیب سا لگتا ہے۔ برائے مہربانی کوئی دوا تجویز فرمائیں۔

جواب: آپ اپنے کھانے میں موسمی پھلوں اور سبزیوں خصوصاً گاجروں کا اضافہ کیجئے۔ منہ پر کسی قسم کی کوئی کریم استعمال نہ کریں۔ دن میں پانچ سے چھ مرتبہ پانی سے دھویا کریں۔ صبح سویرے کی دھوپ یا شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے کی دھوپ میں 15 منٹ تک روزانہ بیٹھیں۔ ساتھ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Juglans Regia 30 روزانہ ایک خوراک یا Gun Powder 3X دن میں تین مرتبہ لیں۔


ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

فروری 2019ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: _____

پتا: _____

_____


## مجھے قد بڑھانا ہے

ناصرہ.....بہاولپور

میری عمر 18 سال ہے اور وزن 50 کلو ہے۔ میرا قد 5 فٹ 2 انچ ہے۔ کئی سال سے میرا قد نہیں بڑھ رہا




Digitized by Google

ہے۔ برائے کرم قد بڑھانے کی کوئی دوا تجویز کریں۔

جواب: قد 7 1 سال بعد کم ہی بڑھتا ہے۔ اور خاندانی اثرات بھی ہوتے ہیں۔ لیکن کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ اچھی متوازن غذا استعمال کریں۔ متوازن غذا سے مراد انڈا، دودھ، مکھن، گھی، گوشت (گائے، بکرا، مچھلی) دالیں، پھل وسبزیاں لیں۔ صبح سویرے ورزش کا اہتمام کریں خصوصاً لٹکنے والی ورزش آپ کے لیے مفید ہے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Thyroidinum30 صبح وشام کھائیے اور Baryta Carb 30 دوپہر اور رات کھانے کے بعد پانچ پانچ قطرے استعمال کیجئے اور اپنے احوال سے بھی آگاہ کرتی رہیں۔

## سر کے بال گر رہے ہیں

### ازکاء.....اسلام آباد

میرا مسئلہ یہ ہے کہ کافی عرصے سے میرے سر کے بال گر رہے ہیں اور سر میں خشکی بھی ہے۔ مختلف قسم کے تیل اور شیمپو استعمال کیے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آپ کوئی اچھا سا نسخہ تجویز فرمادیں۔

جواب: اپنے بالوں کی صفائی کا خیال رکھیں۔ اچھی اور متوازن غذا کا استعمال کریں۔ خوشبو والے صابن اور تیل کا استعمال ترک کردیں۔ صبح ناشتے کے بعد ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Acid Flour 30 دوپہر کو کھانے کے بعد Vinca Minor 3 اور Acid Phos Q کے پانچ قطرے ایک گلاس پانی میں رات کو سوتے وقت استعمال کریں۔ ایک مہینے بعد اپنے حال سے آگاہ کریں۔

## مٹاپا

### رہان.....لاہور

میری عمر 20 سال ہے لیکن میرا وزن 65 کلوگرام ہے۔ سینہ 34 انچ اور پیٹ 36 انچ چوڑا ہے۔ میں بہت موٹا ہوں۔ دودھ، انڈے اور میٹھی چیزوں سے مجھے رغبت ہے اور ورزش سے مجھے چڑ ہے۔ مٹاپے کی وجہ سے گھٹنے میں درد رہتا ہے اور سر میں بھی ہلکا سا درد رہتا ہے۔ سر کو گھمانے سے سر میں چکر آتے ہیں۔ اس مٹاپے کی وجہ سے میں مناسب طور پر کپڑے بھی نہیں پہن سکتا اور دوسرے لوگ میرا مذاق اُڑاتے ہیں۔

SCHWABE

جواب: سب سے پہلے آپ اپنی غذا کی طرف توجہ دیں۔ دن میں بھوسی والی ایک روٹی کھائیں، ہر کھانے سے پہلے ایک پیالہ سوپ پئیں، سبزیوں میں گاجر، ٹماٹر، سلاد اُبال کر یا کچی بھی استعمال کریں۔ موسمی پھل اور سیب استعمال کریں۔ کیلا، آلو اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں، ورزش ضرور کیا کریں، کم از کم ایک گھنٹا پیدل چلیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی روزانہ ایک خوراک 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں Calc Carb 200 کے اور Phytolacca e Baccis کے 7 قطرے آدھا کپ پانی میں دوپہر کھانے کے بعد استعمال کریں۔ رات سونے پہلے Nux vomica30 کی ایک خوراک یعنی 7 قطرے ایک گھونٹ پانی میں لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

## یادداشت

### ارسلا.....چیچہ وطنی

میری یادداشت بہت کمزور ہے۔ جو کچھ یاد کرتی ہوں وہ میں دوسرے دن بھول جاتی ہوں۔ دوسرے یہ کہ مجھے یاد بھی دیر سے ہوتا ہے۔ جب پڑھنے بیٹھتی ہوں تو مختلف خیالات ذہن کو پریشان کرتے ہیں اور جب خالی پیٹ ہوتی ہوں تو معاملہ اور خراب ہوجاتا ہے اسی وجہ سے میں امتحان میں بار بار فیل ہوجاتی ہوں۔ برائے مہربانی کوئی ایسی دوا تجویز فرمائیں کہ میری یاد داشت بہتر ہوجائے۔

جواب: دن میں تین مرتبہ Anacardium



Digitized by Google

30 ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی تھوڑے سے پانی میں 10 قطرے اور Avena Sativa Q Acid Phos Q کے 5,5 قطرے گرم پانی میں استعمال کریں۔ پوری توجہ سے یکسو ہو کر پڑھا کریں۔ جس چیز کو یاد کرنا ہو اس کو پہلے اچھی طرح پڑھیں پھر اس کو تین یا چار بار لکھا کریں۔ اس طرح اچھا یاد ہو جائے گا۔

## بار بار واش روم جانے کی ضرورت

### رفیق......کوئٹہ

میں جب کوئی چیز کھاؤں یا کھانا کھاؤں تو مجھے اس کے فوراً بعد اجابت ہو جاتی ہے۔ برائے مہربانی اس کا کوئی علاج تجویز کر دیں کیونکہ اس وجہ سے میں کسی دعوت میں شرکت کرنے سے گھبراتا ہوں۔ مجھے میٹھی چیزیں بہت زیادہ پسند ہیں۔

جواب: چربیلی غذاؤں سے پرہیز کریں۔ تین حصے کھانا اور ایک حصہ خالی چھوڑ کر کھانا کھائیں تا کہ ہضم ہو سکے۔ بار بار کھانے پینے سے پرہیز کریں۔ تیز مرچ مصالحے اور گائے کے گوشت سے پرہیز کریں۔ کھچڑی، چاول کھائیں، موسم کے پھل بھی استعمال کریں، انار کے دانے کھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Argentum Nitricum 30 کے 5,5 قطرے چار مرتبہ لیں۔ پندرہ دن استعمال کر کے بتائیں۔

## موٹا ہونا چاہتا ہوں

### مہندر کمار......ٹنڈو الہ یار

میری عمر 24 سال ہے اور میرا وزن 45 کلو گرام ہے۔ میں تقریباً ہڈیوں کا ڈھانچا نظر آتا ہوں۔ مناسب کھاتا پیتا ہوں مگر پھر بھی موٹا نہیں ہوتا۔ چار مہینے بعد میری شادی ہونے والی ہے۔ برائے مہربانی کوئی ایسی دوا تجویز کریں کہ میں موٹا ہو جاؤں۔

جواب: آپ تفصیل سے اپنا حال لکھیں جس میں اپنے جسم کی ساخت اور مزاج کے بارے میں بھی لکھیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Alfalfa Q کے 11 قطرے ہر کھانے سے ایک گھنٹا پہلے آدھا گلاس پانی میں لیں۔ Calc Carb 30 کے 5 قطرے دن میں تین مرتبہ آدھا گلاس پانی میں لیں۔ ناشتے میں، دودھ، مکھن، دہی، بالائی، پراٹھا استعمال کریں۔ نشاستے دار غذائیں، کھجور، کیلا اور آلو کھائیں۔ ہلکی ورزش کیا کریں۔

## نوجوانوں کا مسئلہ

### فہیم......کراچی

(برائے مہربانی سوال شائع نہ کریں)

جواب: بری صحبت اور مخرب اخلاق ناول و فلموں سے بچیں۔ اللہ سے توبہ کریں۔ اچھی کتابیں پڑھیں، اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں۔ نماز کی پابندی کریں، ورزش کیا کریں اور اپنے آپ کو مصروف رکھا کریں۔ مرغن اشیا، گوشت، مچھلی، انڈا، خشک میوے سے مکمل پرہیز کریں، سبزیوں کا استعمال زیادہ کریں۔ دن میں چار مرتبہ Staphysagria 30 ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی۔ دن میں دو دفعہ Conium 30 اس کے علاوہ Acid Phos Q اور Avena Sativa Q کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں لیں۔

## پیشاب کی زیادتی

### ارقم......فیصل آباد

میں ایک اسٹوڈنٹ ہوں۔ مجھے دو سال سے یہ مسئلہ ہے کہ مجھے پیشاب بہت زیادہ آتا ہے۔ جلن بالکل نہیں ہوتی مگر قطرہ قطرہ آتا ہے۔ دن میں 20 سے پچاس مرتبہ تک۔ بہت زیادہ کمزور ہو گئی ہوں۔ جسم ہڈیوں کا ڈھانچا سا بن گیا ہے۔ میری خوراک بالکل ٹھیک ہے دو سال سے میڈیسن اور دیسی ٹوٹکے کر کر کے میں تھک چکی ہوں۔ میری یادداشت بہت زیادہ کمزور

URDU TUBE



Digitized by Google

ہوتی جارہی ہے۔مہربانی ہوگی میرے مسئلوں کا بہتر علاج بتائیں۔

جواب: آپ کی علامات ناکافی ہیں۔صحیح تشخیص کے لیے urine D/R,Thyroid Profile, U/S Pelvis,HbA1C کرواکر رپورٹس بھیجیں۔ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Gelsemium30,Anacardium30 Merc.cor 30 اور Iodium 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔

## نسوانی مسائل

### ثمینہ......چیچہ وطنی

مجھے دو سال سے لیکوریا کا مسئلہ ہے۔کبھی زیادہ ہوجاتا ہے تو کبھی کم۔میں بہت کمزور ہوں مجھے بھوک بہت کم لگتی ہے، کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا اور پیٹ میں کبھی کبھی درد بھی ہوتا ہے۔میرے جسم میں خون کی کمی ہے۔پورے جسم میں درد رہتا ہے۔ڈاکٹر کو چیک کروایا تو انہوں نے بس کمزوری بتائی۔باقی سب کچھ نارمل ہے۔میرا جگر خون بالکل پیدا نہیں کرتا۔میں دودھ بھی پیتی ہوں اور فروٹ بھی کھاتی ہوں لیکن پھر بھی بہت کمزور ہوں۔ہڈیاں نظر آتی ہیں۔صحت روز بروز گرتی جارہی ہے۔نسوانی حسن کی بھی بہت کمی ہے۔میری آنکھوں کے گرد حلقے بھی ہیں۔چہرے اور رنگ بھی سیاہی مائل ہورہا ہے۔مجھے میرے مسائل کا حل اور دوائیں بتائیں تاکہ میں جلد صحت یاب ہو جاؤں۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دیں گے۔(آمین)

جواب: خون کی کمی کا کوئی ٹیسٹ کروایا ہے؟ اس کے بغیر آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ خون کی کمی ہے اور خون نہیں بن رہا۔CBC اور Thyroid Profile کراکر رپورٹ بھیجیں اور ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Bovista 30 Ferum Met 30,Iodium 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں تین مرتبہ استعمال کریں۔لیکوریا کس رنگ کا اور کب ہوتا ہے۔جلن، خارش کے متعلق بھی لکھیں۔

## تلووں میں جلن

### علی عمران......راولپنڈی

مجھے گزشتہ ایک سال سے پاؤں کے تلووں میں جلن ہو رہی ہے۔ہر قسم کے میڈیکل علاج ہومیو پیتھک اور دیسی علاج کروا چکا ہوں لیکن کوئی بھی فائدہ نہیں ہوا۔میرا یورک ایسڈ پہلے بڑھا ہوا تھا اب دواؤں سے کنٹرول ہے۔شوگر ٹھیک ہے۔بائیں پاؤں میں بہت شدید جلن ہو رہی ہے۔بند جوتے پہننا میرے لیے بہت مشکل ہو گیا ہے۔میرے سر کے بال بہت تیزی سے سفید ہو رہے ہیں۔یادداشت بھی میری بہت کمزور ہو گئی ہے ان سب کے لیے ... دوائیں تجویز کریں۔

جواب: سبزیوں اور پھلوں کا استعمال بڑھا دیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔صبح نہار منہ ایک دفعہ 2 قطرے آدھا کپ پانی میں Sulphur 200 کے۔ایک دن کے بعد 30 Iodium اور Acid Phos 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں HbA1C کا ٹیسٹ کرا کر ایک ماہ کے بعد اپنی طبیعت سے مطلع کریں۔

## خارش اور ناک کی ہڈی

### مہر النساء......راولپنڈی

میری ناک کی ہڈی بڑھی ہوئی ہے۔اکثر نزلہ زکام رہتا ہے۔دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جسم پر اکثر خارش رہتی ہے۔پسینہ آنے پر یا پانی لگنے پر جلن ہوتی ہے۔دانوں میں پیپ نہیں ہوتی۔مگر جلن اور خارش کی



Digitized by Google

وجہ سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہومیو کا کافی علاج کروایا۔ وقتی طور پر خارش میں افاقہ ہوتا ہے مگر کچھ عرصہ ..... بعد پھر خارش شروع ہوجاتی ہے۔ برائے مہربانی دونوں مسئلوں کے لیے دوا تجویز کریں۔

جواب: ٹھنڈی کھٹی چیزوں سے پرہیز کریں۔ گرم کے بعد ٹھنڈا یا ٹھنڈے کے بعد گرم استعمال نہ کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ صبح نہار منہ Sulphur 200 کی ایک خوراک یعنی 7 قطرے آدھا کپ پانی میں لیں۔ اس کے ایک دن بعد Belladona30 Calc.flour, 30، Kali.mur 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر پیا کریں۔ ایک ماہ کے استعمال کے بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

## فسچولا

### نذیر..... ٹنڈو آدم

میں اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہو رہا ہوں اُمید ہے آپ کا بورڈ رہنمائی کرے گا۔ میں کافی عرصے سے Fistula کا شکار ہوں میں نے کوئی دھیان نہ دیا طرح طرح کے مرہم، کریم لگا تا رہا مگر بے سود۔ پھر سرجن کو دکھایا تو معلوم ہوا کہ یہ فسچولا ہے اس کا آپریشن ہوگا۔ لوگوں سے مشورہ کیا اور کئی جگہ پڑھا بھی کہ یہ پھر پانچ۔ چھ ماہ بعد ہوجاتا ہے۔ جب یہ دانہ بنا کافی خون نکلا مگر دانے میں نہ کوئی جلن ہے نہ درد پھر کسی نے کہا ہومیو علاج کرواؤ۔ میں نے تین ماہ دوا کھائی مگر دانہ ختم نہ ہوا۔ آپ سے گزارش ہے کہ بورڈ ایسی دوا تجویز کرے کہ جڑ سے یہ مرض ختم ہوجائے۔ بڑا گوشت، انڈا، مچھلی، تلی ہوئی چیزیں، بیکری آئٹم سب بند کردیے ہیں۔ بادی چیزوں سے بھی پرہیز کرتا ہوں۔ آپ کا بڑا احسان ہوگا کہ اس کا حل تجویز کردیں۔ اللہ آپ کو اس کی جزا دے گا۔ آمین!

جواب: تیز مرچ مصالحوں کے سوا سب کچھ کھائیں۔ قبض نہ ہونے دیں۔ تازہ پھل اور سبزیاں زیادہ سے زیادہ کھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sulphur 200 کی ایک خوراک صبح نہار منہ لے کر ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی ہی کی دوا..... .... Peonia 30 کے 5،5 قطرے دن تین بار لیں اور پندرہ دن بعد دوبارہ حالت بتائیں۔

## پیریڈ سے پہلے لیکوریا

### قمر النساء..... دیر

میں پاکیزہ میں شوابے کلینک کئی سال سے پڑھ رہی ہوں۔ یہ بہت اچھا سلسلہ ہے اور ہم جیسے لوگ جو چھوٹے شہروں میں رہ رہے ہیں ان کو بہت فائدہ ہو رہا ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ماہانہ پیریڈ سے ایک ہفتہ پہلے لیکوریا ہوجاتا ہے، ساتھ کمر اور ٹانگوں میں درد ہوتا ہے۔ مجھے دماغی اُلجھن بہت زیادہ ہے۔ کچھ فیملی کے مسئلے مسائل بھی ہیں اور کچھ سوچتی بھی بہت زیادہ ہوں۔ کھانا پینا بس نارمل ہے۔ آپ مجھے اچھی سی دوا دیں اور یہ بھی بتائیں کہ دوا کتنے عرصے کھانی ہے۔ ہمیشہ آپ کی شکر گزار رہوں گی۔

جواب: اپنی پریشانی پر اللہ کی طرف راغب ہوں۔ متوازن غذا کھائیں۔ درجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں Kali.phos 30 , Bovista 30 , Pulsatilla 30 کے 5,5 قطرے ایک کپ پانی میں ڈال کر تین مرتبہ استعمال کریں۔ Magnesium PhosPtk 60 کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ تین ماہ تک لیں۔

☆☆☆


Dr.Willmar Schwabe Germany
Available at All Medical & Homoeopathic Stores
شوابے سنگل ریمیڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی




Digitized by Google